سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
3
محی الدین نواب
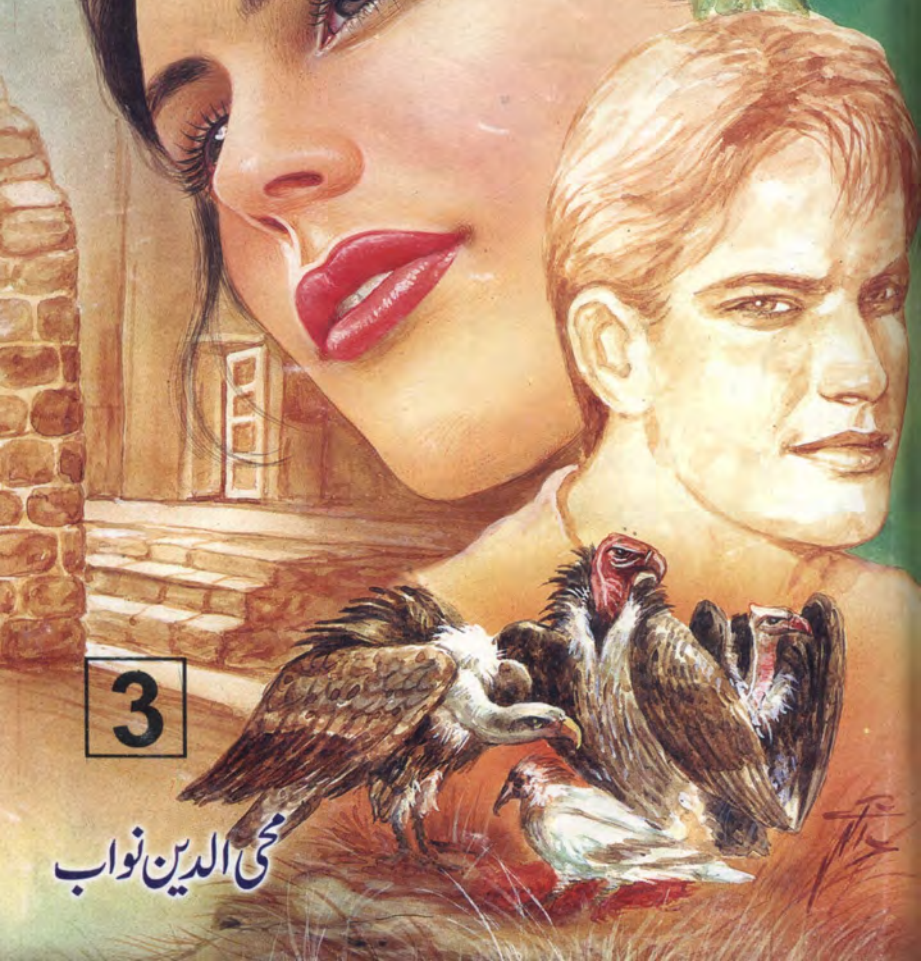
مقدر

انسان کے روز و شب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیر نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

پھر جلد ہی اسے یاد آیا کہ وہ اپنی بینائی کھو چکی ہے۔ اس کے لیے دن اور رات برابر ہو چکے ہیں۔ وہ ہر رات عروج کے ساتھ سوتی تھی۔ اس نے آواز دی ''عروج! تم کہاں ہو؟ جواب میں خاموشی رہی۔ اس نے ذرا اونچی آواز میں پکارا ''عروج! کیا تم واش روم میں ہو؟''

پھر بھی جواب نہ ملا۔ وہ جب واش روم میں جاتی تھی تو دروازے کو کھلا رکھتی تھی تاکہ عینی کی باتوں کا جواب دے سکے۔ اس وقت عینی کو کہیں سے جواب نہیں مل رہا تھا۔

وہ بیڈ کی چادر پر دونوں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ تب اسے پتا چلا کہ وہ اس کا اپنا بیڈ نہیں ہے۔ وہاں پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس نے دونوں مٹھیوں میں پتیاں لے کر انہیں محسوس کیا۔ سانسوں کے قریب لا کر سونگھا تو وہ گلاب کی تازہ پتیاں تھیں۔

وہ پریشان ہو کر بستر کو ٹٹولنے لگی۔ سرہانے والے حصے کو چھو کر دیکھا تو پتا چلا کہ یہ اس کا بیڈ نہیں ہے۔ وہ کسی دوسرے کے بستر پر پہنچی ہوئی ہے۔ پریشانی اور خوف سے دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی۔ تب اسے یاد آنے لگا کہ وہ تو عروج کے ساتھ کار میں تھی۔ عروج اس کی دوا لینے ایک ہاسپٹل کے اندر گئی تھی۔ اسی وقت اس نے پاشا کی آواز سنی تھی اور دروازہ کھول کر کار سے نکل آئی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا کہ پاشا کی آواز سنتے ہی وہ کیسی پاگل سی ہو گئی تھی۔ اس آواز کے پیچھے بے اختیار چلی جا رہی تھی۔ ٹھوکریں کھا رہی تھی، سنبھل رہی تھی۔ آخر وہ ایک گاڑی کے کھلے دروازے سے ٹکرا گئی تھی پھر کسی نے اسے دھکا دیا تو وہ گاڑی کے اندر پہنچ گئی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن کسی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ دیا۔ جس میں بے ہوشی کی دوا تھی۔ وہ دوسرے ہی لمحے میں اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی۔

یہ باتیں یاد آتے ہی پریشانی بڑھ گئی۔ خوف طاری ہونے لگا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ مگر کس نے کیا ہے؟

وہ رونے کے انداز میں سوچنے لگی ''میں تو اپنے پاشا کی آواز کے پیچھے جا رہی تھی۔ کیا پاشا میرے آگے نہیں تھا؟ کیا اس نے مجھے اغوا ہوتے نہیں دیکھا تھا؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ وہ مجھ سے محبت کر رہا ہے یا مجھے تماشا بنا رہا ہے؟

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ اس تاریکی میں دردانہ کی آواز سنائی دی ''میری بیٹی کیوں رو رہی ہے؟''

عینی نے چونک کے اپنے چہرے پر سے دونوں ہاتھ ہٹائے پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے آواز سنائی دی ''میں یہاں ہوں۔ تم تاریکی میں ہو مگر

میں روشنی میں ہوں۔ یہ کمرا روشن ہے۔ تم ایک شہزادی کی طرح زندگی گزارتی آرہی ہو اس لیے اس کمرے میں بھی تمہاری آسائش کی ہر چیز موجود ہے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "آپ دل جلا کر ٹھنڈک پہنچانے والی بات کررہی ہیں۔ یہ اب میں سمجھی کہ آپ نے مجھ سے یہ زیادتی کی ہے اور آپ کے غنڈے بدمعاش مجھے اٹھا کر یہاں لائے ہیں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولی "مجھے الزام نہ دو۔ تم خود ہی پاشا کی آواز کے پیچھے بھاگتی ہوئی یہاں تک آئی ہو۔"

"میں اپنے پاشا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے گڑھے میں گر جاتی لیکن یہاں کبھی نہ آتی۔"

"چلو تم نہ آتیں میں تمہیں لے آئی۔ کیا کروں بیٹی؟ میں نے تمہیں پیار سے سمجھایا کہ میرے بیٹے جواد سے شادی کرلو۔ میری بہو بن جاؤ لیکن تم نے نہ صرف انکار کردیا اور میری توہین کی۔ ایک ماں اس وقت اپنی توہین محسوس کرتی ہے جب اس کے بیٹے کو مسترد کیا جاتا ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ اپنے بیٹے کا رشتہ مانگنے کہیں جائیں اور وہاں سے انکار ہوجائے تو آپ اپنی توہین سمجھنے لگیں۔"

"میں ایسی ہی ماں ہوں۔ اپنے بیٹے کے لیے زمین کے اندر چھپے خزانے بھی ڈھونڈ کرلا سکتی ہوں۔"

"یہی غرور آپ کو کھا گیا۔ جس بیٹے پر ناز تھا وہ مارا گیا۔"

"تمہارا بھائی ذیشان بھی مارا جائے گا اور تم میری بہو بننے سے انکار کروگی تو میں تمہاری بھی زندگی حرام کردوں گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی "آخر آپ مجھے اپنے کس بیٹے کی بہو بنانا چاہتی ہیں؟"

"میرے بیٹے کا نام ہے سلامت پاشا عرف پاشا جانی۔"

وہ گم صم سی ہو کر تاریک خلا میں تکنے لگی پھر اس نے پوچھا "کیا پاشا اپنی خوشی سے آپ کا بیٹا بن گیا ہے؟"

"کسی سے جبراً کوئی رشتہ جوڑا نہیں جاتا۔ پاشا راضی خوشی مجھے اپنی ماں تسلیم کرتا ہے۔ میں ابھی اسے یہاں بلاتی ہوں۔ تم اس سے جی بھر کے باتیں کرلینا۔ اس کی بارے میں، میرے بارے میں، اپنے بارے میں جو چاہو بات کرلینا۔"

"آپ اسے بلائیں میں پوچھنا چاہتی ہوں وہ میرے ساتھ تماشا کیوں کررہا ہے؟"

"وہ نہیں کررہا ہے، تماشا میں کررہی ہوں۔ آج تم اس کی آواز کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی ہو۔ دراصل اس وقت میں نے اس کی آواز ایک کیسٹ میں ریکارڈ کرلی ہے۔ میرا ایک آدمی تمہاری کار کے سامنے سے وہی کیسٹ سناتا ہوا گزرا تو تم نے یہی سمجھا کہ پاشا بولتا ہوا جارہا ہے۔ لہٰذا تم اس کے پیچھے بھاگتی چلی آئیں۔"

"کیا وہ نہیں جانتا کہ مجھے کس طرح لایا گیا ہے؟"

"پہلے نہیں جانتا تھا۔ میں نے ابھی اسے بتایا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ ناراض ہے۔ کہہ رہا تھا کسی شریف زادی کو اس طرح اغوا نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر وہ تمہیں چاہتا ہے، تم سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے میرے اشاروں پر چلنا ہوگا۔"

"کیا آپ نے اسے قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے؟"

"نہیں۔ اب میں تمہیں سچ بتادوں کہ اس کی یادداشت گم ہوچکی ہے۔ وہ پچھلی زندگی بھول گیا ہے۔ اپنے آپ کو بھی بھول گیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے صرف اتنا ہی یاد دلایا کہ اس کا نام پاشا ہے۔ وہ عینی نام کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور یہ کہ میں اس کی سگی ماں ہوں اور اس کے باپ کا نام شہباز درانی ہے۔"

"میں اسے اس کی پچھلی زندگی یاد دلانے کی کوشش کروں گی۔"

"اگر تم ایسی حماقت کروگی تو پچھتاؤ گی۔ پھر پاشا تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔"

عینی چپ رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ دردانہ نے کہا "سوچو، اچھی طرح سوچ لو تمہیں اب کیا کرنا چاہیے۔ ذرا سی بھی حماقت کروگی تو پاشا کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دوگی اور تم بھی یہاں سے کبھی باہر نہیں نکل سکوگی۔"

وہ رونے کے انداز میں بولی "آپ کیوں میرے پیچھے پڑگئی ہیں۔ اس طرح خوا مخواہ مجھے اپنی بہو بنا کر آپ کیا حاصل کرلیں گی؟"

"میں تمہارے خاندان والوں کی ناک نیچی کروں گی۔ سب نے مجھے حقارت سے کہا تھا کہ تمہارے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک نوجوان ہے۔ ان کے مقابلے میں جواد کو کبھی اس گھر کے داماد کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "تمہارے خاندان والوں نے اپنی ضد پوری کرلی۔ تمہارے ذیشان بھائی نے میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ تمہیں بہو بنانے کی میری

خواہش حسرت بن کر رہ جائے لیکن میں ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ آج تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔"

عینی نے پریشان ہو کر پوچھا "آج؟"

"ہاں۔ یہاں پاشا کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھانے کی تیاریاں ہوچکی ہیں۔ قاضی صاحب دوسرے کمرے میں موجود ہیں۔"

"میں صرف عروج اور اپنے بزرگوں کی موجودگی میں نکاح قبول کروں گی۔"

"بعد میں انہیں تمہارا نکاح نامہ دکھا دیا جائے گا۔ میں تم سے زیادہ بحث نہیں کروں گی۔ یاد رکھو اگر تم نے آج نکاح قبول نہیں کیا تو ابھی تمہارے سامنے پاشا کو گولی ماردی جائے گی۔"

عینی کے دماغ کو ایسا جھٹکا لگا جیسے پاشا کو واقعی گولی ماردی گئی ہو۔ تصور کی آنکھ سے تاریکی میں دردانہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی "میں جارہی ہوں اور ابھی پاشا کو یہاں بھیجتی ہوں۔ تم دونوں کو زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے تک باتیں کرنے کا موقع دوں گی۔ اس کے بعد پاشا نے آ کر کہہ دیا کہ تم نکاح کے لیے راضی ہو تو نکاح پڑھا دیا جائے گا۔ انکار کی صورت میں تم سمجھتی ہو کہ میں کیا کرسکتی ہوں۔"

ایک ذرا توقف سے اس کی آواز سنائی دی "میں جارہی ہوں اور ابھی پاشا کو بھیجتی ہوں۔"

وہ بولی "پلیز، ذرا رک جائیں۔ میری ایک بات مان لیں تو میں نکاح قبول کرلوں گی۔"

"بولو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"آپ جانتی ہیں کہ میں عروج کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔ بس میری ایک بات مان لیں۔ آپ صرف اسے یہاں بلائیں۔ میں اس کی موجودگی میں نکاح قبول کرلوں گی۔"

وہ بولی "سوری، تمہارا اپنا یہاں کوئی نہیں ہوگا۔ شادی کے بعد تم اپنے تمام رشتے داروں سے مل سکوگی۔"

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اس نے اسے آواز دی "آپ موجود ہیں نا؟ عروج کو یہاں نہ بلائیں کم سے کم فون پر اس سے بات کرنے دیں۔"

وہ چپ ہوگئی۔ جواب سننا چاہتی تھی لیکن جواب نہیں ملا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ بدنصیبی کے اندھیرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

پاشا جانی دوسرے کمرے میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے تین دنوں سے بہت پریشان تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اجنبی ماحول میں ہے۔ یہ جو دردانہ بیگم اور شہباز درانی ہیں، اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ البم میں اس کے ساتھ چند تصاویر تھیں اور اس کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ڈائری تھی۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کا بیٹا ہے لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔

یہ کہا جاسکتا تھا کہ اس کی دماغی کمزوری رفتہ رفتہ دور ہو رہی تھی۔ اس کی یادداشت دبے قدموں توانائی کی طرف گامزن تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک بار عروج کو خواب میں دیکھا تھا۔ عروج اپنے اسپتال والے کوارٹر میں اس کے ساتھ تنہا تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی تھی تو عروج نے پریشان ہو کر کہا "پتا نہیں اتنی رات کو کون آیا ہے۔"

عروج نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو باہر پر ذیشان کھڑا ہوا تھا۔ پاشا نے اسے خواب میں دیکھا تو پہچان نہیں سکا۔ یادداشت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ بس اتنی ہی بات سمجھ میں آئی کہ کوئی پولیس والا دروازے پر پہنچ گیا ہے۔

خواب وہیں تک نظر آیا تھا کہ آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ بے چینی سے سوچنے لگا تھا "کیا وہ خوبصورت سی لڑکی میری محبوبہ ہے؟"

اس کے دل نے کہا "بے شک، وہ میری محبت ہے میری جان ہے، تبھی تو میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ میں تنہا وقت گزار رہا تھا ایسے میں کوئی پولیس والا آگیا تھا۔ کیا ایسا میری پچھلی زندگی میں ہوچکا ہے؟"

اسے پچھلی زندگی یاد نہیں تھی۔ لیکن ایسا ہوچکا تھا۔ عروج اس کے دل کی گہرائیوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی لیے اس نے خواب میں اسے دیکھا تھا۔ اس نے عینی کو نہیں دیکھا تھا۔ جو لاشعور میں چھپی ہوئی تھی وہی خواب کی صورت میں سامنے آئی تھی۔

اس نے دوسری رات پھر عروج کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا "میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم ہی سے شادی کروں گا۔ تم کیوں عینی سے شادی کرنے کی ضد کررہی ہو؟"

عروج نے کہا "اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری شریکِ حیات بن جاؤں تو پھر مجھ سے پہلے تمہیں عینی سے شادی کرنی ہوگی۔ میری یہ بات نہیں مانوگے تو میں تمہاری زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر چلی گئی۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ ایک دم سے چونک کر، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں کھلتے ہی خواب میں آنے والا حسین چہرہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ اب وہ گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔ اس خوبصورت سی اجنبی لڑکی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ خواب میں وہ عینی کا ذکر کررہی تھی اور اس سے بھی شادی کرنے کی ضد کر رہی تھی۔ عجیب محبوبہ تھی۔ اپنے اوپر سوکن لانا چاہتی تھی۔

دو بار اسے خوابوں میں دیکھنے کے بعد اس کا چہرہ ذہن میں نقش ہوگیا تھا۔ اب وہ جاگتی آنکھوں سے بھی اسے خیالوں میں دیکھنے لگا تھا۔ دردانہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ عینی کو اغوا کر کے یہاں لانا چاہتی ہے۔ وہ پاشا کے ذریعے اغوا کرنا چاہتی تھی۔ پاشا نے انکار کرتے ہوئے کہا ''نہیں ممی! یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر وہ اندھی ہوگئی ہے تو میں اس کی مجبوری سے کھیلنا پسند نہیں کروں گا۔ اسے آوازیں دے کر اپنے پیچھے بلا کر یہاں نہیں لاؤں گا۔''

دردانہ نے کہا تھا ''ٹھیک ہے۔ تم ایسا نہ کرو لیکن میں اسے یہاں لے آؤں گی تو اس کے ساتھ نکاح سے تم انکار نہیں کرو گے۔''

''آپ کیوں جبراً نکاح پڑھوانا چاہتی ہیں؟''

''میں تمہاری محبت تمہیں دینا چاہتی ہوں۔ وہ تمہاری محبوبہ ہے۔ تم خود اپنی لکھی ہوئی ڈائری میں پڑھ چکے ہو۔ جب اس سے شادی ہوجائے گی اور تم اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو گے تو تمہیں رفتہ رفتہ اس کے ساتھ گزاری ہوئی پچھلی زندگی بھی یاد آجائے گی۔''

وہ پریشان تھا۔ سوچ رہا تھا' اسے کیا کرنا چاہیے؟ ایک تو عینی کی طرف دل مائل نہیں تھا اور اسے نکاح قبول کرنے کے لیے کہا جارہا تھا پھر دوسری بات یہ ذہن میں آئی تھی کہ اگر اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر درست ہے تو پھر عینی اس کی محبوبہ رہ چکی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارے گا تو اسے گزری ہوئی باتیں سچ مچ یاد آجائیں گی۔ شادی کے بعد عینی کے گھر جائے گا تو شاید اس خوبصورت حسینہ سے ملاقات ہو سکے گی جسے وہ خوابوں اور خیالوں میں دیکھتا آرہا ہے۔

وہ خیالات سے چونک گیا۔ دردانہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ مسکرا کر بولی ''اب تم جاسکتے ہو اور عینی سے مل سکتے ہو۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا ''کیا عینی مجھ سے نکاح کے لیے راضی ہے؟''

''اسے راضی ہونا پڑے گا۔ وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے۔ میں اس کی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے اسے دھمکی دے چکی ہوں کہ انکار کرے گی تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔''

اس نے چونک کر پوچھا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

وہ قریب آکر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''تم میرے بیٹے ہو۔ میں نے تمہیں جنم دیا ہے۔ میں تو تمہاری موت کا تصور بھی نہیں کرسکتی لیکن اس کی کمزوری سے کھیلنا ضروری تھا۔ اس لیے ایسی دھمکی دی تھی۔''

وہ آگے کی طرف جھک کر اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔

''تم بھی اس سے یہی کہو گے کو وہ تمہاری سلامتی کی خاطر راضی ہوجائے۔''

وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ دردانہ کی ممتا یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہی اس کی ماں ہے اور اسی نے اسے جنم دیا ہے لیکن عروج کو بار بار خوابوں میں دیکھنے کے بعد وہ الجھتا جارہا تھا۔ اس کے دل میں یہ شبہات پیدا ہورہے تھے کہ اس کی زندگی کے بہت سے اہم رازوں اور واقعات کو اس سے چھپایا جارہا ہے۔

اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ اس کی زندگی میں عینی کی نہیں' عروج کی اہمیت ہے۔ دردانہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کس سوچ میں پڑ گئے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''ممی! میرا دل عینی کی طرف مائل نہیں ہورہا ہے۔ اس سے شادی کرنا کیا ضروری ہے؟''

''بکواس مت کرو۔ تمہیں اپنی ماں کا حکم ماننا چاہیے۔ تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ اس خاندان میں تمہاری ماں کی کتنی توہین ہوچکی ہے۔ میں اس توہین کا بدلہ لوں گی۔ اسے اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔ تم نے میرا دودھ پیا ہے' تم وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔ جاؤ وہ کمرے میں تنہا ہے۔ اس سے باتیں کرو۔ اس کی دلجوئی کرو۔ آدھے گھنٹے بعد نکاح پڑھایا جائے گا۔''

وہ اس کمرے میں آگیا جہاں عینی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر آواز کی سمت دیکھا۔ اس کی خالی خالی نظریں کہہ رہی تھیں کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ اس نے دھیمی آواز میں پوچھا ''کون ہے؟''

پاشا اس کے قریب آتے ہوئے بولا ''میں ہوں، پاشا......''

وہ بالکل سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''کیا واقعی تم میرے پاس آئے ہو یا پھر کیسٹ ریکارڈر کے ذریعے دھوکا دیا جارہا ہے؟''

اس نے کہا ''ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ تمہارے بالکل قریب ہوں۔''

عینی نے آواز کی سمت اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پاشا نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس پاتے ہی عینی نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی زندگی کی گھور تاریکیوں میں اس لمس کو اچھی طرح پہچان رہی تھی۔ اسے یاد آرہا تھا' جب پہلی بار اس نے پاشا کو اپنی کوٹھی کے احاطے سے رخصت کرتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا تھا۔ وہ پہلا مصافحہ' ہاتھوں کا وہ لمس پھر لوٹ آیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر کہہ رہا تھا ''میں عارضی طور پر بچھڑ گیا تھا۔ اب پھر تمہارے پاس آگیا ہوں۔ مجھے پہچانو۔ مجھ پر شبہ نہ کرو۔''

اس کی آواز نے اور ہاتھوں کے لمس نے یقین دلایا کہ وہ اسے پاچکی ہے۔ وہ فوراً ہی بستر سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ اسے دونوں ہاتھوں سے چھونے لگی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں لے کر بولی ''تم کہاں کھو گئے تھے؟ ہمیں کیوں بھول گئے تھے؟ کیا ہماری یاد نہیں آتی تھی؟ کیوں ہمیں دل سے نکال کر پھینک دیا تھا؟''

''میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کن حالات سے گزر رہا ہوں۔''

''تم کیسے ہی حالات سے گزر رہے ہو مگر تمہارا دل تو دھڑک رہا ہے نا؟ اور دل کی ان دھڑکنوں میں کیا عروج نہیں ہے؟ تم تو اسے دل و جان سے چاہتے رہے ہو۔ کیا تم نے اسے بھی بھلا دیا ہے؟''

''عروج۔؟'' پاشا نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا ''کیا میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی دوسری لڑکی بھی آئی تھی؟ کیا میں اسے دل و جان سے چاہتا رہا ہوں؟''

''یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی محبت کرنے والیوں کو بھلا بیٹھے ہو۔''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میری یادداشت گم ہوچکی ہے۔ میں اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہوں۔''

عینی کو یاد آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے دردانہ نے یہی کہا تھا کہ پاشا اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہے۔ اسے یہ سمجھایا گیا ہے کہ دردانہ اور شہباز درانی اس کے والدین ہیں اور وہ خود کو ان کا بیٹا سمجھنے لگا ہے۔

''اگر تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو، سب کچھ بھول چکے ہو تو یہاں کس حیثیت سے رہتے ہو؟ کیا واقعی تم نے خود کو دردانہ بیگم کا بیٹا تسلیم کرلیا ہے؟''

''مجھے تسلیم کرنا چاہیے۔''

''نہیں' تم ان کے بیٹے نہیں ہو۔ تم ایک ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ تمہارے والد کا نام شہباز درانی نہیں ہے۔ یہ لوگ تو بہت ہی امیر کبیر لوگ ہیں اور تم ایک غریب باپ کے بیٹے ہو۔ تمہارے والدین کا انتقال ہوچکا ہے۔''

''عینی! انہوں نے ٹھوس ثبوت فراہم کیے ہیں۔ میرے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریر بھی موجود ہے۔ میں اپنی تحریر پہچانتا ہوں۔ میری ممی کے پاس کئی البم ہیں' جن میں بچپن سے لے کر اب تک کی بہت ساری تصویریں ہیں۔ ممی اور ڈیڈی کے ساتھ جوانی کی تصویریں بھی ہیں۔ میرے شناختی کارڈ میں باپ کا نام شہباز درانی لکھا ہوا ہے۔''

''پاشا! تمہیں سمجھنا چاہیے کہ جعلی شناختی کارڈ آسانی سے تیار ہوجاتے ہیں اور مختلف انداز کی جعلی تصویریں بھی بنوائی جاتی ہیں۔''

''میں مانتا ہوں لیکن میرے ہاتھ کی جو ڈائری لکھی ہوئی ہے وہ تو غلط نہیں ہوسکتی۔ میں نے اس میں اپنی ممی اور ڈیڈی شہباز درانی کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور تمہارے بارے میں بھی لکھا ہے کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔''

عینی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دیکھ تو نہیں سکتی تھی مگر تاریکی میں اس کی طرف تک رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا تم نے اپنی اس ڈائری میں عروج کا ذکر کیا ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا ''نہیں۔ عروج کا ذکر ایک آدھ جگہ بس یوں ہی کیا ہے ورنہ اس ڈائری میں تم سے بھرپور محبت کا اظہار کرتا رہا ہوں۔''

''پھر تو وہ ڈائری بھی فراڈ ہے۔ پاشا! تم بھول رہے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ عروج کو چاہتے ہو۔ تم نے اس کی محبت کی خاطر مجھے قبول کیا۔ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ہم دونوں سہیلیاں تمہاری شریکِ حیات بن کر رہنا چاہتی تھیں۔ تم یہ ساری باتیں بھول رہے ہو۔''

پاشا کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے خواب میں یہی دیکھا تھا۔ عروج اس سے کہہ رہی تھی کہ اسے عینی سے محبت کرنا چاہیے اور شادی بھی کرنا چاہیے۔ وہ عینی کو اپنی سوکن بنائے گی۔ وہ دونوں اس کی شریکِ حیات بن کر رہنا چاہتی تھیں اور یہ بات وہ پچھلے دن خواب میں بھی دیکھ چکا تھا۔

دیکھا جائے تو وہ خواب دراصل خواب نہیں تھا۔ اس کی یادداشت واپس آنا چاہتی تھی۔ اس لیے واپسی کا چور راستہ اختیار کررہی تھی۔ اسے خوابوں اور خیالوں کے ذریعے اپنے

دل میں دھڑکنے والی عروج کی طرف لے جارہی تھی۔

اس وقت پاشا کا دل کہہ رہا تھا کہ عینی جس عروج کا ذکر کررہی ہے اسی کو وہ خوابوں میں دیکھتا آرہا ہے۔ اس نے کہا ''عینی! میرا دل کہتا ہے' تم سے شادی ہو جائے گی۔ ہم ازدواجی زندگی گزارنے لگیں گے۔ ہمیں یہاں سے باہر جانے کے مواقع ملتے رہیں گے اور میں تمہارے گھر جایا کروں گا تو مجھے بہت سی باتیں یاد آئیں گی پھر تم جس عروج کا ذکر کررہی ہو میں اسے دیکھوں گا تو شاید پہچان سکوں گا۔''

وہ بولی ''اگر دردانہ بیگم اور شہباز درانی تمہارے ماں باپ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان سے کہو کہ وہ تمہیں میرے ساتھ میرے گھر جانے دیں۔ وہاں تم عروج سے ملاقات کرو گے۔ ہم دونوں تمہیں بہت سی باتیں یاد دلائیں گی۔ اس طرح تمہیں اپنی پچھلی زندگی یاد آتی رہے گی۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''عینی! وہ چاہتی ہیں کہ پہلے ہماری شادی ہو جائے۔ ابھی یہاں نکاح پڑھایا جائے۔ ہم ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ ہمیں باہر جانے کی اجازت دیں گی۔''

''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔ یہ کیوں نہیں چاہتیں کہ اس شادی میں میرے اپنے رشتے دار اور بزرگ بھی شامل ہوں؟''

''وہ کہتی ہیں' تمہارے بزرگ کبھی تمہیں ان کی بہو نہیں بننے دیں گے۔ اس لیے پہلے وہ راز داری سے ہمارا نکاح پڑھوانا چاہتی ہیں۔ ہماری شادی کے بعد تمہارے خاندان والے اس رشتہ سے انکار نہیں کرسکیں گے اور مجھے اپنا داماد تسلیم کرلیں گے۔''

''پاشا! تم یہ بات بھول چکے ہو کہ میرے رشتہ دار میرے تمام بزرگ تمہیں داماد تسلیم کر چکے ہیں۔ ہماری شادی ہونے والی تھی لیکن عین شادی کے وقت تم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد تم اتنے عرصے تک غائب رہے۔ آج مل رہے ہو تو بالکل ہی بدل چکے ہو۔''

وہ پریشان ہو کر بولا ''میری اپنی زندگی مجھے الجھا رہی ہے۔ میں کسی سے کیا شکایت کروں کہ کون مجھے بھٹکا رہا ہے اور کون مجھے راہ پر لگانا چاہتا ہے؟ موجودہ مسئلے کا حل بس یہی ہے کہ ہم میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہمارا ازدواجی رشتہ قائم ہونے کے بعد وہ ہمیں یہاں سے جانے دیں گی۔ وہاں عروج سے ملنے کے بعد ہی مجھے پچھلی زندگی یاد آسکے گی۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ابھی ہمارا نکاح پڑھا دیا جائے؟ ذرا سوچو تو سہی' یہ کتنا عجیب اور نامناسب سا لگتا ہے کہ میرا یہاں اپنا کوئی نہیں ہے' کوئی بزرگ نہیں ہے۔ بھائی جان بھی نہیں ہیں۔ میری عروج بھی نہیں ہے اور مجھے اپنی زندگی کا اتنا اہم قدم اٹھانے کے لیے کہا جارہا ہے۔''

''بعض حالات میں انسان اسی طرح مجبور ہو جاتا ہے۔ تم یہ سوچو کہ ابھی مجبوری کی حالت میں جو کچھ ہورہا ہے اس کے بعد ہم دونوں مجبور نہیں رہیں گے۔ تم کہہ رہی تھیں' ہماری شادی ہونے والی تھی لیکن نہ ہوسکی۔ آج ہورہی ہے تو اسے قبول کرلو۔''

اسے قبول کرنا ہی تھا۔ نہ کرتی تو اپنی اندھیری دنیا میں کہاں جاتی؟ یہ یقین ہوگیا تھا کہ پاشا بھی مجبور ہے۔ اگرچہ اسے زنجیریں نہیں پہنائی گئی تھیں لیکن دردانہ اور شہباز اس کے ماں باپ بن کر اسے محبت کی زنجیریں پہنا کر قیدی بنائے ہوئے تھے اور اس کے گمشدہ ماضی سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

عینی نے ایسے مشکل اور آزمائشی حالات دیکھ کر طے کیا کہ وہ شادی کرے گی اور اس کی شریکِ حیات بن کر اس کی پچھلی زندگی اسے یاد دلائے گی اور اسے دردانہ کے طلسم سے نکالے گی۔ لہٰذا اس نے نکاح قبول کرلیا۔

اس نے جو بھی کیا وہ تاریکی میں رہ کر کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ نکاح کے وقت اس کے آس پاس کون کون ہے؟ دردانہ تہمینہ، شہباز درانی اور قاضی صاحب کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ قاضی صاحب نے نکاح قبول کرانے کے بعد اس کے ہاتھ میں قلم پکڑایا تھا پھر اس کا ہاتھ ایک جگہ رکھ کر کہا تھا۔ ''یہاں دستخط کردو۔''

اس سے کسی دستاویز یا کسی سادے کاغذ پر بھی دستخط کرایا جاسکتا تھا۔ وہ تو دیکھنے کے قابل نہیں تھی لیکن اسے پاشا پر اعتماد تھا کہ وہ سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اسے نکاح نامے پر دستخط کرتے دیکھ رہا ہے۔ پھر پاشا کے نکاح قبول کرنے کی آواز... بھی سنائی دی۔ اس نے یہ بھی سنا کہ وہ نکاح نامے پر دستخط کررہا ہے۔ وہ صرف سنتی جارہی تھی۔ جہاں تک دیکھنے کا تعلق تھا' اس کا خدا دیکھ رہا تھا۔

دردانہ نے نکاح کے بعد عینی کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا ''آج میں نے تمہیں اپنی بہو بنا ہی لیا۔ تمہیں اپنی نئی زندگی مبارک ہو۔ اب ہم جارہے ہیں۔ تم اپنے دولہا کے ساتھ وقت گزارو۔''

وہ بولی ''میں گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' چلی جانا۔ ابھی تو تم اپنے دولہا کے ساتھ

کچھ لمحات گزارو۔ ابھی سہ پہر کے تین بجے ہیں۔ شام کے چھ بجے تک تم پاشا کے ساتھ اپنے گھر جاسکو گی۔''

وہ وہاں سے چلی گئی۔ پاشا نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے' اس کے قریب آتے ہوئے کہا ''وہ جا چکے ہیں۔ ہم یہاں تنہا ہیں۔''

عینی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ بولی ''دردانہ ممی نے کہا ہے' ہم تین گھنٹے بعد یہاں سے جاسکتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا' انہوں نے ہمیں تین گھنٹے تک یہاں کیوں روک رکھا ہے؟''

''ان کی ایک شرط ہے۔''

عینی نے سوالیہ نشان کی طرح سر اٹھایا۔ وہ بولا ''وہ کہتی ہیں جب تک ہمارے درمیان میاں بیوی کے تعلقات قائم نہیں ہوں گے' وہ ہمیں یہاں سے نہیں جانے دیں گی۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟''

''ان کے نقطۂ نظر سے سمجھو۔ وہ یقین کرنا چاہتی ہیں کہ ہم واقعی میاں بیوی بن چکے ہیں۔ انہوں نے تمہیں اپنی بہو بنا لیا ہے اور تم یہ رشتہ کبھی توڑ نہیں پاؤ گی۔''

وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اسے بازوؤں میں لے کر بولا ''اب ہم ایک مضبوط رشتے میں بندھ چکے ہیں۔ آؤ اس رشتے کو اور مضبوط کرلیں۔''

دردانہ اپنے بیڈروم میں بیٹھی بڑے سے اسکرین پر عینی اور پاشا کو دیکھ رہی تھی۔ عینی اپنے دولہے کی آغوش میں تھی اور دردانہ شہباز کے بازوؤں میں سمائی ہوئی کہہ رہی تھی ''مجھے پاشا پر شبہ ہے۔''

شہباز درانی نے پوچھا ''کیسا شبہ؟''

''یہی کہ شاید اس کی یادداشت واپس آرہی ہے۔''

وہ بولا ''میں نے یہاں بیٹھ کر عینی اور اس کی باتیں سنی ہیں۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ اپنے ماضی کی طرف لوٹ رہا ہے۔ کچھ یاد کررہا ہے۔ ویسے یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ آج رات ڈاکٹر پھر اسے انجکشن لگائے گا پھر اس کا ذہن کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔''

''آج میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ آج میں عینی کے خاندان میں ایسا دھماکا کروں گی کہ سب ہی کے سر جھک جائیں گے پھر کبھی کوئی میرے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گا۔''

شہباز نے کہا ''آج کے بعد پاشا بھی ہمارے لیے غیر ضروری ہو جائے گا لیکن ابھی کچھ عرصے تک ہمیں اسے اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ عینی اور اس کے خاندان والوں کے معاملات میں پھر اسے مہرہ بنانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔''

وہ بڑے سے اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی ''دیکھو شہباز! میں اسے کس طرح بے حیا بنا رہی ہوں۔ اس نے میری بہو بننے سے انکار کیا تھا۔ میرے بیٹے کو دھتکارا تھا۔ اس کی وجہ سے میرا جوان بیٹا مارا گیا اور اسے مارنے والا اسی کا ایس' پی' بھائی ہے۔ اس ایس' پی' کو تو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا۔ اب یہ رہ گئی ہے۔ آج کے بعد یہ بدچلن لڑکی کہلائے گی۔ جہاں جائے گی اس کے ساتھ ساتھ بدنامی اور رسوائی بھی چلتی رہے گی۔''

☆☆☆

عروج اسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے فلک ناز، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب سب ہی کو اس کی گمشدگی کے بارے میں بتایا تھا۔ فلک ناز پریشان ہوگئی تھی۔ فلک آفتاب اور بیگم آفتاب نے بھی یوں ہی پریشانی ظاہر کی تھی۔ ان پر جو مصیبت آئی تھی اس کے پیش نظر وہ عینی کی گمشدگی کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ دو کروڑ ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھے ہائے ہائے کررہے تھے۔ عروج نے ذیشان تک یہ خبر پہنچانے کی کوششیں کیں لیکن ناکام رہی۔ سی' آئی' اے کے افسر باقر مہدی نے اسے ملنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

عروج نے کہا ''ایسے وقت مقدر بھائی ہمارے لیے کچھ کرسکتے ہیں لیکن پتا نہیں وہ کہاں ہیں۔ فون پر رابطہ نہیں ہورہا ہے۔''

فلک ناز نے اپنے بھائی فلک آفتاب سے کہا ''آپ ہمارے ساتھ ذیشان کے دفتر چلیں۔ اگرچہ وہ سی' آئی' اے والوں کی کسٹڈی میں ہے لیکن اس کے جان پہچان والے بہت سے افسر ہیں جو عینی کی گمشدگی کے سلسلے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''میں بہت بیمار ہوں۔ صبح سے میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے ۔ میں گھر سے باہر نہیں نکل سکوں گا۔''

عروج نے بابر سے کہا۔ ''تم ہی ہمارے ساتھ چلو۔''

وہ بولا ''تمہیں میرے حالات کا علم نہیں ہے' میں اس وقت بہت بڑے نقصان سے دوچار ہورہا ہوں۔ جن سے کاروبار کے سلسلے میں قرض لیا تھا' ان سے منہ چھپاتا پھر رہا ہوں۔ میں گھر سے باہر نہیں جاسکوں گا۔''

شام کو چار بجے مجھ سے رابطہ ہوا۔ عروج نے کہا ''بھائی جان! آپ کہاں ہیں؟ ہم پر قیامت آئی ہوئی ہے۔ عینی صبح سے گم ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسے کسی نے اغوا کیا ہے۔ ہم نے

بھائی جان کے دوست افسران کی مدد سے عینی کے اغوا ہونے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہیں لیکن صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے اور اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟''

یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ میں نے فون پر تسلی دی''رونے سے بات نہیں بنے گی۔ تم تعلیم یافتہ بھی ہو اور عملی زندگی گزارنے والی لیڈی ڈاکٹر بھی۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔''

''حوصلہ کیسے کروں جبکہ دشمن ہمارے سامنے ہیں اور ہم ان کا کچھ بگاڑ نہیں پا رہے ہیں؟''

میں نے انجان بن کر پوچھا''تم کس کی بات کر رہی ہو؟''

''میں اسی دشمن عورت دردانہ کی بات کر رہی ہوں۔ وہ کئی بار ہمیں چیلنج کر چکی ہے اور آج اس نے اپنے چیلنج کے مطابق اتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ پتا نہیں میری عینی کو لے جا کر کہاں چھپا دیا ہے۔ ہم اس کے خلاف کیا کر سکتے ہیں؟''

''ہاں۔ فی الحال تو کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم اسے کوئی الزام بھی نہیں دے سکتے۔ بہر حال میں فون پر اس سے بات کرتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہ جواباً کیا کہتی ہے؟''

میں نے ٹیلیفون کے ذریعے دردانہ سے رابطہ کیا۔ وہ شہباز درانی کی آغوش میں پڑی ہوئی تھی۔ فون کا بزر سن کر اسے اٹھایا۔ اس کے نمبر پڑھے۔ اسے میرے نمبر یاد نہیں تھے۔ اس نے شہباز سے کہا''پتا نہیں کون کال کر رہا ہے؟''

شہباز نے نمبر پڑھے' پھر ناگواری سے کہا۔''مقدر حیات تمہیں کال کر رہا ہے۔ اٹھو اور اسے اٹینڈ کرو۔ دیکھو وہ بدذات کیا کہنا چاہتا ہے؟''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنا لباس درست کرنے لگی پھر فون کے بٹن کو دبا کر کان سے لگایا۔''ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔''

میں نے پوچھا''عینی کہاں ہے؟''

وہ مسکرا کر بولی''اوہو۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے اور اب بہن کا خیال آ رہا ہے؟''

میں نے کہا''میرے سوال کا جواب دو۔''

''تم نے تھانے وغیرہ میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرائی ہو گی؟''

میں نے پھر پوچھا''عینی کہاں ہے؟''

''وہ جہاں بھی ہے' زندہ ہے' سلامت ہے۔ اگر پولیس والوں کو میرے خلاف کوئی بیان دیا گیا تو پھر وہ سلامت نہیں رہے گی۔''

''تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا گیا ہے۔ عینی سے میری بات کراؤ۔''

''مقدر! تم تو علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہو۔ تم نے عینی کا ہاتھ بھی پڑھا ہو گا۔ کیا اس کے ہاتھ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کبھی گھر سے بے گھر ہو جائے گی اور میرے رحم و کرم پر رہے گی؟''

''میں نجومی ہوں، جادوگر نہیں۔ تمہارا یار شہباز درانی سمجھتا ہے کہ میں پراسرار علوم جانتا ہوں۔ اگر میں جانتا تو عینی کو اغوا ہونے نہ دیتا۔ تمہارے ہر منصوبے میں تمہیں ناکام بناتا رہتا۔''

وہ بولی''بے شک۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم پراسرار علوم نہیں جانتے۔ بہر حال، تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری بہن خیریت سے ہے اور اب سے دو گھنٹے بعد گھر پہنچ جائے گی۔''

میں نے دھمکی دینے کے انداز میں کہا''اسے خیریت سے گھر پہنچنا چاہیے ورنہ تم خیریت سے نہیں رہو گی۔ میں نے تمہارا ہاتھ دیکھا تھا، لکیریں پڑھی تھیں اور تمہیں بہت سی باتیں نہیں بتائی تھیں۔ میں نے تمہاری بہت سی کمزوریوں کو سمجھا ہے۔ اگر یہ چاہتی ہو کہ تمہاری کسی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو میری بہن کو خیریت سے گھر پہنچ جانا چاہیے۔''

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر ہیلو ہیلو کہنے لگی۔ مجھے پکارنے لگی پھر اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے پوچھا''کیا بات ہے؟''

''اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔ کہتا ہے میرا ہاتھ پڑھنے کے بعد اسے میری بہت سی کمزوریاں معلوم ہو چکی ہیں۔ اگر عینی گھر نہ پہنچی تو وہ میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور مجھے نقصان پہنچاتا رہے گا۔''

وہ پریشان ہو کر بولا''پتا نہیں کس خبیث سے ہمارا پالا پڑا ہے؟ مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی اسے تمہارا ہاتھ نہ دیکھنے دیتا اور نہ ہی کبھی اپنا ہاتھ دکھاتا۔ ہم نے انجانے میں اپنی بہت سی کمزوریاں اسے بتا دی ہیں۔''

وہ بولی''اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے لیکن ہمیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ فی الحال تو ہم اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو رہے ہیں۔''

''ایسی بات بھی نہیں ہے۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس کی وجہ سے اسد عزیزی ہاسپٹل میں پڑا ہوا ہے؟ ایک طرح سے میرا دایاں بازو کٹ چکا ہے۔ پتا نہیں وہ کب میرے کام کے قابل ہو گا؟''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی''ہاں۔ مقدر کی طرف سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔''

''دوسرا نقصان بھی بھول رہی ہو۔ میں نے ایک بہت بڑے سیاست دان جان محمد گبول کے دستاویزات حاصل کیے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی کہیں راستے میں غائب ہو گئے۔ اب تک پتا نہیں چلا کہ وہ کیسے گم ہو گئے اور کس کے ہاتھ لگ گئے؟''

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ شہباز درانی نے ریسیور اٹھایا اور بولا''ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے آواز آئی''باس! میں آپ کا خادم فضل بول رہا ہوں۔ اس وقت ہاسپٹل میں ہوں۔ عزیزی صاحب کی حالت بہت خراب ہے۔ اچانک ان کے زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔ ڈاکٹر بھی پریشان ہیں کہ اچانک عزیزی صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔''

شہباز درانی نے کہا''وہاں کے بڑے ڈاکٹر کو فون دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

وہ انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر کی آواز آئی''یس مسٹر درانی! میں ڈاکٹر فیروز بول رہا ہوں۔''

''فیروز صاحب! آپ جانتے ہیں' اسد عزیزی میرا کتنا اہم آدمی ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ آپ اس پر توجہ کیوں نہیں دے رہے ہیں؟ اگر آپ کی بے پروائی سے اسے کچھ ہو گیا تو آپ کو بھی بہت کچھ ہو گا اور وہ آپ کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گا۔''

''مسٹر درانی! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں چوبیس گھنٹے کسی بھی مریض کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے۔ میری عدم موجودگی میں ہوا ہے۔''

''میں یہی جاننا چاہتا ہوں' کیا ہوا ہے؟''

''ابھی لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد پتا چلا ہے کہ اسے جو انجکشن دیا جا رہا ہے اس میں تبدیلی آ گئی ہے۔ یعنی کسی نے انجکشن بدل دیا ہے۔''

''کیا آپ اندھے ہیں' اسے دوا انجکٹ کرنے سے پہلے اس کا لیبل نہیں پڑھتے؟''

''میں نے لیبل پڑھا ہے۔ انجکشن کی شیشی وہی ہے لیکن اندر کی دوا تبدیل کر دی گئی ہے اور میں نہیں جانتا یہ کس نے کیا ہے۔ میں یہاں کے پورے اسٹاف سے سختی سے بازپرس کر رہا ہوں لیکن سب ہی قسمیں کھا رہے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہے۔''

''اگر اس ہاسپٹل کے کسی شخص نے ایسا نہیں کیا ہے تو پھر باہر کا کون آدمی ایسا کر سکتا ہے؟''

''آپ سمجھدار ہیں' خود سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے کتنے ہی دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے ایسی کوئی حرکت کی ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہاسپٹل کے اندر میرے اسٹاف میں سے کسی نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ پلیز آپ خود معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اگر یہی ہوتا رہا تو اسد عزیزی کی جان کو خطرہ ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں ابھی کچھ کرتا ہوں۔''

اس نے ریسیور رکھ دیا اور غصے سے بڑبڑانے لگا''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے دستِ راست پر اس طرح حملہ کیا جائے گا۔''

وہ دردانہ کی طرف دیکھ کر بولا''اسے جو انجکشن دیا جاتا تھا وہ اچانک تبدیل ہو گیا ہے۔ کسی نے بڑی رازداری سے انجکشن کی اسی شیشی میں دوا بدل دی ہے۔ اس کے منفی اثر سے اسد عزیزی ناقابلِ برداشت تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے۔''

دردانہ نے پریشان ہو کر پوچھا''کیا مقدر ایسا کر رہا ہے؟''

وہ جھنجلا کر بولا''اور کون کرے گا؟ وہی ایک ایسا دشمن ہے جو میرے قابو میں نہیں آ رہا ہے۔''

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ دردانہ نے پوچھا۔''کسے فون کر رہے ہو؟''

وہ بولا''واشنگٹن کے تمام اہم شعبوں میں میری پذیرائی ہوتی ہے۔ میں وہاں کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر سے بات کر رہا ہوں۔''

رابطہ ہو گیا۔ اس نے کہا''میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔ اس وقت مجھے آپ کی بہت سخت ضرورت ہے۔''

''آپ حکم دیں۔''

''میرا ایک دستِ راست بری طرح زخمی ہو گیا ہے اور دشمن اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہیں۔ اسے بڑی رازداری سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ اسے فوری طور پر آپ کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ فوراً اسد عزیزی کے نام ایک اجازت نامہ یہاں کے سفارت خانے میں بھیج دیں۔ میں اسے یہاں سے روانہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔''

وہ اسد عزیزی کو امریکا بھیجنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میں اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر سکتا تھا لیکن نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ جو کچھ وہ کر رہا تھا اس کا منفی ردِعمل ہونا تھا۔ ادھر

دردانہ پاشا کو مزید قیدی بنا کر رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا بھی منفی ردِعمل ان دونوں کے سامنے آنے والا تھا۔ جہاں جہاں میں انہیں ڈھیل دے رہا تھا۔ وہاں وہاں آگے جا کر ان کی رسیاں بھی کھینچنے والا تھا۔ انسانی زندگی پتنگ کی طرح ہے۔ مقدر کبھی اسے ڈھیل دیتا ہے، کبھی اس کی ڈور کھینچ لیتا ہے۔

میں جان محمد گبول کی ہتھیلی پر آ گیا۔ اس کی لکیروں پر چلنے لگا۔ وہ ایک بہت ہی معروف سیاست دان تھا۔ ملک میں جب بھی انتخابات ہوتے تھے تو اسے الیکشن میں کھڑے ہونے کے لیے ٹکٹ ضرور ملتا تھا کیونکہ وہ اچھی خاصی کامیابی حاصل کر کے قومی اسمبلی میں پہنچتا تھا۔

شہباز درانی ایسے ہی کامیاب سیاست دانوں کو شکار کرتا رہتا تھا۔ وہ مختلف ہتھکنڈوں سے انہیں اپنے زیرِ اثر لاتا تھا اور ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں بلیک میل کرتا تھا۔ اپنے مقاصد کے لیے انہیں اپنے اشاروں پر چلاتا رہتا تھا۔

اس بار شہباز درانی تین بڑے سیاست دانوں کو اپنے زیرِ اثر لانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ جن میں ایک جان محمد گبول تھا۔ اس کی کمزوریوں سے کھیلنے کے لیے شہباز درانی کے آدمیوں نے اس کے اہم دستاویزات چرائے تھے جو اب میری تحویل میں تھے۔

جان محمد گبول بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ذاتی اور سیاسی مجرمانہ حرکتیں منظرِ عام پر آئیں۔ اس نے چوری کی رپورٹ درج کرائی تھی اور اپنے ذرائع بھی استعمال کر رہا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کس نے اس کی داشتہ کے ذریعے اتنی بڑی واردات کرائی ہے؟

شہباز درانی کی ایک آلۂ کار پچھلے ایک برس سے جان محمد گبول کے پاس داشتہ کی حیثیت سے رہتی آئی تھی۔ اس نے موقع پا کر اس کی تجوری پر ہاتھ صاف کیا تھا اور دستاویزات کے ساتھ ساتھ دو کروڑ کے ہیرے چرا کر لے گئی تھی۔

جان محمد گبول کو یقین تھا کہ وہ داشتہ کہیں نہ کہیں پکڑی جائے گی۔ اسے ہر صوبے، ہر شہر اور ہر علاقے میں تلاش کیا جا رہا تھا لیکن وہ تو جیسے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی تھی۔

جان محمد سے قریبی تعلقات رکھنے والے پولیس افسران کہہ رہے تھے کہ اس عورت کو مار کر اس کی لاش کہیں چھپا دی گئی ہے۔ اسی لیے وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔

جان محمد ہیرے جواہرات کا شوقین تھا۔ ہیروں کی چوری سے اسے دکھ پہنچا تھا لیکن اس سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس کے دستاویزات چرائے گئے تھے اور یہ ابھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اہم کاغذات کس دشمن کے ہاتھوں میں پہنچے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی وقت بچھو بابا نے اسے فون پر مخاطب کر

''ہیلو مسٹر گبول! میں ایک خدائی خدمت گار ہوں۔ لوگوں کی مشکلیں آسان کرتا ہوں۔ کیا تم میری خدمات حاصل کرنا چاہو گے؟''

اس نے پوچھا ''کون ہو تم؟ اپنا تعارف کراؤ؟''

''تم آم کھانے کی بات کرو۔ یہ نہ پوچھو کہ آم کس درخت سے آ رہے ہیں۔ کیا تم اپنے اہم دستاویزات او ہیروں کی واپسی نہیں چاہو گے؟''

وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر بولا ''ہاں یار ضرور۔ کیا تم ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟''

''بتا بھی سکتا ہوں اور تمہارے چوری شدہ مال تک تمہیں پہنچا بھی سکتا ہوں۔''

''ذرا ایک منٹ، میں ابھی تم سے بات کرتا ہوں تھوڑی دیر تک فون پر خاموشی رہی پھر اس نے کہا ''مسٹر! میری مدد کرو۔ میرا مال مجھے واپس مل جائے گا تو میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔''

بچھو بابا نے کہا ''میں نے تم پر مہربانی کرنے کے لیے فون کیا۔ تم نے پولیس سے اس کال کو ٹریس کرنے کا کہہ دیا۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے ہمدردی کی جائے۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ جان محمد گبول پریشان ہو کر فون پر چیخنے ''ہیلو مسٹر ہیلو! فون بند نہ کرنا۔ مجھ سے بات کرو۔ دیکھو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ ہیلو۔ ہیلو......''

اس نے جھنجلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا اور خود کو کوسنے لگا۔ ''میں نے فون کال کے دوران خاموشی کیوں اختیار کی؟ وہ فون کرنے والا کوئی بھی بہت ہی چالاک ہے اور یقیناً وہ جانتا ہوگا کہ میرے چرائے ہوئے ہیرے اور دستاویزات کہاں ہیں؟''

دس منٹ بعد ایک پولیس افسر نے آ کر اسے سلام کیا۔ کہا ''گبول صاحب! وہ شخص کسی پی سی او سے بات کر رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ پی سی او کس علاقے میں ہے؟''

وہ مایوس ہو کر بولا ''معلوم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بہت چالاک ہے۔ وہاں سے جا چکا ہوگا۔''

پولیس افسر نے پوچھا ''وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''وہ جانتا ہے کہ میری دستاویزات اور وہ تمام ہیرے کہاں ہیں؟''

''پھر تو وہ ضرور دوبارہ فون کرے گا کیونکہ اسے اتنی

معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں آپ سے اچھی خاصی رقم کی توقع ہوگی۔''

''وہ جتنی بھی رقم طلب کرے گا میں دوں گا لیکن گڑبڑ ہو گئی ہے۔ پتا نہیں وہ دوبارہ فون کرے گا یا نہیں؟''

وہ افسر سے باتیں کرتا رہا اور بار بار ٹیلیفون کی طرف دیکھتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد گھنٹی بجی تو وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لپک کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ میں۔ میں جان محمد گبول بول رہا ہوں۔''

بچھو بابا نے کہا ''سی ایل آئی میں نمبر دیکھو۔ اب میں موبائل فون کے ذریعے بول رہا ہوں۔ پی سی او سے رابطہ ختم کرنے کے فوراً بعد میں تم سے بات کر سکتا تھا لیکن میں نے آدھے گھنٹے تک تمہیں انتظار کے کرب میں مبتلا رکھا۔ کیا تمہاری سمجھ میں آ گیا کہ مجھ سے چالاکی کتنی مہنگی پڑے گی؟''

''ہاں میں سمجھ گیا ہوں کہ تم بہت چالاک ہو۔ مجھے چور اور چوری کے مال تک پہنچاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا۔''

''تمہیں یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ میں تم سے کوئی رقم طلب نہیں کروں گا۔''

وہ حیرانی سے بولا ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، خدائی خدمت گار ہوں۔ نیکی کرتا ہوں، دریا میں ڈال دیتا ہوں اور جو میری نیکی کی قدر نہیں کرتا اسے بھی دریا میں ڈال دیا کرتا ہوں۔''

''میں تمام عمر تمہارا مشکور رہوں گا۔''

''میرے ایک سوال کا جواب دو۔ چور تو ہیرے جواہرات اور نقدی چرا کر لے جاتے ہیں۔ کاغذات کبھی نہیں لے جاتے۔ تمہارے دستاویزات جس نے بھی چرائے ہیں وہ کون ہو سکتا ہے؟ تم نے کچھ اندازہ تو لگایا ہوگا؟''

وہ بولا ''جس نے بھی ایسا کیا ہے اس کا تعلق سیاست سے ہوگا اور میں سمجھتا ہوں میری مخالف سیاسی پارٹی کے لوگوں نے ایسا کیا ہے۔''

''مسٹر گبول! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آس پاس کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے تم اصل بات بولنے سے کترا رہے ہو۔ میں تم سے سوال کر رہا ہوں۔ تم صرف ہاں یا نہ میں جواب دو۔ کیا کسی پولیٹیکل ایجنٹ نے تمہیں خریدنے کی کوشش نہیں کی؟''

جان محمد گبول نے پولیس افسر سے کہا ''آپ مائنڈ نہ کریں۔ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھیں۔ میں ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔''

پولیس افسر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے فون پر کہا ''ہاں۔ ایک بہت ہی شاطر پولیٹیکل ایجنٹ ہے۔ وہ مجھے خریدنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ میرا انکار مجھے مہنگا پڑے گا اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعی مہنگا پڑنے والا ہے۔''

''تم اس شاطر پولیٹیکل ایجنٹ کا نام نہیں بتا رہے۔ میں بتا دیتا ہوں۔ اس کا نام شہباز درانی ہے۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہاں، بالکل یہی نام ہے۔ تم تو بہت کچھ جانتے ہو۔ آخر تم ہو کون؟''

''خبردار! میرے بارے میں آئندہ کوئی سوال نہ پوچھنا ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔''

وہ گھبرا کر بولا ''نہیں نہیں فون بند مت کرنا۔ وہ دستاویزات میری جان ہیں۔ میں انہیں واپس حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا وہ شہباز درانی کے پاس ہیں؟''

''وہ دستاویزات کہیں بھی ہوں۔ فی الحال تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے پہلے تم ہیروں کے بارے میں بات کرو۔''

''میں ان ہیروں کی واپسی بھی چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہو؟ پلیز، جلدی بتاؤ۔''

''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟''

اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ بچھو بابا نے کہا ''یہ تو تم جانتے ہو کہ شہباز درانی کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اسے یہاں کا قانون اپنی گرفت میں نہیں لے سکے گا۔ تم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکو گے۔''

''ہاں، مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔''

''اس کی ایک داشتہ ہے جس کا وہ دیوانہ ہے۔ اس داشتہ کا نام دردانہ ہے اور وہ ہیرے اسی کے پاس ہیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولا ''میں کسی ثبوت کے بغیر اس پر کیسے الزام لگاؤں؟''

''پہلے یہ بتاؤ، اگر وہ ہیرے اس کے پاس سے برآمد ہو جائیں تو تم کیسے ثابت کرو گے کہ وہی تمہارے چوری شدہ ہیرے ہیں؟''

''میرے پاس ان کی خاصیت، ان کے مخصوص نام اور ان کی مالیت ریکارڈ ہے۔''

''میں ابھی بتاتا ہوں کہ وہ ہیرے کہاں ہیں۔ پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے اعتماد کے پولیس افسران بڑی رازداری سے اس جگہ چھاپا ماریں گے۔ اگر رازداری نہ برتی گئی اور دردانہ اور شہباز کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ

اپنے بچاؤ کے دس راستے نکال لیں گے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو بڑی رازداری سے کام کیا جائے گا۔"

"دردانہ کے بینک اکاؤنٹ نمبر اور لاکر کے نمبر نوٹ کرو۔"

جان محمد نے فوراً ہی کاغذ قلم لے کر نمبر نوٹ کیے۔ بچھو بابا نے کہا "کل صبح کورٹ کھلتے ہی اس کا لاکر کھلوانے کا اجازت نامہ حاصل کرو۔ اس لاکر سے جب ہیرے برآمد ہو جائیں تب پولیس والے دردانہ کو اس بینک میں طلب کر کے باز پرس کریں۔"

"ایسا ہوگا۔ پھر تو اس شہباز درانی کی داشتہ کو چوری کے الزام میں ضرور گرفتار کیا جائے گا۔"

"صرف چوری کے الزام میں نہیں، قتل کے الزام میں بھی گرفتار کیا جانا چاہیے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "قتل؟ کس کا قتل؟"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری وہ داشتہ جو یہ سب کچھ چرا کر لے گئی تھی کہیں گم ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے قتل کر کے اس کی لاش چھپا دی گئی ہے۔ میں اس جگہ کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "اجنبی! تم کون ہو؟ تم تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن گئے ہو۔ اس طرح تو میں دردانہ کے ذریعے شہباز درانی پر بھی کسی حد تک حاوی ہو سکوں گا۔"

"وہ بہت بڑا پہاڑ ہے۔ اس سے ٹکرا نہیں سکو گے۔ تم سے جتنا کہا جا رہا ہے اتنا ہی کرو۔"

وہ بولا "اس کا مطلب ہے میری دستاویزات اس کم بخت درانی کے پاس ہوں گی۔"

"نہیں۔ اگر اس کے پاس ہوتیں تو وہ پہلی فرصت میں تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے کہا نا دستاویزات کی طرف سے بے فکر رہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی میرے وہ اہم کاغذات کہاں ہیں؟"

"تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ جو کہا جا رہا ہے وہ کرتے رہو۔"

"ٹھیک ہے، جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ اس جگہ کی نشاندہی بھی کرو جہاں اس داشتہ کو قتل کر کے لاش چھپائی گئی ہے۔"

"جب بینک کے لاکر سے ہیرے برآمد ہو جائیں گے۔ تب میں فون پر تمہیں بتاؤں گا۔ ابھی اتنا ہی کافی ہے۔ ڈیس آل۔"

اس نے فون بند کیا پھر مجھ سے رابطہ کر کے تفصیلات بتانے لگا۔ میں نے اس کی باتیں سنیں پھر فون بند کر دیا۔ میں ت جان محمد گبول کی لکیروں پر بھی تھا۔ بچھو بابا مجھے کچھ نہ بتاتا تب بھی مجھے سب کچھ معلوم ہوتا رہتا تھا۔

☆☆☆

باقر مہدی نے فون پر دردانہ سے کہا "میڈم! ہم نے ذیشان کو تو آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہے۔ آپ گل خا اور یاور خان کو اپنی حمایت پر آمادہ کر لیں تو ذیشان کے خلاف کیس اور مضبوط ہو جائے گا۔"

وہ بولی "میں تو خود یہ چاہتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا گل خانم اور یاور خان ذیشان کے خلاف میری حمایہ کریں گے؟"

"یاور خان کے متعلق تو میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ آ کے قدموں میں آ کر بیٹھ جائے گا۔ گل خانم کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے کیونکہ وہ ذیشان سے محبت کرتی ہے۔ یہ عشق معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ دیوانوں کو سمجھایا نہیں جا سکتا پھر بھی آ اس سے ملاقات کر لیں تو بہتر ہوگا۔"

"کیا آج رات آٹھ بجے اس سے ملاقات ہو ہے؟"

"ضرور ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے اور یاور خان کو ا کوٹھی میں نظر بند کر رکھا ہے۔ انہیں کسی سے ملنے کی اجازت دیتا۔ کیا آپ اس کی کوٹھی میں آنا پسند کریں گی؟"

"ٹھیک ہے۔ رات آٹھ بجے اپنے کسی ماتحت کو میر پاس بھیج دو۔ میں اس کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز درانی نے کہا "تمہار جانا مناسب نہیں ہے۔ تم پبلو ماسٹر کی پیش گوئی کو بھول ہو۔"

"مجھے یاد ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس ہفتہ مجھ بہت بڑی مصیبت آ سکتی ہے۔ خواہ میں پاتال میں رہ سمندر کی تہ میں چھپ جاؤں۔ مصیبت کو آنا ہے تو وہ آ کر گی۔"

"پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔ تم کہو تو میں باقر مہد کہتا ہوں۔ وہ گل خانم اور یاور خان کو یہاں لے آئے گا"

"ہاں پھر بھی میرا باہر جانا ضروری ہے۔ چھ بج میں ابھی عینی کو اس کی کوٹھی تک لے جا رہی ہوں۔ وہاں چھوڑ کر واپس آؤں گی۔ یہاں پاشا اس کے بغیر تلملا اسے سنبھالنا۔"

عینی چھ بجے اپنے گھر واپس جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ پاشا نے کہا "میں لباس بدل کر آتا ہوں۔ آج مدتوں بعد تمہارے ساتھ کھلی فضا میں نکلوں گا۔"

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا تھا۔ دردانہ نے دس منٹ کے بعد آ کر عینی سے کہا "اٹھو، اب ہم چل رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "پاشا کہاں ہے؟"

"وہ آ رہا ہے۔ تم میرے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھو۔"

دردانہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ساتھ باہر ایک کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس گاڑی کے آگے پیچھے دو اور گاڑیاں بھی تھیں جن میں مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ گاڑیاں وہاں سے چلنے لگیں تو عینی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "پاشا کہاں ہے؟"

دردانہ نے کہا "وہ بعد میں آ جائے گا۔ پہلے تم اپنے گھر پہنچو۔"

"آپ نے تو کہا تھا میں اس کے ساتھ اپنے گھر جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، میں نے کہا تھا۔ اب میں اپنی بات بدل رہی ہوں۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ زیادہ بولیں یا شور مچایا تو میں گاڑی واپس لے جاؤں گی اور تمہیں بھی پاشا کی طرح قیدی بنا کر رکھوں گی پھر تم کبھی اپنے گھر والوں سے نہیں مل سکو گی۔"

یہ بات سن کر فوراً ہی عروج کا چہرا اس کی اندھی آنکھوں کے سامنے ابھر آیا۔ وہ اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ بے چین ہو رہی تھی۔ اسے پکار رہی تھی "عینی تم کہاں ہو؟"

وہ عجیب دوراہے پر تھی۔ آگے عروج پکار رہی تھی، پیچھے پاشا کا ہاتھ چھوٹ رہا تھا۔ وہ ضد نہیں کر سکتی تھی۔ دردانہ سے اپنی بات نہیں منوا سکتی تھی۔ وہ ظالم عورت اسے بھی قیدی بنا سکتی۔ دانشمندی یہی تھی کہ اسے گھر پہنچایا جا رہا ہے تو پہلے گھر ہی پہنچ جائے۔

ادھر پاشا لباس تبدیل کر کے عینی کے کمرے میں آیا تو وہ کمرا خالی تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے باہر جانے لگا۔ شہباز نے اسے آواز دی "پاشا! یہاں آؤ۔"

اس نے شہباز کے پاس آ کر کہا "ڈیڈ! عینی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے ممی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ میں بھی عینی کے ساتھ اس کے گھر جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔ تم نہیں جاؤ گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ ممی نے وعدہ کیا تھا میں شام چھ بجے عینی کے ساتھ اس کے گھر جاؤں گا۔"

"ہاں۔ وعدہ کیا تھا لیکن اب ہمارا منصوبہ بدل گیا ہے۔ تمہیں فی الحال اس کے گھر نہیں جانا چاہیے۔"

"ڈیڈ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ میری بیوی ہے۔ مجھے اتنی آزادی تو ہونی چاہیے کہ میں اس کے گھر جا سکوں اور وہ یہاں میرے پاس آ سکے۔"

"بیٹے! تمہاری ممی عینی کے خاندان والوں کے ساتھ جو گیم کھیل رہی ہیں اسے تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ابھی صبر کرو۔ جو ہم کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔ تمہیں رفتہ رفتہ سب کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔"

"نہیں ڈیڈ! پلیز، مجھے جانے دیں۔"

"جبراً جانا چاہو گے تو نہیں جا سکو گے۔ میرے گارڈز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ مجھے قیدی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں؟"

"نافرمانی کی صورت میں یہی کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں عینی کے پاس ضرور جانے دیا جائے گا لیکن ذرا صبر کرو۔"

وہ سر جھکا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ جانتا تھا کہ کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح گارڈز کی فوج ہے اور وہ سب شہباز درانی کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس کی اجازت کے بغیر وہ اسے باہر نہیں جانے دیں گے۔

اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ بیٹا بیٹا کہنے والے اسے قیدی بنا کر رکھتے ہیں۔ وہ سر جھکا کر گہری سنجیدگی سے اپنے موجودہ حالات پر غور کرنے لگا۔

گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھل گیا۔ دردانہ نے باہر آ کر عینی سے کہا "آؤ، باہر نکلو۔ تمہارا گھر آ گیا ہے۔"

وہ گاڑی کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتی ہوئی باہر آئی۔ دردانہ نے کہا "اپنے دونوں ہاتھ بڑھاؤ۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ دردانہ نے ایک بڑا سا پیکٹ اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا "یہ تمہاری شادی کا تحفہ ہے۔ یہ تحفہ اپنے گھر والوں کو ضرور دکھانا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میرے گھر والے شادی کے سلسلے میں پوچھیں گے، انہیں یقین نہیں ہوگا کہ میرا نکاح پڑھایا گیا ہے کیونکہ میں دولہا کے بغیر گھر واپس جا رہی ہوں۔"

"گھر والوں کو یقین ہو جائے گا۔ تم جاؤ۔ وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میں کہاں جاؤں؟ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے؟ آپ مجھے کہاں چھوڑ کر جا رہی ہیں؟"

"ٹھیک تمہارے سامنے چند قدم کے فاصلے پر تمہاری کوٹھی کا مین گیٹ ہے۔ تمہارے مسلح گارڈز تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری طرف آ رہا ہے۔ اب میں جا رہی ہوں۔"

وہ اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ ایک گارڈ نے قریب آ کر کہا "بی بی جی! وہ تو دردانہ بیگم تھیں جو آپ کو یہاں چھوڑ کر گئی ہیں۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "مجھے کوٹھی کے اندر لے چلو۔"

گارڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کے ساتھ جانے لگی۔ ادھر دردانہ نے فون کے ذریعے اس کے گھر والوں کو اطلاع دی۔ فلک آفتاب نے فون اٹینڈ کیا۔ دردانہ نے کہا "آپ کی بھتیجی گھر واپس آ گئی ہے۔ کوٹھی کے دروازے پر ہے۔ اس کا استقبال کریں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر فلک آفتاب نے کہا "ہیلو دردانہ! ہیلو کیا تم عینی کے بارے میں کہہ رہی ہو؟ کیا وہ واپس آ گئی ہے؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ بیگم آفتاب، فلک ناز اور عروج نے یہ سنا تو ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ عروج تڑپتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگی۔ اسی وقت وہ گارڈ کے ساتھ اندر آئی۔ عروج نے اسے دیکھتے ہی چیخ کر کہا "عینی میری جان!"

وہ دوڑتی ہوئی، روتی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ عینی بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ تمام گھر والے قریب آ گئے۔ کوئی عینی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کوئی اس کے شانے کو تھپک کر تسلیاں دینے لگا۔ فلک ناز نے کہا "بیٹی! چپ ہو جاؤ۔ خدا کا شکر ہے کہ تم گھر واپس آ گئی ہو۔"

اسما بھی زینے سے اترتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے آ کر عینی کو عروج سے الگ کیا پھر اس سے لپٹ کر روتی ہوئی اسے تھپکنے لگی "ہائے میری جان! تم کہاں گم ہو گئی تھیں؟ ہمارے اندر تو جان ہی نہیں رہی تھی۔ بس تمہاری واپسی کی امید میں جی رہے تھے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "پہلے اسے آرام سے بٹھاؤ تو سہی۔ سب ہی اس سے لپٹی جا رہی ہیں۔ اس بے چاری کو کھڑا کر رکھا ہے۔ آؤ بیٹی میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے ایک طرف سے عینی کو پکڑا۔ دوسری طرف سے اسما نے اسے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے صوفے کی طرف لے رہی تھیں۔ عینی نے رکتے ہوئے کہا "عروج! تم کہاں ہو؟"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "میں تمہارے پیچھے ہوں۔"

"میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔ تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

فلک ناز نے کہا "عینی! ابھی کمرے میں جا کر بند نہ ہو جانا۔ ہماری پریشانیوں کا خیال کرو۔ صبح سے یہ وقت آ گیا ہے۔ ہم نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا ہے۔ بھوکے پیاسے تمہارا انتظار کرتے رہے ہیں۔ یہاں بیٹھو۔ ہمیں بتاؤ۔ دردانہ تمہیں کہاں لے گئی تھی؟ اس نے کہاں تمہیں چھپایا تھا؟ اور فون پر ہم سے کیا کہہ رہی تھی؟"

عروج نے سامنے آ کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا "تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ یہاں تمہارے لیے سب ہی پریشان رہے ہیں۔ ان سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہاں رہیں اور تمہارے ساتھ کیا ہوا؟"

وہ اسما اور عروج کے درمیان ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فلک ناز نے پوچھا "یہ تمہارے ہاتھوں میں پیکٹ کیسا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "وہ۔ وہ مجھے۔ ممی نے شادی کا تحفہ دیا ہے۔"

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اسما نے پوچھا "شادی کا تحفہ؟"

بیگم آفتاب نے پوچھا "کس کی شادی؟ کیا وہ تمہیں شادی کی تقریب میں لے گئی تھی؟"

عینی نے انکار میں سر ہلایا۔ زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایک دم سے پلٹ کر عروج سے لپٹ گئی پھر روتے ہوئے بولی "میری شادی ہو چکی ہے۔"

سب ہی کے دماغوں میں جیسے دھماکا سا ہوا۔ کسی کو یقین نہیں ہوا کہ جو انہوں نے ابھی سنا ہے عینی نے وہی کہا ہے۔ عروج نے ایک دم سے پریشان ہو کر پوچھا "یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا واقعی تیری شادی ہو گئی ہے؟ تو سچ کہہ رہی ہے؟"

عینی اس سے لپٹی ہوئی روتی رہی۔ اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اسما نے کہا "اس کے آنسو بتا رہے ہیں۔ اس مکار عورت نے زبردستی اس کی شادی کرائی ہے۔ ہمیں بتاؤ، کس سے تمہاری شادی کرائی گئی ہے؟"

وہ رو رہی تھی۔ عروج اسے تھپک رہی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا تیرے ساتھ زبردستی کی گئی ہے؟"

عینی نے انکار میں سر ہلایا۔ فلک آفتاب نے کہا "شادی کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے۔"

اسما نے پوچھا "کیا باقاعدہ نکاح پڑھایا گیا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عروج نے پھر وہی سوال کیا "کیا زبردستی نکاح پڑھایا گیا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ عروج نے پوچھا "انکار میں سر ہلانے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا تو نے اپنی مرضی سے نکاح قبول کیا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ سب ہی اسے شدید حیرانی سے دیکھنے لگے۔ عروج نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے اس کے دونوں شانوں کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا "یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ تو نے کس سے نکاح قبول کیا ہے؟ کون ہے وہ؟"

اس نے پھر اس سے لپٹ کر اپنا منہ چھپاتے ہوئے کہا۔ "پاشا......"

عروج یہ سنتے ہی دنگ رہ گئی۔ دور بیٹھنے والوں کو اچھی طرح سنائی نہیں دیا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

اسما نے کہا "اس کا نکاح پاشا سے پڑھایا گیا ہے۔"

"کیا؟"

فلک ناز نے کہا "یہ دردانہ کیا تماشے کرتی پھر رہی ہے؟ اس کا نکاح پاشا سے پڑھوایا اور اتنی بڑی خوشی میں ہمیں شریک نہیں ہونے دیا۔ اس نے ہم سے چھپ کر ایسا کیوں کیا ہے؟"

بیگم آفتاب نے کہا "ہم تو پہلے ہی عینی کی شادی پاشا سے کرنے والے تھے۔ اگر وہ ہمیں شریک کر لیتی تو ہم کبھی اعتراض نہ کرتے۔ چلو اس نے اچھا ہی کیا ہے۔ عینی جو چاہتی تھی، وہی کیا ہے۔"

اسما نے کہا "اچھا ہی کیا ہے تو پھر اچھا ہی کرتی۔ اسے اغوا نہ کراتی۔ رازداری سے اس کا نکاح نہ پڑھواتی۔"

بیگم آفتاب نے دونوں کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا "تم تو کبھی کسی کی تعریف نہیں کرو گی۔ دردانہ جیسی بھی ہے اس نے عینی کے حق میں اچھا کیا ہے۔ اس سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ کم از کم دردانہ کے اس جذبے کی قدر تو کرو کہ عینی کا کھویا ہوا پاشا اسے مل گیا ہے۔"

عروج نے جل کر پوچھا "لیکن وہ پاشا ہے کہاں؟" پھر وہ عینی سے بولی "تو چپ کیوں ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟ پاشا کہاں ہے؟"

وہ بولی "میں کیا بتاؤں۔ وہ تو میرے ساتھ آنے والے تھے۔ لباس تبدیل کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں گئے۔ ممی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو میں نے پوچھا پاشا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا 'وہ بعد میں آ جائے گا۔ ابھی مجھے گھر پہنچایا جا رہا ہے۔ میں نے ضد کی کہ میں اسی کے ساتھ گھر جانا چاہتی ہوں۔ تب انہوں نے سختی سے کہا۔ اگر میں نے ضد کی یا شور مچایا تو وہ مجھے واپس لے جائیں گی اور پھر قیدی بنا کر رکھیں گی۔"

فلک ناز نے کہا "تعجب ہے۔ جب اس نے نکاح پڑھوا دیا تو پھر پاشا کو یہاں عینی کے ساتھ کیوں نہیں لائی؟ نکاح کے بعد دونوں کو الگ کیوں کر دیا؟"

اسما نے کہا "وہ مکار عورت کوئی بہت ہی پیچیدہ کھیل کھیل رہی ہے۔ ہمیں اس سے پوچھنا چاہیے کہ آخر وہ عینی کے ساتھ ایسی حرکتیں کیوں کرتی رہی ہے۔"

عروج نے اپنے موبائل پر دردانہ کے نمبر پنچ کیے پھر اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد دردانہ کی آواز سنائی دی "ہیلو! میں دردانہ بول رہی ہوں۔"

"میں عروج ہوں، ہم یہاں عینی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ رہی ہے، پاشا کے ساتھ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے، کیا یہ درست ہے؟"

وہ بولی۔ "غلط ہے۔ پاشا کے ساتھ اس کا نکاح نہیں پڑھایا گیا ہے۔ وہ اپنے یار کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے۔"

عروج نے غصے سے پوچھا "یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔"

دردانہ نے کہا "تمہاری سہیلی اپنے ساتھ ایک پیکٹ لے کر آئی ہے۔ اس پیکٹ کو صرف عورتوں کے سامنے کھولو اور اسے دیکھو پھر مجھ سے بات کرو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ عروج نے اپنا فون بند کرتے ہوئے عینی کے پاس رکھے ہوئے پیکٹ کو دیکھا پھر اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔

"دردانہ نے کہا ہے اسے صرف عورتوں کے سامنے کھولا جائے۔"

سب نے حیرانی اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فلک ناز نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "میرے کمرے میں چل کر اس پیکٹ کو کھولو۔ ہم عورتیں اسے دیکھیں گی۔"

اسما نے وہ پیکٹ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ عروج نے عینی کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ سب وہاں سے چلتی ہوئی فلک ناز کے بیڈروم میں آ گئیں۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر

اس پیکٹ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پرچی لگی ہوئی تھی۔ اس پر لکھا تھا ''اسے صرف عورتیں دیکھیں تو عینی کا بھلا ہوگا۔''

وہ پرچی اور وہ ویڈیو کیسٹ سب ہی کے تجسس کو بھڑکا رہا تھا۔ سب ہی یہ تو سمجھ گئے تھے کہ اب تو... اس کیسٹ میں ضرور کوئی پردے والی بات ہے۔

فلک ناز اس کیسٹ کو وی' سی' آر میں سٹ کر کے ٹی' وی آن کرنے لگی۔ عینی پوچھ رہی تھی ''کیا ہوا؟ پیکٹ میں کیا ہے؟''

عروج نے کہا ''ایک ویڈیو کیسٹ ہے۔ ہم ابھی دیکھ کر تمہیں بتاتے ہیں۔''

ٹی' وی' اسکرین آن ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد اس اسکرین پر پاشا اور عینی دکھائی دیئے۔ وہ دونوں ایک بیڈ پر تھے۔ پاشا اسے آغوش میں لے کر پیار کر رہا تھا پھر جب وہ اس کا لباس اتارنے لگا تو ان سے برداشت نہ ہوسکا۔ عروج نے چیخ کر کہا۔ ''بند کرو اسے۔''

فلک ناز نے وی' سی' آر بند کردیا۔ عروج دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ عینی نے ٹٹولتے ہوئے اسے چھو کر پوچھا ''کیا ہوا؟ تم کیوں رو رہی ہو؟''

اسما کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ بیگم آفتاب اور فلک ناز پریشان ہو کر ایک دوسرے کو تک رہی تھیں۔ عروج نے عینی سے لپٹ کر کہا ''وہ ذلیل عورت بہت ہی بے شرم اور بے حیا ہے۔ پاشا کے ساتھ تمہاری ایسی ویڈیو فلم تیار کی ہے جسے دیکھتے ہی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ تو مجھے جواب دے۔ تو نے پاشا کے ساتھ ایسا وقت کیوں گزارا؟''

وہ حیران پریشان ہو کر تاریکی میں تکنے لگی۔ اس اندھی نے ویڈیو فلم نہیں دیکھی تھی۔ لیکن بات سمجھ میں آگئی۔ اس نے کہا۔ ''یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ میرا ان سے نکاح ہو چکا ہے۔ وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اس بازاری عورت نے بڑی ذلالت کا ثبوت دیا ہے۔''

''کیا اس ویڈیو فلم میں ہمارا نکاح پڑھاتے ہوئے نہیں دکھایا گیا ہے؟''

''کچھ نہیں دکھایا گیا ہے۔ صرف ایسے مناظر ہیں جو تجھے بے حیا اور بدچلن ثابت کر رہے ہیں۔''

اس نے فون کے ذریعے پھر دردانہ سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی ''معلوم ہوتا ہے' ویڈیو فلم دیکھی جا چکی ہے۔''

عروج نے چیخ کر کہا ''لعنت ہے تم پر' تمہیں ایسی فلم اتارتے ہوئے شرم نہیں آئی؟''

دردانہ نے پوچھا ''کیا عینی کو بے حیائی کرتے ہوئے اور اپنے یار کے ساتھ ایسا شرم ناک کھیل کھیلتے ہوئے شرم نہیں آئی؟''

''بکواس مت کرو۔ تم نے عینی کے اندھے پن سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر تم میں ذرا سی بھی انسانیت اور شرافت ہے تو عینی اور پاشا کا نکاح نامہ ہمیں دے دو۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''نکاح نامہ؟ کیسا نکاح نامہ؟ اگر وہ اندھی لڑکی یہ کہہ رہی ہے کہ پاشا کے ساتھ اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔''

اسما نے پوچھا ''عروج وہ کیا کہہ رہی ہے؟''

عروج نے کہا ''یہ تو صاف انکار کر رہی ہے کہ پاشا کے ساتھ عینی کا نکاح نہیں پڑھایا گیا ہے۔''

اسما نے اس سے فون چھین کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''دردانہ بیگم! تم کیوں خوا مخواہ ایسی گھٹیا حرکتیں کر رہی ہو؟ تمہیں عینی کو بدنام کر کے کیا ملے گا؟''

دردانہ نے چہکتے ہوئے کہا ''آہا! بیگم ذیشان بول رہی ہیں۔ کہاں ہے تمہارا وہ ایس' پی' شوہر؟ بہت غیرت مند بھائی بنتا تھا۔ میرے مقتول بیٹے پر الزام لگاتا رہا کہ وہ عینی کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ اس غیرت مند بھائی نے میرے بیٹے کو قتل کرا دیا۔ اب میں دیکھوں گی کہ وہ غیرت کے جوش میں آکر اپنی بے حیا بہن کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مجھے الزام دیا جائے گا کہ میں نے اسے بے حیا بنایا ہے تو آئے اور مجھے الزام دے اور میرا جو بگاڑ سکتا ہے بگاڑ لے۔''

وہ قہقہے لگانے لگی۔ اسما نے کہا ''چڑیل کی بچی ابھی تو تم قہقہے لگا رہی ہو مگر جلد تمہاری زندگی پوری ہونے والی ہے۔ جس دن میرا ذیشان جیل سے باہر آئے گا' وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ کچھ نہیں سن رہی تھی پھر اس نے فون کو بند کر دیا۔ اسما بھی اپنا فون بند کر کے اسے برا بھلا کہنے لگی۔ عینی اور عروج ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔ عروج کہہ رہی تھی ''بھائی جان! یہ میری عینی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں اس سے دشمنی کی جا رہی ہے؟ ہائے! مقدر ہی اس کا دشمن بنا ہوا ہے۔ جب بھی اس کی زندگی میں خوشیاں آتی ہیں تو اس سے پہلے بدنصیبی کی ٹھوکریں لگنے لگتی ہیں۔''

وہ عینی کو تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی ''پہلے اس کی کمزور بینائی

سے فائدہ اٹھا کر اسے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی دردانہ کے بیٹے جواد نے اور کبھی میرے بھائی حشمت نے اس کی عزت سے کھیلنا چاہا۔ پاشا اس کی زندگی میں خوشیاں لانے والا تھا لیکن اسے بھی اغوا کر لیا گیا۔ اس بے چارے کو پتا نہیں کہاں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے؟''

عینی عروج سے الگ ہوگئی۔ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''میں اندھی نہیں رہنا چاہتی۔ اس اندھے پن نے مجھے بہت دھوکا دیا ہے۔ عروج! اس جاوید برقی سے ابھی فون پر بات کرو۔ میں جلد سے جلد آنکھیں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس اندھیرے سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

عروج نے کہا ''جاوید برقی نے آج صبح فون کیا تھا۔ تمہارے سلسلے میں بھائی جان سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ ہمارے ساتھ ایک کے بعد ایک ٹریجڈی ہو رہی ہے۔ پہلے ہمارے بھائی جان کو گرفتار کیا گیا ہے اور پھر تمہیں اغوا کیا گیا ہے۔ جب تمہارا کوئی سراغ ملے گا اور تم واپس آؤ گی تو ہم ان سے رابطہ کریں گے۔''

عروج نے اسما سے فون لے کر اس کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں کے بعد جاوید برقی کی آواز سنائی دی۔ عروج نے کہا ''میں عینی کی سہیلی عروج بول رہی ہوں۔ عینی واپس آگئی ہے اسی لیے میں نے آپ کو فون کیا ہے۔''

جاوید برقی نے کہا ''میں بہت پریشان ہوں۔ مایوس ہو رہا ہوں۔ یوں تو عطیہ حاصل کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے لیکن اس میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عورتیں یا تو ادھیڑ عمر کی ہیں یا پھر شادی شدہ ہیں۔ کوئی بن بیاہی عورت نہیں ہے۔ میری بیوی کی یہ آخری خواہش پوری ہوتی نہیں لگتی کہ اس کی موت کے بعد بھی اس کی آنکھوں سے کوئی اس دنیا کو، مجھ کو اور میرے بچوں کو دیکھے۔''

عروج نے کہا ''آپ نے آخری بار فون کر کے کہا تھا' عینی کو آپ کی وائف کی آنکھیں ملنی چاہیے۔ خواہ وہ آپ سے شادی کرے یا نہ کرے لیکن وہ کبھی کبھی آپ کے بچوں سے آکر مل لیا کرے۔''

''جی ہاں! میں اب بھی اس بات پر قائم ہوں۔ میں اس سلسلے میں حلفیہ بیان دے سکتا ہوں کہ میں عینی سے کبھی شادی کا تقاضا نہیں کروں گا۔''

''تو پھر آپ ضروری کاغذات تیار کریں۔ ہم کل صبح آکر اس پر دستخط کریں گے۔''

''میری وائف کی آنکھیں منتقل کرنے کے سلسلے میں تمام کاغذات تیار ہیں۔ میں بھی اپنے طور پر ایک تحریر لکھ کر دے دوں گا۔ آپ کل صبح اپنے کسی بزرگ کے ساتھ عینی کو لے کر ہاسپٹل آجائیں۔ متعلقہ ڈاکٹرز کی موجودگی میں تمام معاملات طے ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ کل صبح دس بجے ہم ہاسپٹل آجائیں گے۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ عروج نے عینی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''انشا اللہ بات بن جائے گی۔ تمہیں جلد ہی آنکھوں کی روشنی ملے گی۔ انہوں نے کہا ہے' کل ہم اپنے کسی بزرگ کے ساتھ ہاسپٹل آجائیں۔''

بیگم آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''میں ابھی جا کر اس کے بڑے ابو سے کہتی ہوں۔ وہ کل تمہارے ساتھ ہاسپٹل چلے جائیں گے۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اسما نے پریشان ہو کر کہا ''اس ویڈیو فلم کا کیا کیا جائے؟ ہم اسے ضائع کر دیں گے پھر بھی اس کی ماسٹر کاپی اس مکار عورت کے پاس ہوگی۔ نہ جانے وہ آئندہ عینی کے خلاف کیا کرنا چاہتی ہے؟''

عینی نے کہا ''ایسے برے وقت میں بھائی جان ہمارے ساتھ نہیں ہیں لیکن مقدر بھائی جان تو ہیں۔ میں ان سے کہوں گی میرے ہاتھ کی لکیریں پھر سے پڑھیں اور مجھے بتائیں۔ کیا میرے مقدر میں بدنامی اور رسوائی ہے؟''

میں آسرا کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے گیا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو عینی، عروج، اسما' فلک ناز سب ہی ڈرائنگ روم میں آ رہی تھیں۔ میں نے عینی کو دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا۔ ''خدا کا شکر ہے میری بہن واپس آگئی ہے۔''

آسرا نے آگے بڑھ کر عینی کو گلے سے لگا لیا پھر کہا ''مجھے مقدر نے بتایا تھا کہ دردانہ نے تمہیں اغوا کیا ہے اور کہا ہے کہ شام تک تمہیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ تھینکس گاڈ! تم واپس آگئی ہو۔''

عینی نے خلا میں تکتے ہوئے مجھ سے کہا ''مقدر نے مجھے اندھیروں میں ڈبو دیا ہے۔ ہم پر کوئی مصیبت آتی تھی تو بھائی جان ہمارے سامنے ڈھال بن جاتے تھے۔ سوتیلی ماں کی سازشوں نے انہیں بھی ہم سے دور کر دیا ہے۔ اب ہم کس کے سہارے جئیں؟ کیا آپ ہمارے کسی کام نہیں آئیں گے؟''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مصیبتوں کے دن ہمیشہ نہیں رہتے۔''

وہ اپنی ہتھیلی بڑھا کر بولی ''آپ ابھی میرا ہاتھ دیکھ کر مجھے بتائیں' کیا میں ہمیشہ اندھیروں میں رہوں گی؟ بد

نصیبی ہمیشہ مجھے ٹھوکریں مارتی رہے گی؟''

میں نے اس کی ہتھیلی کو دونوں ہاتھوں میں لے کر سر جھکا کر اسے چوما پھر کہا ''اپنی مٹھی بند کر لو۔ تمہیں جلد ہی روشنی ملنے والی ہے۔''

عروج نے آگے بڑھ کر کہا ''بھائی جان! وردانہ نے بڑی ذلالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے ایسی حرکت کی ہے کہ ہم سب کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں۔''

میں نے انجان بن کر پوچھا ''اس نے ایسا کیا کیا ہے؟''

عروج اس شرم ناک ویڈیو کیسٹ کے بارے میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے فلک ناز کی طرف دیکھا۔ فلک ناز نے کہا ''مقدر! یہاں میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس مکار عورت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔''

میں فلک ناز کے ساتھ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا۔ وہاں فلک ناز مجھے اس ویڈیو کیسٹ کے بارے میں بتانے لگی۔ میں نے عینی اور عروج کے پاس آ کر تشویش کا اظہار کیا پھر انہیں تسلی دی کہ اس سلسلے میں وردانہ سے بات کروں گا۔ اسے کسی نہ کسی طرح سمجھوتا کرنے اور اس ویڈیو کیسٹ کو کسی بھی شرط پر واپس کرنے پر آمادہ کروں گا۔''

میں انہیں تسلیاں دینے لگا۔ آئندہ ان کے ساتھ اور وردانہ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، انہیں یہ بتانا مناسب نہیں تھا۔

☆☆☆

پاشا کا سر گھوم رہا تھا۔ وردانہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسے اس کی دلہن عینی کے ساتھ باہر جانے دیا جائے گا لیکن اس نے دھوکا دیا تھا اور عینی کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر شہباز نے اسے روک لیا تھا۔ اسے سمجھایا تھا کہ عینی کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ اس کی ممی وردانہ جو کچھ بھی کر رہی ہیں' وہ اس کے خاندان والوں سے انتقام لینے کے لیے کر رہی ہیں۔ اسے ابھی اس کے گھر نہیں جانا چاہیے اور اگر اس نے جانے کی ضد کی تو سیکورٹی گارڈز اسے کوٹھی سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ یہ بات دماغ میں گونجنے لگی کہ وہ وہاں قیدی بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ماں باپ جوان بیٹے کو قیدی بنا کر رکھتے ہیں؟ کیا یہ اپنے بیٹے کے جذبات کو نہیں سمجھنا چاہتے؟ اس کی نئی نویلی دلہن کو چھین کر اس سے دور کر چکے ہیں۔

شہباز درانی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دینے کے انداز میں کہا ''اپنے بیڈ روم میں جا کر آرام کرو۔ یہاں کچھ لوگ مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔''

اس نے سر اٹھا کر شہباز درانی کو دیکھا پھر وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ اس کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگا۔ عینی نے اس سے کہا تھا کہ شادی کے بعد وہ اس کے ساتھ اس کے گھر جائے گا تو وہاں عروج سے ملاقات ہوگی پھر دونوں سہیلیاں اسے اس کی پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات یاد دلائیں گی۔

وہ چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ بے چینی سے سوچنے لگا۔ ''یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ مجھ سے جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ عینی نے کہا تھا' میری ماں کا نام وردانہ اور باپ کا نام شہباز درانی نہیں ہے اور میں نے ڈائری میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے۔ میں عینی سے نہیں عروج سے محبت کرتا تھا۔''

وہ پھر اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا۔ ''وہ حسین لڑکی دو بار میرے خوابوں میں آ چکی ہے۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ مجھے عینی سے شادی کرنی ہوگی۔ اگر میں نہیں کروں گا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی، مجھ سے دور چلی جائے گی۔ پھر یہی بات عینی نے..... مجھ سے آج کہی تھی۔ اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ اس کی سہیلی عروج ہی وہ حسینہ ہے جو میرے خوابوں میں آ چکی ہے۔''

وہ اپنے بیڈ روم کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ جگہ جگہ رک کر سوچ رہا تھا۔ ''اگر عینی کی باتیں درست ہیں تو پھر وہ ڈائری میں نے نہیں لکھی ہے۔ یہ وردانہ بیگم اور شہباز درانی میرے ماں باپ نہیں ہیں۔''

وہ اندر ہی اندر بری طرح الجھ رہا تھا۔ کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن آج وردانہ اور شہباز کے رویے نے اس کے اندر باغیانہ خیالات پیدا کر دیئے تھے۔ وہ عینی کے ساتھ باہر جا کر اپنی حقیقت معلوم کر سکتا تھا لیکن اسے باہر جانے سے جبراً روک دیا گیا تھا۔

وہ سوچتا ہوا، دروازہ کھولتا ہوا اندر آیا' وہاں تہمینہ ایک کرسی پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے سامنے کچھ فاصلے پر ٹی' وی' آن تھا۔ وہ پاشا کے انتظار میں ٹی' وی' چینل بدل بدل کر دیکھ رہی تھی اور دل بہلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ مسکرا کر بولی ''نئی دلہن مبارک ہو۔ لوگ سہاگ رات مناتے ہیں۔ تم نے سہاگ کا دن منا لیا ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''یقیناً تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے۔''

وہ اس کے قریب ہو کر بولی ''تکلیف پہنچے بھی تو کیا فرق پڑتا ہے؟ میں تو اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر چکی ہوں۔ اب تمہیں جیتنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں رہا ہے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اچانک ہی اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے کہا ''تہمینہ! میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جسے سنتے ہی تمہیں شاک پہنچے گا۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے پاشا کو دیکھا پھر پوچھا ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میری یادداشت واپس آ گئی ہے۔''

تہمینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ بولا ''میں اپنی پچھلی زندگی کی ایک ایک بات یاد کر رہا ہوں۔''

وہ حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کہا ''میری پچھلی زندگی کے کسی لمحے میں بھی تم میرے ساتھ نہیں ہو۔ نہ خلوت میں نہ جلوت میں۔ میرے پیچھے جو سچ چھپا ہوا تھا' وہ میرے سامنے آ گیا ہے اور میں تمہارے چہرے پر لکھا ہوا جھوٹ صاف طور سے پڑھ رہا ہوں۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ تمہاری یادداشت واپس نہیں آ سکتی۔''

''جو یادداشت جا سکتی ہے وہ واپس بھی آ سکتی ہے۔ تمہیں یقین کیوں نہیں ہو رہا ہے؟''

''اس لیے کہ ڈاکٹر تمہیں......''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پاشا نے پوچھا ''رک کیوں گئیں؟ آگے بولو؟ ڈاکٹر مجھے کیا کر رہا ہے؟ میرا ٹریٹمنٹ کیسے کر رہا ہے؟''

وہ ہکلاتے ہوئے بولی ''میں۔ میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ ڈاکٹر بڑی توجہ سے تمہارا علاج کر رہا ہے۔ یہ تو تم خود ہی دیکھ رہے ہو۔''

''ہاں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ تم حیران ہو کہ ڈاکٹر اتنی توجہ سے علاج کر رہا ہے' اس کے باوجود میری یادداشت کیسے واپس آ رہی ہے؟''

''یہ۔ یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''کچھ نہیں......''

وہ اتنا کہہ کر جانا چاہتی تھی۔ پاشا نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اپنے بازو کو دیکھ کر جذباتی انداز میں سوچنے لگی ''ہائے! کیسی فولادی گرفت ہے۔ کم بخت جکڑتا ہے مگر چھوڑ دیتا ہے۔''

اس نے کہا ''میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں۔ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ تم میرے سلسلے میں کوئی بہت اہم بات چھپا رہی ہو۔ خاص طور پر ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ کے بارے میں۔ جب تک تم صحیح بات نہیں بتاؤ گی میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔''

اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے آگے بڑھ کر، اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بہت ہی جذباتی انداز میں بولی ''مجھے یوں جکڑنے کے بعد نہ چھوڑو۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں۔ تم سے کچھ نہیں چھپا رہی ہوں۔''

وہ اسے اپنے سے الگ کرنے لگا لیکن وہ جونک کی طرح چمٹتی جا رہی تھی' کہتی جا رہی تھی ''مجھے الگ نہ کرو۔ میری بات سنو۔ ڈاکٹر نے کہا تھا تمہاری یادداشت کبھی واپس نہیں آئے گی۔ اس لیے میں حیران ہو رہی تھی۔ مجھے اب بھی تمہاری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں پچھلی باتیں یاد آنے لگی ہیں۔''

وہ بولتی جا رہی تھی اور کمبل بنتی جا رہی تھی۔ پاشا اسے اپنے سے الگ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ ایسی ہی کوششوں کے دوران میں اس کی نظریں اس کے کھلے ہوئے گریبان کی طرف گئیں۔ لپٹتے اور جھپٹتے وقت چھپا ہوا خزانہ دکھائی دے رہا تھا۔ پاشا نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً ہی اپنا ہاتھ وہاں ڈالا تو وہ ہائے کہتی ہوئی بولی ''یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو بالکل ہی فری ہو رہے ہو۔''

پاشا نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر مٹھی کھولتے ہوئے کہا ''میں یہ کر رہا تھا۔''

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ اس سے الگ ہو گئی۔ پاشا کے ہاتھ میں ایک تہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ وہ کاغذ کی طرف جھپٹتے ہوئے بولی ''یہ کچھ نہیں ہے۔ مجھے دو۔''

پاشا نے ہاتھ بلند کیا۔ وہ اچھل اچھل کر اس کاغذ تک پہنچنے کی کوششیں کرنے لگی اور کہنے لگی ''فار گاڈ سیک، یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔ مجھے واپس کرو۔ مجھے دے دو۔''

پاشا نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم اسے حاصل کرنے کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہو رہی ہو؟''

وہ ہانپتے ہوئے بولی ''یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔ پلیز اسے کھول کر نہ پڑھنا۔ یہ بات آؤٹ آف ایٹی کیٹ ہوگی۔''

وہ اچھلتے اچھلتے تھک گئی تھی۔ ہانپتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی ''یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔ خدا

کے لیے اسے نہ کھولو۔ اسے نہ پڑھو۔ مجھے واپس کردو۔''

''تمہارا اصرار، تمہاری پریشانی کہہ رہی ہے کہ مجھے ضرور پڑھنا چاہیے۔ تم ادھر کرسی پر جا کر بیٹھ جاؤ۔''

''میں نہیں بیٹھوں گی۔''

وہ پھر کاغذ کی طرف جھپٹنا چاہتی تھی۔ پاشا نے اسے ایک دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی کرسی کے پاس گئی پھر کرسی سمیت فرش پر گر پڑی اور تکلیف سے کراہنے لگی۔ وہاں سے فوراً ہی اٹھ نہ سکی۔ کمر پکڑ کر، تکلیف برداشت کرتی ہوئی اٹھنے لگی۔ اس وقت تک پاشا اس کاغذ کو کھول کر پڑھ رہا تھا۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر پلٹ کر دیکھا تو گھبرا گئی۔ اس کاغذ کی طرف لپکنا چاہتی تھی لیکن ایک قدم آگے بڑھتے ہی پھر تکلیف سے کراہتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ کمر کی ہڈی پر سخت چوٹ لگی تھی۔ وہ سر اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

اس نے کھلے ہوئے کاغذ کو دکھاتے ہوئے پوچھا ''یہ کیا لکھا ہوا ہے؟''

وہ کراہتے ہوئے بولی ''یہ میرا اپنا حساب کتاب ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔''

''میں ایسا اناڑی بھی نہیں ہوں۔ اتنا تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب کوڈ ورڈز میں لکھا گیا ہے۔ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ' یہ بتادو کہ کوڈ ورڈز اور کوڈ نمبرز کے پیچھے کیا باتیں چھپی ہوئی ہیں؟''

''جو باتیں چھپی ہوئی ہیں ان کا تعلق تم سے نہیں ہے۔ یہ جانتے ہو کہ میں باس کی رازدار سیکریٹری ہوں۔ ان کے اہم پیغامات اور اہم معاملات کو کوڈ ورڈز میں لکھا جاتا ہے پھر میں پرائیویٹ چیمبر میں جا کر انہیں کسی ریکارڈ فائل میں رکھ دیتی ہوں۔''

''تو پھر اسے ریکارڈ فائل میں کیوں نہیں رکھا؟''

''میں بعد میں رکھ دوں گی۔''

''ڈیڈی ابھی یہاں موجود ہیں۔ وہ خود اس کاغذ کو وہاں لے جا کر رکھ سکتے۔ یا پھر انہوں نے تمہیں رکھنے کے لیے کیوں دیا؟ اور جب دیا ہے تو تم نے اسے گریبان کے اندر چھپا کر کیوں رکھا ہے؟''

''یہ میرا اور باس کا معاملہ ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔''

''میں سمجھنا چاہتا ہوں اور اگر تم نے نہ سمجھایا تو میں ابھی جا کر اسے ڈیڈی کو دکھاؤں گا اور پوچھوں گا کہ یہ ریکارڈ فائل میں کیوں نہیں ہے؟ تمہارے گریبان میں کیوں چھپا ہوا ہے؟''

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ اس سے آ کر لپٹنا چاہتی تھی۔ وہ دور ہو کر ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا ''خبردار! مجھ سے فاصلہ رکھو۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ کاغذ تمہارے لیے کتنا اہم ہے۔''

وہ بے بسی سے بولی ''پاشا! کیوں میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو؟''

''میری ایک بات کا جواب دو۔ اس کاغذ کو ڈیڈی کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہیے یا نہیں؟''

وہ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔''

''ٹھیک ہے پھر میں ڈیڈی سے سوال کروں گا۔''

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولی ''نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔''

''تو تم مجھے ایسا کرنے سے روکو گی؟''

وہ ایک دم سے دوڑتی ہوئی آ کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی ''نہیں۔ خدا کے لیے یہ مجھے واپس کردو یا اسے جلا ڈالو۔''

وہ سر جھکا کر اسے اپنے قدموں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اب میں کسی حد تک تمہیں سمجھ رہا ہوں۔ تم ڈیڈی سے فراڈ کر رہی ہو۔ ان کی لاعلمی میں کوئی بہت بڑا گیم کھیل رہی ہو۔''

وہ روتے ہوئے بولی ''آہستہ بولو۔ اگر باہر تک آواز گئی اور باس نے سن لیا تو مجھے اپنے ٹارچر سیل میں پہنچادیں گے۔ وہاں اتنی اذیتیں دی جائیں گی کہ میں موت کی بھیک مانگتی رہوں گی لیکن وہ مجھے مرنے نہیں دیں گے۔ پتا نہیں کتنے دن اور کتنی راتوں تک اذیتیں دینے کے بعد مجھے موت ملے گی۔''

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر بولی ''اسے جلا ڈالو۔''

''کیوں جلا ڈالوں؟ تم اپنے اس باس کو دھوکا دے رہی ہو جو میرا باپ ہے۔''

وہ جلدی سے بولی ''وہ تمہارے باپ نہیں ہیں۔''

اس نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا ''آگے بولو؟''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی ''تم میرے کام آؤ۔ میں تمہارے کام آؤں گی۔ یہ کاغذ مجھے واپس کردو۔ میں تمہارے بارے میں جتنا جانتی ہوں' تمہیں بتاؤں گی۔''

''میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

''میں سب کچھ بتاؤں گی۔ پہلے وہ کاغذ مجھے دے دو۔''

وہ کاغذ کو مٹھی میں بند کرتے ہوئے بولا ''یہ تمہاری کمزوری ہے' میرے ہاتھ میں رہے گی۔ میرے نام نہاد ڈیڈی کے پاس نہیں پہنچے گی۔ چلو، وقت ضائع نہ کرو۔ میرے بارے میں بتاؤ؟''

وہ ٹھہر ٹھہر بولی ''تمہیں بہت ہی زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ پتا نہیں تمہیں کتنی گولیاں لگی تھیں۔ تم سر سے پاؤں تک لہو میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یہاں بڑی رازداری سے تمہارا علاج ہوتا رہا ہے۔''

''وہ دشمن کون تھے' جنہوں نے مجھے زخمی کیا تھا؟''

''یہی دردانہ بیگم' جنہیں تم اپنی ممی کہتے ہو۔ پہلے تو طے کیا گیا کہ تمہیں قیدی بنا کر رکھا جائے گا پھر تم ہوش میں آئے اور خود کو پہچان نہ سکے۔ اپنے بارے میں پوچھنے لگے' تب اندازہ ہوا کہ تمہاری یادداشت گم ہو چکی ہے۔ دردانہ اور مسٹر درانی نے فیصلہ کیا کہ تمہیں اسی طرح رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر ایسے انجکشن لگایا کرے گا کہ تمہارا دماغ ہمیشہ کمزور رہے گا۔ کبھی تمہاری یادداشت بحال نہیں ہو سکے گی۔''

''مجھے انجکشن کب لگایا جاتا ہے؟''

''ہر سات دن کے بعد ہفتے کی رات کو۔''

''ہوں۔ تو وہ انجکشن مجھے کمزور بنانے اور قیدی بنا کر رکھنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ مجھے تصویروں کے البم دکھائے گئے جن میں دردانہ اور شہباز درانی کے ساتھ میری تصویریں ہیں پھر میرے شناختی کارڈ میں باپ کی جگہ شہباز درانی کا نام لکھا ہوا ہے۔''

''یہ سب جعلی تصویریں ہیں۔ جعلی شناختی کارڈ ہے۔ وہ ڈائری بھی تم نے نہیں لکھی ہے۔ تحریر کی نقالی کرنے والے ایک ماہر کو اچھی خاصی رقم دے کر وہ ڈائری لکھوائی گئی ہے۔''

''او گاڈ! مجھ سے کتنا بڑا فراڈ کیا جا رہا ہے۔ میری پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''میں تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ ایک بار میں نے دردانہ بیگم کو مسٹر درانی سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا کہ تمہاری شادی عینی سے ہونے والی تھی اور وہ اس شادی کو روکنے کے لیے تم پر قاتلانہ حملہ کرا چکے تھے۔ ان کے آدمی تمہیں تلاش کر رہے تھے پھر میں نے دوسرے دن دیکھا تمہیں زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔''

وہ سوچتے ہوئے زیر لب بڑبڑانے لگا ''عینی درست کہہ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر چلوں گا۔ وہاں عروج سے ملاقات ہوگی تو دونوں سہیلیاں مجھے میری پچھلی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتائیں گی۔''

تہمینہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا ''ابھی تو تم نے کہا تھا تمہاری یادداشت واپس آگئی ہے اور تم اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو؟''

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ تم سے حقیقت اگلوانا چاہتا تھا۔ تھینکس گاڈ! مقدر میرا ساتھ دے رہا ہے۔ یہ کاغذ تمہارے گریبان سے نہ نکلتا اور میرے ہاتھ نہ آتا تو کبھی مجھے اصلیت معلوم نہ ہوتی اور میں ہمیشہ ان فراڈ ممی اور ڈیڈی کا قیدی بنا رہتا۔''

''اب کیا سمجھتے ہو؟ آئندہ ان کے قیدی بن کر نہیں رہو گے؟ ان کی اجازت کے بغیر یہاں سے باہر جا سکو گے؟''

وہ پریشان ہو کر اسے تکنے لگا۔ وہ بولی ''تم نے اتنا عرصہ یہاں رہ کر دیکھا ہے کہ کتنے سخت حفاظتی انتظامات ہیں۔ میڈم اور باس کی اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکتا اور باہر کا کوئی بندہ یہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔''

وہ ٹہلنے کے انداز میں اس سے ذرا دور گیا۔ سوچتا رہا پھر بولا ''مجھے کچھ کرنا ہوگا۔''

''تم کچھ بھی کرلو۔ ان سے بغاوت کرو گے۔ زنجیریں توڑ کر یہاں سے جانا چاہو گے تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔ یہ تمہیں بیٹا کہتے ہیں لیکن انہوں نے تمہیں موبائل فون نہیں دیا ہے اور تم یہاں کے فون سے کسی سے بھی رابطہ کرو گے تو انہیں خبر ہو جائے گی۔ کیونکہ یہاں کی تمام کالوں کو ٹیپ کیا جاتا ہے۔''

اس نے کہا ''ایک بار میں تمہارے ساتھ شاپنگ سینٹر گیا تھا۔ ہو سکتا ہے پھر کسی ضرورت کے تحت دردانہ اور درانی مجھے یہاں سے باہر لے جائیں۔''

''تم کیا سمجھتے ہو۔ تم میرے ساتھ شاپنگ سینٹر تک تنہا گئے تھے؟ نہیں ہمارے ساتھ آگے پیچھے مسلح افراد تھے۔ وہ تمہیں نظر نہیں آرہے تھے لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں' تمہاری نگرانی کی جارہی تھی۔''

''کچھ بھی ہو۔ میں خطرہ مول لوں گا۔ میرے سر کے بال بہت بڑھ گئے ہیں۔ میں ہیئر کٹنگ کے بہانے یہاں سے باہر جانے کی کوشش کروں گا۔''

''وہ جانے دیں گے لیکن تم سخت نگرانی میں رہو گے۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں انہیں دھوکا دے کر، ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں نکل جاؤں گا۔''

''کہاں نکل جاؤ گے؟ تم شہباز درانی کو نہیں جانتے' وہ یہاں سے واشنگٹن تک وسیع ذرائع اور بے انتہا اختیارات کا

مالک ہے۔ تم جہاں جاؤ گے‘ وہاں اس کے آلہ کار تمہیں گولی ماردیں گے۔“

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی ”تم پہلے بھی ان سے بھاگ رہے تھے‘ انہوں نے تم پر دن کے وقت حملہ کرایا تھا۔ تم ان کے قابو میں نہیں آئے تھے۔ وہ سب تلاش کرتے رہے تھے۔ آخر پتا نہیں کہاں تم نظر آ گئے تھے اور وہ تمہیں گولیوں سے چھلنی کرکے یہاں لے آئے تھے۔“

وہ پریشانی سے سوچتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی ”تم میرے رازدار ہو۔ میں تمہاری رازدار رہوں گی۔ انہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ تمہیں اپنے ماضی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے اور تم اپنے ان ماں باپ کو فراڈ سمجھ رہے ہو۔ تمہیں بھی یہ بات چھپا کر رکھنی ہوگی۔“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی ”یہ کاغذ مجھے دے دو۔ میں تمہارے بہت کام آؤں گی۔“

اس نے کاغذ کو دیکھا پھر پوچھا ”تم کس طرح میرے کام آؤ گی؟“

”مجھے ہفتے میں ایک دن کی چھٹی ملتی ہے۔ میں پورا دن اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ گزارتی ہوں۔ باہر کی دنیا سے میرا تعلق رہتا ہے۔ میں تمہارا کوئی بھی پیغام بڑی رازداری سے عینی تک پہنچا سکوں گی۔ یہ یقین تو نہیں ہے کہ وہ تمہاری رہائی کے لیے کچھ کر سکے گی لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ تمہاری رہائی کے لیے کوئی راستہ نکال ہی لے۔“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ”ہاں، مجھے فی الحال یہاں قیدی بن کر رہنا چاہیے اور عینی کے ذریعے رہائی کا کوئی راستہ نکالنا چاہیے۔“

تہمینہ نے کاغذ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ کاغذ کو اپنی طرف کھینچ کر بولا ”اب اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم شہباز درانی سے کس طرح کا فراڈ کر رہی ہو؟“

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر بولی ”آج سے دس دن پہلے ایک نامعلوم شخص نے فون پر مجھ سے رابطہ کیا پھر کہا میری چھوٹی بہن اس کے قبضے میں ہے اور وہ اس وقت تک گھر واپس نہیں آئے گی‘ جب تک میں اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کروں گی۔ اس نے یہ بھی وارننگ دی کہ میں شہباز درانی سے اس کا ذکر کروں گی اور اس کی مدد لینا چاہوں گی تو میری بہن مجھے زندہ واپس نہیں ملے گی اور شہباز درانی اس اغوا کرنے والے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“

”وہ نامعلوم شخص تم سے کیا چاہتا تھا؟“

”اس نے کہا کہ میں شہباز درانی کی ذاتی اور سیاسی مصروفیات کے بارے میں ایک ایک بات جانتی ہوں۔ اگر میں اسے تمام معاملات اور تمام مصروفیات کے بارے میں رپورٹ دیتی رہوں گی تو وہ میری بہن کو رہا بھی کر دے گا اور پچیس لاکھ روپے بھی دے گا۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ”میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں۔ میں اپنے بھائی بہنوں کو بہت چاہتی ہوں۔ انہیں ماں کی طرح پیار کرتی ہوں۔ میری وہ بہن جو اس نامعلوم شخص کے قبضے میں تھی‘ میں اس کی شادی کرنے والی تھی۔ میرے سامنے یہی ایک راستہ تھا کہ اس کی بات مان لوں اور پچیس لاکھ روپے قبول کرلوں تاکہ اپنی بہن کے اور بھائیوں کے مستقبل کو سنوار سکوں۔“

”تو تم یہاں رہ کر اس کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہی ہو؟“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ”وہ زبان کا دھنی ہے۔ اس نے میری بہن کو رہا کر دیا ہے۔ میرے بوڑھے باپ کے اکاؤنٹ میں پچیس لاکھ روپے جمع کرا دیے ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میرے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہوگی تو شہباز درانی کو اطلاع مل جائے گی کیونکہ اس کے جاسوس میری بھی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔“

اس نے اس کاغذ کی طرف دیکھا جو پاشا کی گرفت میں تھا۔ وہ بولا۔ ”اطمینان رکھو۔ میں تمہارے ساتھ دشمنی نہیں کروں گا۔ آگے بولو۔“

”میں اس کے احکامات کے مطابق یہاں کی ایک ایک رپورٹ موبائل فون کے ذریعے پہنچاتی ہوں کہ وہ کس طرح دردانہ بیگم کا دیوانہ ہے۔ سیاسی معاملات کے علاوہ کس طرح دردانہ کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیتے ہوئے عینی اور ذیشان وغیرہ کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی کرتا رہتا ہے۔“

پاشا نے پوچھا ”اس کاغذ پر لکھے ہوئے کوڈ ورڈز اور کوڈ نمبرز کے بارے میں بتاؤ؟“

وہ بولی ”اس نامعلوم شخص نے مجھے ایک نیا کام دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس کے عوض مزید پچیس لاکھ روپے میرے باپ کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دے گا۔ اس نے مجھے چند کوڈ الفاظ اور کوڈ نمبرز لکھوائے اور کہا کہ ان تمام کوڈز کے مطابق شہباز درانی کے پرائیویٹ چیمبر میں فائلیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں ان فائلوں کے اندر سے تمام کاغذات چرا کر لے آؤں۔“

پاشا نے کہا ”شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں کسی کو

نہیں جانے دیتا۔ تم کیسے جا سکتی ہو؟“

”میں جاتی ہوں۔ ہر دوسرے تیسرے دن وہ مجھے وہاں کی صفائی کے لیے بلاتا ہے۔ اس کے مطالعے کے دوران جو فائلیں اور جو کیسٹس وغیرہ بے ترتیب ہو جاتے ہیں انہیں ترتیب سے رکھنے کو کہتا ہے۔ آئندہ ایسے وقت میں ہاتھ کی صفائی دکھانے کی کوشش کروں گی۔“

پاشا نے وہ کاغذ اس کو دیتے ہوئے کہا ”میں تمہاری یہ کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کر رہا ہوں لیکن اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ کبھی مجھ سے فراڈ کر سکو گی۔ جب بھی کرنا چاہو گی تو میں تمہاری ایک اور کمزوری سے کھیلوں گا۔“

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے جمع کیے گئے ہیں۔ تم دشمنی کرو گی تو میں بھی دشمنی سے شہباز درانی کو یہ بتا دوں گا۔ پھر تم سے جواب طلب کیا جائے گا کہ اتنی بڑی رقم تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں کہاں سے آ گئی؟“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی ”میں تم سے کبھی دشمنی نہیں کروں گی۔ تم میرے دل کو اور میری محبت کو کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔ ہم دونوں بڑی محبت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔“

پاشا نے اپنے گھٹنوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا ”میری فطرت میں عیاشی ہوتی تو میں پہلے ہی دن تمہاری طرف مائل ہو جاتا۔ اس بات کو اپنے دل اور اپنے دماغ سے نکال دو کہ مجھ سے کبھی جسمانی تعلقات قائم ہو سکیں گے۔ میں اپنی پچھلی زندگی بھلا چکا ہوں۔ اس کے باوجود میری فطرت میں پارسائی ہے۔ مجھے یقین ہے میں نے کبھی گناہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گا۔ یہاں سے اٹھو اور اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاؤ۔“

وہ سر جھکا کر اٹھ گئی۔ جس کرسی سے اٹھ کر آئی تھی وہاں بیٹھ گئی۔ جب وہ کمرے میں آیا تھا تو وہ اسی کرسی پر بیٹھی ہوئی ٹی‘ وی‘ دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹی‘ وی‘ اب تک آن تھا۔ پاشا نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر کہا ”اسے کیوں خواہ مخواہ آن کر رکھا ہے؟ بند کرو۔“

تہمینہ نے پاس رکھے ہوئے ریموٹ کنٹرول کو اٹھایا۔ وقت پاشا اسکرین کی طرف دیکھ کر ایک دم سے چونک گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں اسکرین پر عروج دکھائی دے رہی تھی۔ اسی وقت تہمینہ نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسے آف کیا۔ ٹی‘ وی بند ہو گیا۔ وہ چیخ کر بولا ”آن کرو۔ فوراً آن کرو۔“

تہمینہ نے اسے پھر آن کیا۔ وہ چیخ کر بولا ”آواز بڑھاؤ۔“

اس نے آواز بڑھائی۔ نیوز چینل پر کہا جا رہا تھا ”ہاسپٹل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ڈاکٹر عروج کو اس سال کی بہترین کارکردگی پر پرائیڈ آف پرفارمنس کی یہ سند عطا کی ہے اور انہیں سینئر سرجن کے عہدے پر فائز کیا ہے۔“

پاشا کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے حلق میں آ رہا ہو۔ وہاں منظر تبدیل ہو گیا تھا۔ نیوز کا دوسرا حصہ سنایا جا رہا تھا۔ عروج اسکرین سے گم ہو گئی تھی۔ وہ تڑپ کر تیزی سے چلتا ہوا ٹی‘ وی‘ کے پاس آیا پھر اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولا ”یہی ہے۔ وہ حسینہ یہی ہے۔ میں نے اسے ہی خوابوں میں دیکھا تھا۔“

تہمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی دیوانگی کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی پھر آگے بڑھ کر بولی ”مگر تم تو عینی کو چاہتے ہو؟ تمہاری شادی اس سے ہو چکی ہے۔“

وہ بڑے جذبے سے بولا ”نہیں‘ میں عینی کو نہیں عروج کو چاہتا ہوں۔ خواب میں عروج نے مجھ سے کہا تھا میں عینی سے شادی کروں۔ اگر نہیں کروں گا تو وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔ مجھ سے دور ہو جائے گی۔“

اس نے کہا ”عروج نے یہ بات تمہیں خواب میں کہی تھی۔ حقیقت میں نہیں کہی تھی۔“

”یقیناً اس نے کبھی سچ مچ یہ کہا ہوگا۔ یہ بات عینی نے آج مجھ سے کہی تھی کہ عروج مجھے چاہتی ہے۔ مجھ سے شادی کرنا بھی چاہتی ہے لیکن اس کی شرط یہی ہے کہ پہلے میں عینی سے شادی کروں۔ وہ عینی کو اپنی سوکن بنانا چاہتی تھی۔“

وہ بولی۔ ”ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی لڑکی شادی سے پہلے کسی دوسری لڑکی کو اپنی سوکن بنانے کی خواہش کرے۔“

”اگر تم نے ایسی سرپھری سہیلیوں کو نہیں دیکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری دنیا میں ایسی محبت کرنے والی لڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ ضرور ہوتی ہیں اور میری زندگی میں تو ہیں۔ میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔“

اس نے پوچھا ”کیا عینی کی سہیلی یہی ڈاکٹر عروج ہے جو ابھی اسکرین پر نظر آ رہی تھی۔“

”میرا دل کہتا ہے، میرا دماغ کہتا ہے کہ یہی ہے۔ اسے میں نے خوابوں میں دیکھا ہے پھر اس کا ذکر عینی نے کیا۔ اس کا چہرہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ اسی لیے میں نے

اسے اسکرین پر دیکھتے ہی پہچان لیا ہے۔''

''کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ تم اپنے خوابوں اور خیالوں میں اس عروج کو چاہتے ہو لیکن تم نے عینی سے شادی کی ہے۔''

''میں نے حالات سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے لیکن یہ یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے خواب کے مطابق اور عروج کی خواہش کے مطابق یہ شادی کی ہے۔ بہر حال جو بھی ہو رہا ہے' اچھا ہی ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں عینی سے شادی کرنے کے بعد اپنی عروج کے قریب پہنچنے والا ہوں۔''

اس نے سر اٹھا کر تہمینہ کو دیکھا پھر پوچھا ''تم سنڈے کو چھٹی کرتی ہو۔ یعنی آج سے دو دن بعد اپنے گھر والوں سے ملنے جاؤ گی۔ کیا عینی اور عروج کو میرا پیغام دو گی؟''

وہ سوچنے کے انداز میں ٹہلتی ہوئی اس سے ذرا دور گئی پھر پلٹ کر واپس آتے ہوئے بولی ''مجھے بہت بڑا خطرہ مول لینا ہوگا۔ میں راز داری سے عینی کو فون کروں گی تو وہ سوال کرے گی کہ میں کون ہوں؟ اور جو کچھ میں تمہارے بارے میں اس سے کہوں گی وہ یقین کرنے کی کوشش کرے گی یا نہیں؟ اگر یقین کرے گی اور یہاں کسی فون پر تم سے بات کرے گی تو راز کھل جائے گا۔ مجھ پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ شہباز درانی ایک درندہ ہے۔ اسے ذرا بھی شبہ ہوا تو وہ صرف مجھے ہی نہیں میری پوری فیملی کو خاک میں ملا دے گا۔''

''تم اس طرح ڈرتی رہو گی تو میرا کوئی کام نہیں کر سکو گی۔''

وہ بولی ''تم نے یہ کاغذ مجھے واپس کیا ہے۔ میرے راز دار بن گئے ہو۔ اس لیے میں تمہارے کام ضرور آؤں گی۔ اس بار میں باہر جاؤں گی تو ایک موبائل فون خرید کر اسے چھپا کر تمہارے پاس لاؤں گی۔ تم اسے چھپا کر رکھو گے اور بڑی راز داری سے عینی اور عروج سے باتیں کر سکو گے۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''تھینک یو تہمینہ! اگر ایسا ہو جائے تو میں ان دونوں سے کھل کر باتیں کر سکوں گا اور یہاں سے نکلنے کا کوئی ٹھوس منصوبہ بنا سکوں گا۔''

''اچھا میں چلتی ہوں'' اس نے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پاشا نے خوش ہو کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ دونوں کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔

شہباز درانی بہت ہی وسیع ذرائع کا اور بے انتہا اختیارات کا مالک تھا۔ بڑے بڑے شہ زوروں کو خواہ وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہوں سب ہی کو کچل کر رکھ دیتا تھا۔ بے شک وہ ایک بلند و بالا پہاڑ تھا لیکن وہ پہاڑ بھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کھدائی کرنے والے اس کے نیچے سرنگ بناتے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

گل خانم اپنی ہی کوٹھی میں قیدی بن کر رہ گئی تھی۔ اندر اور باہر مسلح پولیس والے تھے۔ اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ فون کا کنکشن کاٹ دیا گیا تھا اور موبائل فون چھین لیا گیا تھا۔ اس طرح وہ کسی سے رابطہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی گورنس کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک لیڈی کانسٹیبل کو وہاں رکھا گیا تھا۔

یاور خان کا علاج پولیس ہاسپٹل میں ہو رہا تھا۔ وہاں بھی اس کی سختی سے نگرانی کی جا رہی تھی اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ گل خانم کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کا محسن ایس' پی' ذیشان مصائب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ دوسرے دن صبح باقر مہدی نے بتایا تھا کہ ایس' پی' کو معطل کر دیا گیا ہے اور اب وہ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہے۔

یہ ایسی خبر تھی جسے سنتے ہی گل خانم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اپنے آپ کو کوس رہی تھی، گالیاں دے رہی تھی کہ اس نے ایک ہمدرد محسن کی قدر نہیں کی۔ اسے ایک اعلیٰ عہدے سے نیچے گرا کر ذلت کی انتہائی پستیوں میں پہنچا دیا ہے۔

وہ یاور خان کے متعلق تذبذب میں مبتلا رہا کرتی تھی کہ طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہیے یا نہیں؟ وہ اس کی زندگی میں پہلی بار محبوب کی حیثیت سے آیا تھا۔ اس کی پہلی محبت' پہلا محبوب تھا۔ اس لیے دل اسی کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ ایک عورت کی شرم کہتی تھی کہ ایک کے ساتھ تنہائی میں زندگی گزار چکی ہے تو آئندہ بھی اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے۔ لیکن اس کی جہالت اور بد دماغی نے پریشان کر رکھا تھا۔ آخر انتہا یہ ہوئی کہ اس نے اپنی جہالت کے باعث غصے میں آ کر طلاق دے دی۔ صرف اتنا ہی نہیں' اس کی وجہ سے اس کا نوزائیدہ بچہ بھی مارا گیا تھا۔ وہ بہت دنوں تک اس سے نفرت کرتی رہی لیکن اندر ہی اندر اس ظالم شوہر کے لیے کشش محسوس کرتی رہی۔

ایسے حالات میں وہ ایس' پی' ذیشان کی شخصیت سے متاثر ہونے لگی۔ وہ اس کے برے وقتوں میں کام آ رہا تھا۔ ہمدردی سے اور محبت سے اس کے دل میں جگہ بنا رہا تھا۔ بہت جلد وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے تھے' جس کی تو

قع نہیں کر سکتی تھی۔

بات شادی تک آ پہنچی تھی کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد وہ اس کی شریک حیات بن جائے گی لیکن ذیشان نے ایسی شرائط پیش کیں' جن کی وجہ سے اس کا دل اس کی طرف سے پھرنے لگا۔ شرائط یہ تھیں کہ وہ عارضی طور پر نکاح پڑھائے گا تاکہ گل خانم طلاق لے کر اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کر سکے اور وہ گل خانم کو طلاق بھی اسی وقت دے گا جب وہ اس کے لیے ایک بچے کو جنم دے گی۔

ایسی شرائط کوئی مجبور عورت ہی مان سکتی تھی اور گل خانم مجبور نہیں تھی۔ ایک تو وہ شادی کے بعد طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر سابقہ شوہر سے رجوع کرنا ہوتا اور طلاق لینی ہوتی تو وہ ایک ماں بننے کے بعد اپنا بچہ ذیشان کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایسی عورت کے لیے ناممکن سی بات تھی جو ایک بچے سے پہلے ہی محروم ہو چکی تھی۔ اور اب ذیشان اسے دوسرے بچے سے محروم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

ان حالات نے اسے تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے؟ ذیشان سے دل پھر گیا تھا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی خاطر جیل چلا گیا ہے، ذلتیں اٹھا رہا ہے تو وہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ دل میں چھپی ہوئی اور لاشعور میں دبی ہوئی محبت پھر سے ابھر آئی۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی۔ ذیشان اس کے معاملات میں ملوث ہو کر اس انجام کو پہنچ رہا تھا۔ رہ رہ کر ایک ہی خیال آتا تھا کہ کس طرح وہ اپنے محسن کو ناکردہ گناہ کی سزاؤں سے بچائے؟

اسے اس کی ہی کوٹھی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ اور اسے کسی سے بات کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ بالکل ہی بے دست و پا ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے اور ذیشان کے حق میں کیس لڑنے کے لیے کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن اسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں تھی۔ اسے اطلاع دی گئی کہ سی' آئی' اے کا افسر باقر مہدی اس سے ملنے آیا ہے۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو باقر مہدی کے ساتھ دردانہ بیگم آئی ہوئی تھی۔ اس نے تعارف کرایا ''میڈم! یہ گل خانم ہے۔ یاور خان سے طلاق لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔''

تعارف کرانے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے بد چلنی کے باعث طلاق دے کر انتہائی پستی میں پھینک دیا گیا ہو۔ وہ ناگواری سے بولی ''سوری آفیسر! میں نے طلاق نہیں لی ہے۔ میرے جاہل اور بد دماغ شوہر نے مجھے طلاق دی ہے اور میں یہاں بے بس اور مجبور ہو کر نہیں بیٹھی ہوں بلکہ آپ قانون کو ہاتھوں میں لے کر مجھے مجبور اور بے بس بنا رہے ہیں۔''

دردانہ نے حقارت سے کہا ''یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم ذیشان کے ساتھ منہ کالا کر چکی ہو۔ یہ تو تمہیں عدالت میں معلوم ہوگا کہ کون قانون کو ہاتھ میں لے رہا ہے؟''

گل خانم نے بھی اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا ''تو کون ہے؟ کیا اس آفیسر کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے؟''

باقر مہدی نے ایک دم سے غصے میں آ کر کہا ''یو شٹ اپ نان سینس۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو گل خانم نے کلائی پکڑ لی پھر کہا ''آفیسر! میں پٹھان عورت ہوں۔ اگر میرا ایک ہاتھ پڑ گیا تو تو اپنی ساری افسری بھول جائے گا۔''

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی ''بہتر ہے دور سے بات کر۔ میں دیکھوں گی تو کب تک مجھے حبس بے جا میں رکھے گا؟ عدالتی کارروائی شروع ہو گی تو مجھے اپنا وکیل کرنے کی اجازت ملے گی۔ اس کے بعد میں تجھ سے نمٹ لوں گی۔''

دردانہ اس کے تیور دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وہ بولی ''مسٹر باقر! تم نے درست کہا تھا۔ یہ بہت ہی تیز طرار عورت ہے۔ اپنے شوہر کو بد دماغ کہہ رہی ہے۔ جبکہ خود بد دماغ ہے۔''

گل خانم نے پوچھا ''آفیسر! تم اس بھونکنے والی کتیا کو یہاں لائے ہو؟ آخر یہ ہے کون؟''

باقر مہدی نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''گل خانم! اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔ جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ اس ملک کی بڑی بڑی ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے سامنے حکومت کے اعلیٰ عہدے دار سر جھکاتے ہیں۔ یہ دردانہ بیگم ہیں۔ اور یہی تمہارے ایس' پی' ذیشان کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے والی ہیں۔''

گل خانم نے غصے سے پوچھا ''مگر تم اس کتیا کو یہاں کیوں لائے ہو؟''

وہ گرج کر بولا ''بار بار تم اسے گالیاں دے رہی ہو۔ میں بہت برداشت کر رہا ہوں۔ اگر میرے آدمیوں نے تمہیں ٹارچر کرنا شروع کیا تو تمہیں دن میں تارے دکھائی دینے لگیں گے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''یہی تو میں چاہتی ہوں کہ مجھ پر تشدد کیا جائے تاکہ میں خود کو عدالت میں پیش کر کے تمہارے خلاف کارروائی کر سکوں۔''

دردانہ اور باقر مہدی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دردانہ

بولی ''اس سے بات کرنا فضول ہے۔ یہ ہماری بات نہیں مانے گی۔''

باقر مہدی نے کہا ''گل خانم! یہ اگرچہ ایس پی ذیشان کی دشمن ہیں لیکن تم سے دشمنی نہیں کرنا چاہتیں۔ اگر تم ان کا ساتھ دو تو یہ تمہیں بدچلنی کے الزام سے بچالیں گی۔''

''اگر محبت کرنا بدچلنی ہے تو پھر میں یہ الزام لیتی رہوں گی۔ پہلے تو میں تذبذب میں تھی، پریشان تھی کہ ذیشان کے متعلق کیا فیصلہ کروں۔ اب میں سمجھ گئی ہوں کہ میں دل کی گہرائیوں سے اس فرشتہ صفت انسان کو چاہنے لگی ہوں۔ مجھے اس سے عشق ہوگیا ہے۔''

وہ دونوں گھور کر گل خانم کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں دردانہ کے فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے پرس میں سے فون نکال کر کان سے لگایا۔ میں نے کہا ''ہائے میری پیاری سوتیلی ممی یقیناً پہچان گئی ہوں گی کہ کس کا فون ہے؟''

وہ ناگواری سے بولی ''مجھے فون کیوں کیا ہے؟''

میں نے کہا ''آج پبلو ماسٹر نے آپ سے کچھ کہا تھا مگر آپ وہ اہم بات بھول رہی ہیں۔''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا ''کون سی اہم بات؟''

''میں یہ وضاحت سے نہیں کروں گا کہ پبلو ماسٹر نے آپ سے کیا کہا ہے لیکن میں آپ کا ہاتھ پڑھ چکا ہوں۔ میں نے بہت سی باتیں آپ کو نہیں بتائی تھیں۔ آج بتا رہا ہوں کہ اس ہفتے آپ پر بہت بڑی مصیبت آنے والی تھی۔''

وہ ذرا مطمئن ہوکر بولی ''آنے والی تھی۔ یعنی اب نہیں آئے گی؟''

''آپ نے پوری بات نہیں سنی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اس ہفتے آپ پر مصیبت آنے والی تھی......''

میں یہ کہہ کر جان بوجھ کر ذرا چپ ہوا پھر بولا ''وہ آچکی ہے۔''

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی ''کیا کہہ رہے ہو؟ مجھ پر مصیبت آئی ہے اور نہ آئے گی۔ تم خوامخواہ مجھے ڈرا رہے ہو۔''

''تم بھول رہی ہو۔ پبلو ماسٹر کی پیش گوئی سن کر شہباز درانی نے تم سے کہا تھا' وہ اس ہفتے تمہیں باہر نکلنے نہیں دے گا۔ کہیں تم کسی حادثے سے یا کسی ناگہانی مصیبت سے...... دوچار نہ ہوجاؤ اور تم ایسی نادان ہو کہ گھر سے باہر نکل آئی ہو۔ اب کیا ہوگا میری پیاری سوتیلی ممی؟''

یہ کہتے ہی میں نے فون بند کردیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہہ کر پکارنے لگی پھر جھنجلا کر فون بند کرکے سوچ میں پڑ گئی۔ باقر مہدی نے پوچھا ''کیا ہوا میڈم؟''

وہ چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی ''کچھ نہیں، میں گھر واپس جاؤں گی۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی سے باہر آگئی اور اپنی کا[ر کی] پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کی کار کے آگے پیچھے مسلح افر[اد کی] گاڑیاں تھیں۔ باقر مہدی نے کار کی کھڑکی پر جھک کر [پوچھا]

''میڈم! میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''میں گھر پہنچنے کے بعد تم سے رابطہ کروں گی۔ ابھی بہت اپ سیٹ ہوں۔''

اس نے حکم دیا ''گاڑی چلاؤ۔''

وہ گاڑیاں اس کے حکم سے آگے بڑھتی ہوئی اس [کوٹھی] کے احاطے سے باہر نکل گئیں۔ ایک گھنٹے بعد اس نے اپنی [کوٹھی] میں پہنچتے ہی شہباز درانی کو دیکھا تو دوڑتی ہوئی آکر اس [سے] لپٹ گئی پھر پریشان ہوکر بولی ''مجھے بچاؤ۔ وہ کہہ رہا ہے کہ [مجھ] پر مصیبت آرہی ہے۔''

شہباز درانی نے پریشان ہوکر پوچھا ''کس کی بات [کر] رہی ہو؟ کون تم سے کہہ رہا ہے؟''

''وہی مقدر۔ اس نے ابھی مجھ سے فون پر کہا ہے کہ [اس] ہفتے مجھ پر جو مصیبت آنے والی تھی وہ آچکی ہے۔''

''وہ بکواس کرتا ہے۔ تم خیریت سے ہو۔ میری پناہ [میں] ہو۔ تم پر کوئی مصیبت نہیں آئی ہے۔ اس خبیث کی پیش گو[ئی] کو اپنے دل اور دماغ سے نکال دو۔''

فون کا بزر پھر بولنے لگا۔ دردانہ نے چونک کر اپنے [پرس] کو دیکھا۔ اس میں سے فون کو نکال کر نمبر پڑھا۔ پریشان [ہوکر] بولی ''مقدر کا فون ہے۔''

شہباز درانی نے فون کی آواز کا والیوم بڑھا کر کہا ''[بات] کرو۔''

وہ اس کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولی ''ہاں اب کیا بات ہے؟''

شہباز درانی اس کے کان کے قریب آگیا تھا اور [ہماری] باتیں سن رہا تھا۔ میں نے کہا ''ایک نہیں کئی بار دیکھ چکی [ہو] میری پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ لہٰذا گھڑی دیکھو رات دس بجے ہیں۔ ٹھیک اب سے بارہ گھنٹے بعد اسی گھر میں قیامت آنے والی ہے۔''

میں نے یہ کہتے ہی فون بند کردیا۔ وہ چیخ چیخ کر ہیلو [ہیلو] کہتی رہی۔ شہباز درانی نے فون اس کے ہاتھ سے [لے کر] آف کردیا اور پریشانی سے سوچنے لگا۔ وہ اس کا بازو تھا[م کر] بولی۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ [اس] کی پیش گوئی درست ہوتی ہے۔ میری سمجھ نہیں آرہا ہے کہ [اب] سے بارہ گھنٹے بعد تم پر کس طرح مصیبت آئے گی؟ کیسے [آئ]ے گی؟ کچھ معلوم تو ہونا چاہیے۔''

کیسے معلوم ہوتا؟ پیش آنے والے خوامخواہ واقعات کا [پیشگی] ن وعن علم بھی کسی کو نہیں ہوتا۔

وہ دونوں اپنا سر کھپا رہے تھے۔

☆☆☆

ڑنگورارا آگیا۔ وہ شہباز درانی کا دوسرا مہرہ تھا جسے [می]رے خلاف استعمال کرنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس نے [ر]ات نو بجے شہباز کو فون پر اطلاع دی۔ ''ویل مسٹر درانی! میں [ی]ہاں آگیا ہوں۔ ہوٹل شیرٹن میں ہوں۔''

''ویل کم مسٹر ڑنگورارا! میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر [ر]ہا تھا۔ کیا ابھی ملاقات کے لیے آسکو گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''واقعی بے چین ہو۔ یہ تو سوچو لمبے [سف]ر سے تھکا ہوا ہوں۔ کچھ آرام کرلوں۔ آج رات ذرا عیاشی [ہو] جائے۔ بھئی' یہاں آتے ہی کیا چیز دیکھی ہے۔ چاند کو پہلی [با]ر زمین پر اترتے دیکھا ہے۔ آج تو مجھے معاف کرو۔ کل صبح [ٹھ]یک دس بجے تمہارے سامنے حاضر ہوجاؤں گا۔''

''مسٹر! تم میرے کام سے آئے ہو۔ عیاشی میں پڑو گے [تو] مقدر حیات تمہیں کچا نگل جائے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میرے سامنے آکر سانسیں لینے [کے] قابل رہے گا' تب مجھے ہاتھ لگا سکے گا نا؟ میں سارے [انت]ظامات کرکے آیا ہوں۔ آج اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں تم سے کہہ چکا ہوں' اسے زندہ [رہ]نا ہے۔ میں اس کی اصلیت اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا [چا]ہتا ہوں۔''

''ایسی معلومات کا وقت گزر چکا ہے۔ میرے ایک [پُ]راسرار علم نے بتایا ہے کہ اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ آج [را]ت وہ حرام موت مارا جائے گا۔''

''اوہ گاڈ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ دشمن تمہاری نیندیں [حر]ام کر رہا ہے۔ اسے مر جانے دو۔''

['']ہاں' اگر مرتا ہے تو مر جائے۔ لیکن وہ بڑا ہی چالباز اور [خط]رناک ہے۔ بچ بھی سکتا ہے۔''

''موت سے آج تک کوئی شہزور' کوئی چالباز نہیں بچ [سک]ا۔ وہ بھی نہیں بچے گا۔ میرا علم کبھی غلط پیش گوئی نہیں کرتا۔ آج رات بارہ بج کر پانچ منٹ پر میں تمہیں اس کے مرنے کی خوش خبری سناؤں گا۔''

''میں نے تمہیں پانچ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تمہاری پیش گوئی درست ہوئی تو میں تمہیں دس لاکھ روپے دوں گا۔''

''تو پھر دس لاکھ روپے میرے ہوچکے۔ اب بارہ بج کر پانچ منٹ پر بات ہوگی۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ ڈائننگ ہال کی ایک میز سے لگا بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے پاس آکر پوچھا ''کیا میں یہاں پانچ منٹ کے لیے بیٹھ سکتا ہوں؟''

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر کہا ''بیٹھ جاؤ۔''

وہ ساؤتھ افریقا کا ایک سیاہ فام باشندہ تھا۔ اس کے بال بڑھے ہوئے تھے اور اس نے چوٹی گوندھ کر اس کے آخری سرے پر سرخ رنگ کی ربن باندھی ہوئی تھی۔ گیروے رنگ کا پاجامہ اور گیروے رنگ کا لبادہ پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں سچے موتیوں کی مالا تھی اور ایک لاکٹ میں بہت ہی خوبصورت سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔ اس کی دسوں انگلیوں میں دس انگوٹھیاں تھیں' جن میں قیمتی ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔

وہ ڈائننگ ہال کی بالکونی میں سب سے الگ تھلگ ایک بڑی سی میز پر بیٹھا تھا۔ اس میز کے ایک سرے پر اس کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ میں اسی بریف کیس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مجھے اپنے پراسرار علم کے ذریعے پہچان گیا ہے لیکن میں نے انجان بن کر کہا ''مسٹر! میں ایک پیشہ ور نجومی ہوں۔ اس بڑے ہوٹل میں آتا ہوں اور بیرونی ملکوں سے آنے والے دولت مند افراد کے ہاتھ دیکھتا ہوں۔ انہیں ماضی، حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتاتا ہوں اور ان سے کچھ انعام حاصل کرتا ہوں۔''

''ہوں۔ تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''اگر آپ کو اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا ہے تو میں حاضر ہوں۔''

اس نے کہا ''یہ تمہارے پاس میرا لیپ ٹاپ کمپیوٹر رکھا ہوا ہے۔ اسے کھولو اور آپریٹ کرو۔''

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے سے کیسی کیسی باتیں سامنے آئیں گی۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق اسے کھولا۔ اسے آن کیا اور پھر پوچھا ''کونسی فائل کھولوں؟''

اس نے جواباً کہا ''ڑنگورارا......''

میں نے فائل پر اس کا نام پڑھا پھر اسے او۔ کے کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں مونیٹر کی اسکرین پر ایک تحریر ابھری۔ وہاں لکھا ہوا تھا "جب میں پاکستان کے ایک ہوٹل میں پہنچوں گا تو وہاں ڈائننگ ہال میں میرا وہ شکار خود ہی چل کر میرے سامنے آئے گا جسے قابو میں کرنے کے لیے شہباز درانی نے مجھے بلایا ہے۔"

یہ پڑھ کر میں زیر لب مسکرانے لگا۔ آگے لکھا ہوا تھا "وہ خود کو ایک پیشہ ور نجومی کی حیثیت سے ظاہر کرے گا اور میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا چاہے گا۔ بے چارہ مقدر حیات! ابھی بچہ ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ میں پرانے زمانے کے جادوگروں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں پر چلتا ہوا اس کے پاس آؤں گا۔ اور اسے قابو میں کروں گا۔ نہیں۔ یہ سائنسی ترقی کا انتہائی تیز رفتار زمانہ ہے۔ یہ صدی تمام انسانی ذہانت کو ایک کمپیوٹر میں سمیٹ چکی ہے۔ میں نے بھی جادو کی ہتھکنڈوں کو اور اپنے پراسرار علوم کو اس کمپیوٹر میں سمیٹ لیا ہے۔

اے مقدر حیات! میرے ہاتھوں کی لکیریں پڑھ کر تمہیں جو کچھ معلوم ہوگا وہ یہ کمپیوٹر تمہیں بتا رہا ہے۔ میں بھی کوئی معمولی نجومی نہیں ہوں۔ یوں سمجھو کہ علم نجوم بھی جانتا ہوں اور پراسرار علوم بھی۔ میرے ہاتھ کی لکیروں نے سمجھایا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان صرف دو گھنٹے تک دوستی رہے گی۔ رات کے بارے بجے مقدر اپنا آخری فیصلہ سنائے گا اور پھر ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔"

میں نے وہ تحریر پڑھنے کے بعد اسے دیکھا۔ زیر لب مسکرایا پھر کہا "تمہاری یہ سائنٹیفک جادوگری بہت پسند آئی۔ میں بہت متاثر ہو رہا ہوں۔"

اس نے میری طرف جھکتے ہوئے پوچھا "تو پھر ہماری دو گھنٹے کی دوستی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"جب مقدر کو یہ منظور ہے تو پھر مجھے بھی منظور ہے۔ ہم کتنی بھی سائنسی ترقی کر لیں ہمیں قدرتی حالات کی روانی میں بہنا پڑتا ہے۔ ہم دونوں مقدر کے فیصلے کے مطابق حالات کے دھارے میں بہتے رہیں گے۔"

اس نے بڑی سفاکی سے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اسی لمحے ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ آکر ہمارے سامنے کھڑی ہوگئی۔ میں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں کہ اس دنیا کی ہر ذی روح کی ہتھیلی پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس کی ہتھیلی بھی میرے قدموں تلے تھی۔ اس کا نام عرصہ تھا۔ بڑا ہی منفرد نام تھا۔ وہ ایسی ہی تھی کہ سمجھنے والے اسے ایک عرصے میں بھی سمجھ نہیں پاتے تھے۔ ژنگورارا اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھ [illegible] اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "ویل کم عرصہ!"

عرصہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ سحر زدہ ہے اور حقیقت بھی تھی کہ [illegible] رارا کے کسی پراسرار عمل کے شکنجے میں تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا "مسٹر مقدر! تمہارا پاکستان خوبصورت ہے۔ یہاں آتے ہی اس کے حسن و شباب مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس سے ملو اس کا نام عرصہ حیات یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمہارے نام کے آخر میں بھی لفظ [illegible] آتا ہے۔"

میں نے کہا "ژنگورارا! اس بات کو یوں سمجھو کہ [illegible] بھائی اپنے اپنے نام کے آخر میں اپنے باپ کا نام ضرور ہیں۔ میرے باپ کا نام فلک سکندر حیات تھا۔ اس کے نام بھی حیات ہی ہوگا تب ہی یہ عرصہ حیات کہلاتی ہے [illegible] مقدر حیات۔ میں اسے نہیں جانتا لیکن نام کے حوالے میری بہن ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میری تمہاری دوستی تو دو [illegible] ہے۔ اس کے بعد تمہاری بہن سے صبح تک میری دو[illegible] گی۔"

یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگانے لگا۔ میں اسے گہری سنجید[گی سے] دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت ہی زہریلی بات کہی تھی۔ [اس] بات کو فی الحال برداشت کرنا تھا۔ اس نے کہا "اپنی [بہن سے] مصافحہ نہیں کرو گے؟"

میں نے عرصہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے میرے ہاتھ میں دیا پھر ہاتھ سے ہاتھ ملتے ہی مصا[فحہ کرتے] ہی عرصہ کو یوں لگا جیسے اس کا مقدر جاگ رہا ہو۔ اس [نے] گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔ میں نے [مسکراتے] ہوئے کہا "ڈونٹ وری۔ تم بالکل سہی جگہ پہنچی ہو، بیٹھ[و۔"]

ہم سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ویٹر نے [مینو] ہمارے سامنے رکھا۔ ژنگورارا نے کہا "میں اور عرصہ آرڈر دیتے ہیں۔ تب تک تم اس کمپیوٹر کے ذریعے [عرصہ کے] بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔"

میں کمپیوٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے عرصہ کے متعل[ق پڑھنے] لگا۔ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ پسماندہ علاقے میں رہتی تھی۔ اس کی خوبصورتی کو د[یکھ کر کہا] جا سکتا تھا کہ گدڑی میں لعل اسی طرح ہوا کرتے ہ[یں۔] باپ بوڑھا اور معذور تھا۔ ماں کپڑے سلائی کرتی [تھی۔ بہنیں] ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں۔ ایک بھائی بے روزگار [تھا اور ایک]

[ب]ھائی بدحرام تھا۔

عرصہ ایک ایسے کالج میں پڑھتی تھی، جسے ایک مل اونر [لا]کھوں روپے عطیہ کے طور پر دیا کرتا تھا۔ اس نے کالج کے [ا]یک فنکشن میں عرصہ کو نعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس پر [ف]ریفتہ ہو گیا۔ اس نے اپنے چمچوں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ ایک [چم]چے نے آکر کہا "وہ غریب ہے اور بہت ہی حیا والی ہے۔ آپ [اس]ے ہزاروں روپے میں خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ لاکھوں میں [ب]ھی بکنے والی نہیں ہے۔"

دولت کا کمال یہ ہے کہ وہ دولت مند کو شکار کھیلنے کی [آ]سانیاں فراہم کر دیتی ہے۔ ژنگورارا کے کمپیوٹر نے صرف اتنا [ہ]ی بتایا کہ وہ حالات سے مجبور ہو کر بکنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ [ح]قیقت میں جانتا تھا کہ عرصہ اور اس کے گھر والوں پر ایک [ا]یسی قیامت گزری تھی کہ وہ مجبور ہو کر اس مہنگے ہوٹل میں خود کو [ف]روخت کرنے آگئی تھی۔

میں اس کی اصل ہسٹری بعد میں بیان کروں گا۔ فی الحال [ا]تنا ہی بتا رہا ہوں جتنا کہ ژنگورارا کا کمپیوٹر مجھے بتا رہا تھا۔ اس [مل] اونر کا چمچہ عرصہ کو سجا سنوار کر اس ہوٹل میں لایا تھا۔ ایسے ہی [و]قت ژنگورارا نے اسے دیکھا تو ہزار جان سے اس پر عاشق [ہ]و گیا۔

اس نے پراسرار عمل کے ذریعے اس مل اونر کو اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ سحر زدہ ہو کر اس کے قدموں میں آگیا۔ [اس]کے ساتھ عرصہ بھی آئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ مل اونر اس کے کمرے سے [با]ہر آیا تو وہ پوری طرح سحر زدہ تھا۔ ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ [ا]پنے ہوٹل والے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ کر گہری نیند میں [ڈ]وب گیا تھا۔ عرصہ بھی سحر زدہ ہو کر ژنگورارا کے کمرے میں [ب]یٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ابھی میں تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ [میں] اپنے پراسرار علم پر عمل کرتے ہوئے ایک ایک لمحے کا [ح]ساب رکھتا ہوں۔ اس وقت مجھے ڈائننگ حال میں جانا ہے۔ [و]ہاں ایسے دشمن سے ملنا ہے جس سے میری دو گھنٹے تک دوستی [ر]ہے گی۔ ہم اس کے ساتھ کہیں جائیں گے۔ اس کے بعد اس کمرے میں واپس آئیں گے۔ میں نیچے ڈائننگ ہال میں جا [ر]ہا ہوں۔ تم آدھے گھنٹے بعد چلی آنا۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کر دیا۔ ویٹر میز پر کھانے کی ڈشیں [لا] کر رکھ رہا تھا۔ عرصہ اس کی ہدایت کے مطابق وہاں آگئی [تھ]ی۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے [تھ]ے۔ ژنگورارا نے مجھ سے کہا "کھانا شروع کرو۔ ہماری دو گھنٹے کی دوستی میں یہ ہمارا پہلا اور آخری کھانا ہے۔"

ہم سب نے کھانا شروع کیا۔ اس نے پوچھا "تم شہباز درانی سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟"

میں نے کہا "دشمنی میں نے نہیں، اس نے شروع کی ہے۔"

"وہ تمہاری اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ پورے یقین سے کہتا ہے کہ تم صرف نجومی نہیں ہو بلکہ پراسرار علوم میں بھی مہارت رکھتے ہو۔ اسے اپنی اصلیت کیوں نہیں بتا دیتے؟"

میں نے کہا "ہم مسلمان ہیں۔ نہ کالا علم سیکھتے ہیں نہ ایسا کوئی کالا عمل کسی پر کرتے ہیں۔ جو سچ ہے وہ میں نے اس سے کہہ دیا تھا لیکن وہ یقین نہیں کر رہا ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں مان رہا ہوں کہ تم کوئی پراسرار علم نہیں جانتے ہو۔ اگر جانتے تو مجھ سے دو گھنٹے کی دوستی کبھی نہ کرتے۔ تم بہت اچھے دوست بن سکتے ہو مگر افسوس کہ ہمارے مقدر میں یہی دو گھنٹے کی دوستی لکھی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا "تم نجومی بھی ہو۔ تم نے اپنے ہاتھ کی لکیریں پڑھی ہوں گی۔"

"بے شک پڑھی ہیں، تب ہی میں اتنے اعتماد سے یہاں آیا ہوں اور تم سے دوستی کر رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا "تمہاری زندگی کی لکیر کیا کہہ رہی ہے؟"

وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔ اس نے پہلی بار مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "تم میری زندگی کی لکیر کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا "تم نجومی ہو اور میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ تم میرا ہاتھ کیوں نہیں پڑھ رہے ہو؟ اپنا ہاتھ مجھے کیوں نہیں پڑھنے دیتے؟ زندگی کی لکیر مجھے الجھا رہی ہے اور میں تمہاری زندگی کی لکیر پڑھنا چاہتا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگا پھر بولا "تمہارا ہاتھ کبھی نہیں پڑھوں گا۔"

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "کیوں نہیں پڑھو گے؟"

"میرے ایک پراسرار علم نے مجھے منع کیا ہے کہ آج میں کسی کا ہاتھ نہ پڑھوں اور کسی کی ذاتی زندگی میں جھانک کر نہ دیکھوں۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "کبھی کبھی بڑی مہارت رکھنے والوں پر بھی آگہی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھ پر کبھی آگہی کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

جب میں کوئی بڑی واردات کرنے نکلتا ہوں تو میری زندگی کی لکیر ایک ذرا دھندلا جاتی ہے۔ ان حالات میں میرا پراسرار علم کہتا ہے، مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور میں پریشان نہیں ہوتا۔ جہاں بھی جاتا ہوں کامیابی سے واردات کر کے واپس چلا آتا ہوں اور زندہ سلامت رہتا ہوں۔"

میں نے کہا "ہاتھ کی لکیریں بڑی بے ایمان ہوتی ہیں۔ کہتی کچھ ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ تب ہی انسان مانتا ہے کہ قدرت کے بدلتے ہوئے مزاج کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا۔"

ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ وہ بولا "گیارہ بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ اب ہماری دوستی کے صرف پینتالیس منٹ رہ گئے ہیں۔ کھانے کے بعد چہل قدمی ضروری ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہم ساحل پر چلیں؟"

میں نے مسکرا کر کہا "دوستی کا تقاضا ہے کہ دوست کی بات مان لی جائے۔ آؤ چلتے ہیں۔"

ہم ہوٹل سے باہر آئے۔

میں نے کہا "میرے پاس اپنی کار ہے لہٰذا میری ہی کار میں چلو۔"

وہ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر آ گیا۔ ایک عامل کی حیثیت سے عرصہ کو حکم دیا کہ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے۔ وہ بے چاری سحر زدہ تھی۔ اس کے حکم کے مطابق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہم سمندر کی طرف چل دیے۔

سمندر بہت گہرا ہوتا ہے لیکن ہاتھ کی لکیروں سے زیادہ گہرا نہیں ہوتا کیونکہ ان لکیروں کے پیچھے قدرت کی گہرائیاں ہوتی ہیں۔ ان گہرائیوں میں ڈوبتے رہو، الجھتے رہو، بدحواس ہوتے رہو، یا ہوش و حواس سے کام لیتے رہو، کچھ بھی کرتے رہو پھر بھی قدرت کے بھید سمجھ میں نہیں آتے۔

ہم سمندر کے ایک ویران ساحل پر پہنچ گئے۔ اس خطرناک جادوگر وچ ڈاکٹر ژنگورارا کو قدرت کے کچھ بھید سمجھانے کا وقت آ گیا تھا۔ ہم دونوں کار سے باہر نکل آئے۔ اس نے عرصہ کو بھی باہر آنے کا حکم دیا۔ چاندنی رات میں سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں۔ زندگی کی طرح اچھلتی کودتی، شور مچاتی، دوڑتی ہوئی ساحل پر آ رہی تھیں پھر وہاں پہنچ کر دم توڑ رہی تھیں۔ ژنگورارا نے مجھ سے کہا "گھڑی میں وقت دیکھو۔"

میں نے وقت دیکھتے ہوئے کہا "صرف نو منٹ رہ گئے ہیں۔ نو منٹ کے بعد ہماری دوستی کی مدت ختم ہو جائے گی۔"

وہ مسکرا کر بولا "شہباز درانی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری اصلیت اور کمزوریاں معلوم کروں لیکن میرے علم نے بتایا کہ معلومات ضروری نہیں ہیں۔ تمہاری موت ایک لڑکی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے اور یہ لڑکی ہمارے درمیان کھڑی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا "تم علم نجوم کے ذریعے اور مختلف پراسرار علوم کے ذریعے بہت کچھ معلوم کرتے رہے لیکن افسوس سب کچھ معلوم نہ کر سکے۔"

اس نے اپنے لباس میں سے ایک ریوالور نکالتے ہوئے کہا "اس کی ایک گولی چلے گی تو سب کچھ کیا، کچھ بھی معلوم کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔"

اس نے عرصہ کے پاس آ کر ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "جب میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے گولی مار دینا۔ ٹھیک بارہ بجے۔"

وہ اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا "اور ابھی بارہ بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔"

میں نے کہا "پانچ منٹ بہت ہوتے ہیں۔ میں آخری بار کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کی لکیریں پڑھ لو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ میرے پراسرار علم نے سمجھا دیا ہے کہ آج کسی کا ہاتھ نہیں دیکھنا ہے اور کسی کی ذاتی زندگی میں جھانک کر بھی نہیں دیکھنا ہے۔"

میں نے کہا "یہ تمہارے پراسرار علم نے تمہیں نہیں سمجھایا ہے بلکہ مقدر نے چپکے سے تمہارے کان میں اور تمہارے دماغ میں یہ بات پھونک دی ہے کہ تمہیں کسی کا ہاتھ نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگر دیکھ لو گے تو موت سے پہلے تمہارے ہوش جائیں گے۔"

"تمہاری دلیری کی داد دینی چاہیے۔ گن پوائنٹ پر کھڑے ہوئے ہو۔ موت آنے والی ہے پھر بھی بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو۔"

"اور جو بول رہا ہوں اسے تم سمجھ نہیں پا رہے ہو۔ تمہیں بے شمار علوم میں مہارت رکھنے کا گھمنڈ ہے لیکن تمہارے پراسرار علم نے یہ نہیں بتایا کہ میرے ہاتھ کی لکیریں بھی کہہ رہی ہیں کہ میں ابھی مرنے والا ہوں کیونکہ تم مرنے والے ہو۔ میں تمہارا مقدر ہوں۔ دو گھنٹے تک تمہارا دوست تھا، تمہارا دشمن بھی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ جنم لیا تھا، اب تمہارے ساتھ مرنے والا ہوں۔"

میں نے اس کی طرف ہتھیلی بڑھاتے ہوئے کہا "تمہارے ہاتھ کی لکیریں میری اس ہتھیلی پر ہیں۔ ہم دونوں کی زندگی کی لکیریں ایک ہی ہیں اور یہ ایک لکیر کہہ رہی ہے کہ ہم دونوں کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

وہ حقارت سے بولا "تمہاری یہ بکواس ناقابل فہم ہے۔"

"مقدر ہوتا ہی ناقابلِ فہم ہے۔ تم نے عرصہ کو اپنے سحر میں گرفتار کیا تھا اور یہ نہیں جانتے تھے کہ مقدر اس سحر کو پائیدار نہیں رہنے دے گا اور اب یہی ہو رہا ہے، یہ تمہارے شکنجے سے نکل چکی ہے۔"

وہ ایک دم سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ عرصہ آہستہ آہستہ اس کی طرف گھوم رہی تھی اور ریوالور کا رخ اسی کی طرف ہو رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولا "یہ کیا کر رہی ہو؟ میں حکم دیتا ہوں مقدر حیات کو گولی مارو۔"

میں نے کہا "ٹھیک بارہ بجے ہم دونوں کی موت ہوگی اور ابھی بارہ بجنے میں ایک منٹ اور سات سیکنڈ رہ گئے ہیں۔ تم اپنے بچاؤ کے لیے منتر پڑھنا چاہتے ہو لیکن بھول رہے ہو کیونکہ موت کے سامنے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ تم یاد کرتے رہو، تمہیں کالے علم کا کوئی منتر یاد نہیں آئے گا۔"

وہ کوئی منتر یاد نہ کر سکا۔ جھنجلا کر عرصہ سے ریوالور چھیننا چاہتا تھا۔ میں نے گھوم کر ایک کک ماری۔ اس کے منہ پر لات پڑی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ چکراتا تو تھا ہی مقدر نے اسے آخری ٹھوکر ماری تھی۔ وقت ایک ایک سیکنڈ کے حساب سے گزر رہی جاتا ہے۔ اس نے دو گھنٹے کی دوستی کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ وقت گزر گیا۔ اس کے باوجود ہم دونوں ہم سفر تھے۔ ہم نے ایک ساتھ جنم لیا تھا اور ایک ساتھ مرنے والے تھے۔

ان لمحات میں عرصہ کے دماغ میں یہ بات گونج رہی تھی کہ وہ جادوگر اسے سحر زدہ کر کے اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا اور اب اپنی عزت بچانے اور اس سے انتقام لینے کا موقع آ گیا ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ ٹھائیں سے گولی چلی اور اس وچ ڈاکٹر کے سینے کے آر پار ہو گئی۔ سینے میں جہاں سوراخ ہوا وہاں سے خون کا فوارہ نکلنے لگا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ اس ہتھیلی پر اس کی زندگی کی، اس کی قسمت کی، اس کے دل کی، اس کے دماغ کی تمام لکیریں مٹ رہی تھیں۔ ادھر اس نے دم توڑا، ادھر میری ہتھیلی سے اس کی تمام لکیریں مٹ گئیں۔ اس کا جو مقدر تھا، وہ میری ہتھیلی سے ہمیشہ کے لیے مر چکا تھا۔ ہائے! میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

میری ہتھیلی کبھی خالی نہیں رہتی۔ اب اس ہتھیلی پر عرصہ کے ہاتھ کی لکیریں نقش ہوگئی تھیں کیونکہ ان لمحات میں وہ میرے ساتھ تھی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ہم اس ویران ساحل سے واپس جارہے تھے۔

میں سست رفتاری سے کار ڈرائیو کررہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اپنے موجودہ حالات پر غور کررہی تھی۔ پریشان ہورہی تھی۔ میں نے خاموش رہ کر اسے اپنے طور پر سوچنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا پھر پوچھا ''آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟''

''تم جہاں کہوگی وہاں لے جاؤں گا۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ کوئی کسی کو کہیں نہیں لے جاتا۔ مقدر جہاں لے جاتا ہے وہیں جانا پڑتا ہے۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی ''میرا مقدر تو برسوں سے مجھے بھٹکا رہا ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یوں بن سنور کر ایک مہنگے ہوٹل میں آؤں گی اور......''

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ دیکھا جائے تو موت بڑی مہربان ہوتی ہے۔ وہ آتی ہے اور مار ڈالتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے قصہ تمام کردیتی ہے لیکن زندگی بڑی دشمن ہوتی ہے۔ آخری سانس تک زخم دیتی رہتی ہے اور رلاتی رہتی ہے۔

وہ معاشی اور مالی بدحالی کے باوجود کالج میں پڑھ رہی تھی۔ بھائیوں اور بہنوں نے دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد حالات نے انہیں تعلیم چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا لیکن ماں نے اور بھائی بہنوں نے یہ عزم کیا تھا کہ عرصہ کو آگے تک پڑھائیں گے۔ وہ تمام بہنوں اور بھائیوں میں خوبصورت بھی تھی اور سب سے زیادہ ذہین بھی۔ امید تھی کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ کسی اچھے شعبے میں اور شریفانہ ماحول میں ملازمت کرے گی تو ان کے دن پھر جائیں گے۔

اس عزم اور حوصلے کے ساتھ ماں کپڑے سیتی تھی۔ بھائی اور بہنیں ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ باپ بوڑھا اور معذور تھا۔ وہ کوئی کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک بیٹا بالکل ہی ہڈحرام تھا۔ کام سے جی چراتا تھا، نشہ کرتا تھا اور نشہ کرنے کے لیے چوروں اور بدمعاشوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا۔

ایک فلور مل کا مالک امیر علی اس گرلز کالج کو لاکھوں روپوں کا عطیہ دیا کرتا تھا اور در پردہ طالبات کو تاڑتا رہتا تھا۔ جو خوبصورت ہوتی تھیں، جن پر دل آجاتا تھا، انہیں اپنے حواریوں کے ذریعے پھانسنے کی کوششیں کرتا تھا۔ زیادہ تر غریب طالبات کی مالی امداد کے بہانے وہ ان کے مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔

کالج کے ایک فنکشن میں عرصہ نعت پڑھنے کے لیے اسٹیج پر آئی تو امیر علی اسے دیکھ کر اس کا دیوانہ ہوگیا۔ اس کے دو خاص حواری ایسے موقعوں پر اس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس نے انہیں حکم دیا ''کسی طرح اس لڑکی کو دام میں لے آؤ۔''

ان میں سے ایک حواری عرصہ کے گھر آیا۔ ان کی معاشی بدحالی کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں سے بولا ''آپ کے بیٹے کو اور بیٹیوں کو فلور مل میں ملازمت مل جائے گی۔ جس گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے آپ لوگ رہتے ہیں اسے خرید کر دے دیا جائے گا۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ اپنی بیٹی عرصہ کا نکاح امیر علی سے کردیں۔''

امیر علی ساٹھ برس کا تھا۔ عمر میں عرصہ سے تین گنا بڑا تھا۔ اس کے والدین نے کہا ''عرصہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ہاں اس کی بڑی بہنیں بھی ہیں۔ اگر سیٹھ صاحب ہماری بڑی بیٹی سے شادی کرنا چاہیں گے تو ہمیں منظور ہے۔''

امیر علی تو عرصہ کے لیے پاگل ہورہا تھا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے اس سے نکاح تک کررہا تھا لیکن بات نہیں بن رہی تھی۔ اس نے کئی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ طرح طرح کا لالچ دیا لیکن عرصہ اور اس کے والدین کسی لالچ میں نہیں آرہے تھے۔

تب اس نے اپنی دولت کا زور دکھایا۔ ایک پولیس انسپکٹر کو خرید لیا۔ چند غنڈوں کی جیبیں بھر دیں۔ انہوں نے عرصہ کی بہن کو اغوا کرلیا۔ اس کے والدین تک پیغام پہنچایا کہ عرصہ کو امیر علی کے حوالے نہ کیا گیا تو ان کی دوسری بیٹیوں کو بھی باری باری اٹھالیا جائے گا۔

دوسرے دن اس کی اغوا کی ہوئی بیٹی گھر واپس آئی تو اس کی بری حالت تھی۔ اس کے ساتھ ایسی زیادتی کی گئی تھی کہ ماں باپ کسی سے شکایت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ایک بیٹی کی وجہ سے دوسری بیٹیوں کے رشتے بھی نہ آتے۔ سب یہی کہتے ایک آبرو باختہ ہے تو دوسری بیٹیاں بھی ویسی ہی ہوں گی۔

انہوں نے تھانے آکر انسپکٹر سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔ ان کی عزت کا خیال رکھا جائے اور یہ بات پھیلائی نہ جائے بلکہ خاموشی سے امیر علی کا محاسبہ کیا جائے۔

انسپکٹر نے کہا ''خاموشی سے محاسبہ نہیں ہوسکے گا۔ ہم امیر علی کے خلاف کارروائی کریں گے تو یہ بات دور تک پھیلے گی۔

ں تو ضرور ہوگی۔ یا تو آپ بدنام ہونا پسند کریں اور امیر علی
خلاف کارروائی کریں۔ یا پھر اپنی نیک نامی اور دوسری
ں کا خیال ہے تو پھر امیر علی سے دشمنی بھول جائیں۔''

عرصہ کی ماں نے کہا ''انسپکٹر صاحب! ہم اس کا یہ ظلم
شت کرلیں گے لیکن اس نے دھمکی دی ہے کہ دوسری
ں کو بھی اٹھالیا جائے گا۔ آپ اسے کھلی بدمعاشی سے
ں۔''

''ہم قانون کے محافظ ہیں۔ اسے قانون کے ذریعے ہی
سکتے ہیں اور جب اسے روکنے کے لیے کوئی کارروائی
یں گے تو وہ آپ لوگوں کے حق میں نقصان دہ بھی ثابت
ن ہے۔ آپ کی چار بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی کو امیر علی کے
لے کردیں۔ بات ختم ہوجائے گی۔ اور ایک دولت مند،
آدمی آپ کا رشتہ دار بن جائے گا۔''

وہ غریب تھے۔ بڑی مشکل سے عزت آبرو بچا کر رکھے
ئے تھے۔ ایک دولت مند سے ٹکرا نہیں سکتے تھے اور کوئی ان
ار مددگار نہیں تھا۔ جب قانون کے محافظ ہی ساتھ نہیں
ہے تھے تو پھر بھلا اور کون ان کا ساتھ دیتا؟

وہ تھک ہار کر خاموش بیٹھ گئے لیکن ایک ظلم برداشت
نے کے بعد بھی وہ سکون سے نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کو
نک ملی کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر عرصہ کو امیر علی کے پاس
بجا گیا تو دوسری بیٹی کو اٹھالیا جائے گا۔

یہ وارننگ سنتے ہی ماں اور بیٹیاں سب ہی رونے لگیں۔
پ بوڑھا اور معذور تھا۔ وہ بھی رونے کے سوا اور کچھ نہیں کر
تا تھا۔ دو ہٹے کٹے جوان بھائی تھے لیکن پولیس والوں اور
ڑوں سے نہیں لڑ سکتے تھے۔ عرصہ نے ایک دم سے تڑپ کر
ا ''بس بہت ہوچکا۔ میں اپنی کسی بہن کو داؤ پر نہیں لگنے
ں گی۔ میں امیر علی کے پاس جاؤں گی۔''

اس فیصلے کے سامنے باپ اور بھائیوں کے سر جھک
ئے۔ ماں اور بہنیں رونے لگیں۔ اگر جوان بیٹی کسی سے عشق
رتی اور شادی کرنا چاہتی تو اس پر اعتراض ہوتا۔ اگر وہ اپنے
کی عاشق کے ساتھ بھاگ جاتی تو بدچلن اور بے حیا کہلاتی
لن ابھی ایسی ہی ایک جوان بیٹی بے حیائی کے لیے سب کے
امنے گھر سے جانے والی تھی اور کوئی اسے روکنے والا نہیں
ا۔ سب کے جھکے ہوئے سر خاموشی سے کہہ رہے تھے ''جاؤ
ہیں اجازت ہے۔''

یہ تھی عرصہ کی مختصر سی روداد۔ اس نے اپنے حالات مجھے
بتائے تھے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ کسی کے بھی حالات
ے چھپے ہوئے نہیں رہتے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رو رہی تھی اور میں نے اسے رونے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ اس کے اندر کا سارا غبار آنسوؤں کے ذریعے ڈھل جائے۔

☆☆☆

آخر میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ ''انسان کو زندگی گزارنے کے لیے اچھے برے حالات سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ کبھی مصیبتیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ کبھی بدنامیاں پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوگا لیکن میری ایک بات یاد رکھو کہ آنسوؤں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، کبھی کوئی مصیبت دور نہیں ہوتی۔ چیخنے، چلانے، رونے اور فریاد کرنے سے نیک نامی بحال نہیں ہوتی۔ تم تعلیم یافتہ لگتی ہو۔ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف ذہانت اور حوصلے سے ہی مصائب کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔''

وہ اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''جب غریبی اور مہنگائی کمر توڑتی رہے اور مصیبت کے وقت کوئی اپنا یار ومددگار نہ ہو، کوئی ذرا سا بھی حوصلہ دینے والا اور دست گیری کرنے والا نہ ہو تو حوصلہ کیسے پیدا ہوگا؟ اگر قانون کے محافظ یہ کہہ دیں کہ جاؤ بازار میں بک جاؤ تو پھر ایک بے سہارا لڑکی کیا کرے؟''

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''درست کہتی ہو۔ کتنی ہی شرم والیاں حالات سے مجبور ہوکر بے حیائی کے راستے پر چل پڑی ہیں لیکن ایسی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو قسمت والیاں بن جاتی ہیں۔ اچانک ان کی تقدیر بدلتی ہے پھر توقع کے خلاف ایسی طاقت اور ایسا حوصلہ ملتا ہے کہ پھر وہ تمام دشمنوں کو منہ توڑ جواب دینے لگتی ہیں۔''

''پتا نہیں وہ قسمت والیاں کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ ہمارے نصیب تو کبھی نہیں جاگیں گے۔''

''مایوسی کفر ہے۔ ہر انسان کے حالات کبھی نہ کبھی بدلتے ہیں۔ تم ذرا اپنے حالات پر غور کرو۔ کیا تمہارے حالات نہیں بدل رہے ہیں؟''

اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''غور کرو تمہارے ساتھ اب تک کیا ہوتا رہا؟ کیا تمہاری عزت پر آنچ آئی ہے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر سوچنے لگی ''واقعی میں تو بالکل مایوس ہوکر امیر علی کے پاس آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو بھول گئی تھی کہ وہ ہی اس دنیا کے فرعونوں کو ڈھیل بھی دیتا ہے اور وہی ان کے گلے میں پھندا بھی ڈالتا ہے۔ آج میں کچھ ایسے حالات سے گزر رہی ہوں کہ خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب تک

میرے ساتھ کیا ہوتا رہا تھا۔''

''مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تا کہ میں تمہیں کچھ سمجھا سکوں۔''

وہ بتانے لگی کہ امیر علی کے پاس ہوٹل میں آئی تھی۔ اس کے بعد اچانک ہی وہ اسے لے کر ژنگورارا کے کمرے میں آگیا تھا۔ اس کے بعد اس کا دماغ بالکل سن ہو گیا تھا جیسے سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا ہو۔ بس ژنگورارا ہی ایک اہم شخص نظر آرہا تھا۔ وہ ہی اسے اپنا آقا، اپنا مالک اور اپنا حاکم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ امیر علی اسے ژنگورارا کے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا پھر ژنگورارا نے اسے حکم دیا کہ وہ آدھے گھنٹے بعد نیچے ڈائننگ ہال میں آئے گی۔ اس طرح وہاں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

وہ اپنے حالات بتا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ سحر زدہ ہونے کے باوجود وہ سمجھ رہی تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسے ژنگورارا کے پاس نہیں رہنا چاہیے لیکن اپنی مرضی کے خلاف اس کے پاس رہنے پر مجبور تھی۔ پتا نہیں کون سی ایسی انجانی قوت تھی جو اسے باندھ کے رکھے ہوئے تھی۔

میں نے کہا ''وہ بہت بڑا جادوگر تھا۔ میرے ایک دشمن نے اسے میری ہلاکت کے لیے بلایا تھا لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ میری زندگی تھی میں بچ گیا، اس کی موت تھی وہ مر گیا۔ تمہارے مقدر میں عزت آبرو سے رہنا تھا۔ اس لیے تمہاری آبرو سلامت رہی اور جو آبرو لوٹنے والے تھے ان میں سے ایک کو تم نے اپنے ہاتھ سے گولی مار دی اور دوسرا پتا نہیں اس وقت کہاں ہوگا اور کس حال میں ہوگا؟''

''آپ کی باتیں سن کر میرے اندر حوصلہ پیدا ہو رہا ہے اور یہ بات میری سمجھ میں آرہی ہے کہ کس طرح میری قسمت نے میرا ساتھ دیا ہے اور میں اب تک محفوظ ہوں۔ مگر اندر سے سہمی ہوئی ہوں۔''

''تم کیوں سہمی ہوئی ہو؟''

''میں نے آج تک کبھی ایک چیونٹی نہیں ماری لیکن اتنے بڑے جادوگر کو مار ڈالا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ جادوگر پھر سے زندہ ہو کر آئے گا اور میری گردن دبوچ لے گا۔''

''یہ بچکانہ خیال ہے۔ کوئی مرنے والا کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔''

''پولیس والے تو مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔''

''کسی نے تمہیں اسے مارتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ نہ تمہارے خلاف کوئی ثبوت ہے، نہ گواہ ہے۔''

''آپ چشم دید گواہ ہیں۔''

''اور میں اس بات کا بھی گواہ ہوں کہ تم بے قصور ہو۔ اگر تم اس کی جان نہ لیتیں تو وہ تمہاری عزت لے لیتا۔ تمہارے حالات تمہیں سکھا رہے ہیں کہ کس طرح ایک حوصلے سے جینا چاہیے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔''

''آپ کی باتیں میرے اندر ایک نئی زندگی توانائی پیدا کر رہی ہیں۔ ویسے آپ سچ سچ بتائیں۔ آ[illegible] ساتھ کیوں دے رہے ہیں؟''

''میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اور اپنی چھوٹی بہن [illegible] دے رہا ہوں۔''

اس نے بڑی حیرانی اور بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ میں پہلی بار کوئی ایسا ملا تھا جو اسے اپنی بہن کہہ رہا تھا۔ اتنی خوبصورت تھی کہ جو بھی اسے دیکھتا تھا، اس پر بری [illegible] تھا۔

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے جس نے ڈ[illegible] نظر ڈالی۔

اسے اپنی خوبصورتی سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے پوچھا ''تم مجھے اس طرح دیکھ رہی ہو؟ کیا میں کوئی عجوبہ ہوں؟''

''ہاں۔ آپ پہلے شخص ہیں جو مجھے اپنی بہن کہ[illegible] ہیں۔ آج تک کسی نے مجھ سے یہ رشتہ نہیں جوڑا۔ آج پہنچتے ہی نفل پڑھوں گی۔ سجدے میں گڑگڑا کر اللہ تعا[illegible] معافی مانگوں گی۔ میں اس رب عظیم کو بھول گئی تھی۔ مایوس ہو گئی تھی اور یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ کبھی ا[illegible] کی طرف سے غیبی مدد حاصل ہو سکتی ہے۔''

''اتنی رات کو گھر واپس جاؤ گی تو محلے پڑوس وا[illegible] کہیں گے؟''

وہ ایک دم سے اداس ہو گئی۔ سر جھکا کر بولی'' بھول ہی گئی تھی کہ بدنامی پہلے ہی ہمارے گھر کے ا[illegible] ہوئی ہے۔ آپی کے اغوا ہونے کے بعد ہمارے محلے میں طرح کی باتیں بنائی جا رہی ہیں پھر میں گھر پہنچ کر کس یقین دلاؤں گی کہ جیسی پاک دامن گئی تھی ویسی ہی واپ[illegible] ہوں۔ کون میری بات کا یقین کرے گا؟''

میں نے کہا ''تمہیں بدنامی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ [illegible]سی عورتیں بدنامی کے باوجود شہرت کی بلندیوں پر پہنچتی [illegible] نے کتنی ہی فلمی اداکاراؤں کو دیکھا ہوگا۔ وہ کم سے کم پہن کر ناچتی گاتی پھرتی ہیں۔ کئی کئی شادیاں کرتی [illegible] اخبارات ان کے خلاف کیچڑ نہیں اچھالتے ہیں بلک[illegible]

[illegible]ت بڑھانے کے لیے ان کی بڑی بڑی خوبصورت تصاویر [illegible] کرتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریبات میں ان اداکاراؤں کا [illegible]گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی خواہش [illegible] ہے کہ ان کے ساتھ تصویریں اتاری جائیں۔

مگر بہت سی غریب لڑکیاں گناہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی [illegible]م ہو جاتی ہیں۔ وہ فلمی اداکاراؤں کی طرح عزت و شہرت [illegible]ل نہیں کر پاتیں۔ لہذا اپنی بدنامیوں پر پردہ نہیں ڈال [illegible]ں۔

''یاد رکھو، دو طرح سے بدنامیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ [illegible] تو یہ کہ عورت شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جائے اور اس کی [illegible] پناہی کرنے والے موجود ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کے [illegible] بے انتہا دولت ہو۔ دولت کی چکا چوند کے سامنے اس کی [illegible] برائیاں اور بدنامیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ تم نے کوئی شہرت [illegible]ل نہیں کی ہے لیکن تمہارے پاس دولت آچکی ہے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر پوچھا ''دولت؟ اور [illegible]ے پاس؟''

''ہاں۔ تمہارے قدموں کے پاس کپڑے کی ایک [illegible]ٹی سی گٹھری رکھی ہوئی ہے۔''

اس نے سر جھکا کر اپنے پیروں کے پاس دیکھا۔ ژنگو [illegible]را کے پاس ایک بڑا سا رومال تھا۔ وہ رومال ایک بڑی سی [illegible]ٹھری کی صورت میں بندھا ہوا وہاں رکھا تھا۔ اس نے کہا۔ [illegible] اس جادوگر کی موت کے بعد آپ نے اس کے گلے سے [illegible]تیوں کی مالا، ہیرے کا لاکٹ اور اس کی انگلیوں سے دس [illegible]ٹھیاں نکالی تھیں۔ ان سب کو اس رومال میں باندھا تھا۔ [illegible]پ اسے دولت کہہ رہے ہیں؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''تم ہیرے موتیوں کی [illegible]ت نہیں جانتیں، یہ بہت قیمتی ہیں۔ اگر انہیں فروخت کیا [illegible]ئے تو ایک کروڑ سے زیادہ روپے ملیں گے اور وہ سب [illegible]ہارے ہوں گے۔''

اس نے چونک کر مجھے بے یقینی سے دیکھا پھر کچھ [illegible]یشان ہو گئی۔ میں نے پوچھا ''کیا ہوا؟''

''آپ نے مجھے بہن کہا ہے اور اب اتنی بڑی رقم کا لالچ [illegible]ے رہے ہیں۔ آپ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپ کا ایمان اس [illegible]در کمزور ہے؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''تم ایسے حالات سے گزرتی آرہی [illegible]و کہ ایک بھائی پر بھی بھروسا نہیں کر دگی۔ تمہارے دل میں جو [illegible]شکوک و شبہات ہیں وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے پھر تم ساری [illegible]ر اپنے اس بھائی پر فخر کرتی رہو گی۔''

اس نے سر جھکا لیا۔ میں نے کہا ''تم ہیرے جواہرات کے معاملے میں اناڑی ہو۔ انہیں فروخت کرنے جاؤ گی تو صرف چور ڈاکو ہی نہیں پولیس والے بھی پیچھے پڑ جائیں گے۔''

اس نے پھر سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اچانک ہی اتنی بڑی رقم اس کی جھولی میں آرہی ہے۔ وہ اٹک اٹک کر بولی ''آپ مجھے ایک کروڑ روپے دیں گے؟ آپ ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ کی نہیں کروڑ کی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ کوئی معمولی رقم ہوتی ہے؟''

''میری بہن کے لیے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جب تم کروڑوں میں کھیلنے لگو گی تو یہ رقم تمہارے لیے معمولی ہو جائے گی۔''

میں نے ڈیش بورڈ پر سے موبائل فون اٹھا کر رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے آسرا کی آواز سنائی دی ''ہائے مقدر! کہاں ہو؟''

میں نے کہا ''مقدر کے لیے ہائے ہائے نہیں کی جاتی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''تم بات سے بات نکالنا خوب جانتے ہو۔ میرے سوال کا جواب دو۔ کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟''

''گھر آرہا ہوں اور اپنے ساتھ اپنی ایک بہن کو لا رہا ہوں۔''

''یہ تمہاری بہن کہاں سے پیدا ہو گئی؟''

''اللہ تعالیٰ محبت کرنے والوں کو محبتیں دیتا ہے۔ اس لیے مجھے بھی آج ایک بہن دی ہے۔ میں اسے تمہارے پاس لا رہا ہوں پھر اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ ویسے کوٹھی کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ تم دروازے پر آجاؤ۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے پوچھا ''آپ مجھے اپنے گھر لے جا رہے ہیں؟''

''کیا تمہیں اعتراض ہے؟''

''نہیں، مگر میرے گھر والے پریشان ہوں گے۔ وہ سمجھ رہے ہوں گے میں رات کو کسی وقت گھر واپس آؤں گی پھر اس جادوگر نے مجھے سیٹھ امیر علی سے چھین لیا تھا۔ اب وہ سیٹھ بھی جھنجلایا ہوا ہوگا۔ وہ مجھے تلاش کر رہا ہوگا اور مجھے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے وہ کسی طرح کی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔ اپنے غنڈوں کے ذریعے میرے گھر والوں کو پریشان کر سکتا ہے۔''

''تم وہاں جا کر کیا کر لو گی؟ کیا غنڈوں کا مقابلہ کرو گی؟ یا پھر اس سیٹھ امیر علی کے پاس واپس جانے کے

لیے مجبور ہو جاؤ گی؟ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بار اس کے شر سے بچایا ہے تو آئندہ بھی تمہیں بچائے گا۔ تم گھر والوں کی فکر نہ کرو۔"

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گیا۔ آسرا دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ تیزی سے چلتی ہوئی کار کے پاس آئی پھر اس نے عرصہ کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ باہر آئی۔ اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام آسرا ہے۔"

وہ مصافحہ کرتے ہوئے بولی "میرا نام عرصہ ہے۔"

آسرا نے کہا "بہت ہی منفرد بہت ہی خوبصورت نام ہے۔ آؤ اندر چلو۔ وہاں آرام سے باتیں ہوں گی۔"

میں نے عرصہ سے کہا "وہ جو کپڑے کی چھوٹی سی پوٹلی رکھی ہے اسے اٹھالو۔"

اس نے پوٹلی کو اٹھالیا۔ آسرا نے پوچھا "اس میں کیا ہے؟"

میں نے کہا "اس میں عرصہ کے ہیرے جواہرات ہیں۔ یہ غنڈوں میں پھنس گئی تھی۔ میں اسے بچا کر لایا ہوں۔"

پھر میں نے عرصہ سے کہا "تم ہمارے گھر والوں کو یہی کہو گی جو میں کہہ رہا ہوں لیکن آسرا کے ساتھ اس کے کمرے میں جاؤ اور تمہاری جو اصل روداد ہے اسے سناؤ۔ یہ میری راز دار ہے۔ تمہاری بھی راز دار رہے گی۔"

آسرا نے مجھے بڑی محبت سے دیکھا پھر عرصہ کا ہاتھ تھام کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ دوسروں کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتی تھی۔ مجھے امید تھی کہ عرصہ اس کے ساتھ گھل مل جائے گی۔ اسے اتنی اپنائیت ملے گی کہ وہ خود کو گھریلو ماحول میں محسوس کرنے لگے گی۔

عرصہ نے یہ درست کہا تھا کہ سیٹھ امیر علی کے منہ سے نوالہ چھین لیا گیا ہے۔ وہ بری طرح جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اسے دوبارہ حاصل کرنا چاہے گا۔ وہ نہیں ملے گی تو اس کے گھر والوں کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ اس جیسے زخمی شیر کے زخموں پر نمک چھڑکنا ضروری تھا۔ اس لیے میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر پہنچ گیا۔

ڈرائنگ روم میں فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور بابر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان ماں باپ اور بیٹے کو نیند نہیں آرہی تھی۔ پہلے تو تین کروڑ روپے ہاتھ سے نکل گئے تھے اور اب دو کروڑ چھین لیے گئے تھے۔ ایسے میں بھلا نیند کیسے آسکتی تھی؟ ان کے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔

وہ سب ہی سے یہ بات چھپاتے پھر رہے تھے کہ صبح بینک جاتے وقت ان سے ایک بڑی رقم چھین لی گئی ہے۔ آفتاب تو اتنے بڑے نقصان کی خبر سنتے ہی بستر پر گر تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ باپ اور بیٹے نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ آدھی رات کو لگی تو کھانا لے کر ڈرائنگ روم میں آگئے تھے اور وہیں رہے تھے۔

فلک ناز نے ڈرائنگ روم میں آکر گھڑی دیکھی۔ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے کہا "کیا بات ہے جان! آج اتنی رات کو کھانا کھایا جا رہا ہے؟"

بھائی نے کہا "دن کو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کھانے نہیں تھا۔ اب بھوک لگی ہے تو کھا رہا ہوں۔"

"آپ کا موڈ نہیں تھا۔ کیا بھابی جان کا بھی موڈ نہیں کیا بابر کو بھی بھوک نہیں لگی تھی؟ سب ہی آج اتنی رات رہے ہیں؟"

بیگم آفتاب نے کہا "تمہیں پریشانی کیا ہے؟ ذرا ذرا بات کی ٹوہ لیتی رہتی ہو؟"

"کیا ایک ہی گھر میں رہ کر ایک دوسرے کے دکھ نہیں سمجھنا چاہیے؟ میں صبح سے دیکھ رہی ہوں آپ تیور پریشان سے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ پریشانی چھپا ہیں۔ دوپہر کو کھانے کے لیے ڈائننگ روم میں نہیں آ رات کو کھانے کے لیے پوچھا تو انکار کر دیا۔ اب رات ڈیڑھ بجے جاگ رہے ہیں اور کھانا کھا رہے ہیں۔ تشویش تو ہوتی ہے اور تجسس بھی پیدا ہوتا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "تم ہماری فکر نہ کرو تو بہتر۔ اپنے کام سے کام رکھو۔"

اسی وقت آسرا عرصہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سب نے عرصہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا "آسرا! یہ کون ہے؟"

وہ بولی "ممانی جان! اس کا نام عرصہ ہے۔ مقدر اسے بہن بنا کر یہاں لائے ہیں۔"

فلک ناز نے پوچھا "وہ اسے کہاں سے بہن بنا کر لائے ہے؟"

وہ بولی "ممی! اس کے پاس قیمتی ہیرے جواہرات ہیں۔ یہ غنڈوں میں گھر گئی تھی۔ مقدر اسے کسی طرح بچا کر لائے ہیں۔"

فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور بابر سب ہی نے چونک کر عرصہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کپڑے کی پوٹلی کو دیکھا۔ آفتاب نے پوچھا "کیا ہیرے جواہرات اس پوٹلی میں ہیں؟ کیا یہ انہیں اس طرح لیے گھوم رہی ہے؟"

آسرا نے اپنی طرف سے بات بنائی "ممانی جان! یہ ہیرے جواہرات میں کھیلنے والی لڑکی ہے۔ ایسی چیزوں کی ایک ذرا پروا نہیں کرتی۔ آؤ عرصہ! میرے بیڈ روم میں چلو۔"

بابر ایک ٹک عرصہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔ ایک تو وہ بہت ہی حسین تھی پھر جب یہ معلوم ہوا کہ دولت مند بھی ہے تو اس میں اتنی کشش پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ وہ وہاں سے آسرا کے ساتھ جانے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بے خودی کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ماں باپ کبھی اپنے بیٹے کو کبھی عرصہ کو دیکھنے لگے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ماں نے پوچھا "بیٹے! کیا ہوا؟"

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر فلک ناز کو دیکھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ اس نے جھینپ کر کہا "کچھ نہیں۔"

فلک ناز نے مسکراتے ہوئے کہا "کچھ تو ہے۔ میں تو چہرے سے بھانپ لیتی ہوں۔"

وہ بولا "آ۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"یہی کہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ مقدر نے اسے تمہارے لیے بھیجا ہے۔"

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا "ناز! تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ سچ اتنی خوبصورت لڑکی ہے کہ دل میں اتر گئی ہے۔ معلوم تو کرو یہ ہے کون؟ کہاں سے آئی ہے؟"

"جب مقدر نے اسے بہن بنایا ہے تو پھر کسی اچھے خاندان کی ہی ہو گی۔ یہ تو آسرا نے بتا ہی دیا ہے نہایت دولت مند لڑکی ہے۔"

بیگم آفتاب کے اندر بے چینی سی بھر گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بولی "یہ مقدر میاں کے ساتھ آئی ہے تو وہ خود کہاں رہ گیا ہے؟ میں دیکھتی ہوں باہر ہو گا۔"

فلک آفتاب کو بھی بے چینی تھی۔ وہ بھی عرصہ کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اپنی بیگم کے پیچھے چلتا ہوا کوٹھی کے باہر آیا۔ میں وہاں نہیں تھا۔ انہوں نے نائٹ چوکیدار سے پوچھا "مقدر میاں کہاں ہیں؟"

اس نے کہا "وہ ابھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں گئے ہیں۔"

وہ دونوں بجھ سے گئے۔ عرصہ کے بارے میں جو قیمتی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ انہیں نہ مل سکیں۔

☆☆☆

رات کے ٹھیک بارہ بجے ژنگورارا کی موت ہوئی تھی۔ ایسے وقت امیر علی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہوٹل کے ایک کمرے میں غافل پڑا ہوا تھا۔ ژنگورارا نے اسے سحر زدہ کر رکھا تھا۔ جب وہ فنا ہوا تو اس کا سحر بھی فنا ہوتا چلا گیا۔ امیر علی کو رفتہ رفتہ یاد آنے لگا کہ وہ ایک ہوٹل میں ہے اور ہوٹل میں ایک نہایت ہی حسین لڑکی اس کے پاس آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ہر طرف دیکھنے لگا مگر وہ حسینہ وہاں نہیں تھی۔

وہ اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا باتھ روم کے دروازے پر آیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ باتھ روم بھی خالی تھا۔ سینٹر ٹیبل پر شراب کی بوتل اور خالی گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ خالی گلاس کہہ رہا تھا کہ اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ نہ نشے میں تھا نہ مدہوش ہوا تھا پھر یہ کیوں نہیں یاد آرہا تھا کہ لڑکی کمرے میں آنے کے بعد کہاں چلی گئی تھی؟ اس نے اسے جانے کیوں دیا تھا؟

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے بارہ بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ عرصہ رات کے ساڑھے نو بجے اس کے پاس ہوٹل میں آئی تھی پھر پتا نہیں کیا ہوا تھا اسے یاد نہیں آرہا تھا۔

اس نے کمرے سے باہر آکر دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک کوریڈور ویران تھا۔ اتنی رات کو سب ہی سو رہے تھے۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آیا۔ نیچے ویزیٹرز لابی میں اس کا خاص راز دار ملازم ایک صوفے پر بیٹھا سو رہا تھا۔ اس نے جھنجوڑ کر اسے اٹھایا۔ وہ ایک دم سے چونک کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "حضور! معافی چاہتا ہوں ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔"

"تم کب سے سو رہے ہو؟"

"یہی کوئی پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے۔ میں تو بڑی دیر تک جاگتا رہا ہوں۔"

اس نے پوچھا "عرصہ کہاں ہے؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا "عرصہ؟"

"ہاں۔ تم اسے میرے کمرے میں چھوڑ کر گئے تھے پھر وہ کہاں چلی گئی؟"

"یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ آپ ہی کے پاس تھی۔"

"یہی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ وہ میرے پاس تھی تو آخر کہاں چلی گئی؟"

وہ بڑبڑانے لگا۔ "اس کے آنے کے بعد سے اب تک میرے ساتھ کیا ہوتا رہا؟ کیا اس لڑکی نے مجھ پر کوئی جادو کیا تھا؟ کیا میں سحر زدہ ہو گیا تھا؟ کیا میں بے ہوش ہو گیا تھا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ساڑھے نو بجے سے سوا بارہ بجے تک میں کہاں تھا؟ کس حال میں تھا؟"

"حضور! آپ کو دیکھ کر یہ پتا نہیں چل رہا ہے کہ آپ

نے پی ہوگی اور نشے میں ہوں گے۔"

"میں نے بوتل کھولی بھی نہیں ہے۔ جیسی منگوائی تھی ویسی ہی رکھی ہوئی ہے۔"

"کیا آپ نے پانی یا چائے پی تھی؟"

اس نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "ہاں، میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے ایک گلاس پانی پلائے اور میری فرمائش پر اس نے پانی اپنے ہاتھ سے پلایا تھا۔"

"پھر تو اس نے پانی میں کچھ گڑ بڑ کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس میں کچھ ملا کر آپ کو پلایا ہو۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر سوچنے لگا۔ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ عرصہ نے پانی میں کچھ ملا کر اسے پلا دیا ہوگا اور جب وہ بے ہوش ہوگیا تو وہ اس ہوٹل سے فرار ہوگئی۔

اس کے ملازم نے کہا "حضور! وہ لڑکی مکار نکلی۔ آپ کو دھوکا دے کر بھاگ گئی۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "اگر اسے دھوکا ہی دینا تھا تو پھر راضی خوشی کیوں آئی تھی؟ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو اچھی طرح دہشت زدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو یہاں بھیج دیا تھا۔ کیا انہیں اس بات کا ڈر نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے فریب کرے گی تو بعد میں انہیں پچھتانا ہوگا؟"

"آپ مجھے حکم دیں، میں ابھی اس کے گھر جاتا ہوں اور اسے چوٹی سے پکڑ کر یہاں لاتا ہوں۔"

"نہیں، اب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ تم میرے ساتھ چلو اور ان غنڈوں کو بلاؤ، جنہوں نے اس کی بڑی بہن کو اغوا کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں ابھی صبح سے پہلے اس کی دوسری بہن کو اٹھوالو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس کے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے فون نکال کر اس کے نمبر پڑھے پھر ناگواری سے بولا "یہ کم بخت بیویاں رات کو بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس نے فون کو کان سے لگایا پھر سخت لہجے میں بولا "کیا بات ہے؟ کیوں اتنی رات کو فون کر رہی ہو؟ کیا قیامت آگئی ہے؟"

دوسری طرف سے اس کی بیوی نے کہا "قیامت آئی ہے تب ہی فون کر رہی ہوں۔ آپ کو کبھی اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری اور ہمارے بچوں کی خبر لیں۔"

وہ غصے سے بولا "تمہارے پاس کوٹھی ہے، کاریں ہیں، بینک بیلنس ہے۔ بچوں کے لیے کسی بات کی کمی نہیں کرتا ہوں اور کیا خبر رکھوں؟"

"بیوی بچوں کو صرف اپنی کمائی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے۔ ان کے احساسات اور جذبات کو بھی سمجھنا ہوتا ہے۔ میں نے کئی بار کہا کہ اپنی بڑی بیٹی کا کچھ خیال کریں۔ اسے سمجھائیں، اس کے پر نکل رہے ہیں لیکن آپ نے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ یہ ہے وہ شام کو گھر سے گئی تھی اور اب تک واپس نہیں آئی ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولا۔ "کیوں نہیں آئی ہے؟ کہاں چلی گئی ہے؟ اپنے تمام رشتہ داروں کو اور اس کی سہیلیوں کو فون کرو۔ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟"

"میں سب کر چکی ہوں۔ اس کی ایک ایک سہیلی کو فون کر ہے۔ تمام رشتہ داروں سے پوچھا ہے۔ نہ وہ اپنی کسی سہیلی کے گھر گئی ہے اور نہ کسی رشتہ دار کے گھر میں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ کہاں جاسکتی ہے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ ہمارے دونوں بیٹے، میرا بھائی اور آپ کے دونوں بھائی سب ہی اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ان سب سے فون کے ذریعے رابطہ ہے۔ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟ وہ ملے گی بھی نہیں؟"

"ذرا حوصلہ کرو۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ میں جلد ہی گھر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کیا پھر اپنے اس راز دار ملازم سے کہا "مجھے ابھی گھر جانا ہوگا۔ تم ایسا کرو کہ عرصہ کے گھر کی طرف جاؤ اور معلوم کرو، وہ کہاں ہے؟ مجھے دھوکا دے کر گئی ہے تو پھر اپنے گھر میں ہی ہوگی۔ میں کل صبح اس سے اور اس کے ماں باپ سے نمٹ لوں گا۔"

فون کا بزر پھر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھے پھر سوچا "نہیں یہ کس کا فون ہے؟"

اس نے بٹن کو دبا کر اسے کان سے لگایا۔ میں نے کہا "تمہاری لاڈلی بیٹی شہناز واپس نہیں آئے گی۔ یہ ہمارے پاس ہے۔"

اس نے غصے سے پوچھا "کون ہو تم؟ شہناز تمہارے پاس کیوں ہے؟"

"حسین اور جوان لڑکیاں سیدھی طرح ہاتھ نہیں آتیں انہیں اغوا کیا جاتا ہے، پھر جبراً ان کی عزت کو کھلونا بنایا جاتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میری بیٹی پر ذرا بھی آنچ آئے گی میں تمہارے پورے خاندان کو تباہ کردوں گا۔"

"میرا خاندان بہت چھوٹا ہے۔ وہ تباہ ہوگا تو میرا صدمہ بہت چھوٹا ہوگا۔ تمہارا خاندان تو یہاں سے اوورسیز تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے اوورسیز تک بدنامی پھیلے گی تو کہاں تک صدمات برداشت کرتے جاؤ گے؟ آج تم ایک بیٹی کا ماتم کرو۔ کل تمہاری دوسری بیٹی اٹھوالی جائے گی۔"

وہ جو بہت غرور سے اور اکڑ سے بول رہا تھا۔ ایک دم سہم سا گیا۔ میں نے پوچھا "کیا میں فون بند کردوں؟"

"نہیں، جسٹ اے منٹ۔ میرا خیال ہے تم نے تاوان حاصل کرنے کے لیے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے؟ بولو کتنی رقم چاہتے ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تم نے رقم حاصل کرنے کے لیے کسی لڑکی کو اغوا کرایا تھا؟ اگر نہیں تو میری طرف سے بھی نہیں۔ اگر تم شرم ناک مقصد سے ایسا کر سکتے ہو تو کیا دوسرا کوئی ایسا نہیں کرسکتا؟"

وہ پریشان ہوکر بولا "پلیز، میری بیٹی کو واپس کردو۔"

"اتنی جلدی واپسی کیسے ہوسکتی ہے؟ تم نے ایک کے بعد دوسری کو اپنے پاس بلایا۔ جب تک وہ دوسری اپنے گھر واپس نہیں پہنچے گی، اس وقت تک تمہاری بیٹی بھی اپنے گھر واپس نہیں آئے گی۔"

وہ جلدی سے بولا "وہ واپس جاچکی ہے۔ وہ مجھے دھوکا دے کر بہت پہلے ہی چلی گئی ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ اپنے گھر نہیں پہنچی ہے۔ اسے گھر پہنچنا چاہیے ورنہ تم بدنامیوں اور رسوائیوں کی انتہائی بلندی پر اور ذلت کی انتہائی پستیوں میں پہنچ جاؤ گے۔"

وہ بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا۔ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں پا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا فون بند کردوں؟"

وہ جلدی سے بولا "نہیں نہیں، ٹھہرو۔ میں ابھی عرصہ کے گھر جاؤں گا۔ وہاں معلوم کروں گا، اگر وہ وہاں نہیں پہنچی ہوگی تو میں اسے تلاش کرکے اس کے گھر پہنچاؤں گا۔"

"تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ گھڑی دیکھو۔ اس وقت تین بج رہے ہیں۔ اب سے ٹھیک بارہ گھنٹے بعد کل دن میں تین بجے تک اگر عرصہ اپنے گھر نہیں پہنچی تو تمہاری دوسری بیٹی کو اٹھوالیا جائے گا۔ تم اس کی حفاظت کے لیے کتنے ہی اقدامات کرو اگر ہم اسے نہ اٹھا سکے تو اسے موت کا فرشتہ اغوا کرکے لے جائے گا۔ میں ہر چار گھنٹے کے بعد تم سے فون پر رابطہ کروں گا۔ دیٹس آل۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ اس کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ ساری مستی ہوا ہوگئی تھی۔ دولت کے غرور کو اور ہوس پرستی کی غلاظتوں کو بھول چکا تھا۔

ایسی بات نہیں تھی کہ میں نے اسے سزا دینے کے لیے اس کی بیٹی کو اغوا کیا تھا یا کرایا تھا۔ میں بھلا سزا دینے والا کون ہوتا ہوں؟ میں تو اس کے اور اس کی بیوی بچوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر پہنچا ہوا تھا۔ دنیا کا ہر شخص اپنے اعمال کی سزا پاتا ہے یا اپنے مقدر کے ہاتھوں میں کھیلتا رہتا ہے۔ اس کی اغوا ہونے والی بیٹی شہناز کا مقدر یہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کے بیٹے سے محبت کرتی تھی اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ چونکہ ماموں غریب تھا اور اس کا بیٹا ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ اس لیے امیر علی اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھتا تھا اور بیٹی کو اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے سے بیاہنا چاہتا تھا۔ باپ کی ضد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹی نے بغاوت کی اور اپنے ماموں زاد بھائی یعنی اپنے محبوب کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی۔

اس نے دن کے وقت اپنے محبوب سے کورٹ میں جاکر شادی کی تھی پھر اس سے وعدہ کیا تھا کہ گھر سے اپنے زیورات اور نقدی لے کر شام کو اس سے ملے گی پھر وہ دونوں دوسرے شہر میں جاکر کچھ عرصے تک روپوش رہیں گے۔

وہ یہی کر رہے تھے۔ میں نے اس کی بیٹی شہناز کی بغاوت کو اغوا کا رنگ دے دیا تھا۔ میں جانتا تھا ابھی اسے اپنی بیٹی کی خبر نہیں ملے گی۔ تب تک میں اسے پیش آنے والی بدنامیوں اور رسوائیوں سے ڈراتا رہوں گا۔ وہ درپردہ شیطان تھا لیکن دنیا والوں کے سامنے نیک نام اور عزت دار تھا۔ اس لیے فوراً ہی میری دھمکی میں آگیا تھا۔

اس نے عرصہ کو حاصل کرنے کے لیے دھمکی دی تھی کہ ایک بہن کے بعد اس کی دوسری بہن کو اٹھا لیا جائے گا۔ اسی طرح میں نے بھی اسے دھمکی دی تھی کہ بارہ گھنٹے بعد اس کی دوسری بیٹی کو بھی اٹھوالیا جائے گا حالانکہ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کل اس کی بیٹی کے ساتھ بھی ایک دوسرا معاملہ ہونے والا تھا، میں اس کا ذکر بعد میں کروں گا۔

میں صبح کے چار بجے گھر واپس آیا تو بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور بابر ڈرائنگ روم میں جاگ رہے تھے۔ عرصہ کے بارے میں جو تھوڑی سی معلومات حاصل ہوئی تھیں، اس کے بعد وہ سو نہیں سکتے تھے۔ اب عرصہ امید کی ایک نئی کرن کی طرح گھر میں آئی تھی۔ انہیں پھر سے خوش نصیبی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ کئی بار آسرا کے کمرے کی طرف جا چکے تھے مگر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر رکھا تھا۔ ایک بار بیگم آفتاب نے دروازے پر دستک بھی دی "بیٹی آسرا! دروازہ تو کھولو۔ ہمیں بھی تو عرصہ سے بات کرنے دو۔"

آسرا نے دروازہ نہیں کھولا۔ اندر سے کہا ''ممانی جان! مقدر اسے غنڈوں سے بچا کر لائے ہیں۔ یہ گھبرائی ہوئی ہے اور آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی ہے۔ پلیز اسے آرام کرنے دیں۔ صبح اس سے باتیں ہوں گی۔''

فلک آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا ''لیکن یہ مقدر میاں کہاں چلے گئے ہیں؟''

''یہیں کہیں ہوں گے۔ ابھی آتے ہوں گے۔''

میں صبح چار بجے وہاں پہنچا۔ وہ تینوں ماں باپ اور بیٹا' مجھے دیکھتے ہی یوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسے دفتر کے ملازم ہوں اور اپنے باس کو دیکھ کر ادب سے کھڑے ہو گئے ہوں۔ میں نے انجان بن کر حیرانی سے پوچھا ''کیا ہوا؟ آپ لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو گئے ہیں؟ خیریت تو ہے؟''

فلک آفتاب نے کہا ''ہاں ہاں بیٹا! بالکل خیریت ہے۔ وہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔''

میں نے پھر حیرانی سے پوچھا ''میرا انتظار؟ خیریت تو ہے؟ آپ لوگ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''دراصل ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ اتنی رات ہو چکی اور تم گھر نہیں آئے تھے، یہی فکر ہمیں ستا رہی تھی۔''

فلک آفتاب نے کہا ''آؤ، یہاں آؤ نا۔ یہاں بیٹھو۔''

میں ان کے قریب ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا ''میں تو روز ہی رات کو دیر سے آتا ہوں۔ ویسے آپ لوگوں کو اپنے لیے پریشان دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ آپ لوگ میری اتنی فکر کرتے ہیں۔''

''تم میرے مرحوم بھائی کی اولاد ہو۔ ہم تمہاری فکر نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ ویسے تم اتنی رات تک کہاں تھے؟ کیا کر رہے تھے؟''

میں نے ایک ذرا پریشانی ظاہر کرتے ہوئے گہری سانس لی پھر کہا ''کچھ نہ پوچھیں۔ یہ لڑکی بہت ہی بے وقوف ہے۔''

''کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟''

''یہی جسے میں نے آسرا کے ساتھ اندر بھیجا تھا۔ کیا بتاؤں بڑی امی! اس نے جو ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے زیورات پہنے تھے ان کی مالیت ایک کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔''

ان تینوں نے اتنی گہری سانسیں کھینچیں جیسے ایک ہی سانس میں سارے زیورات نگل لینا چاہتے ہوں۔ میں نے کہا ''کلفٹن کے اس ویران ساحل پر چند غنڈوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ میں نے جان پر کھیل کر اس کی جان بچائی۔ مجھے بھلا اس لڑکی سے کیا لینا تھا۔ بلا سے اس کے ساتھ کچھ ہو جاتا۔ وہ تو اسے جان سے مارتے اور سارے زیورات لے جاتے۔ مگر میں نے سوچا آج ایک نیکی کر ہی ڈالوں۔ میں نے ٹھیک کیا ہے نا؟''

تینوں نے ہاں ہاں کے انداز میں زور زور سے سر ہلایا۔ بیگم آفتاب نے کہا ''تم نے اس کی جان بچا کر بہت بڑی نیکی کی ہے بیٹا! تمہیں اس نیکی کا صلہ ضرور ملے گا۔''

''صلہ تو مل گیا۔ بہن کی محبت مل گئی۔ میں نے اسے بہن بنالیا ہے۔ پتا ہے میں نے بہن بناتے ہی کیا کیا؟''

تینوں نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ میں بیٹھے بیٹھے ان کی طرف ذرا جھک گیا پھر بولا ''میں نے اس کے سارے زیورات اتار لیے۔''

وہ تینوں بھی بیٹھے بیٹھے میری طرف جھک گئے۔ ایک نے کہا ''اچھا! پھر؟''

''میں نے ان تمام زیورات کو ایک رومال میں باندھا۔ اس کی پوٹلی بنائی پھر اسے بری طرح ڈانٹ کر کہا ''تم کتنی احمق لڑکی ہو۔ اتنی رات کو تنہا اتنے قیمتی زیورات پہن کر ویران ساحل کی طرف ٹہلنے آئی ہو۔ بڑی امی! میں نے اچھا کیا نا؟''

وہ بولی ''بہت اچھا کیا۔ تم نے بڑے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا۔ تم نہ ہوتے تو زیورات بھی جاتے اور اس کی جان بھی جاتی۔''

میں ذرا اداس ہو گیا۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''کیا ہوا بیٹے؟''

میں نے کہا ''میرے ڈانٹنے سے وہ رونے لگی۔ کیا بتاؤں؟ جب وہ رونے لگی تو مجھے اس پر کتنا پیار آنے لگا۔ آپ لوگوں نے تو اسے دیکھا ہی ہو گا کتنی معصوم کتنی بھولی بھالی ہے؟''

بیگم آفتاب نے کہا ''ہائے بیٹا! کچھ نہ پوچھو۔ اسے تو دیکھتے ہی جی چاہ رہا تھا اپنے کلیجے سے لگا لوں۔''

بابر اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''وہ اتنی رات کو اتنے قیمتی زیورات پہنے تنہا ویران ساحل پر کیوں گئی تھی؟''

میں نے کہا ''رئیس زادی ہے بلکہ رئیس بنتِ رئیس ہے۔ وہ آدھی رات کو کہیں بھی جا سکتی ہے۔ کیا ہم تم اسے روک سکتے ہیں؟''

سب نے انکار میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ''دراصل بات یہ ہے کہ یہ عرصہ بہت ہی غریب ماں باپ کی بیٹی ہے۔ یہاں پسماندہ علاقے میں رہتی ہے۔ اس کے بوڑھے ماں باپ تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ اس کے چچا ساؤتھ افریقا میں ہیرے جواہرات کے تاجر تھے۔ وہ پچھلے مہینے یہاں آئے تھے۔ چچا سے ان کی خاندانی دشمنی تھی۔ ماں باپ نے ان سے صلح نہیں کی لیکن یہ لڑکی اپنے چچا کو اتنا چاہتی ہے کہ ماں باپ کی مرضی کے خلاف چچا کے پاس جا کر گلے گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ چچا نے نہ کبھی شادی کی تھی نہ ان کی کوئی اولاد تھی۔ انہوں نے اسے اپنی بیٹی بنالیا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''پھر تو عرصہ بہت ہی سمجھدار ہے اور تم اسے بے وقوف کہہ رہے تھے۔''

''کوئی سمجھدار نہیں ہے۔ جذباتی لڑکی ہے۔ بچپن سے چچا کی تصویریں دیکھتی تھی اور ان کو اپنا آئیڈیل مانتی تھی۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو جا کر گلے لگ گئی۔ ہاں ایک طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ جذباتی سہی لیکن سمجھداری سے کام لیا۔ اب اس کا فائدہ اسے پہنچ رہا ہے۔''

بابر نے پوچھا ''وہ کیسے؟''

''چچا نے ساری دولت اور جائداد اس کے نام لکھ دی ہے۔''

میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اف اللہ! اس کی دولت، اس کی جائدادیں، یہاں سے ساؤتھ افریقا تک پھیلی ہوئی ہیں۔''

ان تینوں کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئی تھیں۔ پھر فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے! ہمیں اس کے چچا سے ملاؤ۔''

میں نے اچانک ہی چہرے سے یوں ظاہر کیا جیسے صدمات سے دوچار ہو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا ''کیا ہوا بیٹے؟''

میں نے رازدارانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا پھر ان کی طرف جھک کر کہا ''ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ وعدہ کریں کہ ابھی عرصہ کو نہیں بتائیں گے۔''

تینوں نے جلدی جلدی دائیں بائیں سر ہلایا۔ بیگم آفتاب نے میرا ہاتھ تھام کر کہا ''تم ہمیں اپنا سمجھ رہے ہو۔ اپنا رازدار بنا رہے ہو تو پھر بھروسا کرو۔ جو بات بھی کہو گے' وہ ہمارے سینوں میں دفن رہے گی۔''

میں نے ان کی طرف اور ذرا جھک کر بڑی رازداری سے کہا ''اس کے چچا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

انہوں نے بھی بڑی رازداری میں پوچھا ''اچھا؟''

''وہاں ساحل پر عرصہ کو پیاس لگ رہی تھی۔ چچا نے کہا تم یہاں ٹھہرو میں تمہارے لیے ٹھنڈی بوتل لے کر آتا ہوں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر دور ایک ریستوران کی طرف گئے پھر وہاں سے واپس نہ آسکے۔ جو غنڈے عرصہ کو گھیر کر اس کے زیورات چھین لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے پہلے عرصہ کے چچا کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اس کی لاش کو سمندر میں پھینک دیا تھا پھر وہ عرصہ پر حملہ کرنے گئے۔ ایسے وقت عرصہ کے مقدر نے اس کا ساتھ دیا اور میں وہاں پہنچ گیا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''خدا کا شکر ہے۔ تم اگر وہاں نہ پہنچتے تو یہ لڑکی ہمارے ہاتھ نہ آتی۔''

ان تینوں کے اندر یہ بات نقش ہو چکی تھی کہ اس لڑکی کو ہتھیانا ہے۔ اسی لیے وہ ہاتھ آنے والی بات کہہ گئی تھی پھر جلدی سے سنبھل کر بولی ''میرا مطلب ہے اگر تم اس کی جان نہ بچاتے اور یہ ہمارے یہاں نہ آتی تو ہمیں اتنی معصوم سی لڑکی کی خدمت کرنے کا موقع نہ ملتا۔''

میں نے کہا ''بڑی امی! میں چاہتا ہوں کہ ابھی دو چار روز تک اس سے چچا کے متعلق کچھ نہیں کہا جائے۔ بات چھپائی جائے ورنہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔''

سب نے تائید میں سر ہلایا۔ بابر نے کہا ''بھائی جان! آپ درست کہتے ہیں۔ بے چاری نازک سی لڑکی ہے، نازک سا دل ہے صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ ہم اس کے سامنے اس کے چچا کا ذکر نہیں کریں گے۔''

میں نے کہا ''میں موقع دیکھ کر اسے بڑی سہولت سے بتاؤں گا کہ اس کے چچا اللہ میاں کو پیارے ہو گئے ہیں۔''

فلک آفتاب نے پوچھا ''یہاں اس کے چچا کی کوٹھی اور دوسری جائداد تو ضرور ہو گی؟''

''نہیں۔ انہوں نے یہاں کوئی جائداد نہیں بنائی تھی اور نہ ہی کوئی کوٹھی خریدی تھی۔ پچھلے مہینے سے یہاں ایک ہوٹل میں قیام تھا۔''

بابر نے مایوسی سے پوچھا ''کیا یہاں عرصہ کے چچا کا کچھ بھی نہیں ہے؟''

''بینک بیلنس ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے فی الحال اس کے اکاؤنٹ میں چھ کروڑ روپے ہیں۔''

ایک بار پھر ان تینوں کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئیں میں نے محسوس کیا کہ ان کے لالچی مزاج کے مطابق کچھ زیادہ ہی دھماکے کر رہا ہوں۔ اگر ایسے ہی دھماکے کرتا رہا تو ان کی سانسیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی' نیچے نہیں آئیں گی۔

بابر نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''کیا عرصہ اپنے غریب ماں باپ کے پاس چلی جائے گی؟''

میں نے کہا ''میں یہی بات آپ بزرگوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے ماں باپ سے لڑ جھگڑ کر اپنے چچا کے پاس آ گئی تھی۔ لڑائی جھگڑے تو ہوتے رہتے ہیں۔ خون کے رشتے کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ اسے اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہیے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم اتنی جلدی اسے اس کے ماں باپ سے نہ ملنے دیں۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا ''بیٹے! تم تو میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم نے میرا ہی دودھ پیا ہے۔''

میں نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا ''میں تو آپ ہی کو اپنی ممی سمجھتا ہوں اور آپ کی مرضی کے بغیر عرصہ کی زندگی کا کوئی اہم فیصلہ نہیں کروں گا۔''

بیگم آفتاب نے آگے کی طرف جھک کر دونوں ہاتھوں سے میری بلائیں لیں پھر میری پیشانی کو چوم کر واپس اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے بولیں ''بس آج سے عرصہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میری ہے۔''

میں نے کہا ''ایک اور بات رہ گئی ہے۔''

وہ تینوں پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے کہا ''عرصہ کو وہاں پیاس لگ رہی تھی۔ میں اسے لے کر ایک ریستوران میں آیا۔ وہاں میں نے اسے بنانا جوس پلایا۔ جوس پینے کے دوران میں میں نے اس کا ہاتھ دیکھا۔''

میں نے اچانک ہی جوشیلے انداز میں سینٹر ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''کیا بتاؤں کہ میں نے کیا ہاتھ دیکھا ہے؟''

میرے یوں ہاتھ مارنے سے تینوں اپنی جگہ سے اچھل کر پھر بیٹھ گئے۔ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''بیٹے! تم نے کیا دیکھا؟''

''میں نے اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر دیکھی ہے۔''

''اچھا مگر شادی کی لکیر تو سب ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔''

''مگر اس کی وہ لکیر کہہ رہی تھی کہ اسی سال کے اندر اس کی شادی ہوگی۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بیٹے! تم علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے ہو۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ تم نے اب تک جتنی بھی پیش گوئی کی ہے' سب درست ثابت ہوتی آئی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس کی شادی کب ہوگی اور کس سے ہوگی؟''

میں نے کہا ''بڑے ابو! ہاتھ کی لکیر یہ تو نہیں بتاتی کہ جس سے شادی ہونے والی ہے اس کا نام کیا ہے؟ اس کا پتا ٹھکانا کیا ہے؟ لیکن پھر بھی میں بہت دور تک معلوم کر ہی لیتا ہوں۔''

''بیٹے! تم نے اس کی شادی کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم کیا ہے وہ سب ہمیں بتاؤ۔''

میں نے ان تینوں کی طرف باری باری دیکھا۔ وہ تینوں تجسس میں مبتلا ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا ''اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ اس کی شادی اس نوجوان سے ہوگی جس کے نام میں دو عدد انگریزی حرف 'بی' (B) آتے ہیں۔''

وہ تینوں خوشی سے کھل گئے۔ میں نے ان تینوں کی خوشی کو نظر انداز کرتے ہوئے انجان بن کر کہا ''اس کے نام میں دو عدد حرف 'بی' (B) کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً حبیب اللہ میں دو عدد حرف 'بی' آتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مشہور فلمساز اور ہدایت کار شباب کیرانوی گزرے ہیں۔ ان کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر گزرے ہیں حباب دہلوی۔ ان کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے جلدی سے کہا ''ہمارے بابر کے نام میں بھی دو عدد 'بی' آتے ہیں۔''

میں نے چونک کر بابر کو دیکھا پھر خوشی سے اچھل کر کہا۔ ''ارے واہ! یہ تو کمال ہو گیا۔ میں تو بھول ہی گیا کہ بابر کے نام میں بھی دو 'بی' آتے ہیں۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں۔''

وہ تینوں دل کھول کر ہنسنے لگے۔ بیگم آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ میرے چہرے کو، گردن کو، پیشانی کو چومنے لگی۔ میں نے جلدی سے خود کو الگ کرتے ہوئے کہا ''میں نے عرصہ کو بہن تو بنایا ہے لیکن اس کے مزاج کو ابھی اچھی طرح نہیں سمجھا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ پہلے اس کے مزاج کو سمجھیں اور بہت آہستہ آہستہ پیار محبت سے اپنی طرف اسے مائل کریں۔''

وہ بولی ''بیٹے! اس بات کی تم فکر ہی نہ کرو۔ میں تو اسے اتنا پیار دوں گی اتنا پیار دوں گی کہ وہ اپنی ماں کو بھی بھول جائے گی۔''

میں ان سے ذرا دور ہو کر ایک صوفے کے پاس آیا پھر وہاں سے بابر کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ بابر کے جھوٹ اور فریب کو کھولنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ بولا ''بھائی جان! آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

میں نے کہا ''عرصہ کے ساتھ تمہارا رشتہ ہو تو سکتا ہے لیکن ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اور اس رکاوٹ کی وجہ سے

شاید رشتہ نہ ہو سکے۔''

بیگم آفتاب نے تڑپ کر کہا ''بیٹے! ایسی کون سی رکاوٹ ہے؟''

''میں نے عرصہ کا ہاتھ دیکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اولاد کی لکیر موجود ہے۔ گویا وہ ماں بن سکتی ہے۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر کہا ''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ہم تو پوتے پوتیوں کے لیے ترس رہے ہیں۔''

میں نے کہا ''آپ کے ترسنے سے کیا ہوتا ہے۔ بابر کی میڈیکل رپورٹ کہتی ہے کہ یہ باپ نہیں بن سکے گا اور عرصہ کا مقدر کہتا ہے کہ وہ ماں ضرور بنے گی۔ لہٰذا اس کی شادی کسی ایسے ہی ڈبل 'بی' والے سے ہوگی جو باپ بننے کے قابل ہوگا۔''

بابر بے چین ہو گیا تھا۔ وہ بے چینی سے دائیں بائیں ہلنے لگا۔ چھ کروڑ کا معاملہ تھا۔ وہ اپنا جھوٹ مزید چھپا نہیں سکتا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر کہا ''میں باپ بن سکتا ہوں۔''

میں نے کہا ''جاؤ میاں! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میڈیکل رپورٹ کے خلاف باپ کیسے بن جاؤ گے؟''

''بھائی جان! وہ۔ بات اصل میں یہ ہے کہ وہ میڈیکل رپورٹ درست نہیں ہے۔ غلط ہے۔''

میں نے پوچھا ''کیا تم ڈاکٹر کو اناڑی کہہ رہے ہو؟''

''نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو رشوت دے کر جعلی میڈیکل رپورٹ تیار کرائی تھی۔ دراصل میں شادی کر کے بیوی بچوں کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے ممی اور ڈیڈی کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹی میڈیکل رپورٹ تیار کرائی تھی۔ اصل رپورٹ یہ ہے کہ میں پوزیٹو ہوں اور باپ بن سکتا ہوں۔''

ماں باپ نے گھور کر بیٹے کو دیکھا۔ باپ نے غصے سے کہا ''تم اب تک ہمیں دھوکا دیتے رہے۔ تمہیں شرم نہیں آئی؟''

ماں نے کہا ''ہم تمہیں اپنے ہر معاملے میں رازدار بناتے ہیں مگر تم نے شادی اور اولاد کے معاملے میں ہمیں دھوکا دیا ہے۔ میں اس غلطی کے لیے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

وہ ماں کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ممی! میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل میں بہت سوچ سمجھ کر کسی مناسب وقت پر شادی کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں' کیا شادی کا یہ مناسب وقت نہیں ہے؟ اگر مناسب وقت ہے تو میں مناسب وقت پر سچ بول رہا ہوں۔''

ماں باپ نرم پڑ گئے۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کے دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ انہیں ایک بے انتہا دولت مند لڑکی ملنے والی تھی۔

میں نے کہا ''بڑی امی! بابر نے جو کیا' ٹھیک ہی کیا۔ چلیں اسے معاف کر دیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ اس کی میڈیکل رپورٹ پوزیٹو ہے اور یہ باپ بن سکتا ہے۔''

وہ سب بہت خوش ہو رہے تھے اور میں انہیں خوش کرتا جا رہا تھا پھر صبح کی اذان ہونے لگی۔ میں نے کہا ''اب میں چلتا ہوں۔ ذرا نیند پوری کروں گا۔''

میں ان سے رخصت ہو کر اپنے بیڈروم میں آیا۔ وہاں آسرا اور عرصہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

میں نے عرصہ سے پوچھا ''کیا ابھی تک جاگ رہی ہو۔ نیند نہیں آ رہی ہے؟''

وہ بولی ''میں ایسے حالات سے گزر رہی ہوں کہ خوشیاں بھی مل رہی ہیں اور گھر والوں کی طرف سے پریشانیاں بھی ہیں۔''

آسرا نے کہا ''میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم رفتہ رفتہ اس کی ساری پریشانیاں دور کر دو گے اور اس کے والدین اور بھائی بہنوں کو بھی تحفظ دو گے۔''

میں نے عرصہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا ''میں اسی لیے باہر گیا تھا۔ میں نے کچھ ایسے انتظامات کیے ہیں کہ آئندہ امیر علی اور اس کے غنڈے تمہارے والدین کو اور دوسرے گھر والوں کو پریشان نہیں کریں گے۔ تم اطمینان رکھو۔''

آسرا نے کہا ''ممانی جان تو عرصہ کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ان کے اندر تجسس بھر گیا ہے کہ یہ لڑکی کون ہے اور اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی ہے؟ وہ کئی بار میرے بیڈروم کا دروازہ کھٹکھٹا چکی ہیں۔ میں نے اسی لیے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر دیا ہے اور یہاں آ کر بیٹھ گئی ہوں۔ اب وہ جب بھی وہاں جائیں گی تو یہی سمجھیں گی کہ ہم دونوں دروازہ اندر سے بند کر کے سو رہی ہیں۔''

میں نے مسکرا کر کہا ''میں نے ان کا وہ تجسس ختم کر دیا ہے اور عرصہ کی طرف سے ان کے اندر نئی بارود بھر دی ہے۔''

میں ان دونوں کو بتانے لگا کہ میں نے ان لوگوں کو عرصہ کے متعلق کس طرح کی کہانی سنائی ہے۔ آسرا نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا ''تم نے ان سے کہا ہے کہ عرصہ کی دولت اور جائداد یہاں سے ساؤتھ افریقا تک پھیلی ہوئی

ہے۔ کیا تم کچھ زیادہ ہی نہیں پھیل گئے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "بھئی میں کوئی اسٹوری رائٹر تو نہیں ہوں۔ اس وقت جس طرح باتیں بناتا گیا' کہانی بنتی چلی گئی۔ اب ایسی کہانی میں تھوڑا بہت جھول تو ضرور ہوگا۔ بہرحال میں بعد میں ایسی باتیں بناؤں گا کہ کہانی کا یہ جھول ختم ہو جائے گا اور بات اچھی طرح بن جائے گی۔"

ہم وہاں تھوڑی دیر تک منصوبے بناتے رہے کہ آئندہ عرصہ کے سلسلے میں کیا کیا جائے گا پھر آسرا اسے لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی اور میں سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ بس یوں ہی لیٹ گیا۔ میں سوتا نہیں ہوں کیونکہ مقدر بھی نہیں سوتا۔

☆☆☆

صبح کے نو بجنے والے تھے اور دردانہ کی شامت آنے والی تھی۔ پاشا نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا "کون ہے؟"

"ممی! میں ہوں پاشا! آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا "آ جاؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا مگر سر جھکائے دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ دردانہ نے پوچھا "کیا بات ہے؟ اتنی صبح کیوں آئے ہو؟ کوئی خاص بات ہے؟"

وہ بولا "آپ جہاں دیدہ ہیں۔ سمجھ سکتی ہیں۔ کل ہی میری شادی ہوئی اور کل ہی آپ نے میری دلہن کو مجھ سے جدا کر دیا۔ اسے یہاں سے لے جاتے وقت آخری بار مجھ سے ملنے بھی نہیں دیا۔"

وہ بولی "کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو؟"

"دشمن سمجھتا تو آپ کے پاس نہ آتا۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں تمہاری ماں ہوں' جو کر رہی ہوں تمہاری بہتری کے لیے کر رہی ہوں۔ عینی کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہوں اس کے نتیجہ میں وہ بے چین ہو کر' تمہاری محبت سے مجبور ہو کر ہمیشہ کے لیے یہاں چلی آئے گی۔ اپنے کاروبار کو سنبھالنے کے سلسلے میں تمام حقوق تمہارے نام لکھ دے گی۔ تم آج کو نہ دیکھو کہ دلہن تم سے جدا ہو گئی ہے۔ آنے والے کل کو دیکھو' تم صرف دلہن پر ہی نہیں اس کے تمام کاروبار پر بھی قبضہ جماؤ گے۔"

"بے شک آپ جہاں دیدہ ہیں۔ میری بہتری کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہیں لیکن یہ تو بتائیں کہ میں عینی سے کب تک دور رہوں گا؟"

"زیادہ انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ بس دو چار دنوں میں پھر عینی سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ اب تم جاؤ میں واش روم میں جا رہی ہوں۔"

وہ سر جھکا کر پلٹ گیا پھر دروازے سے باہر آ کر دل ہی دل میں اسے گالیاں دینے لگا۔ ایک کوریڈور میں تہمینہ سے سامنا ہوا۔ وہ بولی "کہاں سے آ رہے ہو؟"

"اس مکار عورت کے پاس گیا تھا۔ اسے پرکھ رہا تھا، کم بخت ماں بن کر بڑے ٹھوس دلائل دے رہی ہے کہ جو کچھ وہ کر رہی ہے میرے مستقبل کو سنوارنے کے لیے کر رہی ہے۔"

"تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ پرسوں سنڈے ہے۔ میری چھٹی ہے۔ میں باہر جاؤں گی تو تمہارے لیے موبائل فون ضرور لے کر آؤں گی پھر تم عینی اور عروج سے باتیں کر سکو گے۔"

وہ بولا "میرے ساتھ بیڈ روم میں چلو۔ میں پریشان ہوں۔ تم سے باتیں کروں گا تو دل بہل جائے گا۔"

وہ بولی "ہاں۔ ابھی میں فارغ ہوں۔ مسٹر درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں ہیں۔ جب تک وہ باہر نہیں آئیں گے میں تمہارے ساتھ وقت گزارتی رہوں گی۔"

اس وقت شہباز درانی اپنے پرائیویٹ چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے نو بج کر پینتالیس منٹ پر اسے فون پر مخاطب کیا۔ اس نے فون پر میرا نمبر پڑھتے ہی ناگواری سے منہ بنایا لیکن مجھ سے بات کرنا بھی ضروری تھا۔ فون کو کان سے لگا کر غراتے ہوئے بولا "کیا بات ہے؟ اب کیا کہنا چاہتے ہو؟ کب سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ پر مصیبت آنے والی ہے۔ جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میری پناہ میں ہے۔ میری یہ کوٹھی فولادی قلعہ ہے۔ کوئی مصیبت اس کے اندر نہیں آ سکے گی۔"

میں نے کہا "میری پیش گوئی کے بارہ گھنٹے ٹھیک دس بجے پورے ہوں گے اور دس بجنے میں ابھی چودہ منٹ باقی ہیں۔ گھڑی دیکھتے رہو۔"

یہ کہہ کر میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس کے قدموں تلے انگارے بچھا دئے۔ وہ ایک جگہ ٹھہر نہ سکا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ یہ حقیقت دل کو دھڑکا رہی تھی کہ میری پیش گوئی ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔

اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور کو اٹھایا۔ دردانہ کے نمبر پنچ کئے پھر ریسیور کو کان سے لگایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ اس وقت دردانہ واش روم میں تھی۔ فوراً ہی فون اٹینڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے اندر اندیشے چیخنے لگے "وہ فون

اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہے؟ کیا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہے؟"

وہ دوسری طرف سے سنائی دینے والی بیل کی آواز سن رہا تھا اور انہیں گن رہا تھا۔ دس تک گننے کے بعد وہ بے چین ہو گیا۔ فون بند کر کے سکیورٹی افسر سے رابطہ کیا پھر بولا "کیا باہر کوئی ملنے آیا ہے؟"

"نو سر! کوئی نہیں آیا ہے۔ آپ نے کہا تھا آج ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہم سب یہاں الرٹ ہیں۔ کسی کو اندر نہیں آنے دیں گے۔"

"کیا میڈم کوٹھی سے باہر گئی ہیں؟"

"نو سر! وہ کوٹھی کے اندر ہیں۔"

شہباز کو ذرا اطمینان ہوا۔ اس نے رابطہ ختم کر کے پھر دردانہ کے نمبر پنچ کئے اور ریسیور کو کان سے لگایا۔ اس بار دردانہ کی آواز سنائی دی "ہیلو! میں بول رہی ہوں۔"

وہ جھنجلا کر بولا "کہاں مر گئی تھیں تم؟"

وہ شدید حیرانی سے بولی "شہباز! یہ تم میرے لیے کیسی لینگویج استعمال کر رہے ہو؟"

"سوری دردانہ! میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا۔ تمہارے کمرے میں بیل جا رہی تھی اور تم فون اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے؟ مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے؟"

وہ مسکرا کر بولی "مجھے تمہاری محبت اور دیوانگی پر بہت پیار آتا ہے اور میں اپنے آپ پر فخر کرتی ہوں۔"

"یہ بتاؤ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟ تم بالکل خیریت سے ہو نا؟"

"ہاں ہاں بالکل خیریت سے ہوں۔ مجھے بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ چاروں طرف سخت پہرا ہے۔ اندر بھی مسلح گارڈز موجود ہیں۔ مقدر کا باپ بھی یہاں نہیں آ سکتا۔"

وہ مطمئن ہو کر بولا "ٹھیک ہے۔ میں پھر تھوڑی دیر بعد رابطہ کروں گا۔ ابھی مصروف ہوں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ دردانہ نے ریسیور رکھا۔ رکھتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر پوچھا "ہیلو! کون؟"

میں نے کہا "آنے والی مصیبت کو اس کی آواز سے پہچان لینا چاہیے۔ گھڑی دیکھو۔ دس بجنے میں.... صرف چار منٹ رہ گئے ہیں۔ میری پیش گوئی ٹھیک دس بجے پوری ہوگی۔"

وہ بری طرح سہم کر بولی "تم کیا کرنے والے ہو؟ کیوں مجھے ڈرا رہے ہو؟ میں یہاں بالکل محفوظ ہوں۔ یہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری پیش گوئی درست ہوگی اور مجھ پر کوئی بڑی مصیبت آئے گی۔"

"اتنی بے چینی بھی کیا ہے، ذرا انتظار کرو۔ دیکھو وقت کتنی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ دیکھو دیکھو۔ ذرا سر گھما کر وال کلاک کی طرف دیکھو۔ صرف تین منٹ رہ گئے ہیں۔ خدا کو تو تم بھول چکی ہو۔ ان تین منٹوں میں اپنے یار کو پکارو۔"

میں نے رابطہ ختم کیا۔ اس نے جلدی سے کریڈل پر ہاتھ رکھا پھر ہاتھ ہٹا کر شہباز درانی سے رابطہ کیا۔ رابطہ ہوتے ہی چیخ کر بولی "ابھی اس نے فون کیا تھا۔ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا' ٹھیک دس بجے مجھ پر مصیبت آنے والی ہے۔"

وہ تقریباً روتے ہوئے بولی "شہباز کچھ کرو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسی مصیبت ہوگی اور کس طرح یہاں آئے گی؟ شہباز! وہ بہت منحوس ہے۔ اس کی زبان بہت کالی ہے۔ اس کی پیش گوئی ہمیشہ درست ہوتی ہے۔"

وہ بولا "ایزی دردانہ ایزی۔ دشمن کے ڈرانے سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ میں ہوں نا تمہارے پاس؟"

"تم میرے پاس ہو تو ابھی چلے آؤ۔ دور نہ رہو۔"

"دردانہ! میری جان! ای میل پر میرا ایک اہم میسج آ رہا ہے۔ میں اسے ریسیو کرنے کے بعد ابھی آتا ہوں۔ بس ذرا صبر کرو۔"

"اگر فوراً نہیں آ سکتے تو فون پر باتیں کرتے رہو۔ مجھے یہی تسلی ہوتی رہے گی کہ تم آواز کے ذریعے میرے قریب ہو۔ مجھ پر کوئی بھی آفت آئے گی تو میں فوراً ہی تمہیں آگاہ کر سکوں گی۔"

وہ ایک دوسرے سے بول رہے تھے۔ بولتے جا رہے تھے۔ وقت کیسے گزر گیا پتا ہی نہیں چلا پھر دردانہ نے ایک دم سے چیخ ماری۔ اس نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ بولی "گھڑی میں دس بج چکے ہیں۔"

"تو اس میں چیخنے کی کیا بات ہے۔ تم خود دیکھو دس بج چکے ہیں کیا تم پر کوئی مصیبت آئی ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اس فون کو اٹھا کر نمبر پڑھا پھر دردانہ سے کہا "جسٹ اے منٹ۔ سکیورٹی آفسر مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھا پھر فون کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے سکیورٹی افسر نے کہا "سر! سی آئی اے کے دو اعلیٰ افسران سپاہیوں کے ساتھ آئے

ہوئے ہیں اور میڈم کو پوچھ رہے ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "وہ میڈم کو کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ان سے معلوم کرو کیا بات ہے؟"

"سر! آپ جانتے ہیں کہ سکیورٹی ایکٹ کے قوانین کے مطابق ہمیں سی' آئی' اے والوں کے احکامات کا پابند رہنا پڑتا ہے۔ میں ان اعلیٰ افسران سے کوئی سوال نہیں کر سکوں گا۔ آپ انہیں اندر بلا کر خود ان سے باتیں کریں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سی' آئی' اے والے ہیں اور کوئی بہروپیے نہیں ہیں؟"

"نو سر! میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔"

اس نے موبائل کو بند کیا۔ میں اس کے ہاتھ کی لکیروں پر تھا اور یہ جانتا تھا کہ ایسے وقت وہ ایک بہت بڑی غلطی کرنے والا ہے۔ اس وقت وہ بری طرح پریشانی اور ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میری پیش گوئی اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی کہ میری بات درست ہو رہی ہے اور ابھی کچھ ہونے والا ہے۔

وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں تیزی سے چلتا ہوا دروازے کو کھولتا ہوا باہر آیا پھر اس کوریڈور سے جانے لگا۔ اسی وقت پاشا تہمینہ کے ساتھ اس کوریڈور میں آیا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ وہ پریشانی کی حالت میں تیزی سے چلتا ہوا کوریڈور سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف مڑ کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

تہمینہ نے فوراً ہی پاشا کے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے کبھی باس کو اتنا پریشان نہیں دیکھا۔ دیکھو پریشانی کے عالم میں اس نے پرائیویٹ چیمبر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ لگتا ہے باس کسی بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آؤ دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے، اس کوریڈور سے گزرتے ہوئے، اس کے آخری سرے پر ایک کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رک گئے۔ وہاں سے ڈرائنگ روم دکھائی دے رہا تھا۔ سی' آئی' اے کے اعلیٰ افسران چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

تہمینہ نے کہا "پاشا! میرا اندازہ ہے ان سے لمبی گفتگو ہو گی۔ یہ میرے لیے اچھا موقع ہے۔ میں پرائیویٹ چیمبر میں جا رہی ہوں۔ جیسے ہی کوئی خطرہ پیش آئے، باس پرائیویٹ چیمبر کی طرف جانا چاہے تو فوراً مجھے آگاہ کر دینا۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی پرائیویٹ چیمبر کی طرف چلی گئی۔ پاشا دروازے پر کھڑا رہ کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھنے لگا۔ سی' آئی' اے کا ایک افسر شہباز درانی کے سامنے ایک کاغذ پیش کرتے ہوئے بولا۔ "یہ میڈم دردانہ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"

شہباز نے تعجب سے اور بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر کاغذ لیتے ہوئے بولا "آپ انہیں کس الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

اس افسر نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "ڈکیتی اور قتل کے الزام میں......"

"کیا؟"

شہباز درانی بڑی حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا "میڈم پر ڈکیتی اور قتل کا الزام ہے؟ یہ آپ کوئی بچکانہ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟ ایک معزز خاتون کو ڈکیت کہہ رہے ہیں قاتلہ کہہ رہے ہیں۔ یقیناً آپ نے ٹھوس ثبوت حاصل کیا ہوگا تب ہی اتنا بڑا الزام لگایا جا رہا ہے۔"

"بے شک۔ کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہم گرفتاری کا وارنٹ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں' آپ ایک بہت پاورفل شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ میڈم دردانہ کو آسانی سے گرفتار نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے ہم پوری تیاری سے آئے ہیں۔"

ایک نے پوچھا "کیا آپ میڈم کو یہاں پیش کر رہے ہیں یا ہم کوٹھی میں انہیں تلاش کریں؟"

شہباز درانی نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ایزی پلیز، بی ایزی! جب آپ گرفتاری کا وارنٹ لائے ہیں تو میں میڈم کو ضرور پیش کروں گا۔ آپ پہلے آرام سے تو بیٹھیں۔ کچھ باتیں ہو جائیں۔ آپ میری شخصیت کے پیشِ نظر یہاں بیٹھ کر اس کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ میڈم نے کہاں ڈکیتی کی ہے اور کس کو قتل کیا ہے؟"

وہ سب مختلف صوفوں پر بیٹھنے لگے۔ ایسے وقت دردانہ اپنے کمرے سے نکل کر آ رہی تھی۔ پاشا نے دور سے اسے آتے ہوئے دیکھا' پھر آگے بڑھ کر کہا "ممی! سی' آئی' اے والے آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

وہ حیرانی اور پریشانی سے بولی "کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ابھی آپ ڈرائنگ روم کی طرف نہ جائیں۔ ڈیڈی ان لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں' معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پلیز، آپ ا

بیڈروم میں جائیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میں بیڈروم میں جا کر اور پریشان ہوتی رہوں گی۔ میں چھپ کر ان کی باتیں سنوں گی۔"

وہ دونوں اعلیٰ افسران صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ شہباز درانی نے پوچھا "میڈم پر اتنے سنگین الزامات کس نے لگائے ہیں؟"

ایک نے کہا "ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے سیاست دان ہیں۔ وہ ماضی میں ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ ان کا نام جان محمد گبول ہے۔"

یہ نام سنتے ہی شہباز درانی ایک دم سے چونک گیا۔ اس نے جان محمد گبول کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ اس کے گھر ڈکیتی کرائی تھی۔ اس نے چشم زدن میں یہ سمجھ لیا کہ چوری کا مال دردانہ کے پاس رکھا ہوا تھا اور سی' آئی' اے والے اس مال تک پہنچ گئے ہیں۔

ایک افسر نے کہا "مسٹر درانی! یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ بہت بڑی شخصیت ہیں لیکن جان محمد گبول بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس نے بڑی رازداری سے میڈم کے خلاف کارروائی کی ہے اور کورٹ سے گرفتاری کا وارنٹ حاصل کیا ہے۔ اب آپ میڈم کو بچانے کے سلسلے میں جو کر سکتے ہیں کریں۔ ہم آپ کو ایک گھنٹے کی مہلت دیں گے لیکن یہاں سے میڈم کو لے کر جائیں گے۔"

اس نے پوچھا "میڈم پر کس کے قتل کا الزام ہے؟"

"جان محمد گبول کی ایک پرسنل سیکریٹری ثمینہ تھی۔ میڈم دردانہ نے اس کے ذریعے مسٹر گبول کے سیف سے اہم ڈاکومنٹس اور کروڑوں کے ہیرے چوری کرائے۔ جب وہ عورت ثمینہ چوری کا مال لے کر یہاں آئی تو اسے قتل کر دیا گیا۔"

"کیا آپ کو اس کی لاش ملی ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک مکان کے پیچھے گڑھا کھود کر اسے چھپایا گیا تھا۔"

وہ بولا "یہ سراسر میڈم دردانہ کے خلاف سازش ہے۔ کسی نے اس عورت کو قتل کر کے وہاں گڑھا کھود کر اس کی لاش کو چھپا دیا۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسے میڈم دردانہ نے قتل کیا ہے؟"

"اس لیے کہ جو مال وہ چرا کر لائی تھی وہ دردانہ بیگم کے بینک لاکر سے برآمد ہوا ہے۔ ظاہر ہے چوری کا مال تو اسی کی تحویل سے برآمد ہوگا جس نے قتل کیا ہوگا۔"

دوسرے اعلیٰ افسر نے کہا "اگر میڈم نے اسے خود قتل نہیں کیا ہے تو کسی سے قتل کرایا ہوگا۔ بہرحال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میڈم دردانہ نے ہیرے اور دستاویزات حاصل کرنے کے لیے اس عورت کو قتل کیا یا کرا دیا۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بینک لاکر سے ہیروں کے علاوہ دستاویزات بھی برآمد ہوئے ہیں؟"

اعلیٰ افسر نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں صرف ہیرے برآمد ہوئے ہیں۔ ہم میڈم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ دستاویزات کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔"

اس نے کہا "وہ دستاویزات میڈم کے پاس نہیں ہیں۔"

"یہ آپ کیسے جانتے ہیں؟ پھر ہم آپ سے تو نہیں پوچھ رہے ہیں۔ ہم انہیں گرفتار کر کے لے جائیں گے اور انہیں اپنی تحویل میں رکھ کر ان سے بیان لیں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "ایکسکیوزمی۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ان سے دور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا پھر موبائل فون نکال کر اس پر نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہوم منسٹر سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے شہباز درانی کا نمبر پڑھ کر پوچھا "جی مسٹر درانی! فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

وہ دھیمی آواز میں بولا "اس وقت میرے ڈرائنگ روم میں سی' آئی' اے کے دو اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے ہیں۔ میڈم دردانہ میری ایک فیملی ممبر ہے۔ وہ اسے گرفتار کرنے آئے ہیں اور کورٹ سے وارنٹ حاصل کیا ہوا ہے۔"

ہوم منسٹر نے کہا "تعجب ہے۔ آپ کے خلاف اتنا بڑا قدم اٹھایا گیا ہے اور مجھے خبر نہیں دی گئی۔ اس اعلیٰ افسر سے میری بات کرائیں۔"

"میں پی' ٹی' سی' ایل کے ذریعے ابھی آپ سے رابطہ کراتا ہوں۔"

وہ موبائل بند کر کے ان کے پاس آیا پھر بولا "ہوم منسٹر آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ ان کے قریب ٹیلیفون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور کو اٹھانا ضروری نہیں تھا۔ اس نے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے بعد نمبر پنچ کیے پھر وائڈ اسپیکر کو آن کر دیا۔ دوسری طرف بیل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر ہوم منسٹر کی آواز سنائی دی "ہیلو مسٹر درانی! آپ ان افسران سے بات کرائیں۔"

ایک اعلیٰ افسر نے فون کی طرف جھک کر کہا "سر! میرا نام مہارت خان ہے۔ میں سی' آئی' اے کا آفیسر آن اسپیشل

ڈیوٹی ہوں۔''

ہوم منسٹر نے پوچھا ''معاملہ کیا ہے؟ بریفنگ دو۔''

وہ بولنے لگا ''یہاں کے بہت بڑے سیاست داں اور سابقہ صوبائی وزیراعلیٰ جان محمد گبول کے سیف سے دو کروڑ کے ہیرے اور اہم دستاویزات چرائے گئے تھے۔ وہ ہیرے میڈم دردانہ کے بینک لاکر سے برآمد ہوئے ہیں۔ جو عورت انہیں چرا کر لائی تھی اسے بڑی رازداری سے قتل کر کے ایک جگہ گڑھا کھود کر دفنا دیا گیا تھا۔ اس کی لاش بھی برآمد کر لی گئی ہے۔ جان محمد گبول نے دردانہ کی گرفتاری کے لیے کورٹ سے اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔ ہم گرفتاری کا وارنٹ لے کر یہاں آئے ہیں اور اب میڈم کو گرفتار کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔''

''تم قانون کے مطابق اپنا فرض ادا کرنے آئے ہو لیکن اس سے پہلے مسٹر درانی کی حمایت میں کچھ کرو۔ مسٹر درانی اور گبول کے درمیان سمجھوتا کرانے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس معاملے کو یہیں دبا دو۔''

''سر، یہ معاملہ آسانی سے دبایا نہیں جا سکے گا۔ گبول نے بہت ٹھوس اقدامات کیے ہیں۔ اس نے بڑے بڑے اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹوگرافرز کو بینک میں بلایا تھا اور جب وہاں سے ہیرے برآمد ہوئے ہیں تو ان کی تصویریں لی گئی ہیں۔ وہاں کی پوری کارروائی ریکارڈ کی گئی ہے۔ جس جیولر نے تصدیق کی ہے کہ یہ وہی ہیرے ہیں' اس جیولر کے بھی بیانات لیے گئے ہیں اور تصویریں اتاری گئی ہیں۔ ان ہیروں کے سلسلے میں خریداری کی جو رسیدیں ہیں وہ بھی گبول نے پریس والوں کے سامنے پیش کی ہیں۔''

دوسرے افسر نے کہا ''صرف اتنا ہی نہیں۔ مسٹر گبول پریس والوں کو لے کر اس جگہ پہنچے تھے' جہاں کھدائی کے بعد وہ لاش برآمد کی گئی تھی۔ سر! بات بہت دور تک پہنچ گئی ہے۔ جان محمد گبول نے میڈم دردانہ کے خلاف بہت ٹھوس کارروائیاں کی ہیں۔ ہم اس معاملے کو نہ دبا سکیں گے اور نہ ہی مسٹر گبول سے سمجھوتا کرا سکیں گے۔''

ہوم منسٹر نے شہباز درانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر درانی! آپ سن رہے ہیں۔ ہمارا وہ مخالف آپ کی بےخبری میں کیسی زبردست چال چل گیا ہے۔ جان محمد گبول اس ملک کی سب سے بڑی اور مضبوط اپوزیشن پارٹی کا بہت بڑا لیڈر ہے اور میرا تعلق برسراقتدار پارٹی سے ہے۔ ظاہر ہے، وہ میری بات کبھی نہیں مانے گا اور میرے سمجھانے پر سمجھوتے پر راضی نہیں ہوگا۔ اگر میں اپنے اختیارات استعمال کروں اور اسے قانونی کارروائی سے روکوں تو وہ اسمبلی میں ہنگامہ برپا کرے گا، احتجاجی جلوس نکالے گا۔ دنگے فساد کرائے گا۔ شہر میں امن وامان کا مسئلہ پیدا کرے گا۔ آپ تو سیاست کے منجھے ہوئے کھلاڑی ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ آپ کی ایک میڈم کو ایشو بنا کر کیسی قیامت برپا کر سکتا ہے؟''

شہباز درانی نے کہا ''میں آپ کی مجبوریاں سمجھ رہا ہوں لیکن آپ کچھ بھی کریں۔ کم از کم دردانہ کی گرفتاری سے پہلے کسی بھی طرح اسے ضمانت پر رہا کرا دیں۔''

''مسٹر درانی! آپ بہت زیادہ اپ سٹ ہو گئے ہیں۔ یہ بھول رہے ہیں کہ میں ایک سرکاری عہدے پر فائز ہوں۔ یہاں اس کرسی پر بیٹھ کر کسی بھی ایسی عورت کی ضمانت نہیں لے سکتا جس پر صرف ڈکیتی کا ہی نہیں' قتل کا بھی الزام ہے۔ ہم آپ کی میڈم کے تحفظ کے لیے جو کچھ بھی کرنا چاہیں گے۔ گبول اسے سیاسی رنگ دے کر ہنگامہ برپا کر دے گا۔''

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ہوم منسٹر نے کہا۔ ''مسٹر درانی! بس ایک ہی راستہ ہے۔ آپ خود کسی طرح سے مسٹر گبول سے دوستی اور سمجھوتا کرنے کی کوشش کریں۔ اس سے سمجھوتا نہ ہو تو آپ موبائل پر مجھ سے رابطہ کریں۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ شہباز درانی نے فون بند کیا پھر ایک اعلیٰ افسر سے کہا ''آپ میرے لیے ایک زحمت گوارا کریں گے؟''

اس نے کہا ''فرمائیے؟''

''آپ جان محمد گبول سے ابھی رابطہ کریں اور اس سے پوچھیں کیا وہ مجھ سے ابھی بات کرنا پسند کرے گا؟''

اعلیٰ افسر نے کہا ''آپ دونوں ہی ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ لیجیے میں ابھی رابطہ کرتا ہوں۔''

اس نے ٹیلیفون پر جان محمد گبول کے نمبر ملائے۔ رابطہ ہوتے ہی اس کی آواز سنائی دی ''ویل مسٹر درانی! میں اپنے سی ایل آئی پر آپ کے نمبر پڑھ رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آپ مجھ سے گفتگو کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔''

وہ بولا ''مسٹر گبول! اگر آپ کو مجھ سے کوئی شکایت تھی تو مجھ سے پہلے رابطہ کرتے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی شکایت دور کر دیتا اور اب بھی جو شکایتیں ہیں' انہیں حتی الامکان دور کرنے کی کوششیں کروں گا۔''

وہ بولا ''مجھے تو آپ سے شکایت نہیں ہے۔ آپ کو شکایت ہے اسی لیے آپ نے فون کیا ہے۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''میں چاہتا ہوں' آپ میڈم دردانہ کے خلاف قانونی کارروائی نہ کریں۔''

اس نے پوچھا ''کیوں نہ کروں؟''

''آپ کا جو بھی نقصان ہوا ہے' اسے میں پورا کروں گا۔''

''یہ آپ نے کام کی بات کی ہے۔ بےشک نقصان پورا ہو جائے گا تو دشمنی بھی ختم ہو جائے گی۔ جو ہیرے میرے سیف سے چرائے گئے تھے وہ تو مجھے واپس مل گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ دوسرا نقصان پورا کریں۔ میری دستاویزات مجھے واپس کر دیں۔''

اس کے پاس دستاویزات ہوتیں تو وہ واپس کرتا۔ وہ پریشان ہو کر بولا ''وہ۔ وہ ڈاکومنٹس میرے پاس نہیں ہیں۔''

''مسٹر درانی! میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ آپ میری کمزوریوں سے کھیل کر مجھے اپنے زیراثر لانا چاہتے تھے۔ مجھے اپنی کٹھ پتلی بنا کر اسمبلی میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے آپ نے ایک حرافہ کو میرے پاس بھیجا۔ وہ میرے ڈاکومنٹس چرا کر آپ کے پاس لے گئی۔ اب آپ انکار کریں گے کہ وہ ڈاکومنٹس آپ کے پاس نہیں ہیں تو میں کبھی نہیں مانوں گا۔''

''مسٹر گبول! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ وہ عورت ہیروں کے ساتھ ڈاکومنٹس بھی لائی تھی لیکن وہ ہیرے ہمارے ہاتھ لگے اور ڈاکومنٹس کہیں غائب ہو گئے۔ کوئی انہیں چرا کر لے گیا ہے۔ اگر وہ میرے پاس ہوتے تو میں ابھی انہیں آپ کے حوالے کر دیتا۔''

''وہ ڈاکومنٹس آپ کے پاس ہیں یا نہیں ہیں! لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہیں آپ کی ایک آلہ کار نے چرایا تھا۔ آپ نے کیوں چوری کرائی تھی؟ کیوں میری کمزوریوں سے کھیل کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتے تھے؟ آپ مجھ سے بہت بڑی دشمنی کر رہے تھے اور میں اتنی بڑی دشمنی کو پلک جھپکتے ہی بھول جاؤں؟ اگر آپ کہتے ہیں' وہ آپ کے پاس نہیں ہیں تو مجھے افسوس ہے سمجھوتا کبھی نہیں ہو سکے گا۔ آپ نے میری ان کمزوریوں کو کسی دوسرے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ ویٹس آل۔''

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ سمجھوتے کا کوئی راستہ نہیں نکل رہا تھا۔ دردانہ کی گرفتاری لازمی ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ان افسروں سے کہا ''ایکسکیوزمی۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

وہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں آیا اور موبائل فون کے ذریعے ہوم منسٹر سے رابطہ کیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کہیے مسٹر درانی! کیا اس سے سمجھوتا نہیں ہو رہا ہے؟''

''نہیں' میں بہت پریشان ہوں۔ دردانہ کو گرفتار کیا گیا تو میری عزت، میرا وقار، میرا رعب اور دبدبہ سب خاک میں مل جائے گا۔''

''تعجب ہے۔ آپ مرد آہن ہو کر گبول کے سامنے بےبس ہو رہے ہیں۔ آپ واشنگٹن والوں سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟ یہاں کی برسراقتدار پارٹی ہو یا اپوزیشن، سب ہی آپ کے آقاؤں کے زیراثر رہتے ہیں۔ اگلے الیکشن میں جان محمد گبول کی پارٹی اقتدار حاصل کرنے کے لیے امریکی آقاؤں کا آشیرواد حاصل کرنا چاہے گی۔ اگر آپ کے آقا جان محمد گبول کو ابھی حکم دیں کہ وہ میڈم دردانہ کے خلاف قانونی کارروائی سے بعض آ جائے تو وہ فوراً ہاتھ اٹھا لے گا۔ کان پکڑ لے گا۔ آپ اس سے مات نہیں کھائیں گے۔ ہاری ہوئی بازی جیت لیں گے۔''

وہ پریشان ہو کر بولا ''آپ میرے اندرونی معاملات نہیں سمجھتے ہیں۔ مجھے واشنگٹن سے وارننگ مل چکی ہے کہ میں کبھی کسی کے ذاتی معاملات میں ملوث نہ رہوں۔ صرف اپنی سیاسی ذمہ داریاں پوری کرتا رہوں۔ یہ میڈم دردانہ کا معاملہ سراسر ذاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سیاسی پیچیدگیاں بھی ہیں جو میں فی الحال نہیں سمجھا سکوں گا۔ بہرحال میں پھر کسی وقت آپ سے رابطہ کروں گا۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ ہوم منسٹر سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ہی جان محمد گبول کی تمام دستاویزات چرائی تھیں اور ان کے ذریعے اس سیاست داں کو کمزور بنا کر اسے اپنے آقاؤں کے زیراثر لانا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا تھا اور ناکامی محض اس لیے تھی کہ وہ دردانہ کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسی بات پر واشنگٹن والے اس سے ناراض تھے۔

اس نے پلٹ کر ان اعلیٰ افسران کو دیکھا پھر کہا ''میں ابھی میڈم کو لے کر آتا ہوں۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر کوریڈور میں آیا۔ وہاں ایک کھڑکی کے پاس دردانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ دوڑتی ہوئی آ کر لپٹ گئی اور روتے ہوئے بولی ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بہت پریشان ہیں۔ کیا یہ لوگ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے؟''

شہباز درانی کا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار بہت بڑی شکست سے دو چار ہو رہا تھا۔ اس کے مستحکم ذرائع کمزور ہو گئے تھے۔ نہ ہوم منسٹر اس کے کام آ سکتا تھا اور نہ ہی واشنگٹن والے اس کی دست گیری کر سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر پہلے تک خود کو بہت بااختیار سمجھتا تھا۔ اب بالکل ہی بے اختیار ہو گیا تھا۔

دردانہ نے پوچھا ''تم چپ کیوں ہو گئے؟ بولتے کیوں نہیں؟''

وہ بڑی مشکل سے بولا ''دردانہ! میں کمزور تو نہیں ہوں لیکن فی الحال بچاؤ کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے یہاں سے جاتے ہی اپنے وکیل کے ذریعے کورٹ سے ضمانت نامہ حاصل کروں گا۔ تمہیں حوالات میں نہیں رہنے دوں گا۔''

وہ ایک دم سے روتے ہوئے بولی۔ ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے اور تم تماشا دیکھتے رہو گے؟''

''دردانہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے' میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی مصلحتاً پیچھے ہٹ جاتے ہیں پھر آگے بڑھ کر کامیابی سے حملہ کرتے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد میں بھی یہی کرنے والا ہوں۔''

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا ''آؤ۔ حوصلہ کرو۔ ان کے ساتھ جاؤ اور یہ یقین رکھو کہ میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔''

وہ اسے تسلیاں دیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آیا پھر ان افسران سے بولا ''آپ لوگوں نے گبول سے سمجھوتا کرانے کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب ایک اور تعاون چاہتا ہوں۔''

''ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ قانون کے دائرے میں آپ جو تعاون چاہیں گے' ہم آپ سے کریں گے۔''

''میں چاہتا ہوں' آپ میڈم کو ہتھکڑیاں نہ پہنائیں۔ اسی طرح اپنے ساتھ لے جائیں۔''

ان افسران نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے سر ہلا کر کہا ''ٹھیک ہے' ہم ہتھکڑیاں نہیں پہنائیں گے۔''

دوسرے نے کہا ''میڈم! آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔''

وہ سب باہر آئے۔ شہباز درانی اسے باہر تک چھوڑنے آیا۔ جب وہ ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تو وہ غصے اور بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اس بری طرح شکست نہیں کھائی تھی۔ وہ موبائل کے ذریعے وکیل سے رابطہ کر کے دردانہ کے بارے میں بتانے لگا پھر بولا ''اس کی ضمانت آج ہی ہونی چاہیے۔ میں بڑی سے بڑی رقم کی ضمانت دینے کے لیے تیار ہوں۔''

وکیل نے کہا ''جناب! میں پوری کوشش کروں گا۔ چونکہ میڈم کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے' اس لیے ضمانت نامنظور ہو سکتی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنے بہترین ذرائع استعمال کریں۔ اس طرح میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کروں گا۔''

وہ برسر اقتدار پارٹی کے بڑے بڑے لیڈروں سے رابطہ کر کے کہنے لگا کہ میڈم دردانہ کی ضمانت کورٹ سے حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے وکیل کی مدد کی جائے۔ کسی بھی طرح کورٹ بند ہونے سے پہلے ضمانت نامہ حاصل کر لیا جائے۔

میں نے بچھو بابا سے فون پر کہا ''اب وقت آ گیا ہے۔ تم شہباز درانی سے معاملات طے کر سکتے ہو۔''

اس نے میرے حکم کے مطابق اس سے رابطہ کیا۔ شہباز درانی نے فون پر اس کے نمبر پڑھے پھر سوچنے لگا ''یہ کون ہو سکتا ہے؟''

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو! کون؟''

دوسری طرف سے بچھو بابا نے کہا ''ارے! میں بولتا ہے رے۔ تو ڈاکومنٹس کے لیے کاہے کو پریشان ہوتا ہے؟ گبول کا سارا ڈاکومنٹس تو میرے پاس ہے مگر میرے لیے تو یہ بالکل ردّی کاغذ ہے۔ کسی کام کا نہیں ہے۔''

وہ چونک کر بولا ''گبول کے ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں؟ تم کون ہو؟ مجھ سے فوراً معاملہ طے کرو۔ میں تمہیں ابھی بڑی سے بڑی رقم ادا کروں گا۔''

''یہ تو میں جانتا ہے تو بڑا پیسے والا ہے۔ اپنی رکھیل کے لیے اپنا خزانہ خالی کر دے گا۔''

وہ غصے سے بولا ''یو نان سنس! خبردار اسے رکھیل نہ کہنا۔''

''اے۔ اے غصہ دکھائے گا تو میں فون بند کر دوں گا۔''

وہ جلدی سے بولا ''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ تم کام کی بات کرو۔ فضول باتیں نہ کرو۔''

''میں کام کی بات بولنے کو تھا تُو نے بات میں لات مار دیا۔ میں تیرے کو ایک انفارمیشن دینے کو تھا۔''

اس نے پوچھا ''کیسی انفارمیشن؟''

''وہ تیرے کو معلوم نہیں ہے۔ آج ایک بہت بڑے جج صاحب کا اچانک موت ہو گیا ہے۔ اس کا سوگ میں سب نے کام بند کر دیا ہے۔ کل تک سوگ منایا جائے گا۔ عدالت بند رہے گا اور تیری رکھیل کا ضمانت نہیں ہو سکے گا۔''

''نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔''

''تیرے کو یقین نہیں ہے تو فون کر کے معلوم کر لے۔ میں پندرہ منٹ کے بعد تیرے کو فون کرے گا۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز درانی نے اپنے فون کو دیکھا پھر اسے آف کر کے دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اپنے وکیل سے پوچھا ''تم ضمانت نامہ حاصل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہو؟''

وہ بولا ''مسٹر درانی! میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ مجسٹریٹ فصیح الدین عالی عدالتی فرائض ادا کرنے کے دوران میں اچانک ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ عدالتیں ان کے سوگ میں بند ہو گئی ہیں۔ کل تک ان کا سوگ منایا جائے گا اور پرسوں اتوار ہے۔ اس طرح پیر سے پہلے ضمانت نامہ داخل نہیں ہو سکے گا۔''

یہ سنتے ہی شہباز درانی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ایسے وسیع ذرائع رکھنے والے ہمیشہ دھماکوں پر دھماکے کرتے ہیں۔ اپنے قدموں تلے کمزوروں کو کچلتے رہتے ہیں لیکن جب مقدر نہیں چاہتا تو پھر ان کی تمام دولت، طاقت، وسیع ذرائع اور سارا غرور خاک میں مل جاتا ہے۔ وہ بے بسی سے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ کر نہیں پاتے۔

شہباز درانی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بے بسی سے شکست خوردہ انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ بچھو بابا نے فون پر اسے مخاطب کیا۔ اس نے کہا ''ہاں۔ تمہاری انفارمیشن درست ہے۔ تمام عدالتیں بند ہو چکی ہیں۔ تم فوراً ڈاکومنٹس لے آؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کر دوں گا۔''

''میں تیرے کو ڈاکومنٹس دے گا مگر میرے کو رقم نہیں مانگتا۔ کچھ اور مانگتا ہے۔''

''تم جو مانگو گے' وہ دوں گا۔ مجھے فوراً ان ڈاکومنٹس کی ضرورت ہے۔''

''میں جانتا ہے رے۔ جانتا ہے۔ تو وہ ڈاکومنٹس گبول کو دے گا تو گبول تیری رکھیل کا پیچھا چھوڑ دے گا۔''

''ہاں یہی بات ہے۔ تم اپنی بات کرو۔ کیا چاہتے ہو؟''

''تیرے پاس عینی اور پاشا کا ویڈیو کیسٹ ہے۔ اس کا ماسٹر کاپی مانگتا ہے۔''

وہ چونک کر بولا۔ ''تم ان کیسٹس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

''زیادہ سوال نئی کرنے کا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔''

ٹھیک ہے۔ میں وہ ویڈیو فلم ابھی تمہارے حوالے کروں گا۔''

''اور بھی کچھ مانگتا ہے۔''

''تم جو مانگو گے وہ ملے گا۔ پہلے وہ ڈاکومنٹس تو لے آؤ۔''

''ارے کاہے کو جلدی کرتا ہے؟ تیرا رکھیل کو ویڈیو فلم بنانے کا بہت شوق ہے۔ اس کے پاس ایک اور ویڈیو کیسٹ ہے۔ اس میں ثمینہ کو مرڈر کرنے والا سین ہے۔ ایک بے گناہ عورت کو مرڈر کا کیس میں پھنسانا مانگتا ہے۔ میں ایسا کرنے نہیں دے گا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں وہ ویڈیو کیسٹ بھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم وہ ڈاکومنٹس لے آؤ۔''

''ارے کاہے کو جلدی کرتا ہے رے؟ میں کچھ اور بھی مانگتا ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''اور کیا مانگتے ہو؟ ایک ہی وقت میں بولتے کیوں نہیں ہو؟''

''تم ایک ہی وقت میں تو پیدا نہیں ہوا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے نو مہینے میں پیدا ہوا پھر دنیا میں آ کے اتنا جلدی کیوں کرتا ہے؟''

وہ جھنجلا کر بولا ''تم آخر ہو کون؟ عجیب بے تکی باتیں کرتے ہو۔ تمہارے پاس واقعی اس کے ڈاکومنٹس ہیں؟ مجھے یقین تو دلاؤ۔''

''ابھی تیرے کو یقین دلائے گا۔ تو اپنے کمپیوٹر کے پاس جا۔ میں یہاں سے ای' میل کے ذریعے ڈاکومنٹس سینڈ (send) کرے گا۔ تو اس کو گھر میں بیٹھ کے پڑھ سکے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں ابھی اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ وہ ڈاکومنٹس پڑھنے کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔ تمہارا نمبر میرے موبائل میں سیو (save) ہو چکا ہے۔''

اس نے فون بند کیا پھر وہاں سے تیزی سے چلتا ہوا

اپنے پرائیویٹ چیمبر کی طرف جانے لگا۔ جب دروازے پر پہنچ کر اس نے جیب سے چابی نکالی اور اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا' دروازہ کھلا ہوا ہے۔

اس نے حیرانی سے سوچا ''یہ دروازہ کیسے کھل گیا؟''

پھر اسے یاد آیا کہ وہ بڑی بدحواسی میں چیمبر سے باہر نکل کر گیا تھا اور جاتے وقت شاید دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اس نے اندر آ کر پورے چیمبر کو چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھا۔ یہ اطمینان کیا کہ وہاں کوئی نہیں آیا تھا پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد کمپیوٹر کو آن کیا۔

میں اپنے آفس کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا' اس سے انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ کر رہا تھا اور مانیٹر پر اسے مخاطب کر رہا تھا ''مسٹر درانی! جان محمد گبول کی اہم دستاویزات کی چند جھلکیاں تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ ان جھلکیوں کو دیکھ کر یقین کر لو کہ پوری کی پوری دستاویزات اس وقت میرے پاس موجود ہیں۔''

میں نے اس کے مانیٹر پر دستاویزات کے مختلف موضوعات کی چند سطریں پیش کیں۔ اس کے بعد میں نے کہا ''یقیناً تم نے ان جھلکیوں کو اپنے کمپیوٹر میں سیو (save) کیا ہوگا۔ اب ان کے پرنٹس نکال کر جان محمد گبول کے پاس بھیجو۔ وہ تصدیق کرے گا کہ یہی اس کی اہم دستاویزات ہیں۔''

اس نے جواباً کہا ''میں ایسا ہی کروں گا۔ ویسے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے پاس دستاویزات ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ میں کتنے وسیع ذرائع کا مالک ہوں؟''

میں نے جواباً کہا ''تم غلط کہتے ہو۔ وسیع ذرائع کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مجھے تم سے جو وصول کرنا ہے اسے دوبارہ کہہ دوں۔ عینی اور پاشا کا شرمناک ویڈیو کیسٹ اور ثمینہ کے مرڈر سین والا ویڈیو کیسٹ دونوں ہی میرے پاس ابھی بھیج دو۔''

''مجھے بتاؤ' یہ دونوں کیسٹس کہاں بھیجے جائیں؟''

''میں ابھی بتاؤں گا۔ پہلے میرے مطالبات سنتے رہو۔ گل خانم اور ایس' پی' ذیشان کے خلاف بدکاری کا جو کیس بنایا گیا ہے اس کیس کے تمام کاغذات ابھی اپنے پاس منگواؤ۔''

''تمہارے مطالبات نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تم ذیشان کے بھائی مقدر حیات ہو۔ اسی لیے عینی اور بیگم فلک آفتاب کے ویڈیو کیسٹس بھی منگوا رہے ہو۔''

''میں جو کوئی بھی ہوں۔ میرے تمام مطالبات پورے ہوں گے تو جان محمد گبول تم سے دشمنی سے باز آ جائے گا اور تمہاری داشتہ کو رہائی مل جائے گی۔''

''پھر تو تم ایس' پی' ذیشان کی رہائی کا بھی مطالبہ کرو گے؟''

''نہیں' میں یہ مطالبہ نہیں کروں گا۔ تم نے اسے جیل بھیج کر سب سے بڑی حماقت کی ہے۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ ایس' پی' ذیشان جیل میں رہ کر تمہارے خلاف واردات کرتا رہے گا اور تم اسے ملزم ثابت نہیں کر سکو گے۔''

اس نے پوچھا ''ایس' پی' ذیشان نے آہنی سلاخوں کے پیچھے رہ کر میرے خلاف کون سی واردات کی ہے؟''

''تمہارے دستِ راست اسد عزیزی کے زخموں کو ناسور بنانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ تم فلک آفتاب اور اس کے بیٹے بابر سے دو کروڑ روپے چھین لینا چاہتے تھے لیکن وہ روپے کسی اور نے چھین لیے۔ سوچو اور سمجھو کہ تمہاری یہ رقم کون چھین کر لے گیا ہے۔ جان محمد گبول کے دستاویزات بھی تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ آئندہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے یہ تمہیں گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

وہ بولا ''مقدر حیات! میں تمہارے مقابلے میں شکست تسلیم کر رہا ہوں۔ واقعی تمہاری ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ جو کہہ دیتے ہو وہ ضرور سامنے آتا ہے۔ میں تمہارے تمام مطالبات پورے کر رہا ہوں۔ ایس' پی' ذیشان کے خلاف بات اتنی دور تک پہنچ گئی ہے کہ اسے ختم کرنے میں ذرا وقت لگے گا لیکن گل خانم کا معاملہ آج ہی ختم ہو جائے گا۔ اب بتاؤ تمہارے مطلوبہ کیسٹس کہاں بھیجے جائیں؟''

''تم نے سلامت پاشا عرف پاشا جانی کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ وہ تمام کیسٹس اس کے حوالے کرو اور اسے اپنی قید سے رہا کر دو۔''

''وہ تمہاری مطلوبہ چیزیں لے کر کہاں آئے گا؟''

''تم اسے باہر جانے دو۔ وہ اپنی کمزور یادداشت کے باعث یہ بھول گیا ہے کہ عینی کی کوٹھی کہاں ہے۔ وہ اس کوٹھی کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا۔ میں کہیں نہ کہیں اس کی راہ نمائی کے لیے پہنچ جاؤں گا۔''

''میں تمہارے تمام مطالبات پورے کر رہا ہوں۔ پاشا کو ابھی یہاں سے روانہ کر دوں گا اور باقر مہدی سے کہہ دوں گا کہ گل خانم کے خلاف کیس ختم کرے۔ یہ بتاؤ میری دردانہ کا کیا ہوگا؟''

''دو گھنٹے بعد جان محمد گبول دردانہ کے خلاف کیس واپس لے لے گا۔ وہ تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔''

''شکریہ مقدر! یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سے دوستی کرنا چاہوں گا تو تم نہیں کرو گے۔ میری ایک التجا ہے۔ بے شک دوستی نہ کرو لیکن دشمنی بھی نہ کرو۔ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ میں تمہارے راستے پر کبھی نہیں آؤں گا۔ تم بھی میرے راستے پر کبھی نہ آؤ۔''

میں نے کہا ''آج کی بات آج کرو۔ کل کیا ہوگا یہ کل دیکھا جائے گا۔ میں ویڈیو کیسٹس اور پاشا کا انتظار کر رہا ہوں۔''

میں نے انٹرنیٹ سے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ ہر طرف سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس لیے میرے سامنے جھک رہا تھا۔ جھکنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ سر نہیں اٹھائے گا۔ وہ بہت ہی چالباز تھا۔ نت نئے پینترے بدلنے والا تھا۔ اس کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ ناکامیوں کے بعد اسے کامیابیاں بھی حاصل ہوں گی اور جب وہ کامیابیاں حاصل کرتا رہے گا تو میں اس کے سامنے بے بس ہو جاؤں گا کیونکہ میں تو لکیر کا فقیر ہوں۔ جو اس کی لکیریں کہیں گی میں انہی کے مطابق چلتا رہوں گا۔

ہر انسان کی زندگی میں ایسا ہوتا ہے۔ کبھی خوشی کبھی مایوسی۔ مایوسی کا دور بھی آنے والا تھا۔

☆☆☆

دردانہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک میز تھی۔ میز کے ایک طرف سی' آئی' اے کا افسر مہارت خان بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری طرف جان محمد گبول بیٹھا دردانہ کو گھور رہا تھا۔ مہارت خان نے کہا ''اگر تم ہمارے سوالوں کے صحیح جوابات دیتی رہو گی تو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا ورنہ کسی کال کوٹھری میں ڈال دیں گے۔''

جان محمد گبول نے کہا ''وہاں کال کوٹھری کے اندھیرے میں کیڑے مکوڑوں کے ساتھ رہو گی۔ کہیں کسی سوراخ سے سانپ بچھو بھی وہاں چلے آتے ہیں۔''

وہ ایک دم سے سہم کر بولی ''نہیں نہیں' جو پوچھو گے میں اس کا صحیح جواب دوں گی۔''

مہارت خان نے پوچھا ''تمہارا شہباز درانی سے کیا رشتہ ہے؟''

''وہ میرے ہونے والے شوہر ہیں اور میں ان کی ہونے والی بیوی ہوں۔ ہم دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔''

''شادی سے پہلے تم دونوں ایک ہی کوٹھی میں ایک ہی چھت کے نیچے کیوں رہتے ہو؟''

''ایک پولیس افسر ایس' پی' ذیشان میرا دشمن ہے۔ اس نے میرے جوان بیٹے کو قتل کرایا ہے۔ اگر شہباز مجھے اپنے گھر میں پناہ نہ دیتا تو وہ مجھے بھی قتل کرا دیتا۔''

''تم شہباز کے گھر میں پناہ لینے کے لیے اس کے ساتھ دن ہی نہیں رات بھی گزارتی ہو؟''

''جی ہاں۔ جب اس کے ساتھ رہتی ہوں تو دن بھی گزارتی ہوں اور رات بھی گزارتی ہوں۔''

''صاف صاف بولو۔ اس کے ساتھ دن بھی گزارتی ہو اور اس کے ساتھ رات بھی گزارتی ہو۔''

''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ اس کے ساتھ دن بھی گزارتی ہوں اور اس کے ساتھ رات بھی گزارتی ہوں۔''

''ایک ہی کمرے ایک ہی بیڈ پر؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولی ''آپ یہ پرسنل سوال کیوں کر رہے ہیں؟''

''یہ سوال ہم دنیا والوں کے سامنے نہیں کر رہے ہیں۔ مسٹر درانی بہت ہی معزز ہیں اور ہم تمہاری بھی عزت رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہاں بند کمرے میں تنہائی میں تم سے سوالات پوچھ رہے ہیں۔''

دردانہ سر گھما کر اس کمرے میں ہر طرف دیکھنے لگی۔ اس کمرے میں صرف وہی ایک میز اور تین کرسیاں تھیں۔ باقی کمرا بالکل خالی تھا۔ کوئی سامان نہیں تھا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ خفیہ ویڈیو کیمرے کے ذریعے اس کی ویڈیو فلم اتاری جا رہی ہے۔

مہارت خان نے پوچھا ''تم خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔ کیا تم ایک ہی کمرے میں ایک ہی بیڈ پر شہباز درانی کے ساتھ راتیں گزارتی ہو؟''

وہ ڈھٹائی سے بولی ''سوری، میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گی۔''

''تم شہباز درانی کے ساتھ بدکاری کے الزام سے بچنا چاہتی ہو لیکن ثمینہ کے قتل کے الزام سے نہیں بچ پاؤ گی۔''

''نہ میں نے کسی ثمینہ کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی چشم دید گواہ ہے۔''

''ہم ثابت کر دیں گے کہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔''

''اور میں ثابت کر دوں گی کہ میں نے نہیں' کسی اور نے قتل کیا ہے۔''

''اگر تم ابھی یہ ثابت کر دو تو ایک سنگین الزام سے بچ

جاؤ گی۔ تم پر صرف ہیروں کی چوری کا الزام رہے گا۔''

''میں یہ بھی ثابت کر دوں گی کہ ہیرے میں نے نہیں کسی اور نے چرائے ہیں۔''

''یہی تم اپنے گھر میں ثابت کر دیتیں تو ہم تمہیں گرفتار کر کے نہ لاتے۔''

وہ یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی کہ بیگم آفتاب نے ثمینہ کو قتل کیا تھا اور وہ ہیرے یہاں سے لے گئی تھی۔ بیگم آفتاب کی وہ ویڈیو کیسٹ محض اسے دھمکیاں دینے کے لیے تیار کی گئی تھی تا کہ وہ اس کے دباؤ میں رہے اور ضرورت پڑنے پر عدالت میں پہنچ کر اپنے بیٹے کے خلاف اس کی حمایت کرے۔

اس نے ایس' پی' ذیشان کے خلاف اپنا کیس مضبوط رکھنے کے لیے ابھی اس ویڈیو کیسٹ کو چھپا کر رکھا تھا اور کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مہارت خان نے کہا ''خاموش کیوں ہو؟ تمہیں تو فوراً ہی ثابت کرنا چاہیے کہ ثمینہ کو تم نے قتل نہیں کیا ہے' کسی اور نے کیا ہے۔ تمہیں ابھی یہاں سے رہائی مل جائے گی۔''

وہ بولی ''میں اس سلسلے میں اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے اور میرے خلاف نہ تو کوئی ٹھوس ثبوت ہے اور نہ ہی کوئی چشم دید گواہ ہے۔''

''میڈم! تم ایک سچ بات کہتے کہتے بات بدل رہی ہو۔ تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ جرم چھپانے کے باوجود شہباز درانی تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائیں گے اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ گبول نے اپنے فون کو دیکھا پھر وہاں سے اٹھ کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا ''میں جان محمد گبول بول رہا ہوں۔''

بچھو بابا نے کہا ''شہباز درانی سے ہمارا سمجھوتا ہو گیا ہے۔ تم دردانہ کا کیس واپس لے لو۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میرے ہیرے مجھے واپس مل چکے ہیں۔ میری دستاویزات بھی مجھے مل جائیں گی اور تم کہہ رہے ہو' میں کیس واپس لے لوں؟''

''میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں دستاویزات میرے پاس ہیں۔ اگر شہباز درانی کے پاس ہوتیں تو وہ تمہیں فوراً ہی تمام کاغذات واپس دے دیتا اور اپنی دردانہ کو بچا لیتا' گرفتار نہ ہونے دیتا۔''

''میرے اتنے اہم ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں اور تم ہمیں آپس میں لڑا رہے ہو۔ آخر یہ تماشا کیوں کر رہے ہو؟''

''جس مقصد کے لیے تماشا کرنا تھا وہ تماشا پورا ہو چکا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں دردانہ کے خلاف کوئی کیس نہ کرو۔ جو ہو چکا ہے اس پر مٹی ڈالی جا سکتی ہے۔ اس معاملے کو دبایا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی پوچھنے نہیں آتا کہ کسی بڑی شخصیت کو گرفتار کیا گیا تھا تو اس کے خلاف کیس کیوں نہیں چل رہا ہے؟ بڑے بڑے سیاسی مجرم بچ نکلتے ہیں پھر یہ دردانہ کیا چیز ہے؟''

''ٹھیک ہے' میں ابھی کیس واپس لیتا ہوں۔ دردانہ کو رہائی مل جائے گی لیکن میرے ڈاکومنٹس تو مجھے واپس کرو۔''

''وہ تمہاری امانت ہیں۔ ہمارے پاس محفوظ رہیں گے۔''

''یعنی تم انہیں واپس نہیں کرو گے؟''

''فی الحال نہیں۔ تمہیں ہم پر بھروسا کرنا ہو گا۔ ہم تمہیں بلیک میل نہیں کریں گے کیونکہ ہم سیاسی لوگ نہیں ہیں۔''

''جب تمہیں سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔ جب تم مجھے بلیک میل نہیں کرو گے تو پھر انہیں اپنے پاس کیوں رکھنا چاہتے ہو؟''

''کوئی ملک اپنے پاس ایٹم بم کیوں رکھنا چاہتا ہے؟ اس لیے نہیں کہ وہ دوسرے ملک کو تباہ کرے گا بلکہ اس لیے کہ ایٹم بم کی دہشت طاری رہے اور کوئی ملک اس پر حملہ نہ کرے۔ تمہارا ایٹم بم ہمارے پاس رہے گا تو تم ہمیشہ ہمارے دباؤ میں رہو گے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ مخالف پارٹی کے لوگ ہوں یا شہباز درانی جیسا پولیٹیکل ایجنٹ ہو، کوئی تمہارے گھر چوری کرنے نہیں آئے گا۔ تم چوروں سے محفوظ رہو گے۔ تمہارا سامان ہمارے پاس امانت کے طور پر رہے گا۔''

''دیکھو مسٹر! میں ابھی تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ دردانہ کے خلاف اتنی جلدی کیس ختم کرنے والی بات نہ کرو۔''

''تمہیں ابھی اور اسی لمحے میں وہی کرنا ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔ نہیں کرو گے تو دوسرے دن تمہارے ان ڈاکومنٹس کا ایک کتابچہ شائع کر کے متعلقہ افراد تک پہنچا دیا جائے گا۔ تم یقیناً ایسا نہیں چاہو گے۔ لہٰذا ہم جو کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ دیٹس آل۔''

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نے جھنجلا کر غصے سے دردانہ کی طرف دیکھا پھر کہا ''یہ عورت بہت ہی ذلیل ہے، کمینی ہے۔ اس نے چوری کرائی۔ ہیرے اپنے پاس رکھے اور ڈاکومنٹس اپنے کسی یار کے پاس بھیج دیئے۔ وہ کم

بخت مجھے کٹھ پتلی بنا کر نچا رہا ہے۔''

مہارت خان نے پوچھا ''بات کیا ہے گبول صاحب؟''

''بات کیا ہو گی؟ وہ کہہ رہا ہے اس پر سے کیس ختم کیا جائے۔ اسے رہا کر دیا جائے۔ آپ بتائیں میں اسے کیسے چھوڑوں؟ اس نے میرا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔ مجھے کسی بلیک میلر کے جال میں پھنسا دیا ہے۔''

دردانہ یہ سن کر خوش ہو رہی تھی کہ اس پر سے کیس ختم کرنے اور اسے رہا کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ مہارت خان نے کہا ''کیس کیسے ختم کیا جائے گا؟ پریس رپورٹرز نے چوری کے مال کی اور اس لاش کی تصویریں اتاری ہیں۔ کل کے اخبارات میں اس کے بارے میں بہت کچھ شائع ہونے والا ہے۔''

گبول نے کہا ''اخبارات میں بہت کچھ شائع ہوتا ہے۔ بڑے بڑے سیاسی مجرموں کی تصویریں بھی شائع ہو جاتی ہیں اور ان کے مجرمانہ اعمال کا کچا چٹھا بھی شائع ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ان پر نہ تو مقدمہ چلتا ہے' نہ ہی سزا ملتی ہے۔ سارے معاملات کو اندر ہی اندر دبا دیا جاتا ہے۔''

مہارت خان نے کہا ''اچھی بات ہے' ہم بھی یہی کریں گے۔ اب اس کیس کو اس طرح کمزور بنایا جائے گا کہ ثمینہ کے قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے اور جس دن قتل ہوا اس دن میڈم دردانہ بیمار تھیں اور اسپتال میں پڑی ہوئی تھیں اور میڈم نے وہ ہیرے چور بازار سے خریدے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

پھر وہ ہنستے ہوئے بولا ''سچ کو چھپانے اور قانون کو کمزور بنانے کے کتنے ہی ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ ویسے میڈم دردانہ! آپ بہت لکی ہیں۔ ایک بات یاد رکھیں۔ آپ یہاں سے رہا تو ہو جائیں گی لیکن آپ کی ایک بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔''

دردانہ نے حیرانی سے پوچھا ''میری کون سی کمزوری آپ کے ہاتھ میں رہے گی؟''

اس نے میز کے نیچے ہاتھ لے جا کر ایک کیسٹ ریکارڈر کو نکالا پھر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''اب تک آپ کی تمام باتیں ریکارڈ ہوتی رہی تھیں۔''

وہ پریشانی سے اس ریکارڈر کو دیکھنے لگی۔ مہارت خان نے کہا ''آپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ آپ ایک مدت سے شہباز درانی کی پناہ میں ہیں۔ اس کے ساتھ ایک ہی کوٹھی میں ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی بیڈ روم میں ایک ہی بیڈ پر راتیں گزارتی رہی ہیں۔ وہ آپ کا ہونے والا شوہر اور آپ اس کی ہونے والی بیوی ہیں۔ یعنی ہونے والے ہیں۔ ابھی میاں بیوی کا رشتہ نہیں ہے پھر تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں گناہ گار کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔''

وہ تھوڑی دیر تک پریشان ہو کر سوچتی رہی پھر بولی۔ ''جب مجھ پر سے کیس ختم کیا جا رہا ہے تو آپ یہ معاملہ بھی ختم کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں شہباز سے سمجھوتا کر سکتے ہیں۔''

''بے شک سمجھوتا تو کرنا ہو گا۔''

وہ ریکارڈر میں سے کیسٹ نکال کر دکھاتے ہوئے بولا۔ ''جب ہم اتنی محنت کرتے ہیں تو کچھ وصول کرنے کے لیے ہی کرتے ہیں اور شہباز درانی صاحب تو بڑے دریا دل ہیں۔ وہ اس معاملے کو بھی ختم کرنے کے لیے ہمیں نہال کر دیں گے۔''

دردانہ نے کہا ''ضرور کریں گے۔ وہ میری رہائی کی خوشی میں آپ سب کو خوش کر دیں گے۔ اب تو میں ان سے فون پر بات کر سکتی ہوں؟''

''بے شک۔ آپ میرے دفتر میں آئیں۔ میں ابھی ان سے بات کراتا ہوں۔''

وہ تینوں اس کمرے سے باہر جانے لگے۔ شہباز درانی میرے مطالبات کے مطابق وہ تمام ویڈیو کیسٹس پاشا کو دے چکا تھا پھر اسے اچھی خاصی رقم دیتے ہوئے بولا ''تم یہاں سے باہر عینی کے گھر جا سکتے ہو۔''

اس نے کہا ''آپ جانتے ہیں کہ میں بہت کچھ بھول چکا ہوں۔ مجھے عینی کے گھر کا پتا یاد نہیں ہے۔''

''تم ڈیفنس کی طرف جاؤ۔ راستے میں تمہیں کوئی گائیڈ ملے گا۔ وہ تمہیں عینی کے گھر پہنچا دے گا۔ وہ گائیڈ تم سے یہ پیکٹ مانگے تو اسے اس کے حوالے کر دینا۔''

اس نے پاشا کے ساتھ باہر آ کر سکیورٹی گارڈز سے کہا۔ ''آج سے یہ ہمارا فیملی ممبر نہیں ہے۔ اسے جانے دو۔ آئندہ یہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں قدم نہیں رکھے گا۔''

پاشا وہاں سے چلتا ہوا احاطے کے گیٹ سے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسی وقت موبائل فون نے شہباز درانی کو متوجہ کیا۔ اس نے جیب سے فون نکال کر نمبر پڑھے پھر بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے مہارت خان نے کہا ''مسٹر درانی! آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ مسٹر گبول نے کیس واپس لے لیا ہے۔ میڈم دردانہ کو ابھی رہائی مل سکتی ہے لیکن کچھ معاملات طے کرنے ہیں۔ اگر آپ آ سکتے ہیں تو ابھی آ جائیں۔''

وہ خوش ہو کر بولا "میں ابھی آ رہا ہوں۔"

اس نے فون بند کر کے دل ہی دل میں سوچا "مقدر حیات زبان کا دھنی ہے۔ ادھر میں نے اس کے مطالبات پورے کئے ادھر وہ میری دردانہ کو رہائی دلا رہا ہے۔"

پاشا کوٹھی سے باہر آ کر سڑک کے کنارے چل رہا تھا۔ میں اس کے انتظار میں تھا۔ یہ یقین تھا کہ کوئی میرا یا اس کا تعاقب کرنے والا نہیں ہے۔ درانی فی الحال مجھ سے دشمنی بھول گیا تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتا ہوا پاشا کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے چلتے چلتے رک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے آگے کی طرف جھک کر دروازے کو کھولا پھر کہا "آؤ بیٹھ جاؤ۔"

اس نے پوچھا "آپ کون ہیں؟"

میں نے کہا "وہی گائیڈ ہوں، جس کے انتظار میں تم سڑک کے کنارے چل رہے ہو۔"

وہ میری ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ تمہارا نام سلامت پاشا ہے اور پاشا جانی کہلاتے ہو۔ میری بہن عینی سے تمہارا نکاح پڑھایا جا چکا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "بہن؟"

"ہاں۔ عینی میری بہن ہے۔ میں اس کا بڑا بھائی مقدر حیات ہوں۔ تم ابھی میرے ساتھ چل کر عینی اور عروج سے ملو گے تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ یہ بتاؤ اپنا نکاح نامہ لے کر آئے ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "شہباز درانی نے نکاح نامے کے علاوہ یہ پیکٹ دیا ہے۔ کیا آپ مجھ سے یہ پیکٹ لینا چاہیں گے؟"

"ہاں۔ اسے عینی اور عروج کے پاس لے جانا ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔ فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔"

وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولا "میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔ عینی اور عروج نے شاید مجھے بتایا ہوگا کہ ان کا کوئی بھائی بھی ہے۔ مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا ہے۔"

وہ اپنے بارے میں بتانے لگا کہ اس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ دردانہ اور شہباز درانی اس سے جھوٹ بولتے رہے تھے اور انہوں نے ماں باپ بن کر محبت کی زنجیریں پہنا کر اسے قیدی بنا لیا تھا اور اس طرح عینی اور عروج سے اب تک اسے دور رکھا تھا۔

اس وقت عینی، عروج، اسما اور فلک آفتاب اسپتال میں تھے۔ عینی آنکھوں کا عطیہ حاصل کرنے کے لیے رومانہ اور جاوید برقی سے ملنے آئی تھی۔ متعلقہ ڈاکٹر کی موجودگی میں تمام معاملات طے ہو چکے تھے۔ تمام ضروری کاغذات پر دستخط بھی ہو چکے تھے۔

اس کے بعد ہی رومانہ کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ اس نے عینی کا ہاتھ تھام کر کہا "میں اپنے بچوں کے لیے خودغرض بن گئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد بھی میری آنکھیں انہیں دیکھتی رہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں نہیں جانتی تمہارے دل میں ان کے لیے ممتا پیدا ہوگی یا نہیں، لیکن ایک مرنے والی کی آخری خواہش سمجھ کر وعدہ کرو کہ میرے بچوں کو دیکھتی رہا کرو گی۔ خواہ کسی بھی رشتے سے دیکھتی رہو لیکن آنکھیں تو میری ہوں گی۔ ان بچوں کی ماں کی آنکھیں، اور مجھے یہ دلی سکون مل رہا ہے کہ ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی میرے بچے میری آنکھوں کے سامنے رہیں گے۔"

اس کے دونوں بچے وہاں موجود تھے۔ ایک بیٹا اشعر تین برس کا تھا اور دوسری بیٹی ماہم ڈیڑھ برس کی تھی۔ اسما نے اشعر کو گود میں اٹھایا۔ عروج نے ماہم کو گود میں لیا پھر رومانہ کے قریب آ کر بولیں "ان بچوں کو صرف عینی کا ہی نہیں ہمارا بھی پیار ملے گا۔"

عروج نے ماہم کو عینی کی گود میں دیتے ہوئے کہا "عینی یہ ان کی چھوٹی بیٹی ماہم ہے۔"

عینی نے اسے گود میں لیا۔ اپنے سینے سے لگایا۔ اسے پیار کیا۔ اسما نے اشعر کو بھی اس کی گود میں دیا۔ وہ اسے بھی پیار کرنے لگی۔ رومانہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے بچوں کو اس کی گود میں دیکھ کر اور انہیں ایک ممتا ملتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ جبراً مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن تکلیف سے بے حال ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر نے کہا "اب آپ لوگوں کو کمرے سے جانا چاہیے۔ پلیز، مجھے اٹینڈ کرنے دیں۔"

وہ سب کمرے سے باہر آ گئے۔ قریب ہی ایک ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت میں پاشا کو لے کر وہاں آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی سب حیرانی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ عینی دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن جب پاشا نے سب کو دیکھ کر السلام علیکم کہا تو وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "یہ تو پاشا کی آواز ہے۔"

عروج اچانک ہی اپنے محبوب کو سامنے دیکھ کر سکتے

ی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی اچھل کر آ جائے گا۔ عینی کی آواز سن کر وہ چونک گئی پھر بولی۔ "ں۔ پاشا آئے ہیں۔"

وہ بے یقینی سے بولی "کیا سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں مگر مجھے بھی آنکھوں سے دیکھ کر یقین نہیں ہو رہا ہے۔"

ادھر پاشا کی عجیب حالت تھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس کی ب سے پہلے عروج پر پڑی تھی اور وہ اسے مسلسل دیکھتا جا رہا تھا۔ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ اس کی یہ انگی عروج کے دل کو اور زیادہ دھڑکا رہی تھی۔

عینی نے دونوں بانہیں پھیلا کر کہا "پاشا! کیا تم آ گئے؟ کہاں ہو تم؟"

پاشا نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر کہا۔ "میں آ گیا ہوں۔"

عینی ایک دم سے تڑپ کر آگے بڑھی پھر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ کر رونے لگی۔ پاشا نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں رونا نہیں چاہیے۔ میں ہمیشہ کے لیے آ گیا ہوں۔ زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گا۔"

وہ اسے تھپک تھپک کر کہہ رہا تھا لیکن عروج کو دیکھ رہا تھا جیسے اس سے کہہ رہا ہو کہ وہ اسی کی خاطر زنجیریں توڑ کر آیا ہے۔

اسما نے پاشا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم واپس آ گئے ہو۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسما کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ "یہ عینی کی اور ہماری بھابی جان ہیں۔"

فلک آفتاب نے آگے بڑھ کر پاشا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ہمیں عینی نے بتایا ہے کہ تمہاری یادداشت گم ہو چکی ہے۔ تم اپنے آپ کو بھی بھول چکے ہو۔"

اس نے فلک آفتاب کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "میں عینی کا تایا ہوں۔"

پاشا نے پھر عروج کی طرف دیکھا۔ وہ کسی کی طرف دیکھنے کے بعد پھر اسے دیکھنے لگتا تھا۔ اب وہ اس کی دیوانگی سے گھبرا رہی تھی۔ جھینپ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے چھپنا چاہتی تھی لیکن وہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ آخر وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی لیڈیز ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اندر پہنچتے ہی اپنے دھڑکتے ہوئے سینے کو دروازے سے لگا دیا۔

اسما نے مجھے دیکھا۔ ہم سب ہی جانتے تھے کہ پاشا اور عروج دونوں ہی ایک دوسرے کے دیوانے ہیں۔ میں نے اسما کو ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے ساتھ وہاں سے ذرا دور ایک گوشے میں آ گئی۔ میں نے کہا "یہ پاشا کے عشق کی انتہا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اور اپنے آپ کو بھلا چکا تھا لیکن عروج اس کے ذہن میں نقش تھی۔ وہ اسے خوابوں اور خیالوں میں دیکھتا رہا تھا۔ آج ایک طویل جدائی کے بعد اسے دیکھ رہا ہے، بہت زیادہ بے چین ہو گیا ہے۔ آپ کچھ ایسا کریں کہ اسے اور عروج کو تنہائی میں ملنے اور ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔"

اسما نے کہا "عروج جیسی دل والی لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں۔ اس نے اپنی محبت عینی کے حوالے کر دی۔ اپنے دل میں پیار چھپائے رکھتی ہے لیکن عینی کی خوشیاں دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہے۔"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی لیڈیز ٹوائلٹ کے دروازے پر آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو دوسری طرف عروج دروازے سے لگی ہوئی تھی۔ اسے ہلکا سا جھٹکا لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اسما نے اندر آ کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تربتر تھا۔ وہ وہاں چھپ کر رونے کے لیے آئی تھی۔ اسما نے اسے گلے لگا لیا۔

ادھر عینی ایک صوفے پر پاشا سے لگی بیٹھی تھی۔ پاشا اس سے کہہ رہا تھا "شہباز درانی اچانک مجھ پر مہربان ہو گیا ہے، پتا نہیں کیا بات ہے؟ اس نے مجھے رہائی دے دی ہے اور باہر سیکیورٹی آفیسرز سے کہہ دیا ہے کہ اب میں ان کی فیملی کا ممبر نہیں ہوں۔ آئندہ مجھے اس کوٹھی میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

پاشا، عینی اور فلک آفتاب سے بول رہا تھا لیکن اس کی نظریں بار بار لیڈیز ٹوائلٹ کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "اب تو تم آ گئے ہو۔ دن رات عینی سے باتیں ہوتی رہیں گی۔ ابھی مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عینی نے پوچھا "بھائی جان! آپ انہیں کہاں لے جا رہے ہیں؟"

میں نے کہا "میں دردانہ اور شہباز درانی کے بارے میں بہت سی باتیں پاشا کو سمجھانا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ یہ ان سے محتاط رہے۔"

میں پاشا کے ساتھ چلتا ہوا ویٹنگ روم سے باہر آیا پھر ایک کوریڈور سے گزرتے ہوئے بولا "تم بہت سی باتیں بھول گئے ہو۔ تمہیں یہ یاد نہیں ہے کہ عروج نے اپنی پہلی عینی

کی خاطر اپنے پیار کی قربانی دی ہے۔ کیا تم اس کی قربانی رائیگاں جانے دو گے؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''نہیں' میں عروج کے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے کچھ بولنے کا موقع تو ملنا چاہیے۔''

''ابھی موقع ملے گا لیکن ایک بات یاد رکھو۔ اس طرح دیوانے کی طرح بار بار اسے نہ دیکھا کرو۔ عینی کو جلد ہی بینائی ملنے والی ہے۔ جب وہ دیکھے گی کہ جسمانی طور پر تم اس کے پاس ہو لیکن دل عروج کی طرف بھٹک رہا ہے تو کیا اس لڑکی کا دل نہیں ٹوٹے گا؟ کیا عروج یہ برداشت کرے گی کہ تم اس کی سہیلی سے بے وفائی کرو اور اسے بھرپور محبتیں نہ دو؟''

''میں ابھی یادداشت کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آ رہا ہوں۔ آپ سمجھا رہے ہیں تو بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ عروج کا پیار میرا پیار ہے۔ میں عینی کا دل نہیں توڑوں گا لیکن عروج سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے اسپتال سے باہر آ گئے۔ میں نے پارکنگ ایریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''دیکھو وہ 6014 نمبر والی کار عروج کی ہے۔ وہاں جا کر اگلی سیٹ پر بیٹھو۔ ابھی وہ آ جائے گی۔''

اس نے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ میں اس کا شانہ تھپک کر وہاں سے واپس آ گیا۔ ویزیٹرز روم کے دروازے پر پہنچا تو عروج ٹوائلٹ سے باہر آ گئی تھی اور عینی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا' میں نے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آئی۔ میں نے کہا ''میرے ساتھ آؤ۔ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

ہم دونوں اسپتال کے کوریڈور سے گزرنے لگے۔ میں نے کہا ''پاشا کمزور یادداشت کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہے۔ اسے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ وہ تمہاری کار میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہاں جاؤ اور اسے سمجھاؤ کہ ماضی میں کیا ہو چکا ہے۔ کس طرح تم عینی کے لیے قربانیاں دے رہی ہو اور آئندہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی شریکِ حیات بننے والی ہو۔ لیکن اسے بڑے صبر و تحمل سے انتظار کرنا ہوگا۔''

میں اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر پارکنگ ایریے تک آیا پھر اسے وہاں چھوڑ کر اسپتال کے اندر چلا گیا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے اپنی کار کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسٹیرنگ سیٹ کے دروازے پر آئی پھر اسے کھول کر جھک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سوچا تھا' اپنا دل مضبوط رکھے گی۔ آنکھوں آنسو نہیں آنے دے گی لیکن اتنی طویل جدائی کے بعد پہلی اسے دیکھ رہی تھی۔ تنہائی میں اسے دیکھتے ہی بے اتی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ اس کی طرف گھوم کر سر کر رونے لگی۔

پاشا اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھ ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا' اس کے ایک ہاتھ کو اپنے دو ہاتھوں میں تھام لیا۔ ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا مدتوں کی کھوئی ہوئی دولت ہاتھ آ گئی ہو۔ اس نے کہا ''ج انسان سو جاتا ہے تو ساری دنیا سو جاتی ہے لیکن تم میر سوئے ہوئے ذہن میں بھی جاگتی رہی ہو' میرے خوابوں آتی رہی ہو۔''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی ''مجھے عینی نے ہے' تم مجھے دو بار خواب میں دیکھ چکے ہو۔''

''نہ جانے میرے دل و دماغ میں کتنی گہرائی تک اتر ہوئی ہو کہ خود کو بھلانے کے باوجود تمہیں یاد کرتا رہا۔ بھولنے والے کو میرا نام بتایا گیا۔ میری تصویریں دکھائی لیکن تمہیں تو قدرت نے خواب کے بہانے میرے سا پیش کر دیا۔ تب ہی سے میں تمہارے پاس آنے کے تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔''

وہ بولی ''خواب کے بہانے تم نے میرا چہرہ، میرا نام کر لیا لیکن مجھ سے کیا ہوا وعدہ بھول گئے۔''

''کون سا وعدہ؟''

''میں نے کہا تھا کہ پہلے عینی سے شادی کرو گے۔''

''وہ تو میں کر چکا ہوں۔ ہمارا باقاعدہ نکاح ہو ہے۔ میں نکاح نامہ لے کر آیا ہوں۔''

''دوسرا وعدہ یہ کیا تھا کہ اسے بھرپور محبتیں دو گے۔ یہ احساس نہیں ہونے دو گے کہ تم جبراً اس کی طرف مائل رہے ہو۔''

''مجھے افسوس ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے۔ تم کہہ رہی پھر میں نے یہ وعدہ ضرور کیا ہوگا۔''

''ہاں۔ یہ وعدہ کیا ہے اور اب تمہیں اس پر قائم ر ہوگا۔ نہیں تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔''

وہ تڑپ کر بولا ''نہیں عروج! ناراضگی کی بات نہ کر میں تمہاری خوشی کے لیے وہ سب کچھ کروں گا' جو تم کہو گی۔''

وہ بڑے پیار سے اسے گھور کر بولی ''تم ابھی دیوانو کی طرح صرف مجھے ہی کیوں دیکھ رہے تھے؟''

''میں مجبور تھا۔ تمہاری طرف دل کھنچا جا رہا تھا۔''

''وعدہ کرو آئندہ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ صرف ہائی میں میری طرف دیکھو گے اور مجھ سے بولو گے۔ سروں کے سامنے ذرا دور دور رہا کرو گے اور عینی کے ہمیشہ یب رہو گے۔''

اگرچہ اس کا اپنا دل اپنے محبوب کے لیے مچل رہا تھا بن وہ اسے اپنی سہیلی کے قریب رکھنے کے لیے طرح طرح سمجھا رہی تھی اور یہ وعدہ کرنے کے لیے کہہ رہی تھی کہ وہ وں سہیلیوں کے درمیان پیار کا توازن قائم رکھا کرے ا۔

میں ویزیٹرز روم میں عینی، اسما اور فلک آفتاب کے اتھ بیٹھا ہوا تھا۔ فلک آفتاب نے مجھ سے پوچھا ''کیا تم ردانہ اور شہباز سے ملنے گئے تھے؟''

میں نے کہا ''اللہ تعالیٰ ہم پر مہربان ہے۔ میں نہیں انا کہ دردانہ اور شہباز درانی کا دماغ کیسے پھر گیا ہے۔ اس نے پاشا کو رہا کیا ہے اور اسے یہ پیکٹ دیا ہے۔''

اسما نے پوچھا ''اس پیکٹ میں کیا ہے؟''

''دو ویڈیو کیسٹس ہیں۔ ان میں سے ایک ویڈیو کیسٹ ہے جس کے ذریعے دردانہ عینی کو بے حیا اور بدچلن ثابت رنا چاہتی تھی۔''

عینی نے شرم کے مارے گھوم کر دوسری طرف منہ پھیر ا۔ میں نے اس پیکٹ کو کھول کر ایک کیسٹ نکالا پھر اسے اسما کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''بھابی جان! آپ یہاں سے ھر جانے کے بعد اسے اپنے ہاتھوں سے ضائع کریں گی۔''

وہ اسے لیتے ہوئے بولی ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ری عینی کو اب کوئی غلط نہیں سمجھے گا۔''

میں نے کہا۔ ''کوئی نہیں سمجھے گا کیونکہ پاشا اپنے ساتھ اح نامہ بھی لے کر آیا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بڑی حیرانی کی بات ہے۔ وہ ورت عینی کو بلیک میل کرنا چاہتی تھی پھر اس نے پاشا کو کیسے ا کر دیا؟ اور یہ ویڈیو کیسٹ بھی کیوں واپس کر دیا؟ آخر ں کا دل ہماری طرف سے موم کیسے ہو گیا؟''

میں نے کہا ''پتھر کبھی موم نہیں ہوتا۔ شیطان کبھی انسان یں بنتا۔ میں نے اس کا اور شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا اور ب ہی سمجھ گیا تھا کہ ان پر کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے۔ وہ اس آفت کے نتیجے میں اپنی چوکڑیاں بھول چکے یں۔ غرور کا سر نیچا ہو گیا ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''بے شک مقدر میاں! تمہاری کوئی پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔''

میں نے دوسرا ویڈیو کیسٹ دکھاتے ہوئے کہا ''بڑے ابو! کیا آپ بتا سکتے ہیں اس میں کیا ہے؟''

اس نے میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ویڈیو کیسٹ کو دیکھا پھر کہا ''میں بھلا کیسے بتا سکتا ہوں۔ اس میں کیا ہے؟ تم ہی بتاؤ؟''

میں نے اسما کو دیکھتے ہوئے کہا ''بھابی جان! آپ اور بھائی جان نہیں جانتے کہ دردانہ ہماری بڑی امی کو بھی بلیک میل کر رہی تھی۔ اس کے آدمیوں نے بڑی امی کو مجبور کر کے ایسی ویڈیو فلم تیار کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کا قتل کیا تھا اور اس کے ہیرے چرا کر لے آئی تھیں۔''

فلک آفتاب پریشان ہو کر مجھے دیکھ رہا تھا اور اپنی بہو اسما کے سامنے جھینپ رہا تھا۔ اسما اپنے سسر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی بات ہو گئی تھی اور یہ بات بیٹے اور بہو سے چھپائی جا رہی تھی۔

میں نے کہا ''بھابی جان! آپ کو اور بھائی جان کو ان سے نہ تو شکایت کرنی چاہیے' اور نہ ہی ناراض ہونا چاہیے۔ بڑی امی بہت مجبور ہو گئی تھیں۔ اس لیے ہم سے یہ بات چھپائی جا رہی تھی۔ بہرحال دردانہ ہمارے ساتھ کوئی مکاری نہیں کر سکے گی اور نہ ہی بڑی امی کو بلیک میل کر سکے گی۔''

میں نے وہ کیسٹ فلک آفتاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے آپ لے جائیں اور گھر پہنچتے ہی ضائع کر دیں۔ یہ سب ماسٹر کاپیاں ہیں۔ اس کے بعد دردانہ کے پاس آپ لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لیے کچھ نہیں رہا ہے۔''

فلک آفتاب نے وہ کیسٹ لیتے ہوئے کہا ''مقدر میاں! تم ہمارے گھر فرشتہ بن کر آئے ہو۔ تم نے عینی پر، اپنی بڑی امی پر اور ہم سب پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے ہم ساری زندگی بھلا نہیں پائیں گے اور تمہارے اس کارنامے پر ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔''

عینی خاموش بیٹھی ہوئی تھی، لیکن بے چین تھی۔ اس نے پوچھا ''بھائی جان! آپ ابھی پاشا کے ساتھ گئے تھے۔ وہ کہاں ہیں؟ اور عروج بھی نہیں ہے۔''

میں نے کہا ''وہ دونوں ابھی آ رہے ہیں۔''

پھر میں نے فلک آفتاب سے کہا ''بڑے ابو! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

میں فلک آفتاب کے ساتھ اس کمرے سے باہر گیا۔ اسما

عینی کے قریب آ کر بولی ''عینی! اس وقت تم کس کی کمی محسوس کر رہی ہو؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولی ''وہ۔ وہ پاشا اس چڑیل عورت سے رہائی پا کر آیا ہے۔ اس کے لیے پریشان ہوں کہ پھر کہاں چلا گیا ہے؟''

''کیا عروج کے لیے پریشان نہیں ہو کہ وہ بیٹھے بیٹھے یہاں سے کہاں چلی گئی ہے؟''

''وہ ضرور کسی کام سے گئی ہوگی۔ ابھی آ جائے گی۔''

''عینی! میری بات کا برا نہ ماننا۔ تم خود غرض ہو گئی ہو۔ اپنی پیاری سہیلی کو بھول کر صرف پاشا کی کمی محسوس کر رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ بھی پاشا کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ اس نے اپنے پیار کی قربانی دی ہے۔ وہ تمہیں اپنی سوکن بنانے کے لیے راضی ہو گئی۔ اتنی طویل جدائی کے بعد آج اس نے پاشا کو دیکھا ہے۔ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ کیا تم اپنی سہیلی کے جذبات کو سمجھنا نہیں چاہتیں؟''

اس نے اندھیرے میں ٹٹول کر اسما کے ہاتھ کو تھام لیا پھر کہا ''بھابی جان! واقعی، میں تو اپنے ہی جذبات کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہی تھی۔ یہ بھول ہی گئی تھی کہ اتنی طویل جدائی کے بعد عروج نے بھی اسے دیکھا ہے۔ وہ بھی اس کے لیے تڑپ رہی ہوگی۔''

عینی نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ''آپ درست کہتی ہیں۔ واقعی میں خود غرض ہو گئی تھی۔ اپنی اس اندھیری دنیا میں بیٹھی صرف پاشا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اپنی عروج کو بھول گئی تھی۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ مجھے جذباتی غلطی سے روک رہی ہیں۔ ابھی اسے پاشا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہیے۔''

''وہ دونوں باہر ہیں' باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی آ جائیں گے۔''

فلک آفتاب میرے ساتھ کوریڈور میں کھڑا، موبائل فون کے ذریعے اپنی بیگم سے باتیں کر رہا تھا اور یہ خوشخبری سنا رہا تھا کہ وہ دردانہ کے شکنجے سے نکل گئی ہے۔ اس ویڈیو کیسٹ کی ماسٹر کاپی مقدر میاں لے آئے ہیں اور آئندہ وہ کبھی ہمیں بلیک میل نہیں کر سکے گی۔''

دوسری طرف سے بیگم آفتاب نے کہا ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس چڑیل سے نجات مل رہی ہے۔ بے شک ہم مقدر میاں کا جتنا بھی احسان مانیں' کم ہے۔ یہ بتائیں کہ وہ ویڈیو کیسٹ کہاں ہے؟''

''یہ میرے پاس ہے۔ میں گھر لے کر آؤں گا۔ تم اسے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دینا۔''

''مقدر میاں سے میری بات کراؤ۔''

اس نے موبائل میری طرف بڑھاتے ہوئے ''تمہاری بڑی امی بات کرنا چاہتی ہیں۔''

میں نے موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے کہا'' امی! آپ کو مبارک ہو۔ اس چڑیل سے نجات مل چکی ہے

وہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ کہنے لگی ''بیٹے! پتا نہیں کیا ہو؟ ہمارے لیے تو رحمت کا فرشتہ ہو۔ ادھر تم نے رات عرصہ کو ہماری بہو بنانے کا وعدہ کیا اور ادھر سانپ پٹارہ لے آئے جس کے ذریعے دردانہ مجھے ڈسنا چاہتی تھی

وہ خوش ہو کر احسان مندی سے بولتی جا رہی تھی، میں جا رہا تھا پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ عروج اور پاشا باہر سے وا آ گئے۔ عروج عینی کے پاس آ کر بیٹھی تو دونوں سہیلیاں ا دوسرے سے لپٹ گئیں۔ دونوں کو ان کا مشترکہ محبوب چکا تھا۔

جاوید برقی وہاں آیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اسا پوچھا ''رومانہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

اس نے بڑے دکھ سے ہم سب کو دیکھا پھر کہا ''وہ ا ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ سانسیں چل رہی ہیں، آنکھ کھلی ہوئی ہیں لیکن وہ نہ مجھے پہچان رہی ہے، نہ اپنے کو۔''

پھر وہ عینی کو دیکھتے ہوئے بولا ''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کو یہاں داخل ہو جانا چاہیے۔ صبح تک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

سب نے بڑے دکھ سے اور ہمدردی سے جاوید بر دیکھا۔ فلک آفتاب نے اس کے پاس آ کر اس کے سر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''بیٹے! انسان کو اچھے برے حالا سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا' وہی ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں اور بچوں کو تنہا چھوڑیں گے۔''

عروج نے کہا ''عینی! میرے ساتھ چلو۔ میں ڈاکٹر ملتی ہوں۔ اس کے مشورے کے مطابق تمہیں یہاں ایڈ کراؤں گی۔''

وہ عروج کا ہاتھ تھام کر بولی ''ایڈمٹ تو ہو جاؤں گ تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی؟''

''پاگل ہوئی ہو؟ کبھی تمہیں تنہا چھوڑا ہے' جو آج چ دوں گی؟ آؤ میرے ساتھ۔''

وہ دونوں اٹھ کر جانے لگیں۔ میں نے کہا ''عرو پاشا بھی یہاں رہے گا لیکن ابھی یہ ہمارے ساتھ جائے

اپنا حلیہ درست کرے گا پھر میں اسے یہاں پہنچا دوں گا۔''

اسما نے کہا ''میں بھی جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کی ضرورت کا سامان لے آؤں گی۔''

وہ سب عروج اور عینی کو وہاں چھوڑ کر گھر روانہ ہو گئے۔ ابھی اس خاندان کے لیے حالات سازگار تھے۔ مقدر میں خوشحالی لکھی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ عینی کو آنکھوں کی روشنی ملنے ہی والی ہے۔

☆☆☆

گل خانم پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح موجودہ قانونی گرفت سے نجات حاصل کرے اور اپنے وکیل سے مل کر اپنے اور ذیشان کے تحفظ کے لیے کچھ کر سکے۔

اتنے میں باقر مہدی نے وہاں آ کر کہا ''گل خانم! تمہارے دن پھر رہے ہیں۔ میں یہاں سے پہرا اٹھا رہا ہوں۔ ہم جا رہے ہیں۔ اب تم اپنے تحفظ کے لیے قانونی کارروائیاں کر سکو گی۔''

وہ بولی ''خدا کا شکر ہے کہ آپ میرا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ میرا موبائل فون مجھے دے کر جائیں۔''

اس نے اپنی جیب سے اس کا موبائل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے لے کر دیکھا پھر کہا ''یہ تو بند ہے۔''

''چارجر تمہارے پاس ہے۔ تم اسے چارج کر کے استعمال کر سکتی ہو۔''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ اس نے پوچھا ''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اچانک آپ مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہیں؟''

''میں نہیں مقدر مہربان ہوا ہے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ اوپر سے حکم آیا کہ پہرا اٹھا لیا جائے۔ ہم نے اٹھا لیا۔''

وہ چلا گیا۔ گل خانم نے باہر آ کر دیکھا۔ کوٹھی کے باہر پہرا دینے والے سپاہی بھی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ اس نے ملازم سے کہا ''فوراً جاؤ۔''

ملازم چلا گیا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی پھر بیڈ روم میں پہنچ کر اپنے موبائل فون کو چارجر سے لگا دیا۔ وہ جلد از جلد اپنے وکیل سے رابطہ کرنا چاہتی تھی اور یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کس طرح ذیشان سے ملاقات کی جا سکتی ہے اور اس کے تحفظ کے لیے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔

گورنس نے بیڈ روم میں آ کر کہا ''میڈم! آپ کو آزادی مبارک ہو۔ وہ کم بخت سی' آئی' اے والے چلے گئے۔''

گل خانم نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا ''اب تم بھی جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟''

''کیا ناراض نہیں ہونا چاہیے؟ تم نے اس سی' آئی' اے کے افسر کو میرے اور ذیشان کے خلاف بیان دیا تھا۔''

وہ کان پکڑ کر بولی ''میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ جو آنکھوں سے دیکھا تھا وہی کہا تھا۔''

''کیا تم اتنی بھولی ہو؟ نادان بچی ہو؟ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پولیس والوں کے سامنے آنکھوں سے دیکھی ہوئی سچائی بھی چھپائی جاتی ہے؟ اگر تم یہ نہ کہتیں کہ ذیشان صاحب میرے ساتھ آدھی رات تک یہاں رہے تھے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟''

''میں سچ کہتی ہوں ان سے بری طرح ڈر گئی تھی۔ وہ بڑے رعب اور دبدبے والے تھے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ لباس اتار کر میری پٹائی کریں گے۔ اس قدر ہیرا پھیری سے سوالات کر رہے تھے کہ میں بالکل ہی بدحواس ہو گئی تھی۔''

''کیا تم نے آنکھوں سے مجھے گناہ کرتے دیکھا تھا؟ کیا اس فرشتہ صفت انسان کو گناہ گار بنتے دیکھا تھا؟ اگر ایک جوان مرد ایک جوان عورت کے ساتھ کمرے میں تنہا رہ جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں، ہماری دنیا میں، ہمارے معاشرے میں ایسے مرد ہیں جو عورت کے ساتھ تنہا رہنے کے باوجود اسے داغ دار نہیں کرتے۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔ اسے کھول کر اس کے سیف میں سے سولہ ہزار روپے نکالے پھر اسے لا کر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا ''یہ تمہاری دو ماہ کی تنخواہ ہے۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ گل خانم نے غصے سے چیخ کر کہا۔ ''نو مور آرگومنٹس۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔''

وہ سر جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلیفون کے تار کو باہر سے کاٹا گیا تھا۔ ملازم نے آ کر کہا ''میڈم! تار جوڑ دیا گیا ہے۔ آپ فون چیک کر لیں۔''

گل خانم نے ریسیور اٹھا کر چیک کیا اور اس نے سب سے پہلے اپنے وکیل سے رابطہ کیا ''مظفر صاحب! میں گل خانم بول رہی ہوں۔ کیا آپ ابھی میرے لیے کچھ وقت نکال سکتے ہیں؟''

''جی ہاں۔ آج اور کل فرصت ہی فرصت ہے۔ آپ

فرمائیں۔ کیا مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟''

''جی ہاں۔ آپ فوراً یہاں چلے آئیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ابھی ایک گھنٹے کے اندر آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ ادھر باقر مہدی نے جیل میں آکر ذیشان سے ملاقات کی۔ اس سے کہا ''بھئی ہم مانتے ہیں آپ بھی ہماری طرح پہنچے ہوئے ہیں۔ یہاں میں نے پابندیاں لگائی تھیں کہ کوئی ملاقاتی نہیں آئے گا اور آپ کسی باہر والے سے رابطہ نہیں کرسکیں گے پھر بھی آپ اپنے بچاؤ کے لیے پتا نہیں کیا کرتے رہتے ہیں؟ مجھے بھی کچھ گر سکھائیں۔ میں آپ کو گرو مان لوں گا۔''

ذیشان خاموش تھا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر بولا ''بھئی اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ پر سے پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ آپ سے کوئی بھی آکر ملاقات کرسکتا ہے۔ اب آپ بتائیں کس سے ملنا پسند کریں گے؟''

ذیشان نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں کسی سے ملنے ملانے کے لیے تمہارا احتاج نہیں ہوں۔''

''جب آپ پر سے پابندیاں ہٹ گئی ہیں تو آپ اپنے بچاؤ کے لیے اور یہاں سے باہر جانے کے لیے کچھ تو کریں گے۔ کسی وکیل کی خدمات تو حاصل کریں گے؟''

''میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ کچھ روز یہیں آرام کروں گا۔''

وہ حیران ہوا' پھر بولا ''تعجب ہے۔ پنچھی کے لیے پنجرہ کھولنے کی سہولت دی جارہی ہے اور پنچھی ہے کہ اڑنا نہیں چاہتا۔ ہم نے گل خانم کی کوٹھی کے باہر سے بھی پہرا اٹھالیا ہے۔ اب وہ آزاد ہے' خود کو اور آپ کو بدکاری کے الزام سے بچانے کے لیے کسی نہ کسی وکیل کی خدمات حاصل کرے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ دونوں اتنے بڑے الزام سے بچ پائیں گے؟''

ذیشان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا ''نہ میں جیل سے باہر جانا چاہتا ہوں، نہ کسی الزام سے بچنا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم میری فکر میں دبلے ہو رہے ہو۔''

وہ اپنی پیشانی کو ایک انگلی سے یوں بجانے لگا جیسے دستک دے رہا ہو پھر بولا ''میں سمجھا نہیں آپ یہاں کچھ روز تک سلاخوں کے پیچھے کیوں رہنا چاہتے ہیں؟ اور مسٹر رانی آپ کو سلاخوں سے باہر کیوں لانا چاہتے ہیں؟''

''تم ان کے پالتو کتے ہو۔ ان ہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟''

''وہ اپنا گیم کسی کو نہیں بتاتے۔ جب وہ آپ کو باہر نکال لائیں گے' تب ہمیں پتا چلے گا کہ آپ کے باہر آنے سے انہیں کتنی زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''

وہ آگے کچھ اور کہنا چاہتا تھا پھر رک گیا۔ اسسٹنٹ جیلر نے آکر کہا ''مسٹر باقر! ملاقات کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ پلیز آپ تشریف لے آئیں۔''

وہ بولا ''بس اور پانچ منٹ۔ میں کچھ ضروری باتیں کر رہا ہوں۔''

''سوری مسٹر باقر! ان کی دوسری ملاقات آئی ہے۔ آپ یہاں سے چلیں۔''

ذیشان نے تعجب سے پوچھا ''دوسری ملاقات؟''

باقر مہدی نے مسکراتے ہوئے کہا ''میں نے کہا تھا نا کہ پابندیاں اٹھادی گئی ہیں۔ اب تو ملاقات کا سلسلہ رہے گا۔''

ذیشان نے سلاخوں کے پیچھے سے دیکھا۔ وہ دور کوریڈور میں ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ سرحدی علاقے کی خواتین کی طرح ایک چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔ صرف دو بڑی بڑی غزالی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ خوبصورت آنکھیں اس کے پورے وجود کی پہچان تھیں۔ ان آنکھوں کے ذریعے وہ لاکھوں میں پہچانی جاسکتی تھی۔

باقر مہدی نے مسکرا کر کہا ''ہائے! پابندیاں اٹھتے ہی سب سے پہلے دل کے دروازے پر دستک ہونے لگی ہے۔ اب تو یہاں سے چلنا ہی ہوگا۔''

وہ اسسٹنٹ جیلر کے ساتھ چلا گیا۔ وہ دور کھڑی اسے آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ ان لوگوں کے جاتے ہی ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ایک ایک قدم چلتی ہوئی اس کے قریب آنے لگی۔ قریب آکر اس نے چہرے پر سے چادر ہٹائی۔ آنسوؤں سے دھلا دھلایا اجلا چہرا نگاہوں کے سامنے آگیا۔ ہلکی ہلکی گلابی رنگت یوں لگ رہی تھی جیسے گلاب کی پتی دودھ میں گھل رہی ہو۔ اس نے بڑی محبت سے پوچھا ''کیوں رو رہی ہو؟''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی ''میری محبت آپ کو مہنگی پڑ رہی ہے۔''

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ عشق کا سودا ہمیشہ مہنگا پڑتا ہے۔''

''لیکن آپ کے ساتھ جو ہو رہا ہے' وہ محض میری نادانی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ آپ نے منع کیا تھا کہ مجھے یاور خان کو اپنے گھر لے جاکر اس کا علاج نہیں کرانا چاہیے۔ اگر میں آپ کی بات مان لیتی اور وہ آپ کی تحویل میں زیرِ علاج رہتا تو یہ بات باہر تک نہ جاتی۔ نہ سی۔ آئی۔ اے والے میرے گھر چھاپا مارتے اور ان کے سامنے یہ بات نہ کھلتی کہ آپ ایک رات دو بجے تک میرے کمرے میں رہ کر جاچکے ہیں۔''

''تم نے میری بات نہیں مانی۔ کوئی بات نہیں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اسے بھول جاؤ۔''

''کیسے بھول جاؤں؟ آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر تھے۔ آپ کے سامنے کوئی سر اٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ آپ سلاخوں کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی وردی اتر چکی ہے۔ آپ میری خاطر یہ ذلتیں اٹھا رہے ہیں۔ میں سوچتی رہتی ہوں اور اپنی ہی نظروں سے گرتی رہتی ہوں۔''

''میں تمہیں شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ اگر میں باہر آجاؤں تو کیا تمہاری شرمندگی دور ہو جائے گی؟''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہاں۔ کسی حد تک اطمینان ہو جائے گا۔ پھر میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کرے گا۔''

''جیل میں رہ کر مجھے زیادہ فائدہ ہے۔ تو کیا تم یہ نہیں چاہو گی کہ مجھے فائدہ پہنچتا رہے؟''

اس نے تعجب سے دیکھا پھر پوچھا ''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ جیل میں رہنے سے آپ کو بھلا کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''تم نہیں جانتیں اور نہ ہی جان سکو گی کہ جرائم کی دنیا میں کیسی کیسی ہیرا پھیری ہوتی ہے؟ اور کیسی کیسی قلابازیاں کھائی جاتی ہیں۔ یہاں رہنے سے میرے بہت بڑے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اب وہ مجھے باہر لانا چاہتا ہے۔ کوئی نئی سازش کر رہا ہے اور میں باہر نہیں جانا چاہتا۔''

اس نے بے یقینی سے پوچھا ''کیا واقعی آپ یہاں رہ کر محفوظ ہیں؟''

''ہاں۔ میری بات کا یقین کرو اور اپنی شرمندگی کو دل سے نکال دو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ مجھے پہلے سے زیادہ تم پر پیار آنے لگا ہے۔''

اس اظہارِ محبت نے اسے اندر سے تڑپا دیا۔ وہ جذبوں میں ڈوب کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ آنکھوں کے ذریعے دلوں میں اترتے رہے پھر وہ بولی ''میں بھی اپنے دل کی ایک بات کہتی ہوں۔ جب آپ نے کہا تھا کہ آپ بچے کی خاطر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں پھر بچہ حاصل کرنے کے بعد مجھے سابقہ شوہر سے رجوع کرنے کے لیے چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو مجھے بہت غصہ آیا تھا۔ میں اندر سے ٹوٹ گئی تھی۔ اسی لیے میں نے آپ کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا تھا اور آپ کی محبت سے انکار کیا تھا۔''

وہ سر ہلا کر بولا ''میں سمجھتا ہوں۔ وہ تمہارا غصہ تھا، انکار نہیں تھا۔ اس غصے کے پیچھے مجھے چھپا ہوا پیار دکھائی دے رہا تھا۔''

''ان لوگوں نے مجھے میری ہی کوٹھی میں قیدی بنا کر رکھا۔ حبسِ بے جا میں رہ کر پتا چلا کہ ساری دنیا سے کٹ گئی ہوں۔ ایسی مجبوری اور بے بسی کے وقت آپ ہی میرا ساتھ دے سکتے تھے لیکن میری نادانی کی وجہ سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں دن رات تنہا رہ کر آپ ہی کے بارے میں سوچتی تھی۔ جتنی شدت سے سوچتی رہی اتنی ہی شدت سے آپ کی محبت میرے دل میں جڑ پکڑتی رہی۔''

''تم ابھی چلی جاؤ گی لیکن تمہاری یہ باتیں تمہاری محبتیں اور تمہارے یہ جذبات یہاں کی تنہائیوں میں یاد آتے رہیں گے۔''

ایک سپاہی نے آکر کہا ''ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔''

ذیشان نے اس سے کہا ''ٹھیک ہے' یہ آرہی ہیں۔ تم جاؤ۔''

سپاہی وہاں سے چلا گیا۔ وہ بولی ''جانے سے پہلے میری ایک خواہش ہے۔''

''ہاں بولو۔ کیا چاہتی ہو؟''

''میں تمہیں چھونا چاہتی ہوں۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو بڑے پیار سے دیکھا پھر ذیشان اپنے دونوں ہاتھ آہنی سلاخوں کے درمیان لے آیا۔ گل خانم انہیں اپنی نرم و نازک انگلیوں سے جکڑ کر رونے لگی۔ دونوں کے لیے وہ دل گداز لمحات تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دل کھنچے جارہے تھے لیکن وقت ختم ہو رہا تھا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ الٹے قدموں جانے لگی۔ کچھ دور جاکر بولی ''میں فیصلہ کرچکی ہوں۔ آپ سے شادی کروں گی۔ آپ

کی زندگی میں جو کمی ہے' اسے پورا کروں گی۔ آپ کو اولاد دوں گی۔ اس کے بعد آپ کی زندگی سے بہت دور چلی جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر تیزی سے جانے لگی۔ ذیشان اسے دیکھتا رہا۔ وہ کوریڈور کے ایک موڑ پر جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی جیسے جانے والی کو دل کے اندر کھینچ رہا ہو۔ وہ جیل کے اس ماحول میں محبت کے پھول کھلا کر' خوشبو لٹا کر گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں کا جیلر اس کے پاس آیا پھر بولا "آپ جیسے اعلیٰ افسران اور عہدے داران جیل میں آتے ہیں تو ہمارا آرام حرام ہو جاتا ہے۔"

ذیشان نے مسکرا کر پوچھا "آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت کیوں گوارا کی ہے؟"

"ہم تو اوپر والوں کے تابعدار ہیں۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک میں کسی بھی سیاسی پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے۔ شہباز درانی ان حکمرانوں کے درمیان اپنی جگہ ضرور بنا لیتا ہے۔ ہمیں اس کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔"

"کیا کوئی نیا حکم صادر ہوا ہے؟"

جیلر نے موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ مسٹر درانی نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آپ اس کے ذریعے باہر کی دنیا سے رابطہ کر سکتے ہیں۔"

"اور کیا کہا ہے؟"

"ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کے ساتھ وی' آئی' پی' ٹریٹمنٹ کریں۔ آپ کو اے کلاس میں بھیجا جا رہا ہے۔ وہاں سونے کے لیے آرام دہ بیڈ ہے۔ فریج' ٹی' وی' وغیرہ سب کچھ ہے۔ وہاں آپ کی پسند کے لذیز کھانے فراہم کیے جائیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد آپ کو اے کلاس میں منتقل کیا جائے گا۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ ذیشان سمجھ رہا تھا کہ درانی اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے اس نے بچھو بابا کے نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر بولا "میں بول رہا ہوں۔"

بچھو بابا نے حیرانی سے پوچھا "کیا آپ جیل سے باہر آ چکے ہیں؟"

"نہیں۔ میں جیل میں ہوں۔ مجھے فون کرنے کی سہولت میسر ہے۔ تم اپنی بات بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"سر! پہلے تو میں نے آپ کے کہنے کے مطابق اسد عزیزی کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ آئندہ بھی اس کی دواؤں میں تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا لیکن درانی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہے۔ اس نے اسد عزیزی کو آج صبح کی فلائٹ سے کہیں بھیج دیا ہے۔"

"ہوں۔ اسد عزیزی اس کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اس کی حفاظت کے لیے بڑے وسیع ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔"

"میں نے آپ کے والد اور بھائی کو بینک جاتے وقت روکا تھا۔ ان کی تحویل سے دو کروڑ روپے نکلے' وہ میرے پاس تھے۔ میں آپ کے چھوٹے بھائی مقدر میاں کو وہ رقم دینا چاہتا تھا۔ پہلے تو انہوں نے رقم نہیں لی پھر ایک لڑکی عرصہ حیات کے نام سے ایک بینک میں اکاؤنٹ کھلوایا اور اس اکاؤنٹ میں وہ دو کروڑ جمع کروا دیے۔"

"عرصہ حیات میرے لیے ایک نیا نام ہے۔ پتا نہیں یہ لڑکی کون ہے؟ بہرحال مقدر میاں نے ایسا کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ وہ تم سے کس طرح کام لے رہے ہیں؟"

وہ بتانے لگا کہ اس نے کس طرح جان محمد گبول سے رابطہ کیا تھا۔ دردانہ کو کس طرح ڈکیتی اور قتل کے الزام میں گرفتار کرایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ میری پلاننگ کی وجہ سے ہوا تھا۔

ذیشان نے کہا "ہوں۔ اب میں سمجھا کہ شہباز درانی کے ہوش کیوں اڑے ہوئے ہیں؟ اور کیوں مجھ پر سے پابندیاں اٹھائی جا رہی ہیں۔"

بچھو بابا نے کہا "مقدر میاں کی پلاننگ تو واقعی زبردست تھی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا۔ دردانہ بیگم کو گرفتار بھی کر لیا گیا لیکن مقدر میاں نے پھر اس کیس کو کمزور بنا دیا اور دردانہ کو رہائی دلوا دی۔"

ذیشان نے تعجب سے پوچھا "اچھا؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں' انہوں نے مجھے نہیں بتایا ہے۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان کا یہ طریقہ کار پسند نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں وہ جیتی ہوئی بازی ہار گئے ہیں۔"

"وہ علم نجوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے۔ اس نے کچھ دیکھا ہوگا' سمجھا ہوگا تب ہی ایسا قدم اٹھایا ہے۔ میں ابھی اس سے رابطہ کر کے معلوم کروں گا۔ یہی سہولت ملتی رہی تو تم سے بعد میں رابطہ کروں گا۔"

اس بات چیت کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔ میں نے کہا "السلام علیکم بھائی جان! مجھے اندازہ تھا کہ آپ پر سے پابندیاں اٹھالی جائیں گی۔"

اس نے پوچھا "یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ پہلے دردانہ کو گرفتار کروایا پھر اسے رہائی بھی دلوا دی؟"

میں نے اسے بتایا کہ دردانہ نے کس طرح عینی کو اغوا کیا تھا اور پاشا کے ساتھ ایسی ویڈیو فلم تیار کی تھی جسے دیکھنے سے عینی بے حیا اور بدچلن ثابت ہوتی تھی پھر یہ بھی بتایا کہ دردانہ نے کس طرح اس کی والدہ بیگم آفتاب کو ہیروں کی چوری اور ثمینہ کے قتل کے الزام میں پھنسانا چاہا تھا اور اس کی ایک ویڈیو فلم تیار کی تھی۔ اس ویڈیو فلم کے باعث بیگم آفتاب اور فلک آفتاب اور بابر دردانہ کے زیر اثر آ گئے تھے۔ آئندہ وہ عدالت میں انہیں ان کے خلاف استعمال کرنے والی تھی۔

میں نے یہ بھی بتایا کہ اس پر اور گل خانم پر جو بدکاری کا الزام لگایا گیا تھا وہ اتنا سنگین تھا کہ اس سے بچ نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے میں نے شہباز درانی سے سودا کیا ہے۔ اس سے وہ تمام ویڈیو کیسٹس واپس لی ہیں اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس پر اور گل خانم پر سے بدکاری کا الزام اٹھا لیا جائے گا اور اس نے یہی کیا ہے۔

ذیشان نے تمام باتیں سننے کے بعد قائل ہو کر کہا "واقعی تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے۔ پہلے میری بہن عینی کو بے جا بدنامی اور رسوائی سے بچانا تھا پھر تمہی کو دردانہ کے شکنجے سے نکالنا تھا پھر تم نے پاشا کو بھی اس کی قید سے رہائی دلائی۔ تم نے دردانہ کو عارضی طور پر گرفتار کروایا اور اس کے بدلے بڑے بڑے مطالبات منوا لیے۔ تم نے بڑی ذہانت سے کام لیا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا شہباز درانی نے آپ سے رابطہ کیا ہے؟"

"اس نے ایک موبائل فون میرے پاس بھیجا ہے۔ ابھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوششیں کر رہا ہوگا لیکن میں نے اس فون کو مصروف رکھا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کوشش میں ہے کہ میں جیل سے باہر نکل آؤں؟"

میں نے پوچھا "کیا واقعی وہ ایسا چاہتا ہے؟"

"ہاں۔ اس کا ایک چمچہ میرے پاس آیا تھا۔ وہ یہی کہہ رہا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے خلاف کوئی بہت بڑی اور گہری سازش کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے مجھے جیل سے نکلوانے کی کوشش میں ہے۔"

"دراصل اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے کہ آپ کے جیل میں رہنے سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے۔ وہ آپ پر یہ الزام عائد نہیں کر سکتا کہ آپ نے اسد عزیزی کو عذاب میں مبتلا کیا' جس کی وجہ سے اسے ملک سے باہر بھیجنا پڑا۔ وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ جیل میں رہ کر میرے ذریعے باہر کام کرا رہے ہیں اور آپ نے میرے ہی ذریعے دردانہ کو گرفتار کرایا ہے۔"

"میں یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں' تم نے میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھی ہیں' کیا ایسی کوئی بات ہے کہ وہ مجھے جیل سے باہر نکال کر قتل کرانا چاہتا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کی زندگی کی لکیر بہت گہری ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ ایک طویل عمر تک زندگی گزاریں گے۔"

"درانی بہت چال باز ہے۔ وہ کسی تھرڈ پرسن کے ذریعے میری ضمانت کرائے گا اور جیل سے نکلوائے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کل اور پرسوں یہاں کی عدالتیں بند رہیں گی۔ وہاں سے ضمانت نامہ حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔ پیر کے دن ضمانت ہو جائے' کوئی بات نہیں۔ اس وقت تک شہباز درانی کے مقدر کی ایک لکیر اپنی بات منوا چکی ہوگی۔"

ذیشان نے چونک کر پوچھا "کیا اس کے ہاتھ کی لکیر کوئی اہم بات کہہ رہی ہے؟"

"بھائی جان! ابھی آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ پیر کے دن جب آپ جیل سے باہر آئیں گے' تب میں آپ کو ساری باتیں بتا دوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ اسما سے کہنا میں خیریت سے ہوں اور جلد ہی واپس آنے والا ہوں۔ خدا حافظ"

اس نے فون بند کر دیا۔ اسے بند کرتے ہی بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھے' وہ شہباز درانی کے نمبر نہیں تھے۔ وہ بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو۔ میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے یاور خان نے پوچھا "اے او افسر کی اولاد! اب اپنے آپ کو ایس' پی' کیوں نہیں بولتا؟ تو نے میری پٹائی کی تھی نا؟ مجھے اپاہج بنا دینا چاہتا تھا۔ دیکھ میں نے تیری وردی کیسے اتر وائی ہے۔ ہیلو۔ ہیلو۔ اے تو میری آواز سن رہا ہے نا؟"

ذیشان خاموش رہا۔ اس نے کہا "تیرے چپ رہنے سے کیا میں سمجھ لوں گا کہ تو مر گیا ہے، اب نہیں بولے گا؟ ابے او اجڑے ہوئے ایس' پی! تو میری عورت کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تیرے خلاف ایسا بیان دیا ہے کہ بدکاری کے الزام میں تجھے سنگسار کیا جائے گا۔ تجھے کتے کی موت مارا جائے گا۔"

زیشان خیالوں میں گل خانم کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر کہہ رہا تھا" تمہارا سابقہ شوہر تلملا رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ میں تمہیں حاصل نہیں کر سکوں گا۔ دیکھو، میں تمہارے پاس ہوں اور وہ ادھر کتے کی طرح بھونک رہا ہے۔"

دوسری طرف یاور خان کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ کسی سے کہہ رہا تھا" فون سے آواز نہیں آ رہی ہے۔ پتا نہیں اس نے کھلا چھوڑ دیا ہے اور کہیں چلا گیا ہے۔ میں اسے غصہ دلا رہا ہوں۔ اسے کچھ تو بولنا چاہیے۔"

باقر مہدی کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ وہ بول رہا تھا۔ "کہیں اس نے فون بند تو نہیں کیا ہے؟ اپنا فون دیکھو۔"

چند لمحوں بعد یاور خان کی آواز سنائی دی" فون تو کھلا ہے مگر ادھر سے آواز نہیں آ رہی ہے۔"

زیشان نے اسے یوں ہی کھلا رکھا پھر تھوڑی دیر بعد بند کر دیا۔ اسے بند کرتے ہی بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے نمبر پڑھے۔ اس بار شہباز درانی اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے فون کو ایک طرف رکھ دیا۔ وہاں سے بزر کی آواز ابھرتی رہی۔ وہ ایک جگہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دشمن کو زچ کرنے لگا۔ دشمن نے اپنی سہولت کے لیے اسے فون کی سہولت دی تھی اور خود اس سے محروم ہو رہا تھا۔

ادھر شہباز درانی غصے سے بھڑک رہا تھا۔ برداشت کی انتہا ہو گئی تھی۔ جب سے فون اس کے پاس بھیجا تھا تب سے وہ اس سے رابطہ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا اور ہر بار یہی معلوم ہوتا تھا کہ فون انگیج ہے۔ وہ کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ تقریباً پون گھنٹے تک فون انگیج رہا پھر پتا چلا' دوسری طرف بیل کی آواز جا رہی ہے اور اب وہ فون اٹینڈ کرنے ہی والا ہے لیکن بیل ہو رہی تھی اور وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔

دردانہ ڈرائنگ روم میں اس سے لگی بیٹھی تھی اور اس کی جھنجلاہٹ دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا" کیا ہوا، کیا پھر رابطہ نہیں ہو رہا ہے؟"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا" وہ جان بوجھ کر میری کال اٹینڈ نہیں کر رہا ہے۔ مجھے غصہ دلا رہا ہے۔"

"آج ہم جس شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہیں غصہ آ رہا ہے۔ پلیز برداشت کرو۔ دشمن کی چال کو سمجھو۔ وہ بہت چالاک ہیں۔ زیشان سے زیادہ مقدر حیات خطرناک ہے۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھ پر مصیبت آنے والی ہے۔ ٹھیک اسی وقت مصیبت آئی تھی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا تھا۔"

وہ دردانہ سے الگ ہو گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بڑبڑانے لگا" میں نے کبھی اس بری طرح شکست نہیں کھائی تھی۔ کبھی کسی چھوٹے معاملے میں ناکام بھی ہوا تو جلد ہی کامیابی کی صورت نکال لی۔ ابھی میری سمجھ میں بس ایک ہی بات آ رہی ہے اور اب میں اس پر عمل کروں گا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔"

وہ اسے بڑبڑاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ اس کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا" تم میری بہت بڑی کمزوری بن گئی ہو۔ آج تمہیں گرفتار کیا گیا اور میں تمہیں گرفتاری سے نہ بچا سکا تو اندر سے لرز گیا۔ ایک دم سے کمزوری محسوس کرنے لگا۔ دماغ کام نہیں کر رہا تھا کہ ایسے وقت مجھے کیا کرنا چاہیے، جبکہ میں بڑے بڑے دشوار مرحلوں سے گزر جایا کرتا ہوں۔ آج تمہاری وجہ سے کمزور ہو گیا۔"

وہ بولی" معلوم ہوتا ہے دشمن تمہاری دیوانگی کو سمجھ گئے ہیں اور تمہاری اس کمزوری سے آئندہ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"یہی بات میرے اندر چیخ رہی ہے۔ جب میں کسی طرح ان کے قابو میں نہیں آؤں گا' تو وہ تمہیں قابو میں کرنا چاہیں گے۔ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔"

"تم شہزور ہو۔ تمہیں آخری سانس تک شہزور رہنا چاہیے۔ میں تمہاری کمزوری نہیں بنوں گی۔ تم سے بہت دور چلی جاؤں گی۔"

"تم جہاں جاؤ گی دشمن تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ تمہیں چھپا کر رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا" میرا ایک ماتحت ماہر میک اپ مین ہے۔ لوگوں کے چہرے بدل دیتا ہے۔ میں نے ابھی اسے بلایا ہے۔ وہ تمہارے چہرے میں تبدیلیاں لائے گا۔ تمہیں جوان سے بوڑھی عورت بنائے گا۔ اس بوڑھی عورت کے چہرے کے مطابق تمہارا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کل تک تیار ہو جائے گا پھر کل ہی کی کسی فلائٹ سے تم لندن چلی جاؤ گی۔"

"تمہاری پلاننگ سن کر ایسا لگتا ہے جیسے ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں۔ میں کبھی یہاں واپس نہیں آ سکوں گی۔"

"یہاں آؤ گی۔ جب میں دشمنوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ ہم نے زیشان کے خلاف اچھے خاصے ثبوت اور گواہ اکٹھے کیے ہیں۔ فی الحال ہم اس معاملے کو عدالت تک

جانے کے لیے جلدی نہیں کریں گے۔ زیشان کو ڈھیل دیں گے۔

میری کوشش ہے کہ اس کی ضمانت ہو جائے اور وہ جیل سے باہر آ جائے۔ اس کے باہر آتے ہی میں الزام لگاؤں گا کہ اس نے تمہیں اغوا کیا ہے۔ وسیع پیمانے پر تمہاری تلاش جاری رہے گی مگر تم کسی کو نظر نہیں آؤ گی۔ یہ ثابت نہیں ہوگا کہ تم اس ملک سے باہر جا چکی ہو۔ کوئی یہ شبہ نہیں کرے گا کہ تم ایک بوڑھی خاتون بن کر یہاں سے گئی ہو۔ میں تمہارے اغوا کے الزام میں زیشان کو بری طرح جکڑ دینا چاہتا ہوں۔"

وہ تعریفی انداز میں بولی" پلاننگ تو بہت زبردست ہے۔"

"میں تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری طرف سے مقدمہ دائر کروں گا۔ اس کے خلاف جتنے ثبوت اور گواہ اکٹھے کیے ہیں' ان سب کو عدالت میں پیش کیا جائے گا پھر ایک دن اچانک ہی تمہیں عدالت میں پہنچایا جائے گا اور یہ ثابت کیا جائے گا کہ زیشان نے تمہیں اپنے خفیہ اڈے میں چھپا کر رکھا تھا اور تم پر ٹارچر کرتا رہا تھا۔"

وہ پھر ٹہلنے کے انداز میں ذرا دور گیا پھر بولا" اس بار میں بہت محتاط انداز میں چالیں چلوں گا۔ زیشان اور مقدر حیات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بہت بڑے چالباز ہیں۔ ایک جیل کے اندر چلا گیا۔ دوسرا اس کی جگہ ہمیں نقصان پہنچاتا رہا۔ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔"

دردانہ نے کہا" ساری کامیابیاں خاک میں مل گئیں۔ میں نے عینی اور بیگم آفتاب کے خلاف دو کیسٹ تیار کرائے تھے۔ دونوں زبردست تھے۔ میں ہمیشہ ان دونوں کو اپنے شکنجے میں رکھنے والی تھی لیکن وہ کم بخت مقدر میری رہائی کی شرط پر تمام کیسٹیں لے گیا۔ پاشا کو بھی ہماری قید سے نکال کر لے گیا۔ میں یہ شکست کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم درست فیصلہ کر رہے ہو۔ مجھے تمہاری کمزوری نہیں بننا چاہیے اور یہاں سے دور چلے جانا چاہیے۔"

شہباز درانی چپ تھا۔ خلا میں تک رہا تھا۔ اس کے ذہن میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اب وہ اس بساط پر نئی چالیں چل رہا تھا۔ شیطان نہ کبھی مرتا ہے اور نہ شکست کھا کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر کبھی دو قدم پیچھے ہٹ جائے تو آئندہ چار قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔

☆☆☆

عینی اسپتال میں ایڈمٹ ہو چکی تھی۔ وہ اسپیشل وارڈ کے ایک کمرے میں عروج کے ساتھ تھی۔ وہاں سے قریب ہی رومانہ کا کمرا تھا۔ وہ بے چاری اپنی زندگی کے لیے موت سے آخری جنگ لڑ رہی تھی۔

وہاں کے ڈاکٹر رومانہ کو بڑی توجہ سے اٹینڈ کر رہے تھے۔ عروج بھی ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بار بار اس کے پاس جا رہی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ موت سے ہارتے ہارتے بھی آخری بار جیتنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ ڈاکٹر کا کام جھوٹی تسلیاں دینا ہے۔ وہ بھی جاوید برقی اور اس کے بچوں کو جھوٹی تسلیاں دے رہی تھی۔

وہ رومانہ کے دونوں بچوں اشعر اور ماہم کو عینی کے کمرے میں لے آئی۔ عینی کو بھی ان بچوں سے ہمدردی اور محبت ہو گئی تھی۔ وہ بے چارے ماں کے قریب تھے۔ ماں کا سینہ بچوں کے لیے ہوتا ہے لیکن وہ ماں آخری سانسوں میں پرائی ہو گئی تھی۔ بچوں کو سینے سے لگانے کے لیے سینے کے سرطان سے زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

عینی نے تاریکی میں ٹٹول کر ان بچوں کو سینے سے لگایا پھر عروج سے کہا" اگر اللہ تعالیٰ میری رضا پوچھے کہ آنکھ کی روشنی چاہیے یا ان بچوں کی ماں کی زندگی؟ میں ان معصوم بچوں کے لیے ماں کی زندگی چاہوں گی۔ مجھے ایسی بینائی نہیں چاہیے' جو ان بچوں کو ماں سے محروم کر دے۔"

عروج نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا" میں بھی اس بے چاری کی زندگی چاہتی ہوں۔ زیادہ نہ سہی' بچوں کے لیے تھوڑی سی اور زندگی مل جائے لیکن افسوس! ہم اپنی ہر سوچی ہوئی تدبیر سے لڑ سکتے ہیں، تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔"

ان لمحات میں عینی کو یوں لگا جیسے رومانہ اس کے اندر کہہ رہی ہے" میں مرنے والی نہیں ہوں۔ مقدر سے لڑنے والی ماں ہوں۔ جب تمہاری یہ آنکھیں تاریکی سے روشنی کی طرف کھلیں گی تو تم صرف تم نہیں رہو گی۔ تمہارے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ تمہاری بینائی میں میری ممتا کوٹ کوٹ کر بھری ہو گی۔"

یہ عینی کے احساسات اور جذبات تھے ایک مرنے والی کے لیے شدید ہمدردی تھی' جس کے نتیجے میں وہ دم توڑنے والی رومانہ کو اپنے اندر محسوس کر رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ماں اب اپنے بیڈ پر نہیں ہے۔ وہاں سے اٹھ کر اس کے اندر چلی آئی ہے۔ اس کے دل و دماغ میں نقش ہو رہی ہے۔

عینی اور رومانہ کے کمروں میں بڑی سوگواری تھی۔ گہری خاموشی اور سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں یوں لگ رہا تھا جیسے

رات رو رہی ہو۔ معصوم بچوں کی ماں کے لیے نوحہ کر رہی ہو۔

کوئی پوچھے کہ میں کیا ہوں؟

میں مقدر ہوں۔ رحم دل بھی ہوں اور سنگدل بھی۔ جب دوستی کرتا ہوں تو ایک دم توڑتے ہوئے بچے کو نئی زندگی دے کر ماں کے کلیجے سے لگا دیتا ہوں اور جب دشمنی کرتا ہوں تو ماں کی گود میں بلکتے ہوئے بچے کو مار ڈالتا ہوں۔ یہ واضح کر دوں کہ لکیروں کی صورت میں جو تقدیر لکھ دی گئی ہے۔ میں اسی کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ انہی لکیروں پر چلتے ہوئے میں رحمت کا فرشتہ بھی بن جاتا ہوں اور جلاد بھی۔

صبح ہوتے ہوتے میں جلاد بن گیا۔ میں نے ان معصوم بچوں سے ان کی ماں کو چھین لیا۔ اس کا سرطان زدہ سینہ سانسوں سے خالی ہو گیا۔ مرنے والوں کے لیے ماتم تو ہوتا ہی رہتا ہے لیکن طے شدہ عطیہ کے لین دین کے مطابق فوری آپریشن لازمی تھا۔ اس لیے عینی کو بھی آپریشن تھیٹر پہنچا دیا گیا۔

وقت گزرنے لگا۔ رات سے صبح ہو گئی۔ صبح سے شام ہو گئی۔ انسان اپنی ذہانت اور حوصلے سے تدبیر کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ رومانہ کے مقدر میں لکھی ہوئی موت ٹل نہیں سکتی تھی لیکن اس نے اپنی زندگی میں ایسی تدبیر کی تھی کہ اپنی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتی تھی۔

عینی کو آنکھیں مل گئیں۔ وہ آنکھیں ابھی بند تھیں۔ پٹیاں کھلنے والی تھیں۔ میں مقدر ہوں۔ مانتا ہوں جو ذہین اور مضبوط ارادوں کے مالک ہوتے ہیں' وہ اپنی تدبیر سے تقدیر بدل دیتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ مرنے والا اپنی تدبیر سے دوبارہ زندہ ہو جائے۔

کیا رومانہ پھر اس دنیا میں واپس آ سکتی تھی؟

ماں کی ممتا تو عرش کو ہلا دیتی ہے، تو پھر موت کے قدم کیوں نہیں اکھاڑ سکتی؟

عینی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے پٹی کھولنے سے پہلے پوچھا ''تم پہلے کسے دیکھنا چاہو گی؟''

وہاں فلک ناز، بیگم آفتاب، فلک آفتاب، بابر وغیرہ سب ہی موجود تھے لیکن اس وقت اہمیت عروج اور پاشا کی تھی۔ وہ دونوں عینی کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ وہ بھی وہاں موجود تھے۔

سب ہی عینی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جاوید برقی اپنے معصوم بچوں کے ساتھ وہاں سوگوار بیٹھا ہوا تھا۔ پاشا سوچ رہا تھا ''یہ میری دیوانی ہے اور مجھے ہی پہلے دیکھنے کی فرمائش کرے گی۔''

عروج اپنی سہیلی کی دیوانہ وار محبت کو خوب سمجھتی تھی۔ جانتی تھی کہ ابھی پٹی کھلنے سے پہلے وہ اسی کو پکارے گی۔ پٹی آہستہ آہستہ کھل چکی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سب سے پہلے اپنی محبوب ہستی کو دیکھنے کے لیے اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ بولنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا ''اپنے سامنے کسی کو بلاؤ اور آنکھیں کھولو۔''

آنکھوں سے پہلے اس کے ہونٹ کھلے پھر وہ جس آواز اور لہجے میں بولی' اسے سن کر سب ہی چونک گئے۔ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی ''میرے سامنے میرے بچوں کو لاؤ۔ پہلے میں اپنے اشعر اور اپنی ماہم کو دیکھوں گی۔''

آواز عینی کی ہی تھی لیکن اس آواز میں ایسا استحکام ایسا اعتماد تھا جیسے اس کے اندر سے ماں اپنے بچوں کو پکار رہی ہو۔ ایک زندگی ہارنے کے بعد دوسری زندگی پاتے ہی سب سے پہلے اپنے بچوں کو دیکھنا چاہتی ہو۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ نگاہوں کے سامنے دو معصوم سے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی دونوں بانہیں پھیلا کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، اپنے سینے سے لگا لیا پھر دونوں کو جگہ جگہ سے چومنے لگی۔ کبھی گلے سے لگانے لگی اور کبھی سینے سے۔ اب وہ سینہ سرطان زدہ نہیں تھا۔ ایک ماں کینسر کو کچلتی ہوئی' اسے روندتی ہوئی اپنے بچوں تک پہنچ گئی تھی۔

میں وہاں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیا عجیب کھیل ہوتے ہیں مقدر کے۔ اب وہ صرف عینی نہیں رہے گی۔ اس کی ہتھیلی پر یہ لکیر بہت واضح ہو گئی تھی اور کہہ رہی تھی ''وہ تو ان دن ہو گئی ہے۔ ایک وجود کے اندر عینی بھی ہے اور بچوں کی ماں بھی۔''

ایسے ہی وقت سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

عینی نے ایک بازو سے اشعر کو اور دوسرے بازو سے ماہم کو سمیٹ لیا تھا۔ اپنے سینے سے لگا کر وہ کبھی انہیں چوم رہی تھی، کبھی انہیں جی بھر کے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف رشتہ داروں کا ہجوم تھا۔ وہ سب اس کی ممتا پر حیران تھے۔ جب وہ بچوں کو چوم کر انہیں نظر بھر کر دیکھتی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے ان کی ماں جھانک رہی ہے اور وہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سونے کے باوجود اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہے۔

دنیا کے ہر جاندار کو ایک ہی بار زندگی ملتی ہے۔ جب موت آ جائے تو مرنے والا دوبارہ اس دنیا میں کبھی نہیں آتا۔ ان بچوں کی ماں بھی اپنے پورے وجود کے ساتھ تو اس دنیا میں واپس نہیں آئی تھی لیکن ایک اور ماں بچوں کی نگرانی کرنے والی آنکھیں واپس لے آئی تھی۔

ان کی ماں نے کینسر کے عذاب میں مبتلا رہ کر جان دی تھی۔ وہ دم توڑنے سے پہلے اپنے بچوں کے لیے تڑپتی رہی تھی، ترستی رہی تھی۔ وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی موت نے عینی کو متاثر کیا تھا۔ بچوں کے لیے ان کی ماں کی جو تڑپ اور بے چینی تھی' وہ اس کے ذہن میں نقش ہو گئی تھی۔ اس کی ممتا اس پر حاوی ہو گئی تھی۔ اگر ماہرین نفسیات سے پوچھا جاتا تو وہ یہی کہتے کہ ان حالات میں وہ دوہری شخصیت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ آئندہ وہ صرف عینی نہیں رہے گی، بلکہ ان بچوں کی ماں رومانہ بھی اس کے اندر رچی بسی رہے گی۔

عروج اور پاشا دور کھڑے اس کی ممتا کو دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عارضی طور پر مرنے والی سے متاثر ہو کر ان بچوں کو پیار دے رہی ہے۔ اسما، فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب سب ہی اس کے بیڈ کے قریب آ گئے۔ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ کسی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ سب ہی اسے بینائی حاصل کرنے پر مبارک باد دینے لگے۔ جاوید برقی بھی یہ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ وہ اس کے بچوں کو اس قدر محبت دے رہی ہے۔

عروج نے پاشا کو دیکھا پھر سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ سائے کی طرح ساتھ لگا رہا۔ وزیٹرز روم میں آ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستگی سے پوچھا ''تم یہاں کیوں آ گئے؟''

اس نے پوچھا ''تم کیوں آئی ہو؟''

''پلٹ کر سوال نہ کرو۔ وہ ابھی تمہیں پوچھے گی۔''

''وہ تمہیں پوچھے گی۔ تم اس کی سب سے عزیز سہیلی ہو۔ بچپن سے دن رات اس کے ساتھ رہتی آئی ہو۔''

''لڑکیاں بچپن سے اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہیں لیکن جب ان کی زندگی میں ان کا جیون ساتھی آتا ہے تو وہ ماں باپ کو بعد میں اور جیون ساتھی کو پہلے پوچھتی ہیں۔ جب ماں باپ کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے تو پھر ایک سہیلی کی کیا بساط ہے۔''

''جب سے اس گھر میں آیا ہوں۔ تم دونوں سہیلیوں کی بے مثال محبت اور قربانیوں کے واقعات سن رہا ہوں' اس لیے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ابھی مجھے نہیں تمہیں ڈھونڈے گی۔''

''پاشا! میں ڈاکٹر ہوں اور علم نفسیات سے بھی بڑی حد تک لگاؤ رکھتی ہوں۔ خاص طور پر لڑکیوں کی فطرت جانتی ہوں کہ جوان ہوتے ہی وہ سارے رشتے بھول کر صرف اپنے جیون ساتھی کے رنگ میں رنگ جاتی ہیں۔''

''یہاں بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چلو وہاں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے کس کی طرف دیکھے گی، کسے اپنے پاس بلائے گی؟''

''کمرے میں رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سبھی اسے مبارک باد دے رہے ہیں، دعائیں دے رہے ہیں۔ جب بھیڑ چھٹ جائے گی تب میں جاؤں گی۔''

اسے بینائی ملی تھی۔ مبارک باد دینے والوں کی بھیڑ کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ وہاں جاوید برقی کے والدین بھی عینی سے ملنے آئے۔ ان کے ساتھ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی تھی۔ جاوید نے کہا ''عینی ان سے ملو۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میری والدہ ہیں۔''

پھر اس نے جوان لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میری بہن شکیلہ ہے۔''

شکیلہ نے جلدی سے کہا ''مجھے بہن تو نہ کہو۔ ہم ایک ہی باپ کی اولاد نہیں ہیں' تمہیں کزن کہنا چاہیے۔''

شکیلہ کی ماں جاوید برقی کی سوتیلی ماں تھی اور اس کا نام بی پاشا تھا۔ اس نے انڈیا میں ایک شوہر کو چھوڑ کر یہاں جاوید برقی کے باپ صمد بیوپاری سے شادی کی تھی۔ شکیلہ اس کے پہلے شوہر کی بیٹی تھی۔

ان سب کی مختصر سی ہسٹری یہ تھی کہ جاوید برقی اکلوتا بیٹا تھا۔ صمد بیوپاری کے تمام کاروبار اور جائیداد کا وارث تھا۔ بی پاشا کی یہ خواہش رہی تھی کہ جاوید اس کی بیٹی شکیلہ سے شادی کر لے لیکن وہ رومانہ کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور اس نے رومانہ سے شادی کی تھی، جس کے نتیجے میں اس کے دو بچے

اشعر اور ماہم پیدا ہوئے تھے جواب عینی سے لگے بیٹھے تھے۔

جاوید اپنی سوتیلی ماں بی پاشا سے متنفر تھا پھر بھلا اس کی بیٹی کو کیسے پسند کر سکتا تھا؟ ان کے خاندان میں سوتیلوں کی روایتی جنگ اور سازشیں جاری رہتی تھیں۔ بی پاشا اور شکیلہ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ وہ کسی طرح رومانہ کو طلاق دیدے، اسے اپنی زندگی سے نکال دے یا رومانہ کو موت آجائے۔ کسی کے کوسنے سے کوئی نہیں مرتا لیکن بی پاشا کی زبان کالی تھی' جو بات زبان سے نکلی تھی، پوری ہوگئی۔ رومانہ اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔

جب رومانہ موت کی دہلیز پر تھی تب بی پاشا کو یہ امید ہو گئی تھی کہ اس کے مرتے ہی شکیلہ جاوید کی دلہن بن سکے گی۔ وہ اپنے شوہر صمد بیوپاری کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ آئندہ اس کی بیٹی اس گھر کی بہو بن کر رہے گی۔

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''شکیلہ تمہاری ہی نہیں' میری بھی بیٹی ہے' میں اسے ضرور بہو بنانا چاہتا ہوں لیکن ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے' رومانہ بسترِ مرگ پر ہے اور یہ وصیت لکھ چکی ہے کہ اس کی آنکھیں صرف اسی ضرورت مند لڑکی کو دی جائیں جو جاوید سے شادی کرنے اور اس کے بچوں کو پیار سے رکھنے پر تیار ہو۔

بی پاشا دعائیں مانگ رہی تھی اور یہ کوشش کر رہی تھی کہ ایسی کوئی ضرورت مند لڑکی نہ ملے جو آنکھوں کا عطیہ لینے کے لیے جاوید سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔ شکیلہ ان معصوم بچوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی مگر وہ معصوم بھی ایسے تھے کہ اس سے دور بھاگتے تھے۔

جاوید اپنے بچوں کو ان ماں بیٹی سے دور رکھتا تھا۔ اسی لیے اس نے عینی سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس سے شادی کرے یا نہ کرے لیکن بچوں کو ممتا دینے پر راضی ہو جائے۔ اس نے یہ لکھ کر دیا تھا کہ عینی کو رومانہ کی آنکھیں مل جائیں گی تو وہ عینی سے شادی کرنے کا تقاضا نہیں کرے گا۔

وہ تقاضا بھی کیسے کرتا؟ پاشا جب دردانہ کی قید سے رہائی پا کر آیا تو جاوید برقی کو بتایا گیا کہ عینی اس کی شریکِ حیات ہے۔ یہ بات بی پاشا اور شکیلہ کو بھی معلوم ہوئی' انہیں کسی حد تک اطمینان ہوا۔ بی پاشا نے اپنے شوہر سے کہا ''اب جاوید اور میری بیٹی کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ رومانہ کے چالیسویں کے بعد ان کی شادی ہو سکتی ہے۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''بی پاشا! میں اپنے بیٹے کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وہ کبھی شکیلہ سے شادی کے لیے راضی نہیں ہوگا۔''

''آپ ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا چاہیں گے تو نکل آئے گا۔ میری بات مانیں' اسے یہ دھمکی دیں کہ اس نے آپ کی بات نہ مانی اور شکیلہ سے شادی نہ کی تو آپ اسے عاق کر دیں گے۔ اپنے کاروبار اور تمام جائداد سے محروم کر دیں گے۔ آپ کی اس دھمکی کا ضرور اثر ہوگا۔''

صمد بیوپاری نے اپنی جوان بیوی کو خوش کرنے کے لیے بیٹے کو سمجھایا کہ اب رومانہ نہیں رہی' لہٰذا اسے شکیلہ سے شادی کر لینی چاہیے۔ اس نے کہا ''ڈیڈی! آپ ابھی شادی کی بات نہ کریں۔ میں اتنی جلدی رومانہ کا غم بھلا نہیں سکوں گا۔''

''ہماری دنیا میں کوئی کسی کے لیے ساری زندگی نہیں روتا۔ اپنوں کی موت کا یقیناً دکھ ہوتا ہے لیکن یہ دکھ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ بولا ''میرا دکھ میرا صدمہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ رومانہ نہ ہونے کے باوجود میری آنکھوں کے سامنے زندہ رہے گی۔ جب بھی میں عینی کی آنکھوں میں اپنے بچوں کے لیے ممتا دیکھوں گا تو وہ میرے سامنے جی اٹھے گی۔ بس میں یہی دیکھ دیکھ کر بہلتا رہوں گا اور اپنے بچوں کی خوشیوں میں خوش رہوں گا۔ مجھے اب کسی شریکِ حیات کی ضرورت نہیں ہے۔''

باپ نے کہا ''ہمیں تو ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہمارے گھر میں اور اولاد پیدا ہو، تاکہ ہمارا پھیلا ہوا کاروبار اور پھیلی ہوئی جائداد سنبھال سکے۔''

''ڈیڈ! آپ اپنے کاروبار اور جائداد کو سنبھالنے کے لیے میری تمنا کرتے رہے، میں پیدا ہوگیا۔ میرے بعد آپ کی کوئی اولاد زندہ نہ رہ سکی۔ پھر میں نے شادی کی۔ آپ کے لیے ایک اور وارث پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس پوتے اشعر کو سلامت رکھے۔ ہماری آئندہ نسلوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب اور کیا چاہتے ہیں آپ؟''

لیکن بی پاشا چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی گھر کی بہو بنے اور ان کی دولت اور جائداد کے لیے وارث پیدا کرے۔ وہ جو وارث اشعر پیدا ہو چکا تھا وہ ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ وہ ماں بیٹی اس کانٹے کو کسی بھی وقت اپنے راستے سے ہٹا سکتی تھیں۔

یہ جاوید برقی اور اس کے دو بچوں کی مختصر سی گھریلو کہانی تھی۔ عینی دوہری شخصیت اختیار کر کے ان کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرنے آگئی تھی۔ بی پاشا اپنے شوہر کو گھر سے یہ سبق سکھا پڑھا کر لائی تھی۔ ''ان بچوں کو عینی کے پاس نہیں رہنا چاہیے۔ اشعر آپ کا ایک ہی جانشین ہے۔ اس کی پرورش ہمارے گھر میں اور ہماری نگرانی میں ہونی چاہیے۔''

وہ اپنے میاں کو اچھی طرح سے سکھا پڑھا کر عینی کے ...رے میں آئی تھی۔ جاوید برقی نے عینی سے ان کا تعارف ...رایا۔ وہ سب بظاہر اسے بینائی حاصل کرنے پر مبارک باد ...رہے تھے اور بڑی توجہ سے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ ...رہے تھے۔

عینی کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ عام سی ...نہیں تھیں لیکن بی پاشا اور شکیلہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان ...نکھوں کے پیچھے سے رومانہ انہیں دیکھ رہی ہے اور نفرت سے ...ور رہی ہو۔ رومانہ جب تک زندہ رہی ساس بہو میں جھگڑا ...تا رہا۔ اسی لیے عینی کی آنکھیں بی پاشا کو اپنے دماغ میں ...بتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

صمد بیوپاری نے مسکرا کر عینی سے کہا'' بچے تم سے مانوس ...گئے ہیں۔''

بی پاشا نے کہا ''بچوں کا ذہن تو کچا ہوتا ہے۔ انہیں ...ھر موڑ دو وہ مڑ جاتے ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر ننھی ماہم سے بولی ''بیٹی ماہم! میرے ...س آؤ۔ میں تمہاری دادی ہوں۔''

ماہم انکار میں سر ہلا کر عینی سے چپک گئی۔ شکیلہ نے ...عر سے کہا ''میں تمہارے لیے نئے ویڈیو کارٹون لے کر آئی ...ں۔ میرے ساتھ آؤ' ہم کارٹون دیکھیں گے۔''

وہ عینی کے بازو سے لگ کر بولا ''نہیں۔ یہ ہماری امی ...ں۔ ہم ان کے پاس رہیں گے۔''

جاوید برقی نے بی پاشا سے کہا ''بچوں کا ذہن کچا ہوتا ...ہے لیکن آپ پچھلے تین برسوں سے انہیں اپنی طرف نہ موڑ ...سکیں۔ عینی نے ایک ہی دن میں انہیں اپنی طرف مائل کر لیا ...ہے۔''

شکیلہ نے پریشان ہو کر ماں سے کہا ''ممی! یہ اشعر عینی کو ...بھی امی کہہ رہا ہے۔''

بی پاشا نے ناگواری سے کہا ''امی کہہ دینے سے ماں ...بیٹے کا رشتہ نہیں ہو جاتا۔ خون کا رشتہ ہم سے ہے' ہم سے ہی ...رہے گا۔''

جاوید برقی نے کہا ''سوری ممی! میرا اور میرے بچوں کا ...آپ سے خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

بی پاشا نے سبکی محسوس کی۔ فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور ...ملہ ناز کی طرف دیکھا پھر اپنے میاں سے بولی ''دیکھیں، یہ ...سب کے سامنے میری انسلٹ کر رہا ہے۔ میرے رشتے سے ...انکار کر رہا ہے۔''

صمد بیوپاری نے کہا ''جاوید! یہ کیا گستاخی ہے؟ تم اپنی ماں کے رشتے سے انکار کر رہے ہو؟''

بی پاشا نے پوچھا ''کیا آپ نے مجھ سے نکاح نہیں پڑھایا ہے؟ کیا میں کہیں سے بھاگ کر آئی ہوں؟''

''میرے ڈیڈی نے بے شک آپ سے نکاح پڑھایا ہے۔ رشتے سے آپ میری امی ہیں لیکن آپ نے مجھے جنم نہیں دیا ہے۔ لہٰذا آپ سے میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

باپ نے کہا'' جاوید! فضول بحث نہ کرو۔ یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ عینی میری پوتی پوتے کو ماں کا پیار دے رہی ہے لیکن یہ بچے میرے سائے میں، میری چھت کے نیچے پرورش پائیں گے۔''

''ڈیڈ! مرحومہ کی لکھی ہوئی آخری وصیت میرے پاس ہے۔ اس کے مطابق عینی اور رومانہ کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ عینی اس کی آنکھوں کے عطیہ کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی قبول کرے گی' انہیں ماں کی ممتا دے گی۔ لہٰذا میں اپنی مرحوم بیوی کی آخری وصیت پر عمل کروں گا۔ بچے بے شک آپ کے سائے میں رہیں گے لیکن عینی کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ رہا کریں گے۔''

عینی نے کہا'' بچے کبھی میرے گھر میں رہیں' کبھی آپ کے، یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں چاہتی ہوں آپ انہیں میرے پاس ہی رہنے دیں۔ آپ چاہیں تو ان کے ساتھ میرے گھر میں رہ سکتے ہیں۔ ان کے دادا، دادی سب ہی میرے گھر آ کر ان بچوں سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میں ہر ہفتے اتوار کے دن انہیں آپ کے گھر لے آیا کروں گی۔ یہ دادا دادی کے ساتھ بھی چند گھنٹے گزار لیا کریں گے۔''

بی پاشا نے کہا'' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یہ ہفتے میں ایک بار آئیں گے اور ہمارے پاس چند گھنٹے رہ کر چلے جائیں گے۔ تم تو خواہ مخواہ ان بچوں پر قبضہ جما رہی ہو۔''

عینی نے کہا'' میں جاوید صاحب سے رسمی طور پر اجازت لے رہی ہوں ورنہ رومانہ سے جو میرا معاہدہ ہو چکا ہے اس کے مطابق یہ دونوں بچے میرے ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ان کے باپ کی رضامندی مجھے حاصل ہو جائے تو یہ ہمیشہ میرے ہی پاس رہیں گے۔''

صمد بیوپاری نے کہا'' صرف باپ کی نہیں، دادا کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ جاوید! میرے ساتھ گھر چلو۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ ہم آپس میں بیٹھ کر بچوں کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ میں گھر جا رہا ہوں۔ وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ بی پاشا اور شکیلہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب پہلے ہی وہاں سے جا چکے تھے۔ فلک ناز رہ گئی تھی۔ اس نے کہا ''مسٹر جاوید! بہتر ہے کہ گھر جا کر اپنے بزرگوں سے بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ بزرگوں کے درمیان اختلافات رہیں گے تو ان کی تعلیم و تربیت پر برا اثر پڑے گا۔''

وہ بولا ''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ میرے بچے عینی کے پاس رہیں گے۔ میں روزانہ صبح یا شام ایک بار آ کر ان سے مل لیا کروں گا اور ہفتے میں ایک دن ان کے دادا سے انہیں ملایا جائے گا۔''

ڈاکٹر نے آ کر عینی سے کہا ''اب ذرا آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں تمہاری آنکھوں کا معائنہ کروں گا۔''

جاوید برقی نے آگے بڑھ کر ماہم کو گود میں لیا پھر اشعر سے کہا ''آؤ، میں تم دونوں کو آئسکریم کھلا لاؤں۔''

اشعر بیڈ سے اتر گیا پھر اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر جاتے ہوئے بولا ''ممی! میں ابھی آؤں گا۔''

عینی نے مسکرا کر کہا ''ہاں بیٹے! ضرور آنا۔ ابھی جاؤ، آئسکریم کھاؤ۔ انجوائے کرو۔''

وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ ڈاکٹر اس کی آنکھوں کا معائنہ کرنے لگا پھر اس کی آنکھوں میں دوا ڈال کر چلا گیا۔ عینی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ بند آنکھوں کے اندھیرے میں اسے پاشا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ دھندلا دھندلا سا چہرہ تھا۔ بینائی ملنے کے بعد اس نے پاشا کو نہیں دیکھا تھا۔ بچوں کی ممتا نے اسے سب ہی کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ ان لمحات میں اس نے حیرانی سے سوچا ''یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں نے پاشا کو کیسے بھلا دیا؟ مجھے تو بینائی ملتے ہی سب سے پہلے اسے دیکھنا چاہیے تھا۔ اب تو میں اسے بالکل واضح طور پر دیکھ سکوں گی۔ سر سے پاؤں تک جی بھر کے دیکھتی رہوں گی' تب بھی دل نہیں بھرے گا۔''

پھر اسے عروج کی یاد آئی۔ وہ حیرانی سے بولی ''یا خدا! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز سہیلی کو بھی بھلا دیا ہے۔ اب اس کی یاد آ رہی ہے۔ وہ اسی کمرے میں تھی۔ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے؟''

اسے فلک ناز کی آواز اپنے قریب سنائی دی ''عینی تم کچھ سوچ رہی ہو؟''

وہ بولی ''پھوپی جان! وہ۔ میں پاشا اور عروج کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''یہیں کہیں ہوں گے۔ میں انہیں بلا کر لاتی ہوں۔''

فلک ناز وہاں سے چلتی ہوئی وزیٹرز روم میں آئی عروج اور پاشا کو دیکھ کر بولی ''عینی تم دونوں کو یاد کر رہی ہے۔''

اس نے پاشا کو دیکھا پھر عروج سے طنزیہ انداز میں بولی۔ ''تعجب ہے آج اتنی بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ تمہاری سہیلی کو بینائی ملی ہے اور تم یہاں انجوائے کر رہی ہو؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فلک ناز نے کہا ''پاشا میاں تمہیں بھی جانا چاہیے۔ وہ تم دونوں کو یاد کر رہی ہے۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اور عروج نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا پھر وہاں سے چلتے ہوئے عینی کے کمرے کے سامنے پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے پاشا سے کہا ''تم جاؤ۔''

''تم اس کی بچپن کی سہیلی ہو۔ تمہیں پہلے جانا چاہیے۔''

''تم اس کے مجازی خدا ہو۔ تمہیں جانا چاہیے۔ میں بعد میں آؤں گی۔''

''تم سہیلی کی محبت میں مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئیں۔ اب میاں بیوی کو ملانے کی خاطر سہیلی سے بھی دور ہو رہی ہو۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ ہم دونوں کو آگے بڑھا کر خود پیچھے جاؤ۔''

''ہم خواہ مخواہ بحث کر رہے ہیں۔ دروازہ کھولو۔ ساتھ ہی چلیں گے۔''

پاشا نے دروازہ کھولا۔ اس وقت عینی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دونوں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ عروج نے آہستگی سے کہا ''جاؤ' فوراً اس سے ملو۔ اسے مبارک دو۔''

وہ بھی آہستگی سے بولا ''تم آگے بڑھو پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

عینی نے انہیں دیکھ کر تعجب سے پوچھا ''وہاں کیوں رک گئے ہو؟ یہاں آؤ۔''

وہ بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گئی پھر اس نے دونوں کے لیے بانہیں پھیلائیں۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ پاشا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ عروج نے اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ دونوں اسے مبارک باد دینے لگے۔ وہ عروج کے ساتھ بچپن سے رہتی آئی تھی لیکن پاشا کو پہلی بار واضح طور دیکھ رہی تھی۔ اس لیے دیر تک اسے ہی دیکھتی رہی۔

اسے پاشا کے ساتھ گزارے ہوئے سہاگ کے لمحات یاد آ رہے تھے۔ وہ اس قدر قریب تھا کہ اس سے رہا نہ گیا۔ آگے کی طرف جھک کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ خوشی کے مارے رونے لگی۔ پاشا نے جھجکتے ہوئے عروج کو دیکھا۔ عروج نے اس کے شانے کو تھپک کر اشارے سے سمجھایا

ابھی اسے اپنی شریک حیات کے ساتھ رہنا چاہیے۔

پھر وہ عینی سے ذرا دور ہوئی۔ اس نے آتے ہوئے دیکھا تھا کہ عینی نے دونوں کے لیے بانہیں پھیلائی تھیں لیکن بینائی ملنے کے بعد عروج کو نہیں دیکھا۔ پاشا کو ہی دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ چھوڑ کر پاشا کے سینے سے لگ گئی اور اسے یاد نہ رہا کہ اس کی عزیز ترین سہیلی بھی وہاں موجود ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ دونوں سہیلیوں نے کتنی ہی بار تنہائی میں پاشا کے متعلق باتیں کی تھیں اور یہ طے کیا تھا کہ شادی کے بعد دونوں ہی پاشا سے برابر کی محبت کریں گی اور پاشا کو بھی مجبور کریں گی کہ دونوں کو برابر کی محبت دیا کرے۔ وہ تینوں ازدواجی زندگی کے دوران محبت کا توازن قائم رکھیں گے۔

وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ عینی نے پوچھا تک نہیں کہ تم مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟ یہ وہی عینی تھی جو دن رات اس کے ساتھ رہتی تھی اور کبھی ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ عروج صرف اس کی سہیلی ہی نہیں تھی، ڈاکٹر بھی تھی۔ اسے بینائی واپس دلانے کے سلسلے میں آئی بینک والوں سے بھی رابطہ کرتی رہی تھی۔

آج بینائی ملنے پر وہ اسے دیکھنا بھی بھول گئی۔ صرف پاشا کو ہی دیکھتی رہی۔ اس کے سینے سے لگ کر صرف بیوی بن گئی۔ سہیلی کے وجود کی نفی کر دی۔

وہ کوریڈور کی ایک بینچ کے پاس آ کر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ یہ سچ ہے اپنا دل دیدو' اپنی جان دیدو لیکن اپنے پیار کو کسی کے آنچل کی ہوا نہ لگنے دو۔ وہ دوسری ہوا دینے والی اسے آنچل سے باندھ کر ہوا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

شہباز درانی دشمنوں پر جھپٹ کرنا کام ہو کر پلٹ آیا تھا۔ اب پھر پلٹ کر دوبارہ جھپٹنے کے نئے منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی تھی کہ میں لوہے کا چنا ہوں' کوئی سوچے سمجھے بغیر مجھے چبائے گا تو دانت ٹوٹ جائیں گے۔ لہٰذا وہ اچھی طرح سوچ رہا تھا، سمجھ رہا تھا اور ایک نئی بساط پر نئی چالیں چلنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

نئی چال کے مطابق سب سے پہلے اسے اپنی کمزوری دور کرنی تھی اور اس کی کمزوری دردانہ تھی۔ میں نے اس عورت کو گرفتار کرانے کے بعد اسے یہ اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ آئندہ بھی اس کی محبوبہ پر آفت آ سکتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسے اپنی محبوبہ کی حفاظت کرنی چاہیے۔

وہ دردانہ کو ملک سے باہر بھیجنے کی تیاریاں کر چکا تھا۔ ایک تیر سے دو شکار کھیلنا چاہتا تھا۔ ایک تو اسے کہیں دور بھیج کر ذیشان کو جیل سے باہر نکلوانا چاہتا تھا' اس پر یہ الزام عائد کرنا چاہتا تھا کہ اس نے دردانہ کو اغوا کیا ہے۔ اس نے ذیشان کے خلاف اب تک کتنے ہی ثبوت اور گواہ جمع کیے تھے۔ اب یہ آخری ٹھوس ثبوت تیار کر رہا تھا۔

اس مقصد کے لیے وہ دردانہ کو اپنے پرائیویٹ چیمبر میں لے کر آیا۔ وہ وہاں آ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آج پہلی بار تم مجھے اس کمرے میں لے کر آئے ہو۔''

''ہاں۔ اس خفیہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے میں واشنگٹن پہنچ جاتا ہوں۔ میں نے یہاں سے وہاں تک کے بڑے بڑے اہم راز یہاں چھپا کر رکھے ہیں۔ یہ راز بھی چھپا رہے گا کہ تمہیں اغوا نہیں کیا گیا ہے لیکن تم اغوا ہو چکی ہو۔ یہاں مائک کے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں نے کاغذ پر جو کچھ لکھ کر دیا ہے اسے پھر ایک بار اچھی طرح پڑھو اور یاد کرو۔''

وہ ایک کرسی پر مائک کے سامنے بیٹھ گئی۔ ایک کاغذ کھول کر اس میں لکھے ہوئے فقروں کو پڑھنے لگی۔ شہباز درانی ریکارڈنگ مشین کی آواز کو کچھ اس طرح سیٹ کرنے لگا جیسے ٹیلیفون کے ذریعے باتیں ہو رہی ہوں پھر اس نے پوچھا۔ ''تیار ہو؟''

دردانہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا ''اپنا موڈ بناؤ۔''

اس نے گلیسرین کی چھوٹی سی شیشی کھول کر اس میں سے ایک ایک قطرہ لے کر اپنی دونوں آنکھوں کے گوشوں میں لگایا۔ اس دوا کے اثر سے آنکھیں جلنے لگیں اور آنسو بہنے لگے۔ وہ ریکارڈنگ مشین کو آن کرنے کے بعد بولا ''ہیلو۔ کون ہو تم؟''

پھر اس نے خود ہی آواز میں تبدیلی کی۔ اپنی آواز اور لہجے کو بھاری بھرکم بنایا اور ہنستے ہوئے بولا ''تیری داشتہ غائب ہو گئی ہے۔ تو اسے تلاش کر رہا ہے مگر وہ تجھے نہیں ملے گی۔''

شہباز نے پھر اپنی آواز اور لہجے میں کہا ''میری کوئی داشتہ گم نہیں ہوئی ہے۔ البتہ میری شریک حیات دردانہ بیگم لاپتا ہو گئی ہے۔ میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔''

پھر وہ آواز اور لہجہ بدل کر بولا ''میں اسی داشتہ دردانہ کی بات کر رہا ہوں۔''

''خبردار! آئندہ اسے داشتہ نہ کہنا۔ وہ میری منکوحہ ہے۔ ثبوت کے طور پر میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے۔''

''اس نکاح نامہ کو تعویذ بنا کر گلے سے لٹکا لے' کیونکہ اب میں اسے گلے لگا رہا ہوں۔''

"بکواس مت کرو۔ کیا واقعی میری دردانہ تمہارے پاس ہے؟ اگر ہے تو تم مجھ سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟"

"دشمنی کی ابتدا تم نے کی ہے۔"

"مجھے معلوم تو ہو کہ تم کون ہو اور میں نے تم سے کیا دشمنی کی ہے؟"

"تم خود سوچو کہ تم نے ایس' پی' ذیشان کے خلاف کیا کیا ہے اور اب تک کیا کرتے آ رہے ہو؟"

"اوہ۔ اچھا۔ تو تم ذیشان ہو۔ آواز بدل کر بول رہے ہو یا پھر تم اس کے کوئی خاص ماتحت ہو۔"

"میں کوئی بھی ہوں۔ یہ بتاؤ اپنی چیز واپس چاہتے ہو یا نہیں؟"

"ہاں، میں ہر حال میں اپنی دردانہ کی واپسی چاہوں گا۔"

"ہمارے مطالبات پورے کرو گے تو یہ تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔"

"میں ابھی تمہارے مطالبات پورے کر دوں گا۔ بولو کتنی رقم چاہتے ہو؟"

اس نے پھر آواز بدل کر قہقہہ لگایا اور کہا "کیوں بھولے بادشاہ بن رہے ہو؟ تم سے رقم لے کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

"تو پھر کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ جلدی بولو۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ آرام سے سنو۔ تم نے ذیشان کے خلاف جو کیس بنایا ہے اور جتنے ثبوت اور گواہ اکٹھے کئے ہیں وہ تمام ثبوت اور گواہوں کے بیانات ہمارے حوالے کر دو اور ان سے ذیشان کی حمایت میں نئے بیانات تحریر کراؤ۔ اس کے خلاف عدالت میں جو کارروائیاں کرانے والے ہو' ان سب سے باز آ جاؤ۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری بھرکم آواز میں پوچھا گیا "خاموش کیوں ہو؟"

شہباز درانی نے اپنی آواز میں کہا "میں سوچ رہا ہوں۔ کیا دردانہ واقعی تمہاری قید میں ہے؟ میں یقین کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس سے بات کراؤ۔"

"بے شک تمہیں یقین کرنا ہی چاہیے۔ اپنی چہیتی کی آواز سننے کے بعد تم ہمارے مطالبات پورے کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

ذرا دیر تک خاموشی رہی۔ شہباز درانی نے دردانہ کو رونے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں روتے ہوئے اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی "شہباز!"

وہ اتنا کہہ کر چپ ہوئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔

شہباز نے پوچھا "دردانہ! میری جان! تم خیریت سے تو ہو؟ کیوں رو رہی ہو؟ مجھے بتاؤ کیا یہ لوگ تم پر ظلم کر رہے ہیں؟"

وہ روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے بولی "مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں یہاں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔ یہ لوگ مجھ پر بہت ظلم کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی لیکن یہ لوگ مجھے مرنے بھی نہیں دے رہے ہیں۔"

شہباز نے تڑپ کر کہا "تمہیں زندہ رہنا ہے۔ تم میرے لیے زندہ رہو گی۔ میں تمہیں ان کی قید سے نکال لاؤں گا۔ ان کے تمام مطالبات پورے کر دوں گا۔ بلا سے ہم ذیشان جیسے قانون کا محافظ کہلانے والے مجرم کو سزا نہ دلا سکیں' اس کے خلاف مقدمہ نہ چلا سکیں' کوئی بات نہیں۔ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔ میں تمہیں ہر قیمت پر دشمنوں سے نجات دلاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ میں تمہیں ان ظالموں کی قید میں مرنے نہیں دوں گا۔"

اچانک آواز بند ہو گئی پھر شہباز نے بھاری بھرکم آواز اور لہجے میں کہا "سن لی اپنی چہیتی کی آواز؟ اب بولو ہمارے مطالبات کب پورے کر رہے ہو؟"

"میں جلد سے جلد پورے کروں گا لیکن جتنے ثبوت ہیں وہ سب سی آئی اے والوں کے پاس ہیں۔ انہیں واپس حاصل کرنے میں کچھ دیر لگے گی۔ پھر مختلف گواہ مختلف شہروں میں ہیں۔ ان سے رابطہ کرنا ہوگا۔ انہیں یہاں بلانا ہوگا۔ ان کے بیانات تبدیل کرانے ہوں گے۔"

"تم کچھ بھی کرو۔ جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے وہ ثبوت حاصل کر لیے ہیں اور انہیں ہمارے حوالے کر رہے ہو اور گواہوں کے بیانات بدل چکے ہو اور اس کیس کو کمزور کر چکے ہو تو پھر تمہاری دردانہ کو تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"یہ وعدہ کرو کہ جب تک میں مطالبات پورے نہ کروں۔ تم میں سے کوئی میری دردانہ کو ہاتھ نہیں لگائے گا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔"

وہ پھر بھاری بھرکم آواز بدل کر بولا "اب ہم اسے ایسا پیار دیں گے جیسا کہ مرد حضرات مالِ غنیمت کو دیا کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر شہباز نے ایک دشمن کی طرح قہقہہ لگایا پھر کہا "ہم تمہاری کارروائیاں دیکھتے رہیں گے کہ تم ہمارے مطالبات پورے کر رہے ہو یا نہیں۔ اس کے بعد پھر کسی وقت رابطہ کریں گے۔ ہماری دوسری کال کا انتظار کرتے رہو۔"

اس کے بعد شہباز نے ریکارڈنگ مشین بند کر دی۔ دردانہ جو رو رہی تھی ہنستی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ شہباز نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! تم تو غضب کی اداکارہ ہو۔ ہم نے ایسی ٹیلیفون کال ٹیپ کی ہے جس پر کوئی شبہ نہیں کر سکے گا۔ اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا تو یہ ذیشان کے خلاف ٹھوس ثبوت ہوگا۔ یہ تسلیم کیا جائے گا کہ واقعی تمہیں اغوا کیا گیا ہے اور ذیشان کے آدمیوں نے تمہیں کہیں چھپا کر رکھا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "اس کے تو ہوش اڑ جائیں گے۔ بھری عدالت میں اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ مجھے وہاں پیش کیا جائے اور وہ پیش نہیں کر سکے گا۔ قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہے گا لیکن اس کی قسمیں جھوٹی سمجھی جائیں گی۔"

وہ بولا "ہم جو ڈرامہ پلے کر رہے ہیں اس کے مطابق اغوا کرنے والا ذیشان کا آدمی دوسری بار کال کرے گا۔ دوسری بار تمہارے مطالبات پورے کرنے اور تمہاری واپسی کی باتیں ہوں گی۔ ابھی یہ باتیں بھی ریکارڈ کی جائیں گی۔"

وہ کاغذ اٹھا کر بولی "ہاں۔ اس کے دوسری طرف وہ فقرے لکھے ہوئے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کیا بولنا ہے۔"

"اسے بھی ایک بار پڑھ لو اور اچھی طرح یاد کر لو۔ اس بار تمہیں پہلے سے زیادہ رونا، چیخنا اور گڑگڑانا ہے اور اس طرح جنون میں مبتلا ہو کر کہنا ہے جیسے تمہاری عزت بری طرح لوٹی گئی ہے اور تم اب مر جانا چاہتی ہو۔"

"اطمینان رکھو۔ ایسی زبردست ایکٹنگ کروں گی۔ ایسے زبردست انداز میں بولوں گی کہ عدالت میں سننے والے لرز جائیں گے۔ ذیشان کو گالیاں دینے لگیں گے۔ اس پر تھوکیں گے مگر تم میری ایک بات مان لو۔"

"میری جان! ایک نہیں ہزار باتیں منواؤ۔ بولو کیا چاہتی ہو؟"

"تم مجھے ایک بوڑھی عورت کے روپ میں یہاں سے بھیجنا چاہتے ہو' یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ میں کیوں خواہ مخواہ بوڑھی بن جاؤں۔ میں جوان ہوں جوان رہنا چاہتی ہوں۔ آئینہ میں اپنا بڑھاپا دیکھوں گی تو خود سے خوفزدہ ہو جاؤں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دوسری فائلیں دکھاتا ہوں۔ اس میں کتنی ہی جوان لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں ہیں۔ تم ان میں سے جسے پسند کرو گی میرا ماہر میک اپ مین تمہارا چہرہ ویسا ہی بنا دے گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے کہا "تم اس الماری کے پاس جاؤ۔ اسے کھول کر اس کے دوسرے خانے میں رکھی فائلوں میں سے ایک ایک فائل نکال کر دیکھو۔"

وہ الماری کے پاس گئی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولا "ہیلو، میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "سر! میں آپ کا خادم میک اپ مین ہوں۔ آپ نے مجھے یاد کیا ہے۔ مجھے کس وقت آنا چاہیے؟"

"میں ابھی تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ تم ایک گھنٹے بعد یہاں پہنچ جاؤ۔ یہ بتاؤ کیا ہو بہو صورت تبدیل کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری کی ضرورت ہوگی؟"

"نو سر! میک اپ کی جدید تکنیک نے اتنی سہولتیں پیدا کر دی ہیں کہ ایک گھنٹے کے اندر چہرہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے لیکن یہ تبدیلی عارضی ہوتی ہے۔ چوبیس گھنٹے کے بعد میک اپ کمزور پڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ میک اپ واش ہونے لگتا ہے۔"

"چوبیس گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ تم ابھی ایک گھنٹے بعد چلے آؤ۔"

اس نے سوچ رکھا تھا کہ جب دردانہ کے باہر جانے کے لیے کسی فلائٹ میں سیٹ کنفرم ہو جائے گی تو اس سے ایک گھنٹا پہلے میک اپ کرائے گا۔ جس سے اس کا چہرہ تبدیل ہو جائے گا اور وہ آٹھ گھنٹے کے اندر لندن یا یورپ کے کسی شہر پہنچ جائے گی۔ وہاں اپنا میک اپ واش کرے گی اور اپنے اصلی چہرے کے ساتھ رہے گی۔

اس نے ریسیور رکھنے کے بعد پلٹ کر دردانہ کو دیکھا پھر چونک کر بولا "ارے! یہ تم نے کون سی الماری کھولی ہے؟ وہ فائلیں اس میں نہیں ہیں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا الماری کے پاس آیا۔ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اس الماری کو کھولو۔"

وہ ادھر گئی۔ یہ ادھر اس الماری کو بند کرنے کے لیے آگے بڑھا پھر رک گیا۔ کھلی ہوئی الماری کے اندر جھانک کر توجہ سے دیکھنے لگا۔ دردانہ سے بولا۔ "کیا تم نے فائلیں الٹ پلٹ کی ہیں؟"

وہ بولی "میں نے تو کسی فائل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔"

اس نے فوراً ہی ایک فائل کو اٹھا کر اسے کھول کر دیکھا تو ایک دم سے ذہن کو جھٹکا پہنچا' اس فائل کے کئی کاغذات غائب تھے۔ صرف دو چار کاغذات رہ گئے تھے۔

وہ دوسری فائلوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ایک اور فائل

سامنے آئی جس کے کئی کاغذات غائب تھے۔ اس میں چند اہم تصاویر تھیں، وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ شدید حیرانی سے کبھی الماری کو دیکھ رہا تھا اور کبھی پلٹ کر اس دروازے کو دیکھ رہا تھا جسے وہ لاک رکھتا تھا اور اس کے سوا اس دروازے کو کوئی کھول نہیں سکتا تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا۔

دردانہ دوسری الماری سے ایک فائل نکال کر اس میں سے ایک نوجوان عورت کی تصویر دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا "یہ میری طرح لگ رہی ہے۔ اس کے فیس کی آؤٹ لائن اور اس کی جسامت بھی میری طرح ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے شہباز درانی کی طرف دیکھا پھر چونک کر بولی "کیا بات ہے، تم پریشان لگ رہے ہو؟"

وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ قریب ہو کر بولی "کیا بات ہے؟ مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟ کچھ بولو تو سہی؟"

وہ شدید حیرانی اور پریشانی سے بولا "کئی فائلوں سے اہم کاغذات اور تصویریں غائب ہیں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا "غائب ہونے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ تصویریں اور کاغذات کسی نے چرائے ہیں؟"

"بے شک چرائے ہیں ورنہ اس الماری سے اور میرے اس کمرے سے بھلا ایک تنکا بھی کہاں جا سکتا ہے؟"

"اگر تم یہ کہتے ہو کہ چرائے گئے ہیں تو پھر یہاں کوئی آیا تھا ورنہ یہ دروازہ اس طرح لاک رہتا ہے کہ اسے تمہارے سوا کوئی دوسرا کھول نہیں سکتا۔ اسے تم ہی کھول کر اندر آتے ہو اور باہر جا کر خود ہی اسے لاک کرتے ہو۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر بولی "یہاں تہمینہ آیا کرتی ہے۔ تم خود اسے بلاتے ہو۔"

"وہ میرے سامنے آتی ہے۔ تمام بکھرے ہوئے سامان کو ترتیب سے رکھتی ہے پھر میرے سامنے ہی چلی جاتی ہے۔ وہ جب یہاں ہوتی ہے تو میں اس پر کڑی نظر رکھتا ہوں۔ میں نے کبھی اسے ایک تنکا بھی باہر لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

وہ کہتا جا رہا تھا اور دوسری الماریوں کو بھی کھول کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ ٹھٹک گیا۔ ایک خانے میں پلاسٹک کا ایک بڑا ڈبا کھلا ہوا تھا۔ اس پلاسٹک کے ڈبے میں بہت اہم مائیکرو فلمیں رکھی ہوئی تھیں مگر اب ان میں سے چار مائیکرو فلمیں غائب ہو چکی تھیں۔

اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے پلٹ کر دردانہ کے شانوں پر دونوں ہاتھ یوں رکھ لیے جیسے گرتے گرتے سنبھل رہا ہو۔ دردانہ نے اسے دونوں بانہوں میں سمیٹ لیا "شہباز! میری جان! تم تو بہت زیادہ پریشان ہو گئے ہو۔ یہاں آؤ۔ آرام سے بیٹھو۔"

وہ کمزور نہیں تھا۔ بس چند لمحوں کے لیے دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ پھر سنبھل گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ خلا میں تکتے ہوئے سوچنے لگا "یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ اس پرائیویٹ چیمبر میں کیڑے مکوڑے بھی نہیں آ سکتے پھر کوئی چور کیسے آ سکتا ہے؟"

وہ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ باہر کا کوئی شخص اندر نہیں آیا ہے۔ یہ کوٹھی میں رہنے والے اسٹاف میں سے کسی نے کیا ہے۔ کوٹھی کے اندر اس کا جو ایک خاص اسٹاف تھا، اس میں سب سے اہم تہمینہ تھی جو اس کی پرسنل سیکریٹری تھی۔ اس کے بعد ایک کیشئر تھا۔ چار باڈی گارڈ تھے جو ہمیشہ مسلح رہتے تھے اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ مستعد رہا کرتے تھے۔ گھر کے اندر جو افراد تھے ان میں پاشا کا اضافہ ہوا تھا۔

وہ سوچتے سوچتے چونک کر بولا "اوہ گاڈ! میں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔"

دردانہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا "آج صبح جب سی۔ آئی۔ اے والے تمہیں گرفتار کرنے آئے تو میں بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ یہاں سے باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ کئی گھنٹوں کے بعد جب واپس آیا تو پتا چلا کہ دروازے کا تالا لگا ہوا نہیں تھا۔"

وہ بولی "تمہیں اسی وقت ان الماریوں کو چیک کرنا چاہیے تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ الماریوں کے اندر گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ میں باہر ہی باہر دیکھتا رہا، مجھے یہاں سب کچھ ترتیب وار دکھائی دیا۔ کسی طرح کا شبہ نہیں ہوا۔"

"ڈرائنگ روم میں چلو۔ وہاں تمام اسٹاف کو طلب کرو۔ یہ معلوم کرو کہ ان چند گھنٹوں میں کون ادھر آیا تھا؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ میرے چار مسلح گارڈز اور کیشئر کوٹھی کے اس حصے میں نہیں آتے ہیں۔ میں ہوں، تم ہو، تہمینہ ہے اور پاشا۔ ہم چار افراد ایسے ہیں جو ادھر سے گزرتے ہیں۔"

"آپ تہمینہ کو بلا کر پوچھیں۔"

"تم بھول رہی ہو۔ کل اتوار ہے اور وہ ہفتے کی شام کو یہاں سے چلی جاتی ہے۔ میں اس پر شبہ نہیں کروں گا۔ وہ تقریباً چھ برس سے میری خدمت کر رہی ہے۔ میں اسے کئی بار مختلف طریقوں سے آزما چکا ہوں۔ وہ لالچی نہیں ہے۔ کوئی اسے میرے خلاف خرید نہیں سکتا۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ تہمینہ لالچی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی ں کے اعتماد کو دھوکا دینے والی تھی لیکن حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ کسی نامعلوم شخص نے اس کی بہن کو اغوا کر کے اسے ری کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اگر تمہیں تہمینہ پر اس قدر اعتماد ہے تو اس کا مطلب ہے پاشا نے چوری کی ہے۔"

وہ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "ہنڈرڈ پرسنٹ ی نے چوری کی ہے۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ اس کی یادداشت م ہو چکی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھول چکا ہے۔ اسے ہمارے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے اس پہلو پر میان ہی نہیں دیا کہ تمہاری رہائی کی شرائط پیش کرنے والا ں کی رہائی بھی کیوں چاہتا ہے؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹہلتے ہوئے بولا "مائی گاڈ! تم میری تنی بڑی کمزوری بن گئی ہو۔ تم پر ذرا سی آنچ آئی تو میں بد اس ہو گیا اور اتنی سی بات پر دھیان نہ دے سکا کہ مجھے ر پردہ مقدر حیات بلیک میل کر رہا تھا اور یہاں کے راز انے کے لیے اس نے پاشا کی بھی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔"

وہ دردانہ کے قریب آ کر بولا "تم نے اپنی ضد پوری رنے کے لیے عینی کو اپنی بہو بنا لیا۔ آئندہ اس خاندان کو لت کی پستیوں میں لے جانا چاہتی تھیں۔ تم نے ایک طرح ے پاشا کو اس گھر کا داماد بنا دیا تھا۔ وہ مقدر حیات کا بہنوئی نا گیا تھا اور مقدر حیات اس سے کوئی بھی کام لے سکتا تھا۔ زا اس نے کام لیا اور یہاں سے چوری کرائی۔"

دردانہ بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہونا اہتی تھی۔ اس نے کہا "بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گئی۔ وہ بھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا "ماننا تا ہے کہ ہاتھ کی لکیریں درست کہتی ہیں۔ پبلو ماسٹر نے ارے ہاتھ دیکھنے کے بعد کہا تھا۔ ہم کامیابیاں تو حاصل کر ہے ہیں لیکن کامیابیوں کے پیچھے ناکامیاں بھی چھپی ہوئی ں اور اب یہ پیش گوئی درست ثابت ہو رہی ہے۔"

وہ شہباز کو دیکھتے ہوئے بولی "تم میری اس بات کا برا نہ نا۔ مقدر حیات تمہارے مقابلے میں فولاد ثابت ہو رہا ہے۔"

"میں تمہاری بات کا برا نہیں مانوں گا لیکن یہ وضاحت ردوں کہ میں بھی لوہے کا چنا ہوں۔ مقدر حیات مجھے کبھی چبا سکا لیکن میری ایک کمزوری نے اسے شہزور بنا دیا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "بے شک میں تمہاری ت بڑی کمزوری بن چکی ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے مجھے اس ملک سے باہر بھیج دو یا مجھے مار کر کہیں پھینک دو لیکن اس کمبخت کے سامنے کمزور نہ بنو۔"

"بے شک مجھے سب سے پہلے یہی کرنا ہے۔ کیا تم نے وہ فائل دیکھی؟ کوئی چہرہ پسند آیا؟"

اس نے وہ فائل آگے بڑھاتے ہوئے کہا "یہ دیکھو۔ یہ عورت بہت خوبصورت ہے۔ مجھ سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی ہے۔"

شہباز نے وہ فائل لے کر اس عورت کی تصویر دیکھی۔ سرسری طور پر اس کی فائل پڑھی پھر کہا "یہ نیلماں دامودر روسی ایجنٹ تھی۔ ماسکو سے یہاں آئی تھی۔ کچھ روز یہاں رہ کر انڈیا جانے والی تھی۔ یہ امریکا کے خلاف اس مشن پر آئی تھی کہ مجھے بے نقاب کرے۔ میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ اسے معلوم تھا کہ میں اس ملک میں امریکی سی۔ آئی۔ اے کا سیکریٹ ایجنٹ ہوں اور خفیہ ہاتھ کے طور پر کام کرتا ہوں۔"

"پھر تو یہ عورت خطرناک ہے۔ مجھے اس کا چہرہ اپنانا نہیں چاہیے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "اب یہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ ایک برس پہلے آئی تھی اور میرے خلاف بہت سی اہم معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسد عزیزی نے اسے اغوا کیا۔ اس کے یہ تمام ڈاکومنٹس حاصل کیے جو ابھی ہمارے پاس ہیں۔ پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد روسی جاسوس اسے یہاں کئی ماہ تک تلاش کرتے رہے۔ آخر مایوس ہو گئے۔ ایک برس گزر چکا ہے۔ اب تو اس کا فائل بند کر دیا گیا ہو گا۔"

وہ اس فائل پر نظر ڈالتے ہوئے بولا "نیلماں دامودر کا باپ روسی ایجنٹ تھا۔ بھارتی حکومت اسے ایک سنگین جرم کے الزام میں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ وہ فرار ہو کر ماسکو چلا گیا تھا۔ نیلماں دامودر اس وقت دس برس کی بچی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی انڈیا نہیں گئی اور نہ ہی اس کے ہندوستانی رشتے دار اور وہاں کے جاسوس اسے چہرے سے پہچانتے ہیں۔"

"کیا میں اس کے میک اپ میں جا سکتی ہوں؟"

"بے شک جا سکتی ہو۔ یوں بھی تمہارا میک اپ عارضی ہو گا۔ انڈیا پہنچتے ہی تم اس میک اپ سے نجات حاصل کر لو گی۔"

سکیورٹی افسر نے اسے باہر سے فون پر اطلاع دی۔ "ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اپنا نام حامد پردیسی بتا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھا اور کہا "میک اپ مین آ گیا ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ کسی سے رابطہ ہونے پر اس نے کہا "ابھی یہاں آؤ۔ ایک ارجنٹ شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ویزا تیار کرنا ہے۔ یہ کل صبح گیارہ بجے تک مجھے مل جانا چاہیے پھر اسی پاسپورٹ کے مطابق انڈین ائرلائن کی فلائٹ میں ایک سیٹ ریزرو کراؤ۔ یہاں آؤ گے تو میں اس پاسپورٹ کے سلسلے میں تفصیلی معلومات فراہم کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے لپٹ کو بولی "تم اپنے معاملے میں بہت پریشان ہو۔ تمہارے قیمتی راز چوری ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود تم میرے لیے بھی پریشان ہو۔"

وہ بولا "یہ پریشانی صرف تمہاری سلامتی کے لیے ہے۔ تم یہاں سے انڈیا جاؤ گی۔ وہاں اپنا میک اپ اتار دو گی۔ تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا' پھر تم یورپ کے جس شہر میں جا کر رہنا چاہو گی' وہاں میں تمہاری رہائش کے انتظامات کرا دوں گا۔ مجھے یہ اطمینان رہے گا کہ اب ذیشان اور مقدر حیات میری اس کمزوری سے کبھی نہیں کھیل سکیں گے بلکہ تمہاری عدم موجودگی ذیشان کے لیے عذابِ جان بن جائے گی۔"

وہ اسے تسلیاں دے رہا تھا لیکن اندر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جو راز چوری ہو چکے ہیں ان کے سلسلے میں کسی وقت بھی واشنگٹن سے باز پرس ہو سکتی ہے اور سختی سے اس کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ ان کے اہم رازوں کا امین تھا۔ ان رازوں کی چوری سے واشنگٹن کی سیاست کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور اس نقصان کے نتیجے میں بڑی رازداری سے اسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔

میں نے اسے ایسے راستے پر پہنچا دیا تھا جہاں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ وہ دردانہ کو یہاں سے غائب کرنے کے بعد اپنے بھی بچاؤ کی تدبیر کرنے والا تھا۔

☆☆☆

عینی نے بینائی حاصل کرنے سے پہلے جب بھی پاشا کو دیکھا تو دھندلا دھندلا سا ہی دیکھا۔ اس کے دل میں حسرت تھی کہ وہ پوری وضاحت سے اس کے ناک نقشے کو دیکھے لیکن یہ حسرت دل میں رہ گئی تھی اور وہ اس سے بچھڑ گیا تھا۔

اب اس کے واپس آتے ہی اسے بینائی مل گئی تھی۔ وہ پہلی بار اپنے محبوب شوہر کو دیکھ رہی تھی اور اس پر قربان ہو رہی تھی۔ ان لمحات میں وہ ساری دنیا کو بھول گئی تھی۔ ان بچوں کو بھی وقتی طور پر بھول گئی تھی جن کی ماں کی آنکھوں سے پاشا دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے بچپن کی عزیز ترین سہیلی عروج کو بھی بھول چکی تھی۔

اپنے مرد کا پیار اور اس کی قربت ایسی ہی ہوتی ہے جو چاہنے والی دنیا کو تو کیا اپنے آپ کو بھی بھلا دیتی ہے۔ ان لمحات میں اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا "بس تو ہی ہے۔ تو ہے تو میرا یہ وجود ہے، میری یہ دنیا ہے۔ میں نے اپنا تن من تجھ پر نچھاور کیا تو پتا چلا کہ میں تیرے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔"

اس مرحلے پر عورت صرف اپنے حوالے سے ہی نہیں مرد کے حوالے سے بھی سوچتی ہے کہ جب میں تیرے لیے پیدا ہوئی تو تو بھی صرف میرے لیے پیدا ہوا ہے۔ میرے بدن کی کائنات صرف تیرے لیے ہے تو پھر تو بھی کسی اور کے لیے نہیں ہوگا۔ تیری آنکھیں صرف مجھے دیکھنے کے لیے ہوں گی تیری زبان صرف میرے لیے غزل گنگنائے گی۔ عورت کی خواہش یہ مطالبہ بالکل جائز ہوتا ہے کہ جب وہ اس کے نام ہو چکی ہے تو مرد کو بھی اسی کے نام ہونا چاہیے۔

پاشا کی قربت اسے ساون کی ہریالی میں لے گئی تھی۔ مستی میں آئے ہوئے مور کی طرح اپنے پنکھ پھیلائے رقص کر رہی تھی اور ایسا تو ہوتا ہی ہے' مستی میں آئے ہوئے مور ناچتے ناچتے اپنے بھدے پاؤں دکھائی دیتے ہیں تو وہ ایک دم سے مرجھا جاتا ہے۔ ان رنگین لمحات میں اسے عروج یاد آ گئی۔ اس لیے یاد آ گئی کہ وہ اس کے پیار میں اور اس کی ازدواجی زندگی میں حصے دار بننے والی تھی۔ شادی سے پہلے وہ اس کے آدھے شوہر کی حقدار ہو گئی تھی۔

اس نے مدہوشی سے ہوش میں آتے ہوئے پاشا کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کچھ گم صم سا ہے۔ اس نے ایک شوہر کی حیثیت سے اسے آغوش میں تو لیا ہے' لیکن خود کہیں لاپتا ہے۔ اس سے پیار تو کر رہا ہے' لیکن ایسے کر رہا ہے جیسے بچی کو ٹافی دے کر بہلا رہا ہو اور خود کہیں اور جا کر منڈلا رہا ہو۔

اس نے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"

وہ ایک دم سے چونک گیا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔ تم کچھ نہ کچھ ضرور سوچ رہے ہو۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "ہاں' وہ عروج تم سے ملنے آئی تھی۔"

"ہاں' آئی تھی۔ اس نے میری پیشانی کو چوما تھا' پتا نہیں کب یہاں سے چلی گئی۔"

"وہ یہاں سے گئی اور تمہیں خبر نہیں ہوئی؟ آج ہم سب کے لیے بہت ہی خوشی کا دن ہے۔ تمہیں بینائی حاصل ہوئی ہے۔ وہ پتا نہیں کتنے جذبات لے کر تمہارے پاس آئی تھی۔ پتا نہیں کس طرح اپنی مسرتوں کا اظہار کرنے والی تھی لیکن تم نے میری طرف متوجہ ہو کر اسے نظر انداز کر دیا۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی؟"

"وہ کچھ نہیں سوچے گی' میری بچپن کی سہیلی ہے۔ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ہمیں یہاں تنہا چھوڑا ہے۔"

"میاں بیوی کی تنہائی کے لیے رات ہوتی ہے۔ اپنے گھر کے بیڈ روم کا ماحول ہوتا ہے اور یہ تو اسپتال ہے۔ یہاں سب ہی محبت اور ہمدردی سے مزاج پرسی کے لیے آتے ہیں۔ وہ بھی آئی تھی۔ سوچو کہ اگر اسے جانا ہی تھا تو آئی کیوں تھی؟ صاف سمجھ میں آتا ہے' سہیلی کی چاہت میں آئی تھی لیکن اس لیے چلی گئی کہ نظر انداز کی جا رہی تھی۔"

عینی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ سوچ یہ تھی کہ پاشا اس کی حمایت میں کیوں بول رہا ہے؟ کیا اسے یاد آ گیا ہے کہ یہ عروج کو ٹوٹ کر چاہتا تھا؟ کیا عروج نے اسے اس کے ماضی کے بارے میں اور اپنی چاہت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، اسے بہت کچھ یاد دلا دیا ہے؟

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "کیا تمہیں پچھلی باتیں یاد آ رہی ہیں؟"

"جیسے جیسے مجھے یاد دلایا جا رہا ہے میں یاد کرتا جا رہا ہوں۔"

"کیا عروج یاد دلا رہی ہے؟"

"مجھے اب تک عروج سے ملنے اور فرصت سے باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ تمہاری بینائی کے سلسلے میں بہت مصروف رہی تھی۔ وہ چاہتی تو تمہیں نظر انداز کر کے میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکتی تھی لیکن وہ تمہارے سلسلے میں ڈاکٹروں سے ملتی رہی اور ان سے تمہارے ہی بارے میں بات چیت کرتی رہی۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ کل سے اب تک میرے معاملے میں مصروف رہی۔ مجھے نظر انداز نہیں کیا۔ میری خاطر تم سے دور رہی۔ لہٰذا مجھے بھی اس کی خاطر تم سے دور رہنا چاہیے؟"

"مجھ سے دور نہ رہو لیکن اسے تو قریب رکھو۔"

وہ زبان سے کچھ نہ بولی لیکن دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "ایسی رنگین اور رازدار تنہائی میں کسی اور کی بات کر رہے ہو؟ کیسے ہرجائی ہو؟ کیا اسے تھوڑی دیر کے لیے بھلا نہیں سکتے؟"

وہ تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی تھی کہ پاشا کی پہلی محبت عروج تھی۔ پہلے ان دونوں میں پیار ہوا تھا اور یہ پیار انتہائی دیوانگی تک پہنچ گیا تھا۔ اس دیوانگی کے باوجود عروج نے یہ شرط لگائی تھی کہ پاشا کو عینی سے محبت کرنی ہوگی۔ عینی سے شادی کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہی وہ اس سے شادی کرے گی۔ یہ عروج کا بڑا پن تھا جسے وہ ان لمحات میں بھول رہی تھی۔

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "ٹھیک ہے' اسے بلاؤ۔ جب سے بینائی کمزور ہوئی ہے میں نے اسے بھی دھندلی دھندلی سی دیکھا ہے۔ آج میں اسے جی بھر کے دیکھوں گی۔ کیا وہ یہاں وزیٹرز روم میں ہے؟"

"میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں اور اسے بلا کر لاتا ہوں۔"

وہ فوراً ہی اس سے الگ ہو گیا۔ عینی کو ایسا لگا جیسے پیچھے سے عروج نے اسے کھینچ لیا ہو۔ وہ کمرے سے ایسے تیزی کے ساتھ جا رہا تھا جیسے رہائی پا کر فرار ہو رہا ہو اور واقعی وہ کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ دردانہ کی قید سے رہائی پانے کے بعد جب اس نے پہلی بار عروج کو دیکھا تو اس سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ میری مہربانی سے وہ دونوں پارکنگ ایریا میں کار کے اندر ملے تھے۔ مگر یہ بہت ہی مختصر سی ملاقات تھی۔ اس کے بعد ردمانہ کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ اب تب میں دم توڑنے والی ہو۔ ڈاکٹر نے عینی سے کہہ دیا تھا کہ اسے اسپتال میں ایڈمٹ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ عروج عینی کے معاملے میں اور زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔ پاشا انتظار کرتا رہا کہ کوئی موقع ملے تو وہ تنہائی میں اس سے کچھ باتیں کرے۔

بہرحال تب سے اب تک، یعنی عینی کے بینائی حاصل کرنے تک، اس کے ساتھ بیٹھنے کا اور اس سے دو گھڑی باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اگر وہ خود غرض بن جاتی تو پھر موقع ہی موقع ملتا رہتا۔ یہی دیکھ کر پاشا کو کوفت ہو رہی تھی کہ وہ عینی کے لیے جان دیتی جا رہی ہے لیکن ایک عرصے سے بچھڑے ہوئے محبوب کو دل نہیں دے رہی ہے۔ عینی کے لیے فرض ادا کر رہی ہے۔ اپنے چاہنے والے کا قرض ادا نہیں کر رہی ہے۔

وہ عینی کے کمرے سے باہر کوریڈور میں آیا۔ وہاں عروج نہیں تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ویزیٹرز روم میں پہنچا۔ وہاں کتنی ہی عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے لیکن وہ نہیں تھی۔ وہ اسے اسپتال کے مختلف حصوں میں تلاش کرتا ہوا

باہر آیا۔ جاوید برقی ماہم کو گود میں اٹھائے اور اشعر کی انگلی پکڑے آرہا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیا آپ نے عروج کو دیکھا ہے؟''

''جی ہاں۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں گئی ہیں۔''

وہ مایوس ہوکر دور احاطے کے کھلے ہوئے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ گیٹ اس کی بانہوں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ وہ کھلی ہوئی بانہیں کہہ رہی تھیں ''آجاؤ۔ میں اسپتال کے باہر اسی دنیا میں ہوں اور دنیا تو بہت چھوٹی سی ہے۔ مجھے ڈھونڈو گے تو پا لوگے۔ آؤ، میری کھلی ہوئی بانہوں میں آجاؤ۔''

وہ بے اختیار ادھر ہی چل دیا۔ پیچھے بھی عینی کی بانہیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی محبت سے اس کی واپسی کا انتظار کررہی تھی لیکن اس کے پاؤں میں تو عشق کی زنجیریں پڑی تھی اور وہ زنجیریں اسے عروج کی طرف کھینچے لیے جارہی تھیں۔

اور وہ عشق کے آزمائشی دور سے گزر رہی تھی۔ ایک طرف پاشا کی محبت اسے کھینچ رہی تھی۔ دوسری طرف عینی کے لیے جو فرائض تھے' وہ چیخ رہے تھے کہ اس نئی دلہن کے حقوق اسے ملنے چاہئیں' وہ اپنے شوہر کی بھرپور محبت کی مستحق ہے اور ایک سہیلی ہی اپنی سہیلی کو یہ حق دلا سکتی ہے۔

وہ یہی کررہی تھی۔ اس اسپتال سے بہت دور جارہی تھی تاکہ عینی اور پاشا کو زیادہ سے زیادہ تنہائی میں وقت گزارنے کا موقع ملتا رہے۔ وہ جانتی تھی کہ عینی کو اس کی کمی محسوس نہیں ہوگی لیکن یہ خوب جانتی تھی کہ وہ اسپتال میں رہے گی تو پاشا اسے پکڑ کر عینی کے پاس لے جائے گا۔ وہ خواہ مخواہ کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ اسی طرح پاشا کو عینی کے پاس تنہا چھوڑتی رہے گی، اس سے ملنے کا موقع دیتی رہے گی تو وہ رفتہ رفتہ اس کی طرف مائل ہوتا رہے گا۔

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں پہنچی۔ وہاں گاڑی روک کر سوچنے لگی۔ اب وہ عینی کے ساتھ دن رات نہیں گزار سکے گی۔ اس کے ساتھ دن رات گزارنے والا جیون ساتھی آگیا ہے۔ اصولاً اسے آئندہ عینی کے گھر میں نہیں رہنا چاہیے۔

وہ اپنی کار سے اتر کر کاٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر عینی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔ زینے کے اوپری حصے میں اسما کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا ''عروج! آج ہم سب کے لیے بہت ہی خوشی کا دن ہے۔ ہماری عینی کو آنکھوں کی روشنی مل گئی ہے۔''

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آکر بولی ''ہاں۔ اب اس کے بدنصیبی کے دن گزر چکے ہیں۔ پہلے بچھڑا ہوا پاشا اسے ملا اور اب آنکھوں کی روشنی مل گئی ہے۔''

''کیا پاشا اس کے پاس ہے؟''

''ہاں۔ میں ان دونوں کو وہاں تنہا چھوڑ کر آئی ہوں۔''

''تم دو دن اور دو راتوں سے عینی کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف رہیں۔ تمہاری ہی محنت اور لگن کے باعث اسے بینائی ملی ہے۔ یقیناً تم بہت تھک گئی ہو۔ تم کچھ دیر یہاں آرام کرو۔''

''نہیں بھابی جان! اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ اپنا سامان لے کر جارہی ہوں۔''

اسما نے چونک کر پوچھا ''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں' مجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔''

''میں نے تو کیا گھر کے سب ہی لوگوں نے تمہارے لیے پاشا کی دیوانگی کو محسوس کیا ہے۔ تمہارا یہ فیصلہ مناسب ہے۔ کیا تم اپنے گھر جاؤ گی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''اسپتال کے کوارٹر میں پچھلے دو برس سے رہتی آئی ہوں' وہیں رہوں گی۔''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی عینی کے کمرے میں آئیں۔ عروج اپنی ایک اٹیچی نکال کر اس میں اپنا ضروری سامان رکھنے لگی۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں تنہا تھا اور عرصہ کے دشمن امیر علی کے ہاتھوں کی لکیروں پر پہنچا ہوا تھا۔ میں مقدر ہوں اور ہر انسان کے مقدر کی باتیں بتاتا رہتا ہوں۔ اس لیے امیر علی کے بارے میں بھی کچھ بتانا ضروری ہے۔

اس نے عرصہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کی بڑی بہن نجمہ کو اغوا کرایا تھا پھر اس کی عزت کو کھلونا بنایا تھا۔ اس کے بعد دھمکی دی تھی کہ عرصہ اس کے پاس نہیں آئے گی تو اس کی دوسری بہن کو بھی اغوا کرلیا جائے گا۔ میں نے اس کے جواب میں امیر علی کے ساتھ وہی چال چلی تھی۔ اسے بھی اسی طرح دھمکی دی تھی۔ اس کے مقدر کے مطابق اس کی بڑی بیٹی گھر چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ چلی گئی تھی۔ میں نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ اسے میں نے اغوا کیا ہے اور اگر وہ راہ راست پر نہ آیا اور اس کے پاس ہوٹل میں آنے والی عرصہ اس کے گھر نہ پہنچایا تو اس کی دوسری بیٹی کو بھی اغوا کرلیا جائے گا اور اگر میں اس کی دوسری بیٹی کو نہ اٹھوا سکا تو پھر موت کا فرشتہ اسے اٹھا کر لے جائے گا۔

میری اس دھمکی نے امیر علی کو پریشان کردیا تھا۔ اس کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ وہ آدھی رات کے بعد بھی عرصہ کو تلاش کررہا تھا۔

اس کے گھر والوں کے پاس گیا تھا۔ پتا چلا وہاں بھی عرصہ اب تک نہیں پہنچی ہے۔ گھر والے بھی پریشان تھے۔

پہلے اس نے پولیس اور غنڈوں کو ان کے خلاف استعمال کیا تھا' اب ان کی حمایت میں انہیں استعمال کرنے لگا۔ ان کی بیٹی عرصہ کو تلاش کرنے کے سلسلے میں سب ہی کو لالچ دے رہا تھا کہ جو اسے ڈھونڈ لائے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

میں امیر علی اور اس کی بیٹیوں کے بارے میں نہایت اختصار سے بیان کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی دوسری بیٹی کی موت کا وقت مقرر ہوچکا تھا۔ وہ سہ پہر تین بجے اپنی آخری سانسیں پوری کرنے والی تھی۔ امیر علی میری دھمکیوں کے پیش نظر یہی سمجھ رہا تھا کہ میں اسے اغوا کرکے لے جانے والا ہوں۔ اس نے اپنی دوسری بیٹی کے اطراف سخت پہرہ لگا دیا تھا۔ اسے کوٹھی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ خاندان کے تمام افراد کو اس کے کمرے کی طرف جانے سے منع کیا گیا تھا۔ دروازے کو باہر سے لاک کردیا گیا تھا تاکہ وہ نہ باہر آسکے نہ کوئی اندر جاسکے۔

اس کی اس دوسری بیٹی کا نام شبانہ تھا۔ وہ اپنے کالج کے ایک طالب علم ساتھی سے محبت کرتی تھی۔ جبکہ اس کا باپ امیر علی اپنے بھائی کے دوسرے بیٹے سے اس کی شادی کرانا چاہتا تھا۔ وہ باہر چوری چھپے اپنے عاشق سے ملتی رہی تھی' جس کے نتیجے میں اس کے پاؤں بھاری ہوگئے تھے۔ اب بدنامی کا خوف تھا۔ اس کا عاشق کالج کی تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے گاؤں واپس چلا گیا تھا۔ اس کی کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی وہ جانتی تھی کہ وہ کب تک واپس آئے گا۔ اس کے انتظار میں بات کھلنے والی تھی۔

اس شریف زادی نے بدنامی اور رسوائیوں سے بچنے کے لیے ٹھیک تین بجے زہر پی کر خودکشی کرلی۔ یوں تقدیر کا لکھا پورا ہوگیا اور میری دھمکی بھی پوری ہوئی کہ میں اسے اٹھوا نہ سکا تو موت کا فرشتہ اسے اٹھا کر لے جائے گا۔

امیر علی بری طرح دہشت زدہ ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں کوئی بہت بڑا چالباز ہوں۔ اس کی دوسری بیٹی کو اغوا نہ کرسکا تو اسے کسی طرح زہر دے کر اپنی دھمکی پوری کردی ہے۔ میں نے کس طرح زہر دیا ہے؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی لیکن میری دھمکی امیر علی کی سمجھ میں آگئی تھی۔

جب وہ دوسری بیٹی کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوگیا تو میں نے فون پر اسے مخاطب کیا۔ وہ گڑگڑا کر بولا ''میرے حال پر رحم کرو۔ تم نے میری دوسری بیٹی کو کھالیا۔ بڑی بیٹی کو کہیں گم کردیا۔ اب اور کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا ''بہت کچھ چاہتا ہوں۔ تم نے ایک غریب خاندان کی شریف زادی کو اغوا کرایا اور اس کی عزت کو کھلونا بنا دیا۔ تمہیں اس جرم کی تلافی کرنی ہوگی۔''

''اب میرے پاس نقصان اٹھانے کے لیے کیا رہ گیا ہے جو تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟''

''ابھی تمہاری تیسری بیٹی گھر میں ہے اور وہ بھی جوان ہے اور یہ بتادوں کہ میں نے تمہاری بڑی بیٹی کو اغوا نہیں کیا ہے۔ اس نے باقاعدہ اپنے ماموں زاد بھائی سے نکاح کیا ہے اور اس کے ساتھ جائز ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔ تم نے اس غریب خاندان کے ساتھ جو ظلم کیا ہے اس کی تلافی نہیں کرو گے تو میں تمہاری بڑی بیٹی کو بھی مار ڈالوں گا اور تمہاری تیسری بیٹی کا جو انجام ہوگا اسے دیکھ کر تو تم خودکشی کرنے پر مجبور ہوجاؤ گے۔''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''ٹھیک ہے' تم جس طرح کہو گے اس طرح میں تلافی کروں گا۔''

میں نے طنزیہ انداز میں کہا ''جب تمہاری اپنی جوان بیٹیوں پر بات آئی ہے تو اس غریب خاندان کی بیٹی کے سلسلے میں تلافی کے لیے تیار ہو۔ تمہارے جیسے دولتمند ہوس پرست لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جانا چاہیے' جیسا میں کررہا ہوں۔''

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ فون کو کان سے لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا ''تم نے عرصہ کی بڑی بہن نجمہ کو اغوا کرایا۔ اس کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اب اس کا رشتہ کہیں سے نہیں آئے گا۔ اگر تم اس سے شادی کرلو تو اس کی نیک نامی واپس آجائے گی۔ یوں عرصہ کے خاندان والوں کی نیک نامی بحال ہوتے ہی اس کی دوسری بہنوں کے لیے بھی رشتے آنے لگیں گے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کرسکوں گا۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں رشتہ داری صرف اپنی برادری میں ہوتی ہے۔''

''دوسری برادری کی شریف زادیوں کی عزت سے کھیلتے وقت تمہیں اپنی برادری یاد نہیں آتی؟ بہتر ہے مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہہ رہا ہوں وہی کرو ورنہ تمہارا برا انجام بہت جلد تمہارے سامنے ہی آئے گا۔''

''مجھے اس سلسلے میں سوچنا ہوگا اور اپنے خاندان والوں کو راضی کرنا ہوگا۔ ایک دوسری برادری کی لڑکی کو اس بڑھاپے میں دلہن بنا کر لانے کی بات ایسی ہے کہ سب کے سامنے مذاق بن جاؤں گا۔ میری بیوی اور اس کے میکے

والے میری اس شادی پر اعتراض کریں گے۔ ان سب کو راضی کرنے کے لیے مجھے دو چار مہینوں کی مہلت دو۔"

"میں دو چار دنوں کی بھی مہلت نہیں دوں گا۔ صرف دو گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر دو گھنٹے کے بعد تم عرصہ کے گھر جا کر ان کی بیٹی کا رشتہ طلب نہیں کرو گے اور دوسرے دن اس سے نکاح پڑھانے کا وقت مقرر نہیں کرو گے تو اپنی تیسری بیٹی سے بھی جاؤ گے۔ میں تمہاری بیوی اور اس کے میکے والوں کو تمہاری ذلالت کی روداد سناؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟"

میں نے رابطہ ختم کیا۔ امیر علی چاروں طرف سے پریشانیوں میں گھر گیا تھا۔ ایک تو بڑی بیٹی گھر سے بھاگ گئی تھی۔ دوسری بیٹی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس خودکشی کی وجہ سے پولیس کیس ہو گیا تھا۔ اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا تو پتا چلا کہ وہ حاملہ تھی۔ پولیس والے شبہ کر رہے تھے کہ اس کا حمل چھپانے کے لیے گھر والوں نے ہی اسے زہر دے کر مار ڈالا ہے۔

آخر اس نے مجبور ہو کر اپنی بیوی کے سامنے ساری حقیقت بیان کی کہ اس پر کس طرح آفتیں نازل ہو رہی ہیں۔ اس کی شریکِ حیات ساری باتیں سننے کے بعد رونے لگی۔ اسے طعنے دینے لگی۔ ایک ایک بات دہرانے لگی۔" اس بڑھاپے میں عیاشی کا یہ نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ میری بڑی بیٹی شہناز تو میرے بھائی کے بیٹے سے نکاح پڑھا کر جہاں کہیں گئی ہے امید ہے واپس آ جائے گی لیکن میری دوسری بیٹی کیسے واپس آئے گی؟ پولیس والے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں کہ ہم نے اس کا حمل چھپانے کے لیے اسے زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ ہم مصائب میں بھی گرفتار ہو رہے ہیں اور ذلتیں بھی اٹھا رہے ہیں؟"

امیر علی نے کہا" اس کی فکر نہ کرو۔ میں بڑی سے بڑی رقم دے کر اس کیس کو ختم کرا دوں گا۔ ہمیں اپنی تیسری بیٹی مہناز کی حفاظت کرنی ہے۔ وہ کمبخت بلیک میلر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ میں اب تک اس کی دھمکیوں کے مطابق نقصان اٹھاتا آ رہا ہوں۔ تیسری بیٹی کے سلسلے میں نقصان نہیں اٹھانا چاہتا۔"

اس کی شریکِ حیات نے روتے ہوئے کہا" کیا میں اپنی تیسری بیٹی کا نقصان چاہوں گی؟ میں اس بلیک میلر سے ہاتھ جوڑ کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ تمہیں معاف کر دیا جائے اور میری بیٹی کی جان بخش دی جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے کسی شریف زادی کی عزت لوٹی ہے تو پھر آپ کی بیٹی کے لیے میں کسی سے کیسے معافی مانگوں؟ کیسے التجا کروں کہ اس کی جان بخش دی جائے؟ اس کی عزت سے نہ کھیلا جائے؟ یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جو دوسروں کے ساتھ کیا' وہی آپ کی بیٹیوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا" تم طعنے ہی دیتی رہو گی تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"جانتی ہوں۔ مسئلہ تو بس اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ آپ نے جس کی عزت لوٹی ہے' اسے اپنی شریکِ حیات بنا کر عزت دیں۔ وہ بلیک میلر جیسا بھی ہے ایک اصولی بات کہہ رہا ہے کہ ہم اس آبرو باختہ لڑکی کو عزت دیں گے تو اس کی دوسری بہنوں کے لیے بھی رشتے آئیں گے۔ جائیں اور آپ اس سے نکاح پڑھا کر اسے یہاں لے آئیں۔"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کسی کے رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہونا تو وہی تھا جو لکیریں کہتی ہیں۔ دو گھنٹے بعد امیر علی اس پسماندہ علاقے میں عرصہ کے باپ سے ملنے آیا۔ اس کے ماں باپ نے اسے بڑی عزت سے ایک کمرے میں بٹھایا پھر روتے ہوئے کہا" آپ نے ہماری بیٹی کو کہاں چھپا دیا ہے؟ وہ گھر کیوں نہیں آ رہی ہے؟ آپ کیوں ہم پر ظلم کر رہے ہیں؟"

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے فون پر اسے مخاطب کیا پھر کہا" اس کے ماں باپ سے کہو' عرصہ بخیریت ہے اور ابھی ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ تم فون انہیں دو۔"

وہ فون عرصہ کے باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اپنی بیٹی سے بات کریں۔"

میں نے اپنا فون عرصہ کو دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو ای! ابو! میں آپ کی بیٹی عرصہ بول رہی ہوں۔"

باپ نے تڑپ کر پوچھا" بیٹی! تم کہاں ہو؟ یہاں کسی نے آ کر ہمیں کہا تھا کہ ہم تمہارے لیے پریشان نہ ہوں تم خیریت سے ہو اور جلد ہی ہم سے رابطہ کرنے والی ہو۔ ہمیں کسی حد تک اطمینان ہوا تھا لیکن تم گھر کیوں نہیں آ رہی ہو؟"

"ابو! میں گھر آؤں گی تو تمام باتیں آپ کو بتاؤں گی۔ فون پر لمبی باتیں نہیں کر سکتی۔ فی الحال تو اتنا سمجھ لیں کہ میں اس مغرور امیر علی کو سزا دے رہی ہوں۔ وہ بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ جس طرح میری آپی کی عزت سے کھیلا گیا ہے اب اسی طرح ان کی عزت رکھنے کے لیے ان سے شادی کرے۔ وہ آپی کا رشتہ مانگنے آیا ہے۔ آپ اس رشتے کے لیے راضی ہو جائیں۔"

"بیٹی! مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔ ہم کیسے راضی ہو جائیں؟"

"آپ خود کو ٹاٹ نہ کہیں' خود کو گرا ہوا نہ سمجھیں۔ ہم اس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ آپی نیک نامی سے بیاہ کر اس کے ساتھ جائیں گی تو آپ کی دوسری بیٹیوں کے رشتے آنے میں بھی آسانی ہو گی۔"

"بیٹی! تم کہہ رہی ہو تو ہم ہاں کہہ دیں گے۔"

"اور ایک بات یاد رکھیں۔ میرے ایک بھائی جان ہیں۔ آپی کی شادی کے سلسلے میں ابھی فون پر امیر علی سے معاملات طے کریں گے۔ آپ فون امیر علی کو دیں۔"

اس کے باپ نے فون اسے دیا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا" ہیلو؟"

عرصہ نے کہا" کیا میری آواز پہچان رہے ہو؟ میں وہی عرصہ ہوں جس کی عزت کو کھلونا بنانے کے لیے تم نے ہوٹل میں بلایا تھا۔ تم نے میری آپی کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے نتیجے میں تمہیں خوب ذلیل کرنا چاہیے لیکن تم آپی کا رشتہ مانگنے آئے ہو۔ انہیں عزت سے بیاہ کر لے جانا چاہتے ہو اس لیے تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ چلو، ان سے رشتے کی بات کرو۔ اس کے بعد پھر میرے بھائی جان تم سے شادی کے سلسلے میں معاملات طے کریں گے۔"

اس نے فون کو آن رکھتے ہوئے عرصہ کے باپ سے کہا۔ "میں آپ کی بڑی بیٹی سے نکاح پڑھوانا چاہتا ہوں۔ اسے اپنی عزت بنا کر گھر لے جانا چاہتا ہوں۔"

اس کے باپ نے کہا" میری بیٹی عرصہ نے بھی یہی کہا ہے کہ تم میری بڑی بیٹی کا رشتہ مانگو تو میں اسے قبول کر لوں لیکن تم رشتہ مانگنے کے لیے اکیلے کیوں آئے ہو؟ کیا تمہاری بیوی کو دوسری شادی پر اعتراض نہیں ہوگا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا" میری وائف کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کل میں نکاح پڑھانے کے لیے یہاں آؤں گا تو میری بیوی اور دوسرے رشتہ دار بھی ساتھ ہوں گے۔ یہاں سادگی سے نکاح پڑھایا جائے گا پھر میں اسے دلہن بنا کر اور اپنی عزت بنا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔"

عرصہ کے باپ نے اس سے فون لے کر اسے کان سے لگا کر کہا" بیٹی! تم سن رہی ہو؟"

میں نے کہا" میں سن رہا ہوں۔ میں عرصہ کا بڑا بھائی ہوں۔ آپ کا بیٹا۔"

وہ بولا" بیٹے! تم ایک بھائی بن کر میری بیٹی کو تحفظ دے رہے ہو اور ہماری عزت بڑھا رہے ہو۔ ہم تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔"

"اس وقت آپ احسان مندی کی باتیں نہ کریں۔ اس سے کل نکاح پڑھانے کا وقت مقرر کریں۔ شادی کے سلسلے میں اتنی جلدی جتنی دھوم دھام کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ آپ کی بیٹی عرصہ ایک آدھ گھنٹے میں اچھی خاصی رقم لے کر آنے والی ہے۔"

عرصہ کے باپ نے امیر علی سے پوچھا" کل آپ کس وقت قاضی صاحب کو لے کر آئیں گے؟"

"میں مغرب کی نماز کے بعد قاضی صاحب کو لے کر آ جاؤں گا۔"

میں نے عرصہ کے باپ سے کہا" میں نے سن لیا ہے۔ اب آپ فون اسے دیں۔"

وہ فون امیر علی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے کہا" یہ شادی چوری چھپے نہیں ہو گی۔ دھوم دھام سے ہو گی کیونکہ ایک شریف زادی بیاہی جا رہی ہے۔ تم اپنے زیادہ سے زیادہ رشتہ داروں کو لے کر ایک میرج ہال میں آؤ گے۔ وہاں سے نکاح پڑھا کر دلہن کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ تمہاری شادی کی باقاعدہ ویڈیو فلم تیار ہو گی۔"

وہ بے بسی سے بولا" اتنی دھوم دھام کی کیا ضرورت ہے؟ سادگی سے بھی نکاح پڑھایا جا سکتا ہے۔"

میں نے کہا" فضول بحث نہ کرو۔ جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔ کل نکاح کے وقت ہی مہر کی رقم پچاس لاکھ روپے کا چیک بھی دلہن کو دو گے۔ سوسائٹی کے علاقے میں تم نے ایک نئی کوٹھی بنوائی ہے۔ تم اپنی دلہن کو وہاں لے جاؤ گے اور ایک ہفتے کے اندر وہ کوٹھی اس کے نام کر دو گے۔ شادی کے دوسرے دن دلہن کے ماں باپ اور بہن بھائی اسی کوٹھی میں آ کر رہا کریں گے۔"

وہ مجبور تھا۔ اسے جو کہا جا رہا تھا وہی کرنا تھا۔ میں نے عرصہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ گھر جا کر اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے ملاقات کرے۔ اپنے ساتھ دس لاکھ روپے لے جائے۔ میرج ہال بک کرائے اور دھوم دھام سے بہن کی شادی کرے۔ ماں باپ اور بھائی بہنوں کو اچھی طرح سمجھا دے کہ دنیا والوں کے سامنے ایک جھوٹی کہانی بیان کرنی ہے کہ ان کا ایک چچا جو ساؤتھ افریقا میں ہیرے جواہرات کا بیوپار کرتا تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا اس کی دولت اور جائداد سب ہی عرصہ کے نام ہو چکی ہے۔

میں نے تمام باتیں عرصہ کو اچھی طرح سمجھا کر آسرا کے ساتھ اس کے گھر روانہ کر دیا پھر وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پاشا ایک ٹیکسی میں آیا تھا۔ وہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے کوٹھی کے اندر آیا تو مجھ سے سامنا ہوا۔ میں نے پوچھا" عینی

کیسی ہے؟"

اس نے کہا "اسے تو بینائی مل گئی ہے۔ آپ اس سے ملنے نہیں آئے؟"

"میں بہت مصروف تھا۔ کسی وقت اس سے ملنے جاؤں گا لیکن تم اسے اسپتال میں چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟"

وہ جھجکتے ہوئے، بات بناتے ہوئے بولا "وہ جاوید برقی کے بچوں کے ساتھ مصروف تھی۔ میں ادھر آ گیا۔"

اسما زینے سے اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔ اس نے کہا "پاشا! اچھا ہوا تم آ گئے۔ میں سوچ رہی تھی عینی کے لیے گھر کا پکا ہوا کھانا لے جاؤں۔ اب میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے مجھے دیکھا پھر اسما سے پوچھا۔ "عروج کہاں ہے؟"

"اس کی ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ اسپتال گئی ہو گی۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں عینی کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔"

وہ بولا "بھابی جان! آپ عینی کے لیے کھانا لے جائیں۔ میں ابھی اسپتال سے آیا ہوں بعد میں وہاں آ جاؤں گا۔"

وہ بولی "تعجب ہے۔ تمہاری نئی شادی ہوئی ہے۔ تمہاری دلہن کو نئی آنکھیں ملی ہیں۔ تم اسے چھوڑ کر کیا یہاں رہو گے؟"

وہ پھر جھجکتے ہوئے بولا "نہیں۔ وہ دراصل بات یہ ہے کہ عینی عروج سے ملنا چاہتی تھی۔ میں اسے لینے یہاں آیا تھا۔ اب وہ اپنی ڈیوٹی پر گئی ہے تو میں وہیں چلا جاتا ہوں۔ جب اس کی ڈیوٹی ختم ہو گی تو میں اسے لے کر عینی کے پاس آؤں گا۔"

"اس کی ڈیوٹی رات گیارہ بجے ختم ہو گی۔ کیا اس وقت تک تم وہاں بیٹھے رہو گے اور عینی کو تنہا چھوڑ دو گے؟"

"آپ تو جا رہی ہیں۔ پھر وہ بچے بھی اس کے پاس ہیں۔ وہ تنہا نہیں رہے گی۔"

"پاشا! کچھ عقل کی بات کرو۔ تم اس کے شوہر ہو۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ اس کے قریب رہنا چاہیے۔"

وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ میں نے کہا "بیٹھ جاؤ۔"

وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "تم اپنے دل کی بات چھپا رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم عینی سے کترا کر عروج سے ملنے آئے ہو۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "نن۔ نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

اسما نے کہا "ایسی ہی بات ہے۔ عروج کے لیے تمہاری دیوانگی ہے اسے سب ہی سمجھ گئے ہیں۔ اگر وہ عینی کا دل رکھنے کے لیے اپنے پیار کی قربانی دے رہی ہے تو کیا تم عینی کا دل رکھنے کے لیے ایسا نہیں کر سکتے؟ وہ معصوم ایک طویل عرصے تک اندھیروں میں بھٹکتی رہی ہے۔ آج اسے روشنی ملی ہے تو کیا تم اسے اب بھی بھٹکانا چاہتے ہو؟ اس کا دل توڑنا چاہتے ہو؟"

"میں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ جب میں نے عینی سے شادی کی ہے تو اس رشتے کو آخری وقت تک نبھاؤں گا لیکن جب سے میں یہاں آیا ہوں عروج سے اچھی طرح ملنے اور باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا ہے۔ حالات نے مجھے دو کشتیوں میں سوار کر دیا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کسی وقت بھی میں ان دو کشتیوں سے گروں گا اور ڈوب مروں گا۔"

میں نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ تم تینوں کے درمیان پیار کا جو ایک مثلث قائم ہو گیا ہے اس میں توازن برقرار رکھنا ہو گا۔"

"مقدر بھائی! میں نے سنا ہے آپ بہت بڑے ماہر نجومی ہیں۔ آپ جو پیش گوئی کرتے ہیں وہ درست ثابت ہوتی ہے۔ پلیز، میرا ہاتھ دیکھیں اور میرے بارے میں بتائیں۔ کیا میں ساری زندگی عینی اور عروج کے درمیان بھٹکتا رہوں گا؟"

میں نے یوں ہی دکھاوے کے لیے اس کی ہتھیلی دیکھی پھر کہا "میں نے عینی اور عروج کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اب تمہارا ہاتھ بھی دیکھ رہا ہوں۔ تم تینوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ جس طرح عینی کی مرادیں پوری ہو رہی ہیں اور تم اسے مل رہے ہو۔ اسی طرح تمہاری بھی مرادیں پوری ہوں گی اور عروج تمہیں ملے گی۔ لیکن اس کے لیے صبر کرنا ہو گا، انتظار کرنا ہو گا۔ اگر تم محبت میں توازن برقرار نہیں رکھو گے اور دیوانہ وار عروج کے پیچھے بھاگو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ وہ تم سے بچھڑ جائے گی تو کیا تم اس کی جدائی برداشت کر سکو گے؟"

وہ نفی میں سر ہلا کر بولا "آپ ایسی پیش گوئی نہ کریں۔"

"میں پیش گوئی کر رہا ہوں تو تمہیں راستہ بھی بتا رہا ہوں کہ صبر کرنا ہو گا اور مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔ نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔"

اسما وہاں سے کچن کی طرف چلی گئی تھی اور ایک ٹفن کیریئر میں عینی کے لیے کھانا لے آئی تھی۔ میں اس وقت تک پاشا کو سمجھاتا رہا۔

اس وقت وہ ہمارے سامنے مجبور تھا۔ عروج کے پیچھے

بھاگنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے اسما کے ساتھ اسپتال چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے فون کا بزر بولنے لگا۔ میں نے دیکھا شہباز درانی کے نمبر تھے۔ میں نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا "ہاں بولو؟"

وہ بڑے نرم لہجے میں بولا "مقدر! ہمارے درمیان سمجھوتا ہو گیا تھا۔ تم نے جتنے مطالبات کیے۔ وہ میں نے پورے کیے اور تم نے بھی دردانہ کو رہائی دلا دی لیکن تم نے اس لین دین اور سمجھوتے کے دوران میں مجھے زبردست دھوکا دیا ہے۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا۔ "تمہاری ساری زندگی جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے میں گزر رہی ہے۔ تم پوری پاکستانی قوم کو دھوکا دے رہے ہو۔ یہ ایک الگ سی بات ہے۔ میرے خاندانی معاملات کا جہاں تک تعلق ہے تو تم نے اور دردانہ نے میری بڑی امی کو ثمینہ کے کیس میں پھانسنا چاہا اور میری بہن عینی کو بے حیا اور بدچلن ثابت کرنا چاہا۔ پاشا سے اس کا نکاح پڑھا کر اسے اس کے شوہر سے جدا کرنے کی کوشش کی۔ میں جانتا ہوں آئندہ بھی تم بہت کچھ کرنے والے ہو۔ اگر میں نے تمہیں دھوکا دیا ہے اور تمہارے کچھ اہم راز وہاں سے چرائے ہیں تو شکایت کیوں کر رہے ہو؟"

وہ تمام اہم راز تہمینہ نے چرائے تھے اور اس عورت نے بہت مجبور ہو کر ایسا کیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ راز کھلے اور وہ درندہ تہمینہ کو اور اس کے سارے خاندان کو خاک میں ملا دے۔

اس نے کہا "میرے ان تمام اہم کاغذات اور مائیکرو فلمز کی واپسی کی بات کرو اور ان کی قیمت بتاؤ۔ میں تمہاری منہ مانگی رقم فوراً ادا کروں گا۔"

"ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ کوئی لین دین نہیں ہو گا۔ تمہاری یہ چیزیں میرے پاس امانت کے طور پر رہیں گی تاکہ تم آئندہ مجھ سے اور میرے خاندان والوں سے کسی قسم کی شرارت کرنے کی جرأت نہ کر سکو۔"

"تم سمجھوتا نہیں کرو گے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لیے جرأت کرنی ہی پڑے گی۔ جب کوئی مجھے ایک طرف سے مات دیتا ہے تو میں اسے کئی طرف سے مات دینے کا ہنر جانتا ہوں۔"

"کیا تم نے یہی جتانے کے لیے فون کیا ہے؟"

"نہیں، سمجھانے کے لیے فون کیا ہے۔ سمجھوتا کر لو تو دونوں کے لیے بہتری ہو گی۔"

"تم صرف اپنی بہتری کے لیے سوچو۔ میری بہتری کی فکر میں اپنی صحت خراب نہ کرو۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ جو راز اس کے پرائیویٹ چیمبر سے چرائے گئے تھے وہ ان کے لیے بہت پریشان تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ واشنگٹن والے اس سلسلے میں بڑی سختی سے اس کا محاسبہ کریں گے۔ اس سے پہلے کہ چوری کی یہ خبر وہاں تک پہنچے وہ ان رازوں کو واپس حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

اس نے پھر مجھے فون کیا۔ میں نے فون پر اس کے نمبر دیکھ کر پوچھا "اب کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا "کیا تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہارے بھائی ذیشان کے خلاف کس طرح گھیرا تنگ کیا ہے؟ اتنے ٹھوس ثبوت اور اتنے مستند گواہ ہیں کہ اسے سزائے موت ضرور ہو گی۔ کئی قتل کے الزامات اس پر ثابت ہو جائیں گے۔"

میں نے پوچھا "تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"اسی لیے کہتا ہوں سمجھوتا کر لو۔ میں ذیشان کے خلاف کیس واپس لے لوں گا۔ جمع شدہ تمام ثبوت اور گواہوں کو غلط ثابت کر دوں گا۔"

میں خاموش رہا۔ وہ بولا "تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے وکیل سے کسی وقت بھی ملاقات کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں اس کیس کی فائل کھول کر دکھائے گا کہ کتنے ٹھوس ثبوت اور کتنے مستند گواہ ہیں۔ کوئی تمہارے بھائی ذیشان کو موت کی سزا سے بچا نہیں سکے گا۔ پھانسی کا پھندا اس کا مقدر بن جائے گا۔"

"شہباز! تم اپنے طور پر بڑی زبردست چالیں چل رہے ہو۔ تم نے میری بڑی امی کے خلاف ایک ویڈیو کیسٹ بنائی۔ اس ویڈیو کیسٹ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میری بڑی امی نے ثمینہ کو قتل کیا اور اس کے دو کروڑ کے ہیرے بھی چرا کر لے گئیں۔ یعنی میری بڑی امی پر بھی ڈکیتی اور قتل کا الزام تھا۔ انہیں بھی کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا تھا لیکن میں نے بچا لیا۔ تمہاری وہ چال ناکام رہی۔"

پھر میں نے ایک ذرا توقف سے کہا "تم نے میری بہن عینی کے خلاف ایک ویڈیو کیسٹ تیار کی۔ جس کے ذریعے اسے بے حیا اور بدچلن ثابت کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے خاندان اور اعلیٰ سوسائٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی لیکن تمہاری اس چال کا بھی کیا بنا؟ میں نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔"

"بے شک تم نے میری ان چالوں کو ناکام بنا دیا۔ میں کیا کروں۔ دردانہ میری جان ہے، میری کمزوری ہے۔ تم نے اس کمزوری پر ہاتھ ڈالا اور کامیاب ہو گئے۔ آئندہ میں اس پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا پھر دیکھوں گا کہ تم کس طرح

اپنے بھائی کو پھانسی کے پھندے سے بچا سکو گے۔"

میں ذرا چپ رہا۔ وہ بولا "ہاں، چپ رہ کر ذرا سوچو۔ ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔ صرف مجھ سے سمجھوتا کر کے ہی اور میرے چرائے ہوئے راز واپس کر کے ہی اپنے بھائی کو پھانسی کے تختے سے واپس لا سکتے ہو۔"

میں پھر چپ رہا۔ اس نے کہا "میں چاہتا ہوں اسی طرح خاموش رہ کر تم سنجیدگی سے حالات پر غور کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں فون کروں گا۔"

میں نے کہا "نہیں۔ فون بند نہ کرنا۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ اگر تم دانشمندی سے فیصلہ کر چکے ہو تو بولو۔ میں تمہاری ہر بات، ہر مطالبہ مان لوں گا۔ بس وہ راز واپس کر دو۔ مجھ سے دوستی کر لو۔"

میں نے کہا "میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں، ضرور کہو۔"

"میں نے اپنے ذیشان بھائی کے ہاتھ کی لکیریں بھی پڑھی ہیں اور اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ میری پیش گوئی لکھ لو کہ بھائی جان کو نہ تو پھانسی ہوگی نہ ہی عدالت سے سزا ہوگی مگر ہاں۔ میرے ہاتھ پر جو زندگی کی لکیر ہے وہاں سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ میں طبعی موت نہیں مروں گا۔ مجھے گولی ماری جائے گی۔ گویا میں حرام موت مارا جاؤں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پھر تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ کون تمہیں گولی مارے گا؟ کس کے ہاتھوں حرام موت مارے جاؤ گے؟ کیا تم یہ نہیں مانتے کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے؟ اور تم اپنی تدبیر سے ذہانت سے سمجھوتا کر کے آنے والی موت کو ٹال سکتے ہو؟"

"ہاں۔ یہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔ تم اپنی تدبیر سے، ذہانت سے کام لو گے اور ذیشان بھائی سے دشمنی نہیں کرو گے تو کوئی گولی تمہاری طرف نہیں آئے گی۔ تم حرام موت نہیں مرو گے۔ یہ میرے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے اور جو میرے ہاتھ کی لکیر ہے وہی تمہارے ہاتھ کی لکیر ہے۔ کیا پبلو ماسٹر نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟ ہمارے ہاتھ کی ایک ایک لکیر ایک جیسی ہے اور ایک ہی بات کہتی ہے؟ اگر یہ کہتی ہے کہ مجھے گولی ماری جائے گی اور میں حرام موت مارا جاؤں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی گولی کھا کر حرام موت مرنے والے ہو۔"

اسے ایک دم سے چپ لگ گئی۔ میں نے کہا "تمہیں یقین نہیں ہے تو پبلو ماسٹر سے ملو اور اس سے پوچھو کہ اس نے تمہاری موت کے بارے میں یہ پیش گوئی کیوں نہیں کی۔ تمہیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ میرے ہاتھ کی لکیر یہ کہہ رہی ہے کہ میں گولی کھا کر حرام موت مروں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے؟ جاؤ اور اپنے ماہر نجوم پبلو ماسٹر سے بات کرو پھر بات سمجھ میں آئے تو اپنی ذہانت اور تدبیر سے اپنی تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرو۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ آسرا نہیں تھی۔ وہ عرصے کے ساتھ اس کے گھر گئی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ بیان کر چکا ہوں کہ وہ یوں تو کتنے ہی معاملات میں خوش نصیب تھی لیکن شادی کے معاملے میں بدنصیب تھی۔ اس کے ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں تھی۔ میں نمرہ کے بارے میں بھی بتا چکا ہوں کہ وہ میری پہلی محبت ہے اور میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ فی الحال میں اس کے مقدر میں نہیں ہوں۔ ایک طویل جدائی کے بعد وہ مجھے ملے گی۔ آگے چل کر اس کا ذکر کروں گا۔ فی الوقت آسرا کی باتیں کر رہا ہوں۔

وہ میرے ساتھ دن رات رہنے لگی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی اور محبت تھی۔ ہمدردی اس لیے تھی کہ وہ بے چاری کبھی کسی جیون ساتھی کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گی۔ زندگی کی لکیر کہہ رہی تھی کہ وہ بہت عرصے تک جیے گی اور مقدر کی لکیر کہہ رہی تھی کہ وہ شادی کرے گی تو زندگی کی لکیر درمیان سے ٹوٹ جائے گی۔

اسی لیے مجھے اس سے ہمدردی تھی اور میں اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ یہ وضاحت کر دوں کہ محبت کسی بھی انسان سے کی جا سکتی ہے۔ عشق صرف ایک سے ہوتا ہے اور میرا عشق صرف نمرہ کے لیے تھا۔

میں آسرا کو بھرپور محبتیں دے رہا تھا۔ وہ صرف رات کو سوتے وقت مجھ سے دور ہو جاتی تھی۔ ہم دریا کے دو کنارے بن جاتے تھے پھر صبح اٹھ کر ایک ہو جاتے تھے۔ گھر میں تو ساتھ رہتا ہی تھا۔ وہ اکثر دفتری اوقات میں بھی میرے پاس چلی آیا کرتی تھی۔ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیتے تھے۔ ایک دوسرے کو چھو لیتے تھے۔ میں اس کی پیشانی کو چومتا تھا۔ ہماری قربت کی انتہا یہی تھی۔ اس کے آگے لائن آف کنٹرول کھنچی ہوئی تھی۔ اس کے آگے جو محبت ہوتی ہے وہ میاں بیوی کے رشتے کی طرف لے جاتی ہے اور یہ رشتہ آسرا کے نصیب میں نہیں تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی طویل زندگی درمیان ہی سے ٹوٹ جائے۔ اس لیے میں بھی لائن آف کنٹرول تک محدود رہتا تھا۔

اگر نمرہ موجود ہوتی تو شاید میں آسرا کے اتنے قریب نہ ہوتا۔ دور ہی دور سے اسے محبتیں دیتا، تسلیاں دیتا اور سوچتا کہ ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ اسے شادی اور ازدواجی زندگی کی مسرتیں مل سکیں؟

میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ اس کے ہاتھ میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ شادی کی لکیر بن سکتی ہے۔ ایسا ممکن ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے میں آسرا کو ایک بہت ہی عبادت گزار بزرگ، عالم دین نعیم الحق کی رہائش گاہ پر بھی لے گیا تھا۔ وہ بہت ہی پہنچے ہوئے باکمال بزرگ تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ میں انسانوں کا مقدر ہوں۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ جب میں آسرا کو اس کے مستقبل کی سچی باتیں نہیں بتا رہا ہوں تو انہیں بھی نہیں بتانا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے آسرا سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اسے نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔ اپنے دن رات میں سے کچھ وقت عبادت کے لیے نکالنا چاہیے اور اپنے اعمال کو بہتر سے بہتر بنانا چاہیے۔

جہاں تک اعمال کا تعلق تھا، آسرا صرف خوبصورت ہی نہیں، خوب سیرت بھی تھی۔ اس نے اپنے کسی عمل سے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ وہ اپنے ہوں یا پرائے، سب ہی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی تھی۔ بیماروں کی عیادت کرتی تھی۔ جو ضرورت مند اس کے پاس آتے تھے وہ انہیں مالی امداد دیتی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ سب ہی سے محبت کرتی تھی۔ کبھی کسی سے عداوت نہیں رکھتی تھی لیکن......

میری محبت میری قربت اس کی روح کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی تھی۔ میں اس کے اندر اتنی گہرائیوں سے نقش ہو رہا تھا کہ اب اس کے اندر نمرہ کے لیے عداوت پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ نمرہ جبران سے شادی کرنے والی ہے۔ اس کے ساتھ لندن چلی گئی ہے لیکن میں نے آسرا کو یہ بتا دیا تھا کہ نمرہ جبران کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گی۔ اس سے کبھی شادی نہیں ہوگی اور ایک دن وہ میری زندگی میں واپس آئے گی۔

میری یہ پیش گوئی آسرا کے دماغ میں چبھتی رہتی تھی۔ اب اس کی زندگی کی پہلی اور آخری خواہش یہی تھی کہ نمرہ میری زندگی میں واپس نہ آئے۔ اس کے ذہن میں میری یہ پیش گوئی نقش ہو گئی تھی کہ کاتبِ تقدیر نے ہاتھوں کی لکیروں میں بڑی لچک پیدا کی ہے۔ وہ انسان کے بہترین اعمال کے سبب بدل جاتی ہیں اور وہ یہ عزم کر چکی تھی کہ اپنے اعمال سے اور اپنی تدابیر سے ہاتھ کی اس لکیر کو بدل دے گی جو اسے میری طرف آنے اور میرے ساتھ زندگی گزارنے سے روک رہی ہے۔

میں مقدر ہوں۔ ایک بازی گر ہوں۔ اپنی بازی گری دکھاتا ہوں اور ساتھ ہی یہ یقین سے کہتا ہوں کہ انسان اپنے عزم، حوصلے اور تدابیر سے تقدیر کا لکھا بدل سکتا ہے اور اب یہ پیش گوئی کر دوں کہ آسرا اپنی تدبیر سے تقدیر بدلنے والی تھی۔

☆☆☆

مسز رانا اپنے بیٹے جبران اور ہونے والی بہو نمرہ کو لے کر لندن آ گئی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی وہ بیمار ہو گئی۔ پہلے ایک ڈاکٹر سے علاج ہوا پھر دوسرے ڈاکٹر سے ہونے لگا۔ اس سال لندن میں شدید سردی پڑ رہی تھی۔ دوسرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ بوڑھی خاتون کے لیے یہاں کی سردی ناقابلِ برداشت ہے۔ انہیں پاکستان واپس لے جائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔

بیٹا ذہنی طور پر کچھ ایبنارمل تھا۔ ماں اس کے علاج کے لیے لندن آئی تھی۔ اب ڈاکٹر مشورہ دے رہا تھا کہ ماں کو وہاں کی شدید سردی سے بچنے کے لیے پاکستان واپس جانا چاہیے۔ جبران نے کہا "مما! ہم واپس جائیں گے۔"

نمرہ پریشان ہو گئی۔ کبھی جبران کو کبھی اس کی ماں کو تکنے لگی۔ مسز رانا اس کے چہرے پر لکھی ہوئی پریشانی کو پڑھ رہی تھی۔ اس نے کہا "بیٹے! کسی اور ڈاکٹر سے میرا علاج کراؤ۔ مجھے واپس نہیں جانا چاہیے۔"

وہ بولا "کیوں نہیں جانا چاہیے؟ وہاں آپ کا علاج ہو جائے گا۔ آپ ایسی شدید سردی سے بھی محفوظ رہیں گی۔"

"بیٹے! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم بڑی مشکلوں سے نمرہ کو یہاں لائے ہیں۔ اس کے خاندان والے راضی نہیں تھے۔ ہم نے اس کے والدین کو کوئی رقم نہیں دی ہے۔ ان کے مطالبات پورے نہیں کیے ہیں۔ اب نمرہ وہاں جائے گی تو دوبارہ یہاں نہیں آ سکے گی۔ وہ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کریں گے۔"

"وہ رکاوٹیں پیدا کریں گے تو ہم یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم نمرہ کے ساتھ وہیں رہیں گے۔ ہمارے ملک میں بہترین اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔ میرا علاج وہاں بھی ہو سکے گا۔ میں تو صرف اس لیے یہاں آیا تھا کہ نمرہ اس بہانے اپنے تمام رشتہ داروں سے دور میرے ساتھ وقت گزارا کرے گی لیکن یہ میرے لیے جتنی اہم ہے اتنی ہی آپ بھی میرے لیے اہم ہیں۔ میں آپ کی خاطر واپس جاؤں گا۔"

نمرہ اس فیصلے سے اور زیادہ پریشان ہو رہی تھی۔ دراصل وہ آہستہ آہستہ شعوری یا غیر شعوری طور پر جبران کی طرف مائل

ہو رہی تھی اور ان حالات میں پاکستان واپس جا کر میرا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پھر میں نے نمرہ سے کہا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان ایک طویل جدائی ہوگی اس کے بعد ہی ہم ملیں گے۔ جبکہ اسے لندن پہنچے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا۔ کیا طویل جدائی ایسی ہی ہوتی ہے؟ کیا وہ واپس آئے گی تو مجھ سے سامنا ہوگا؟ جب سامنا ہوگا تو میری طویل جدائی والی پیش گوئی غلط ثابت ہوگی۔ جبکہ میری ہر پیش گوئی آج تک سچ ثابت ہوتی آئی تھی۔ مسز رانا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی! تم کچھ پریشان ہوگئی ہو؟"

"جی۔ وہ بات یہ ہے کہ میں آپ کے علاج کی خاطر واپس تو چلی جاؤں گی لیکن اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔"

جبران نے کہا "یہ درست کہہ رہی ہے۔ اگر یہ گھر جائے گی تو اس کے گھر والے اسے ہمارے ساتھ دن رات رہنے کی اجازت نہیں دیں گے اور میں اپنی نمرہ کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔"

مسز رانا نے کہا "بیٹے! میں تمہارے لیے خود غرض بن جاتی ہوں۔ میں بھی اپنی ہونے والی بہو کو اس کے میکے نہیں جانے دوں گی لیکن یہ ایک ہی شہر میں رہ کر کب تک چھپی رہے گی؟ کسی نہ کسی کو تو خبر ضرور ہوگی۔"

نمرہ نے کہا "ہم کراچی نہیں جائیں گے۔ لاہور والی کوٹھی میں رہیں گے۔"

"لاہور میں تمہارے ننھیال والے ہیں ان سے چھپ کر رہ سکو گی؟"

جبران نے نمرہ کو دیکھتے ہوئے کہا "ہاں، یہ ایک مسئلہ ہے۔ کیا ہم وہاں باہر سیر و تفریح کے لیے نہیں نکلیں گے؟"

وہ بولی "ضرور نکلیں گے۔ میں باہر نکلتے وقت عبا پہن لیا کروں گی۔ چہرے کو اسکارف سے ڈھانپ لیا کروں گی۔ اس طرح وہاں مجھے کوئی نہیں پہچانے گا۔ میرے ننھیال والے یہ نہیں جانتے کہ میں تمہارے اور مما کے ساتھ رہنے لگی ہوں۔ سب کو یہی بتایا گیا ہے کہ میں مزید تعلیم کے لیے لندن گئی ہوئی ہوں۔"

مسز رانا اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی "جبران! میں سامان پیک کرتی ہوں۔ تم ابھی جا کر کسی بھی پہلی فلائٹ میں ہمارے لیے تین سیٹیں کنفرم کرالو۔"

نمرہ نے کہا "مما! آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ میں تمام سامان پیک کروں گی۔ آپ کو اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بیٹی! میں کل سے بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔ مجھے کچھ چلنا پھرنا بھی چاہیے۔ تم جبران کے ساتھ جاؤ۔ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور سیٹیں بھی کنفرم ہو جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لباس تبدیل کر کے آتی ہوں۔"

نمرہ وہاں سے دوسرے کمرے میں آئی۔ جبران بھی اس کے پیچھے پیچھے آگیا۔ وہ مسکرا کر بولی "تم تو ہمیشہ سائے کی طرح لگے رہتے ہو۔ کبھی تو مجھے تنہا چھوڑا کرو۔"

"سایہ اپنے وجود سے کبھی الگ نہیں ہوتا پھر میں تمہارے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں؟"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "یہ سایہ رات کو مجبور ہو جاتا ہے۔ تم اسے الگ کر دیتی ہو۔ اپنے اس کمرے میں تنہا بند ہو جاتی ہو۔ میں اپنے کمرے میں تڑپتا رہتا ہوں۔ کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔ آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟"

وہ مسکرا کر بولی "دسمبر کی آخری رات تک صبر کرو۔ جنوری کے پہلے ہفتے میں مجھے اپنی شریکِ حیات بنا سکو گے۔"

اس نے قریب ہو کر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے پھر کہا "ہم ایک دوسرے کی دھڑکنوں سے لگ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دلوں میں اتر کر کسی حد تک تو جذبوں کو تسکین دے سکتے ہیں۔"

نمرہ نے اپنے شانوں پر سے اس کے ہاتھوں کو نہیں ہٹایا۔ بس ذرا کسمسا کر کہا "یہ مناسب نہیں ہے۔"

"تمہیں تو ہر بات پہلے نامناسب لگتی ہے پھر تم راضی ہو جاتی ہو۔ یاد ہے۔ پہلی بار جب میں تمہارا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا تم انکار کرتی رہیں۔ تمہیں دو دنوں تک مناتا رہا اس کے بعد تم نے مجھے ہاتھ پکڑنے کا موقع دیا تھا۔"

نمرہ کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔ جب اس نے پہلی بار جبران کو چھونے کی اجازت دی تھی تو وہ اس کے ایک ہاتھ کو تھام کر ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بیمار اور سہارے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر سنبھل رہا ہو۔ ایسے میں نمرہ کو یاد آیا۔ وہ سوچنے لگی میں نے پہلی بار بڑی مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ میری گرفت اسے ایسے لگی تھی جیسے شکنجے میں آگئی ہو۔ اگر پیار ایسے ہی ہوتا ہے تو پھر اسے یہ منظور تھا۔

اس وقت جبران اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ حالانکہ ایسے وقت میں چاہنے والا تو اپنی عورت کے سامنے چٹان کی طرح کھڑا رہتا ہے۔ ایسے لمحات میں بھی نمرہ کو میرا چٹانی وجود یاد آ رہا تھا۔

پہلے تو جبران لرز رہا تھا پھر یوں گہری گہری سانسیں لینے لگا جیسے ہانپ رہا ہو۔ وہ ہانپتے ہانپتے کہہ رہا تھا "میں، میں تمہیں اپنے سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ میں، میں تمہیں پا لینا چاہتا ہوں۔"

وہ ایسے التجا کر رہا تھا جیسے بچہ کھلونا مانگ رہا ہو۔ جبکہ چاہنے والا یا تو پیار سے مانگتا ہے یا پھر چھین لیتا ہے۔ جبران کے لہجے میں بڑی بے بسی، بڑی بے چارگی تھی جیسے مانگنے والے کو یقین تھا کہ بھیک نہیں ملے گی۔ اگر ملے گی تو وہ اس خیرات کو پوری طرح وصول نہیں کر سکے گا۔

پہلے تو نمرہ اس کی قربت سے شرما رہی تھی اور سنبھلنے کے باوجود جذبات میں بہنے والی تھی پھر اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وہ اس بری طرح لرز رہا تھا کہ اپنی چاہنے والی کو پوری طرح گرفت میں لینے کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولی "جبران! یہ۔ یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ۔ کچھ نہیں وہ۔ وہ۔ وہ۔ زن۔ زندگی میں پہلی بار......"

نمرہ کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ پھر ابنارمل ہو رہا ہے۔ اس نے اسے سہارا دیتے ہوئے ایک کرسی پر بٹھایا۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ لندن کی شدید سردی میں بھی وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ نمرہ نے سمجھا کہ جذبات سے سرخ ہو رہا ہے لیکن اب وہ غصے میں آ رہا تھا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور تھر تھر کانپتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ پہلے بھی ایسا نہیں تھا۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی "تم کیسے نہیں تھے؟ اور اب کیسے ہو؟ آخر تمہارے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ غصے سے کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ضرور ٹھیک ہو جاؤں گا۔ میرا علاج ہو رہا ہے۔ تم پریشان تو نہیں ہو؟ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "ٹھیک ہے۔ تم خاموش رہو۔ آرام سے بیٹھو۔ تمہیں بالکل نارمل رہنا چاہیے۔"

وہ اپنے غصے کو دبا رہا تھا۔ پریشانی اور بے بسی سے بولا۔ "تم مجھ سے مایوس تو نہیں ہو؟"

"مایوس؟ مجھے بھلا کیوں مایوسی ہوگی؟ ایسا تم نے کیا کیا ہے کہ میں مایوس ہو جاؤں گی؟ میں کہہ رہی ہوں ناں تمہیں اس وقت کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ خاموش رہنا چاہیے۔ تم نے وعدہ کیا تھا میری ہر بات مانتے رہو گے۔ اس لیے اس وقت بالکل چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ کرسی کے دونوں ہتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر یوں دبانے لگا جیسے انہیں دبوچ رہا ہو۔ نمرہ نے کہا۔ "دیکھو میں تمہاری یہ حرکت سمجھ رہی ہوں۔ تم اپنے اندر کے غصے کو دبا رہے ہو۔"

وہ اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں لے کر بولی۔ "میں تمہارے پاس ہوں۔ تم کیوں مایوس ہو رہے ہو؟ میں تمہیں چھوڑ کر تو نہیں جا رہی ہوں۔"

اس نے بڑی التجا آمیز نظروں سے نمرہ کو دیکھا۔ وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ شرط یہی ہے کہ بالکل نارمل رہنے کی کوشش کرو۔" جبران آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

وہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے شانے کو تھپکنے لگی "دیکھو جبران! میں تمہاری خاطر اپنے والدین کو اور اپنے پورے خاندان کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ اگر کسی بھی ٹینشن کے وقت تم خود کو کنٹرول نہیں کرو گے اور نارمل رہنے کی کوشش نہیں کرو گے تو مجھے کتنی مایوسی ہوگی؟"

وہ اسے بڑی محبت سے اور احسان مندی سے دیکھتے ہوئے بولا "تم بہت اچھی ہو۔ میرے لیے بڑی قربانیاں دے رہی ہو مگر میں تمہیں کیا دے رہا ہوں؟ اپنا نیم پاگل پن اور پریشانیاں......"

"ایسی باتیں نہ کرو ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ اپنے دماغ سے الٹی سیدھی باتیں نکالو اور مسکراؤ۔"

اس نے پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرانے لگا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اس نے کہا "اب تم کپڑے بدلو۔ ہمیں باہر جانا ہے۔ سیٹیں کنفرم کرانی ہیں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ دونوں آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر مسز رانا کے پاس آئے۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ نمرہ نے کہا "مما! ہم جا رہے ہیں۔ آپ دروازہ اندر سے بند کر لیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹی! تم دونوں جاؤ اور سیٹیں کنفرم کروا کے کچھ سیر بھی کرتی آنا۔ میری فکر نہ کرو۔ میں یہاں آرام سے ہوں۔"

جبران نے کہا "ہم جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ باہر ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی۔ دروازہ لگا ہوا تھا۔ اسے اٹھ کر بند کرنا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "ابھی اٹھوں گی اور بند کر دوں گی۔"

اس وقت وہ ذرا کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ کچھ آرام

آنے کے بعد اٹھنا چاہتی تھی۔ دس منٹ کے بعد ہی اچانک وہ دروازہ کھلا جیسے اسے لات مار کر کھولا گیا ہو۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے پر اس کا دیور یعنی مرحوم شوہر کا چھوٹا بھائی سلطان احمد رانا کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو گن مین بھی تھے۔ وہ پریشان ہو کر بولی "تم؟ تم یہاں لندن میں ہو؟"

وہ مسکراتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "ہاں بھابی جان! یہ آپ کی مہربانی ہے۔ آپ نے مجھ پر جبران کو اغوا کرنے اور اس پر ٹارچر کرنے کے الزامات لگائے۔ یوں بھی پاکستان کی پولیس میرے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ مجھے انڈر گراؤنڈ جانا پڑا۔ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں تو جرائم کی دنیا میں پھل پھول رہا ہوں لیکن جب تک یہ سانسیں چلتی رہیں گی۔ میں تمہارے بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ پریشانی اور غصے سے بولی "تم کیوں میرے بچے کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"اگر بھائی جان یعنی آپ کے مرحوم مجازی خدا میرا حصہ مجھے دے دیتے تو اس دشمنی کی نوبت نہ آتی۔ اگر جبران میری بیٹی سے شادی کر لیتا تو آج میرا داماد بن کر عیش و آرام سے زندگی گزار رہا ہوتا لیکن اس کے انکار نے میری بیٹی کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے اور آپ کے بیٹے نے دشمنی کی آگ بھڑکائی ہے اور اب یہ آگ بھڑکتی ہی رہے گی۔"

"اپنی بیٹی کے بارے میں سوچو۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ کسی گھر کی بہو بنائی جاتی؟ وہ بد دماغ اور پاگل تھی۔"

"اسی لیے تو میں نے آپ کے بیٹے کو پاگل خانے پہنچا کر تقریباً پاگل بنا ہی دیا۔ اسے ہر دوسرے دن دماغی جھٹکے پہنچائے جاتے تھے۔ پتا نہیں کیسا ڈھیٹ بیٹا پیدا کیا ہے کہ اتنے جھٹکے کھانے کے باوجود زندہ ہے۔"

مسز رانا نے ان دو گن مینوں کی طرف دیکھا پھر کہا "تم نے اپنی بیٹی کی موت کا انتقام لے لیا ہے۔ میرے بیٹے کے ساتھ اتنی زیادتی کے بعد تو اب تمہیں دشمنی سے باز آ جانا چاہیے۔"

وہ سر ہلا کر بولا "ہاں، میں دشمنی سے باز آ گیا تھا کیونکہ پاگل خانے کے ڈاکٹر نے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ شدید جھٹکوں کی وجہ سے اس کے اندر کا جسمانی نظام ہل کر رہ گیا ہے۔ اس کے اندر بہت سی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں اور جو بنیادی کمزوری میں چاہتا تھا وہ تمہارے بیٹے کے اندر ہمیشہ قائم رہے گی۔"

مسز رانا نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "میں جانتی ہوں۔ تمہارے زر خرید ڈاکٹروں نے اس پر اتنے ظلم ڈھا[ئے] ہیں کہ اس کا دماغ پتھر کا ہو گیا ہے۔ اس کے اندر ایسی کمزو[ری] پیدا ہو گئی ہے کہ وہ کبھی شادی نہیں کر سکے گا اور کسی کے سا[تھ] کبھی ازدواجی زندگی نہیں گزار سکے گا۔"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "اس کے باوجود تم ایک بہ[و کا] انتظام کر رہی ہو اور اس بہو کو اپنے ساتھ یہاں بھی لے [آئی] ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے [بولا] "ایک بات اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ تمہارے یہاں کبھی شادیانے بجیں گے اور نہ ہی کبھی تمہارے گھر میں وار[ث] پیدا ہو گا۔ وارث تو میری بیٹی کے ذریعے پیدا ہونا تھا۔ ا[سے] لوگوں نے مار ڈالا۔"

وہ ٹہلتا ہوا مسز رانا کے سامنے آیا پھر رک کر بولا "[...] نے تمہارے بیٹے کو جیتے جی مار ڈالا ہے۔ وہ زندہ رہے گا ایک مردے سے بدتر جب بھی اس کی شادی کرو گی تو وہ [...] عورت کے سامنے شرمندہ ہو گا۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی "میں تمہارے سامنے [ہاتھ] جوڑتی ہوں۔ اب عداوت سے باز آ جاؤ۔ جتنا بدلا لینا [تھا] جتنا ظلم کرنا تھا وہ کر چکے۔"

"میری پیاری بھابی جان! اتنی جلدی ہتھیار نہ ڈالیں۔ ابھی آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ فی الحال مجھے [ایک] خاصی رقم کی ضرورت ہے۔ آپ کی وجہ سے میں یہاں [...] ہوں۔ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بار بار یہاں نہیں آ سکوں گا۔ [آپ] کو بیٹے کے ساتھ پاکستان میں رہنا ہو گا تاکہ میں تمہار[ے] بیٹے کی نگرانی کرتا رہوں۔"

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی "میں یہاں اس کا [علاج] کرانے آئی تھی۔ اسے شادی کے قابل بنانا چاہتی ہ[وں] ڈاکٹروں نے یقین دلایا ہے کہ علاج ہو جائے گا لیکن [...] بیماری کے باعث بیٹا مجھے جبراً واپس لے جا رہا ہے۔ [مجھے] یقین ہے کہ میں اپنے بیٹے کا وہاں بھی علاج کرا سکوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "یہی تو میں نہیں ہونے دوں گا [چاہے دنیا] ادھر کی ادھر ہو جائے۔ تمہارے بیٹے کو ایک وارث پیدا [کرنے] کے قابل ہونے نہیں دوں گا۔ بہرحال پہلے رقم کی با[ت کرو] اور ابھی چیک لکھ کر دو۔ ابھی تو بینک کھلے ہیں۔ وہ چیک کیش ہو گا اور میں رقم لے کر چلا جاؤں گا۔"

"یہاں کے بینک میں میری زیادہ رقم نہیں ہے۔ [کتنی] رقم چاہتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں۔ تم نے سوئٹزر لینڈ اور نیویارک [میں] ڈالر کی صورت میں دولت جمع کی ہے۔ یہاں صرف پاؤنڈ کی صورت میں کچھ نہ کچھ رقم تو ضرور ہو گی۔ فی الحال مجھے ایک لاکھ پاؤنڈ دے دو۔"

"یہاں میرے پاس صرف اسی ہزار پاؤنڈ ہیں۔ میں تمہیں پچاس ہزار دے سکوں گی۔"

"کوئی بات نہیں فوراً چیک لکھو۔ میں پاکستان پہنچ کر تم سے منہ مانگی رقم وصول کر لوں گا۔"

وہ بیڈ سے اتر کر اپنی اٹیچی کے پاس آئی پھر اسے کھول کر اس نے چیک بک نکالی اور پچاس ہزار کا چیک لکھ کر اسے دیا۔ اس نے اپنے ایک گن مین کو وہ چیک دیتے ہوئے کہا "ابھی جاؤ اور فوراً اسے کیش کرا کے رقم لے آؤ پھر ہم یہاں سے چلیں گے۔"

وہ گن مین وہاں سے چلا گیا۔ مسز رانا بیڈ پر آ کر کمبل لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ سلطان احمد رانا نے کہا "میں پاکستان میں روپوش رہتا ہوں۔ انڈر ورلڈ کا مجرم بن چکا ہوں۔ آپ کو اور جبران کو ہلاک کروں گا تو پولیس کبھی مجھ تک نہیں پہنچ پائے گی لیکن میں آپ ماں بیٹے کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں اور یہ بے بسی دیکھنا چاہتا ہوں کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے آپ اپنے خاوند کی نسل آگے نہیں بڑھا سکیں گی اور ہر ماہ اپنی دولت میں سے مجھے اچھا خاصا حصہ دیا کریں گی۔"

وہ چپ چاپ اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ نہ اس کے خلاف کچھ کر سکتی تھی اور نہ ہی کچھ کہہ سکتی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ لڑکی کہاں سے پکڑ لائی ہو؟ کیا یہ بھی کوئی مالدار آسامی ہے؟"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ سلطان احمد رانا نمرہ اور اس کے خاندان والوں کے پیچھے پڑ جائے۔ اس لیے وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "یہ ایک غریب لڑکی ہے۔ میں نے اس کے ماں باپ کو اچھی خاصی رقم دے کر اسے اپنے بیٹے کے لیے خرید لیا ہے۔ یہ کوئی مالدار آسامی نہیں ہے۔"

وہ بے پروائی سے بولا "مجھے اس لڑکی سے کیا لینا ہے۔ میں تو تم ماں بیٹے سے استفادہ کرتا رہوں گا اور اپنی بیٹی کی روح کو سکون پہنچاتا رہوں گا۔"

وہ چپ رہی۔ وہ تو بس یہ چاہتی تھی کہ وہ جلد سے جلد چلا جائے۔ نمرہ اور جبران اس کی موجودگی میں یہاں نہ آئیں۔ وہ نمرہ کو بہت چاہتی تھی کیونکہ اس کا بیٹا اس کا دیوانہ تھا اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بیٹے کو بہلانے کے لیے وہ کروڑوں روپے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی لیکن نمرہ نے اس سے رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بات نے بھی مسز رانا کو متاثر کیا تھا اور وہ اپنی ہونے والی بہو کو دل و جان سے چاہنے لگی تھی۔

اس کے باوجود وہ نمرہ سے ایک بڑی حقیقت چھپاتی آ رہی تھی کہ اس کا بیٹا شادی کے قابل نہیں ہے۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ بیٹے پر کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے اور وہ ایبنارمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے علاج کے لیے اسے لندن لے جا رہی ہے لیکن وہ بیٹے کی کسی اور کمزوری کو دور کرنے اور علاج کرنے کے لیے اسے یہاں لائی تھی۔ اب یہ سلطان احمد رانا پھر ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اب بیٹے کا علاج وہاں نہیں ہو سکتا تھا۔ پاکستان پہنچ کر ہی وہ رازداری سے بیٹے کا علاج کرا سکتی تھی۔

وہ گن مین بینک سے رقم لے آیا۔ سلطان احمد رانا نے رقم گننے کے بعد کہا "شکریہ بھابی جان! یہ بتائیں کہ یہاں سے کب روانہ ہو رہی ہیں؟ آپ یہاں زیادہ دنوں تک رہیں گی تو مجھے بھی رہنا ہو گا۔ یوں آپ کو میرے اخراجات بھی برداشت کرنے ہوں گے۔"

وہ بولی "میں کل کی کسی فلائٹ سے جانے والی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ویٹس لائک اے گڈ بھابی جان۔ گڈ بائی۔ اب پاکستان میں ملاقات ہو گی۔"

وہ اپنے دونوں گن مینوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

ان لمحات میں مسز رانا مجھے یاد کر رہی تھی۔ سوچ رہی تھی مقدر حیات نے میرا ہاتھ دیکھ کر پوری باتیں نہیں بتائی تھیں۔ کاش یہ بتا دیتا کہ یہ مصیبت مجھ پر آنے والی ہے تو میں بچاؤ کا راستہ اسی سے پوچھتی۔ وہ بہت ذہین ہے۔ اس نے بڑی ذہانت سے یہ تدبیر بتائی تھی کہ میرا بیٹا اپنی مقررہ موت کے وقت سے کیسے نکل سکتا ہے اور کس طرح اپنی موت کو ٹال سکتا ہے؟

یہ ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ میں نے جبران کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ اس سال دسمبر کی آخری رات بارہ بجے اپنی زندگی کی تمام سانسیں پوری کر لے گا۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن وہ تدبیر کرے گا تو بچ سکے گا۔ پھر میں نے ہی بچاؤ کی تدبیر بتائی تھی۔ میں ان ماں بیٹے کے ہر مشکل وقت میں کام آیا تھا۔ اس لیے وہ اس مشکل وقت میں بھی مجھے یاد کر رہی تھی۔

اس کے لیے یہ بات پریشان کن تھی کہ وہ پاکستان جائے گی تو وہاں بھی سلطان احمد رانا اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بنتا رہے گا۔ اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر رابطہ ہونے پر بولی "بیٹے مقدر! میں مسز رانا بول رہی ہوں۔"

میں نے کہا" ہیلو آنٹی! آپ کیسی ہیں؟ وہاں جاتے ہی بھول گئیں۔ اتنے دنوں بعد مجھے یاد کر رہی ہیں۔"

"کیا بتاؤں بیٹے اپنے تو مصیبت کے وقت ہی یاد آتے ہیں۔ اسی لیے تمہیں یاد کر رہی ہوں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"میرے دیور سلطان احمد رانا کے بارے میں جانتے ہو؟ اس بد بخت نے میرے بیٹے کو پاگل خانے بھیجا تھا اور اسے پاگل بنا ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"جی ہاں۔ آپ نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ وہ تو قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کہیں فرار ہو گیا تھا؟"

"کہیں فرار نہیں ہوا تھا۔ وہیں پاکستان میں روپوش رہتا ہے۔ انڈر ورلڈ کے مجرموں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔"

"اب اس کی طرف سے کیا پرابلم ہے؟"

وہ ذرا چپ رہی۔ یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ نمرہ کو لے کر پاکستان آ رہی ہے اور وہاں رہے گی تو سلطان احمد رانا اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ وہ اپنے بیٹے کا جیسا علاج کرانا چاہ رہی ہے اس علاج کے سلسلے میں رکاوٹ بنتا رہے گا۔

وہ اصل حقیقت چھپاتے ہوئے بولی" میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ وہ آئندہ ہمارے لیے کیسے مسائل پیدا کرے گا، کس طرح مصیبت بنتا رہے گا؟"

"میں نے آپ کے دیور سلطان احمد رانا کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ آئندہ کیا کرنے والا ہے؟ آپ کے بیٹے کا ہاتھ دیکھا ہے اور یہ جانتا ہوں کہ اس پر مصیبتیں آتی رہیں گی اور جاتی رہیں گی۔ ہر انسان کی زندگی میں دکھ سکھ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وہ مجھ سے حقیقت چھپا رہی تھی اور میں بھی اسے ایسا جواب دے رہا تھا جس سے اس کی تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے دوسرے انداز سے پوچھا" یہ مشورہ دو کہ ہمیں پاکستان واپس آنا چاہیے یا نہیں؟"

اگر میں کہتا کہ اسے اپنے بیٹے اور ہونے والی بہو کے ساتھ واپس نہیں آنا چاہیے تو وہ مجھ سے مشورہ طلب کرتی کہ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟

میں نے بھی گول مول سا جواب دیا" آپ بیٹے کے علاج کے لیے گئی ہوئی ہیں۔ اگر آپ کے حالات کہتے ہیں کہ آپ کو وہاں علاج نہیں کرنا چاہیے تو پھر چلی آئیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ مجھے یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ نمرہ کو لے کر واپس آ رہی ہے۔ ماں بیٹے اور ہونے والی بہو میں یہ بات طے پا چکی تھی کہ نمرہ کے خاندان والوں سے بات چھپائی جائے گی۔ اس لیے وہ چھپا رہی تھی اور پریشان رہی تھی کیونکہ مجھ سے جھوٹ بولنے، دھوکا دینے اور مجھ سے بات چھپانے سے اسے نقصان پہنچنے والا تھا۔

میں نے کہا" آپ بولتے بولتے چپ ہو جاتی ہیں، سوچنے لگتی ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟ کیا آپ اپنی کوئی پریشانی مجھ سے چھپا رہی ہیں؟"

"نہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ میں۔ میں پھر کسی وقت تمہیں کال کروں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے مسکرا کر اپنے موبائل فون کو دیکھا۔ بے چاری اپنی ممتا سے مجبور تھی۔ ایک طرف سلطان احمد رانا اس کے بیٹے کے لیے مصیبت بنا ہوا تھا، دوسری طرف بیٹے کے لیے نمرہ بہت لازمی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ نمرہ پاکستان پہنچتے ہی اپنے خاندان والوں میں جائے اور اس کا بیٹا اس سے محروم ہو جائے۔ وہ اپنی ہونے والی بہو کے سلسلے میں بہت سوچ سمجھنے کے بعد مجھے اپنا راز دار بنانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

پاشا ایک طویل عرصے تک دردانہ کی قید میں رہا پھر آزاد ہو کر عینی اور عروج کے درمیان چلا آیا۔ چار دیواری سے نکل کر کھلی فضا میں آنے کے بعد بھی وہ خود کو قیدی محسوس کرتا تھا۔ ہر طرف سے ایسی پابندیاں تھیں کہ وہ آزادی سے عروج سے مل نہیں پا رہا تھا۔

وہ نکاح کے بعد تقریباً دو گھنٹے تک عینی کے ساتھ رہا پھر عینی اس سے بچھڑ گئی۔ بعد میں اسے آزادی ملی اور وہ عینی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی بینائی حاصل کرنے کا مسئلہ تھا۔ رومانہ کی حالت بہت نازک تھی۔ اسپتال میں سب مصروف اور پریشان تھے اور سب سے زیادہ عروج مصروف تھی۔ وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتا رہا اور باتیں کرنے کے لیے ترستا رہا۔

میں نے اسپتال میں اسے ایک بار موقع دیا تھا۔ عروج کی کار میں بیٹھ کر اس سے جی بھر کے باتیں کرنے کے بعد عینی کی بینائی حاصل کرنے تک عروج سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔

عروج عینی کے لیے اپنی محبت کی جو قربانی دے رہی تھی اس پر قائم رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے بینائی حاصل کرنے کے بعد جب عینی پاشا سے ملنے لگی تو وہ انہیں اسپتال میں چھوڑ کر عینی کی کوٹھی میں آ گئی پھر وہاں سے بھی اپنا سامان لے

گئی۔ وہ اپنے عاشق کی دیوانگی کو خوب سمجھتی تھی۔ اسی لیے اس دیوانے سے دور رہ کر اسے عینی کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔

پاشا نے عینی کو احساس دلایا کہ اسے عروج کے جذبات کا پاس رکھنا چاہیے۔ بینائی حاصل کرنے کے بعد اسے سب سے پہلے اپنی اس عزیز ترین سہیلی سے ملنا چاہیے تھا لیکن وہ اسے نظر انداز کر رہی ہے۔

عینی کے ساتھ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دوہری کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ادھر جاوید برقی کے دونوں بچوں کی ماں اس کے ذہن پر مسلط ہو گئی تھی اور وہ ان دو بچوں کے لیے بھرپور ممتا محسوس کرنے لگی تھی۔ دوسری طرف پاشا ایک مجازی خدا کی حیثیت سے اس کی زندگی میں آیا تھا اور یہ ایک سہانا اور پُرکشش رشتہ تھا کہ وہ اسی کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھی اور ایسے میں عروج کو فراموش کر رہی تھی۔ بہرحال اس نے پاشا سے کہا تھا کہ عروج کو بلا کر لائے۔ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔

پاشا کو تو جیسے عینی سے دور ہو کر عروج کے پاس جانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ فوراً ہی اس کے کمرے سے نکل کر باہر آیا اور اسے تلاش کرنے لگا۔ پتا چلا وہ کہیں چلی گئی ہے۔ وہ اسے تلاش کرتا ہوا کوٹھی میں پہنچا تو اسما بھابی نے بتایا کہ وہ ڈیوٹی پر گئی ہے اور رات گیارہ بجے سے پہلے واپس نہیں آئے گی۔

وہ عروج کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اسما نے کہا یہ بات غلط ہے۔ عینی اس کی نئی نویلی دلہن ہے اور اس نے آج ہی بینائی حاصل کی ہے۔ لہٰذا اسے اپنی دلہن کے پاس رہنا چاہیے۔ اسما نے کہا میں عینی کے لیے کھانا لے جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو اور اسپتال میں عینی کے ساتھ وقت گزارو۔ اس کی دلجوئی کرو۔

وہ اسپتال عینی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن میرے اسما کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔ دل پر جبر کر کے اسما کے ساتھ اسپتال گیا۔ اندر ہی اندر یہ سوچ کر جھنجلانے لگا کہ وہ تو عروج سے ملنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اس سے زیادہ سے زیادہ مسئلہ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی اس کے اور عروج کے درمیان رکاوٹ بنتا جا رہا ہے۔

عینی گھر سے لایا ہوا کھانا کھا رہی تھی اور اس سے بھی کہہ رہی تھی کہ کھانے میں اس کا ساتھ دے لیکن اس نے بیزاری سے کہا" مجھے بھوک نہیں ہے۔"

عینی نے پہلے اسما کو پھر پاشا کو دیکھا۔ اسما نے کہا" پاشا! عینی بڑی محبت سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہے۔ اس کے ساتھ دو لقمے کھا لو۔"

وہ بولا" نہیں۔ میں کچھ پریشان ہوں۔ ابھی نہیں کھاؤں گا۔"

عینی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بات صاف طور سے سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ کس لیے پریشان ہے پھر بھی عینی نے انجان بن کر پوچھا" اپنی پریشانی مجھے بتاؤ میں دور کروں گی۔"

"میں اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنا چاہتا ہوں۔ میری شادی تم سے ہو چکی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی ہیں لیکن میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو کہیں لے جا کر رکھ نہیں سکتا۔ میرا کوئی روزگار نہیں ہے۔"

عینی نے کہا" ایسی باتیں کیوں سوچ رہے ہو۔ تمہارے پاس کس بات کی کمی ہے۔ میرے پاس اتنی دولت ہے اور میرا کاروبار اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اسے تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔"

"مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لوں گا۔ تمہارے کاروبار میں ہاتھ ڈال کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

اسما نے کہا" کون تم سے کہتا ہے کہ پوری ذمہ داریاں سنبھالو؟ پہلے اس کاروبار کو سمجھو۔ مقدر میاں تمہیں گائیڈ کریں گے۔ کاروبار کے گر سکھائیں گے۔"

"اب تک عینی کا کاروبار کون سنبھال رہا ہے؟"

"مقدر میاں سنبھال رہے ہیں۔"

"تو پھر وہی سنبھالتے رہیں گے۔ پلیز مجھے یہ بتائیں کیا یادداشت گم ہونے سے پہلے میں بالکل کنگال تھا؟ میرے پاس نہ کوئی رقم تھی نہ روزگار تھا؟"

"تمہارے پاس اچھی خاصی رقم بھی تھی اور روزگار بھی تھا۔ بینک میں تمہارے تقریباً آٹھ لاکھ روپے ہیں اور ان کے تمام کاغذات ہمارے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ جب تم گم ہو گئے تھے تو تمہارے بھائی جان اپنے سپاہیوں کو لے کر تلاش کرنے کے لیے تمہارے گھر گئے تھے۔ وہاں سے تمہارے بینک کے کاغذات اور دوسری اہم چیزیں جو بھی ملیں وہ گھر لے آئے تھے۔"

"وہ تمام اہم چیزیں آپ لوگوں کے پاس امانت کے طور پر ہیں۔ پلیز آپ وہ مجھے واپس کر دیں۔ میں فوراً ہی اپنے لیے روزگار کا سلسلہ شروع کروں گا۔"

"کسی بھی کاروبار کے لیے آٹھ لاکھ روپے کم ہوتے ہیں۔ تم کیا کرو گے؟"

''مجھے عینی اور عروج نے بتایا ہے کہ میں ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ ٹیکسی چلایا کرتا تھا۔ آئندہ بھی یہی کروں گا۔ آٹھ لاکھ میں ایک ٹیکسی خرید سکوں گا۔''

عینی نے کہا ''پاشا! تم اپنی موجودہ حیثیت کو سمجھو۔ تم ایک کروڑ پتی ہو اور ٹیکسی چلانے کی باتیں کرر ہے ہو؟''

''سوری عینی! کروڑ پتی تم ہو میں نہیں ہوں۔ میں تم سے محبت کروں گا۔ تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزاروں گا لیکن تمہاری دولت پر عیش نہیں کروں گا۔ میرا اپنا ایک الگ چھوٹا سا گھر ہوگا۔ میں اپنی محنت کی کمائی کھایا کروں گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم میری کوٹھی میں نہیں رہو گے؟ کسی الگ گھر میں رہنے کی بات کرر ہے ہو؟ کیا میرے ساتھ زندگی نہیں گزارو گے؟''

''تم میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہو گی تو میرے گھر میں آ کر رہو گی۔ کبھی تم مجھے اپنے گھر بلایا کرو گی تو میں آجایا کروں گا لیکن یاد رکھو۔ بیوی کا گھر وہی ہوتا ہے جو مرد کی کمائی سے بنتا ہے۔''

اسما نے کہا ''تم عینی کے کاروبار میں دل لگاؤ گے، محنت کرو گے تو وہاں سے بھی تمہیں اپنی ہی محنت کی کمائی حاصل ہوگی۔''

''سوری بھابی جان! مجھے جس کام کا تجربہ ہے میں وہی کروں گا۔''

عینی اور اسما نے ایک دوسرے کو پریشان ہو کر دیکھا۔ اسما نے کہا ''بہتر ہے ابھی یہ بحث نہ کی جائے۔ تمہارے بھائی جان جلد ہی آنے والے ہیں۔ وہ اور مقدر میاں پاشا سے باتیں کرلیں گے اور مل کر اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔''

پاشا کے موجودہ فیصلے سے اس کا دل ٹوٹ رہا تھا۔ اس سے کھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایک لقمہ چھوٹ کر اس کے لباس پر گر پڑا اور وہاں سالن کا اچھا خاصا دھبا پڑ گیا تھا۔ اسما نے اسے پینے کے لیے پانی دیتے ہوئے کہا ''کوئی بات نہیں۔ کھانے کے بعد لباس تبدیل کرلینا۔''

عینی نے کہا ''عروج میرے لیے دو ہی جوڑے لے کر آئی تھی۔ ایک جوڑا میلا ہو چکا ہے۔ دوسرا پہنے ہوئے ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ میں ابھی گھر سے لے آؤں گی۔''

پاشا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھا پھر کہا۔ ''بھابی جان! آپ بار بار کہاں آنا جانا کریں گی؟ آپ یہاں عینی کے پاس بیٹھیں۔ اس سے باتیں کریں۔ میں گھر جا کر اس کے دو چار جوڑے لے آتا ہوں۔''

''تم کہاں گھر جا کر الماری کھولو گے اور اس کے کپڑے نکالو گے؟ میں جاؤں گی تو ان کپڑوں کو پریس کر کے لاؤں گی۔''

''مجھے بھی پریس کرنا آتا ہے۔ میں اپنی بیوی کے جوڑے اپنی پسند سے لاؤں گا۔''

یہ ایسی بات تھی جسے سن کر عینی خوش ہوگئی۔ اسما سے بولی ''بھابی جان! انہیں جانے دیں۔ میں ان کی پسند کا لباس پہنوں گی۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسما سے کار کی چابی لے کر بولا ''بس میں یوں گیا اور یوں آیا۔''

وہ دوسری چابیاں دیتے ہوئے بولی ''الماری کی چابیاں تو لے لو۔ لباس کیسے نکالو گے؟''

اس نے الماری کی بھی چابیاں لیں پھر تیزی سے باہر جا کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد تو بس اوجھل ہی ہو کر رہ گیا۔ سیدھا عروج کے پاس اسپتال میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک مریض سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر حیرانی سے بولی ''تم؟ اور اس وقت؟''

وہ خاموش تھا لیکن ایسی جذباتی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ مریض کے سامنے گھبرا گئی۔ ایک کاغذ پر کچھ دوائیں لکھ کر اسے دیتے ہوئے بولی ''اسے باقاعدگی سے استعمال کرو۔ آرام آجائے گا پھر کل آ کر مجھ سے ملو۔''

وہ نسخہ لے کر سلام کر کے چلا گیا۔ وہ بولی ''تم عینی کو اسپتال میں چھوڑ کر آئے ہو؟''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ہاں۔ اب تم پوچھو گی اسے وہاں تنہا چھوڑ کر کیوں آگیا؟ میں پوچھوں گا۔ تم مجھے چھوڑ کر کیوں آئی ہو؟''

''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں آئی ہوں۔ ڈیوٹی پر آئی ہوں۔ کیا میں اپنا فرض ادا کرنا بھول جاؤں؟''

''کیا میں تم سے محبت کرنا بھول جاؤں؟''

''تمہیں محبت کا پہلا فرض عینی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔''

''نہیں۔ وہاں میرا کوئی فرض نہیں ہے۔ مجھ پر جبر کیا جا رہا ہے۔ میری یادداشت گم نہ ہوتی تب بھی تم جبراً عینی سے میری شادی کراتیں۔ تم نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو دردانہ جیسی دشمن عورت مجھ سے کر چکی ہے۔ جہاں میرا دل کھنچا جاتا ہے وہاں مجھے جانے سے سب ہی روک رہے ہیں؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ میرے سینے میں محبت کرنے والا دل نہیں ہے؟ اور یہ دل تمہارے لیے دھڑک نہیں رہا ہے؟ دردانہ نے مجھے قیدی بنا کر رکھا تھا۔ اس قید سے رہائی پانے کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے عینی کے پاس پہنچا کر مجھے حبسِ بے جا میں رکھا جا رہا ہے۔''

اس کی باتوں سے اس کے لہجے سے اور اس کے اندر سے پھوٹ پڑنے والی بے چینی سے عروج بے حال ہو رہی تھی۔ اس کی طرف کھنچی جا رہی تھی لیکن بڑے صبر اور استحکام سے اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ التجا آمیز لہجے میں بولی ''پاشا! دھیمی آواز میں بولو۔ تمہاری آواز باہر تک جا رہی ہوگی۔''

''میں اپنی آواز کو دنیا کے آخری سرے تک پہنچاؤں گا اور ہر ایک سے پوچھوں گا کہ یہ لڑکی جو مجھ سے محبت کرتی ہے تو پھر مجھے اپنے سے دور کیوں کرتی ہے؟ کیوں مجھ پر ظلم کرتی ہے؟''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں تم پر ظلم نہیں کر رہی ہوں۔ تم پچھلی باتیں بھول چکے ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا جب تم عینی سے شادی کرلو گے، اس کے ساتھ پیار بھری ازدواجی زندگی گزارو گے تو اس کے بعد میں تم سے شادی کروں گی۔''

''تو پھر کرو مجھ سے شادی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے اور عینی کو اپنی دلہن بنا چکا ہوں۔''

''صرف دلہن بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہیں اس کے ساتھ بھرپور ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی۔ بھرپور محبتیں دینی ہوں گی۔ اگر تم اس کو بوجھ سمجھو گے اور گلے کا پھندہ سمجھ کر اس سے نجات حاصل کرنا چاہو گے تو یہ سراسر تمہاری وعدہ خلافی ہوگی۔''

''کیسا وعدہ؟ کہاں کا وعدہ؟ مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے۔ تم جو کہہ رہی ہو میں یقین کر رہا ہوں اور جب یقین کر رہا ہوں تو عینی کے ساتھ نباہ بھی کر رہا ہوں۔''

''کیا میاں بیوی کا رشتہ اس طرح نباہتے ہیں؟ وہ بے چاری اسپتال میں پڑی ہے اور تم اسے چھوڑ کر میرے پاس آگئے ہو۔ اگر تمہارا دل میری طرف کھنچا جاتا ہے تو بھی تمہیں ایک شوہر کی حیثیت سے اپنا فرض تو ادا کرنا چاہیے۔ ابھی مجھ سے ملاقات کرنا کیا ضروری تھا؟ کیا کل کسی وقت ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی تھی؟''

''کل۔ کل۔ کل۔ جب سے رہائی پا کر تم دونوں سہیلیوں کے درمیان آیا ہوں تب سے کل نہیں آ رہا ہے۔ میں بے کل ہوں اور تم اپنے رویے سے مجھے بے کل بنا رہی ہو۔ جب تک اسے بینائی نہیں ملی تھی تم اس کے معاملے میں مصروف رہی تھیں۔ مجھ سے کتراتی رہی تھیں۔ جب اسے بینائی مل گئی تو مجھے اس کے پاس چھوڑ کر یہاں بھاگ کر چلی آئیں۔''

''پاشا! میرے خلوص کو میری نیت کو سمجھو۔ میں میاں بیوی کے درمیان زیادہ سے زیادہ محبتیں پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی نئی شادی ہوئی ہے۔ تم دونوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیے بلکہ ہنی مون منانے کے لیے ملک سے باہر جانا چاہیے۔''

''بس۔ زیادہ نہ بولو۔ میں تو تمہیں ایک کمرے میں تنہا چھوڑ کر اس کے پاس دوسرے کمرے میں نہیں جانا چاہتا اور تم دوسرے ملک میں جانے کی باتیں کر رہی ہو۔''

تم عینی سے بیزار کیوں ہو؟ کیا وہ خوبصورت نہیں ہے؟ جوان نہیں ہے؟ پرکشش نہیں ہے؟''

''وہ سب کچھ ہے۔ حسینہ عالم ہے لیکن جب دل کسی پر آتا ہے تو وہ حسن و شباب نہیں دیکھتا۔ بس کسی کی کوئی ایک ایسی ادا بھا جاتی ہے کہ وہ اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے اور ساری دنیا کو بھول جاتا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''دیکھو پاشا! میں چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو لیکن اپنا فرض بھی ادا کرو۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اپنا فرض ادا کروں گا۔ عینی سے محبت کروں گا۔ اس کے لیے وقت نکالا کروں گا لیکن شرط یہی ہے کہ تم اپنا فرض ادا کرو گی۔ مجھ سے ملو گی۔ میرے لیے وقت نکالا کرو گی۔''

''تم خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''مجھے نہیں تمہیں اور عینی کو سمجھنا چاہیے۔ تم سہیلیاں مل بیٹھ کر یہ فیصلہ کرو کہ تم دونوں میرے ساتھ انصاف کرو گی۔ مجھے برابر کی محبتیں دو گی۔ اگر تم مجھے عینی کی طرف دھکا دے کر کہیں بھاگنا چاہو گی تو میں تمہارے ہی پیچھے بھاگتا رہوں گا۔''

وہ بڑی محبت سے اور بڑی بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''ابھی میں اسما بھابی کے سامنے عینی سے کہہ چکا ہوں کہ اس کی کوٹھی میں نہیں رہوں گا اور اس کی دولت پر عیش نہیں کروں گا۔ میں ایک بے غیرت کی طرح عورت کی کمائی نہیں کھا سکتا۔''

وہ پریشان ہو کر بولی ''یہ تم نے نئی بات کہاں سے نکال لی؟ کیوں خواہ مخواہ مسئلہ پیدا کر رہے ہو؟''

''یہ میری غیرت کا تقاضا ہے۔ میرے اکاؤنٹ میں آٹھ لاکھ روپے ہیں۔ میں ٹیکسی خرید کر چلایا کروں گا۔ روزی

حاصل کروں گا اور ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لوں گا عینی وہاں میرے ساتھ رہ سکتی ہے اور میں کبھی کبھی عینی کے گھر جا سکتا ہوں۔''

وہ اسے بتانے لگا کہ عینی اسے اپنا کاروبار سنبھالنے کے لیے کہہ رہی ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس کے گھر بار کو نہ سمجھنا چاہے گا نہ سنبھالنا چاہے گا۔

عروج نے پوچھا ''تم ایسا کیوں نہیں چاہتے؟''

''اس لیے کہ عینی کے بعد میں اس کے کاروبار میں الجھتا جاؤں گا۔ اس طرح میں عینی اور اس کے کاروبار کا ہو کر رہ جاؤں گا۔ تم مجھ سے دور ہوتی چلی جاؤ گی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس کا کاروبار سنبھال لوں اور اس کے ساتھ کوٹھی میں رہوں تو میری ایک ہی شرط ہے۔''

اس نے جھکی جھکی نظروں سے پاشا کو دیکھا پھر بولی ''کیا شرط ہے؟''

''جب تم مجھ سے شادی کرلو گی تب ہی میں اس کے کاروبار کو سمجھنے اور سنبھالنے کی کوشش کروں گا۔ اس سے پہلے میں نہ تو اس کے کاروبار کی طرف جاؤں گا اور نہ اس کی کوٹھی کی طرف۔ میں کل ہی ایک مکان کرائے پر لوں گا۔ عینی کو میرے ساتھ بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنی ہوگی تو وہ میرے پاس آ کر رہے گی۔''

''یہ تو خواہ مخواہ پریشانیاں بڑھانے والی باتیں کر رہے ہو۔ تم نہیں جانتے وہ بڑی نازک سی لڑکی ہے۔ شہزادیوں کی طرح زندگی گزاری ہے اس نے۔ اتنے دنوں بعد اسے بینائی حاصل ہوئی ہے۔ اسے عالیشان کوٹھیوں میں رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنا چاہیے۔ تمہارے ساتھ کہیں ملک سے باہر جانا چاہیے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی نئی آنکھوں سے اسے ساری دنیا دکھاؤ۔''

''تم جو کہو گی وہ کروں گا مگر پہلے تم مجھ سے شادی کرو۔''

''خواہ مخواہ ضد نہ کرو۔ شادی اتنی جلدی نہیں ہوگی۔''

''جلدی نہیں ہوگی تو پھر دیر سے کیوں ہوگی۔''

''میں یہ دیکھوں گی کہ تم اسے انصاف سے محبتیں دے رہے ہو یا نہیں؟''

''تمہیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں اسے انصاف سے محبتیں دے رہا ہوں یا نہیں؟''

''اس طرح معلوم ہوگا کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بنے گی اور جب ماں بن جائے گی تب میں تم سے شادی کروں گی۔''

''کیا میں تمہیں پاگل یا احمق دکھائی دیتا ہوں۔ بچہ ... برس بعد بھی ہوسکتا ہے اور دس برس بعد بھی۔ کیا میں اس ... تک تم سے شادی کرنے کے انتظار میں تڑپتا رہوں گا؟ ... ہو کر پاگل ہو کر کپڑے پھاڑ کر 'ہائے عروج، ہائے ع...' کہتا پھروں گا۔ خود بھی تماشا بنوں گا اور تمہیں بھی تماشا ... رہوں گا؟''

''کیوں تماشا بنو گے اور بناؤ گے۔ کیا تمہارے عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟''

''نہیں، ساری عقل تو تمہارے حصے میں آ گئی ہے۔ اپنی محبت کو، اپنے محبوب کو عینی کے حوالے کرنا اور اپنے پا... پر کلہاڑی مارنا عقلمندی ہے تو ایسی عقل تمہیں ہی مبارک ... مجھے میری دیوانگی عزیز ہے۔''

اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ عروج نے اپنے پرس سے موبائل فون نکال کر نمبر پڑھے پھر بولی ''یہ جاوید صاحب کا فون ہے۔''

پاشا نے پوچھا ''وہ تمہیں کیوں کال کر رہے ہیں؟''

''میرا خیال ہے عینی مجھے کال کر رہی ہے۔ اس کے ... موبائل فون نہیں ہے۔ وہ جاوید صاحب کے فون کے ذر... تمہیں تلاش کر رہی ہے۔''

''فون مجھے دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

''نہیں۔ اسے معلوم ہوگا کہ تم اتنی رات گئے میر... پاس بیٹھے ہوئے ہو تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہ خواہ... غلط فہمی میں مبتلا ہوگی۔ میں بات کر رہی ہوں۔ تم با... خاموش رہو گے۔''

یہ کہہ کر اس نے بٹن دبایا اور فون کو کان سے لگا کر ...

''ہیلو۔ میں عروج بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے عینی کی آواز سنائی دی ''عروج! ... عینی بول رہی ہوں۔ کیا تو مجھ سے ناراض ہے؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہے؟ میں تجھ سے نارا... کیوں ہوں گی؟''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولی ''مجھے بینائی ... میں نے بس ایک نظر تجھے دیکھا۔ اس کے بعد پاشا کی طر... متوجہ ہوگئی۔ مجھے غلطی کا احساس ہو رہا ہے تو میں تجھ سے ... کے لیے بے چین ہو رہی ہوں۔ بھابی جان نے بتایا ہے ک... اسپتال جا چکی ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ مجھ سے نارا... ہو گئی ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری ڈیوٹی کا وقت ہو... تھا۔ اس لیے یہاں آ گئی ہوں۔ یہ بتا تو کیسی ہے؟ آنکھو...

...کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کل صبح اسپتال سے گھر ...لی جاؤں گی۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ جب تو اسپتال سے گھر ...ئے گی تب میں تجھ سے ملنے آؤں گی۔''

''عروج! میں پھر کہتی ہوں، تو مجھ سے ناراض ہے۔ ...ہی معلوم ہوا ہے کہ تو اپنا سامان لے کر میرے گھر سے چلی گئی ہے۔''

''یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ اب تیری شادی ہو گئی ہے۔ ...س بیڈ روم میں ہم سویا کرتی تھیں اب وہ تیرے مجازی خدا کا ...و گیا ہے۔''

''تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ تو میرے ساتھ والے کمرے ...ں رہ سکتی تھی۔ گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''عینی! سمجھنے کی کوشش کر۔ مجھے فی الحال تجھ سے اور پاشا ...ے دور رہنا چاہیے۔ کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہیے۔ میں جو ...کر رہی ہوں تیری بہتری کے لیے کر رہی ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عینی نے جھجکتے ہوئے ...چھا ''کیا پاشا وہاں تیرے پاس آئے ہیں؟''

عروج نے پاشا کی طرف دیکھا پھر وہ بھی جھجکتے ہوئے ...لی ''وہ یہاں تو نہیں ہیں۔ کیا تیرے پاس اسپتال میں نہیں ...ں؟''

''نہیں۔ وہ تجھے تلاش کرنے کے لیے میری کوٹھی میں ...ئے تھے۔ بھابی جان انہیں پکڑ کر پھر میرے پاس اسپتال لائی ...ہیں۔ یہاں میں نے اپنے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسی دل توڑنے والی باتیں کر رہے ہیں کہ ...ں کیا بتاؤں۔''

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی۔ فون پر اسما کی آواز سنائی دے ...رہی تھی۔ وہ عینی کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہی تھی ''چپ ہو جاؤ ...عینی۔ حوصلہ کرو۔ پاشا تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔ تم ...عروج سے بات کرو۔''

وہ روتے ہوئے بولی ''پاشا کہہ رہے تھے وہ میری کوٹھی ...میں نہیں رہیں گے اور نہ ہی میرا کاروبار سنبھالیں گے۔ وہ پھر ...ٹیکسی چلانا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچ وہ میرے شوہر ہو کر ٹیکسی ...چلائیں گے تو میں اپنے خاندان میں، رشتہ داروں میں، ...سوسائٹی میں کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ کسی سے کیا کہوں گی کہ ...مجھ جیسی دولت مند لڑکی کا خاوند ٹیکسی کیوں چلا رہا ہے؟''

''عینی! میں تیری باتیں سمجھ رہی ہوں۔ واقعی معاشرے ...میں اور تیری اعلیٰ سوسائٹی میں تیرے وقار اور تیری نیک نامی کا سوال ہے۔ میں پاشا کو سمجھاؤں گی۔''

وہ پھر روتے ہوئے بولی ''تیرے سمجھانے سے کیا ہوگا؟ وہ تو مجھ سے بیزار نظر آتے ہیں۔ مجھ سے دور دور بھاگ رہے ہیں۔''

''نہیں عینی! تجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔''

''مایوسی کی تو بات ہے۔ ابھی میں لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ بھابی جان نے کہا کہ وہ گھر جا کر میرے لیے لباس لے آئیں گی تو پاشا نے کہا نہیں وہ گھر جائیں گے اور اپنی پسند کا لباس لے کر آئیں گے۔ میں خوش ہوگئی کہ وہ مجھے اپنی پسند کا لباس پہنانا چاہتے ہیں لیکن وہ یہاں سے گئے ہیں تو اب تک ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔''

عروج نے گھور کر پاشا کو دیکھا پھر کہا ''تم ذرا صبر کرو۔ وہ لباس لے کر آ رہے ہوں گے۔''

''کچھ معلوم تو ہونا چاہیے کہ وہ ہیں کہاں؟ بھابی جان کی گاڑی لے کر گئے ہیں۔ گھر فون کیا تو پتا چلا کہ وہاں ابھی تک نہیں پہنچے ہیں۔ تم کہتی ہو کہ تمہارے پاس بھی نہیں آئے ہیں۔ وہ کہاں جا سکتے ہیں؟ اس طرح تو پریشانی اور بڑھتی رہے گی۔''

عروج نے میٹھی ناراضگی سے پاشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے۔ تم تھوڑی دیر بعد مجھے فون کرو کہ وہ واپس آئے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں آئے ہوں گے تو میں ڈیوٹی چھوڑ کر تمہارے پاس آؤں گی۔''

عینی نے تھوڑی دیر بعد فون کرنے کا وعدہ کیا پھر رابطہ ختم ہوگیا۔ عروج نے اپنا فون بند کرتے ہوئے اسے میز پر پٹختے ہوئے کہا ''یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہو؟ وہ بیچاری لباس چینج کرنے کے لیے بیٹھی ہوئی ہے اور تم اسے دھوکا دے کر یہاں چلے آئے ہو۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اک ذرا شرمندگی سے بولی ''میں نے اس سے جھوٹ بولا کہ تم یہاں نہیں ہو۔ مجھے اپنی عزت رکھنی ہے اور اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ عینی کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ ادھر بھابی جان کیا سوچیں گی۔ تم ان کی گاڑی لے کر یہاں آ گئے ہو۔ تمہیں فوراً یہاں سے کوٹھی جانا چاہیے اور وہاں سے عینی کا لباس لے کر اسپتال پہنچنا چاہیے۔''

وہ وہاں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی پھر اس کے بازو کو تھام کر بولی ''بیٹھے کیا ہو؟ چلو اٹھو؟''

اس نے اٹھ کر اچانک ہی پلٹ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ وہ ہانپتے ہوئے بولی ''کیا کر رہے ہو؟ کوئی

آ جائے گا۔ چھوڑ و مجھے چھوڑ و۔"

اس نے دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگنے کی تھوڑی سی محنت وصول کی پھر اسے چھوڑ دیا۔ وہ الگ ہو کر ذرا دور جا کر ہانپنے لگی۔ اپنے لباس کو اور اپنے بالوں کو درست کرنے لگی پھر سر جھکا کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی "آؤ۔ دیر نہ کرو۔"

وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آتے ہوئے بولا "تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں ابھی اس کا لباس لے کر جاؤں گا اور دیر سے آنے کی وجہ بیان کر دوں گا کہ گاڑی میں خرابی ہو گئی تھی۔ اسے درست کرانے کے بعد آیا ہوں۔"

"تم خود کو عقلمند اور دوسروں کو بیوقوف نہ سمجھو۔ تمہیں بھابی جان کی گاڑی لے کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ بھائی جان کی گاڑی ہے۔ اسے صرف پولیس والے ہی نہیں بلکہ اور بہت سے لوگ بھی جانتے ہیں۔ پتا نہیں یہاں اسپتال کے باہر کتنوں نے اس گاڑی کو دیکھا ہوگا اور اس کے بعد کتنی باتیں بنائی جائیں گی۔ دیکھو، ایک بات یاد رکھو۔ تمہیں بدنام نہیں ہونا ہے اور عینی کے دل میں غلط فہمی پیدا نہیں کرنی ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ باہر گاڑی کے پاس آئے۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "میں صرف تمہاری پریشانی دیکھ کر جا رہا ہوں ورنہ یہاں آنے کے بعد واپس جانے والا نہیں تھا۔ میں پھر کسی وقت موقع دیکھ کر آؤں گا۔"

"دیکھو، یہاں نہ آنا۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

"نیک نامی سے میری نہیں بنو گی تو تمہیں بدنام کر کے اپنا بناؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ گاڑی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی "دیوانہ ہے۔ جو کہتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ اسے کسی طرح سمجھانا ہوگا۔ اگر نہیں سمجھے گا تو مجھے اس کی دنیا سے دور جانا ہوگا۔"

☆☆☆

بیگم آفتاب، فلک آفتاب، میں اور بابر سب ہی کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ فلک ناز اور اسما اسپتال گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ محاذ آرائی کرنے والی خواتین موجود نہیں تھیں اس لیے بیگم آفتاب بہت مطمئن تھی۔ مجھ سے کھل کر عرصہ کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔

اس گھر میں عرصہ کے آتے ہی میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ اسے اپنی بہو بنا سکیں گی لیکن ذرا صبر سے انتظار کرنا ہوگا۔ محترمہ نے بڑے پیار بھرے انداز میں مجھ سے [illegible] کی "بیٹے! تم عرصہ کی بہت سی باتیں ہم سے چھپاتے ہو۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "ایسی کیا بات ہے جو میں نے چھپائی ہے؟ میں تو ساری باتیں آپ لوگوں کے سامنے کر دیتا ہوں۔"

"ایسا ہے تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ عرصہ کی بہن کی شادی ہونے والی ہے؟ ہمیں تو آج ہی شام کو [illegible] کہ کل اس کا نکاح ہے اور وہاں بڑی دھوم دھام ہو [illegible] ہے۔"

میں نے کہا "آپ بھول رہی ہیں۔ میں نے کہا تو [illegible] عرصہ اپنے اس گھر سے دور ہو چکی تھی۔ اپنے چچا کے پاس تھی۔ خود اسے نہیں معلوم تھا کہ کل اس کی بہن کا نکاح پڑ [illegible] جانے والا ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا تو میں نے عرصہ کو [illegible] آسرا کے ساتھ بھیجا ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیگم! تمہاری یادداشت کمزور [illegible] ہے۔ مقدر میاں ہم سے کچھ نہیں چھپاتے ہیں۔ واقعی ا[illegible] نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ عرصہ اپنے ماں باپ سے الگ ہو [illegible] کے ساتھ رہنے لگی ہے۔"

میں نے بابر سے پوچھا "کیوں بابر! عرصہ سے کچھ [illegible] کا سلسلہ شروع ہوا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "جی ہاں۔ پہلے تو میرا خیال [illegible] کہ وہ مغرور لڑکی ہے۔ شاید مجھ سے بات نہیں کرے گی لیکن [illegible] تو بہت ہی ملنسار ہے۔ گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ بہت ذ[illegible] ہے۔ اسے جگجیت سنگھ، پنکج ادھاس اور غلام علی کی غزلیں [illegible] پسند ہیں۔"

"پھر تم نے اپنی پسند کیا بتائی؟"

"میں نے بھی کہہ دیا کہ مجھے بھی ان سب کی گائیکی [illegible] پسند ہے اور میں آج شام کو ان کے کیسٹس لا کر سناؤں گا۔"

"اور وہ شام سے پہلے ہی چلی گئی۔ کیا تم نے کسی ط[illegible] اس سے رابطہ کیا؟"

"میں رابطہ کیسے کرتا؟ عرصہ کے پاس موبائل فون ن[illegible] ہے۔"

"میاں! اس طرح تو تمہارا عشق لنگڑاتے لنگڑاتے [illegible] گا۔ ذرا عقل سے کام لینا چاہیے۔ آسرا سے بات کرتے ت[illegible] عرصہ سے تمہاری بات ضرور کرا دیتی۔"

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب یہ دیکھ کر خوش ہو رہے [illegible] کہ میں ان کے بیٹے کو عرصہ کے قریب سے قریب تر کرنے [illegible] کوششیں کر رہا ہوں۔ میں نے بیگم آفتاب سے کہا "بڑی ا[illegible]

[illegible]پ کا یہ بیٹا بہت ہی بھولا ہے۔"

[illegible] وہ نہ تو بھولا تھا نہ باؤلا تھا لیکن ماں باپ یہ سن کر خوش ہو [illegible] تھے اور میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ فلک آفتاب [illegible] نے کہا "مقدر میاں! ہم نے تو بابر کو تمہارے حوالے کر دیا [illegible] ہے۔ تم ہی اسے گائیڈ کرو۔"

"گائیڈ کیا کرنا ہے۔ وہاں عرصہ کے گھر میں شادی [illegible] ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بابر کو کوئی قیمتی تحفہ [illegible] لے کر وہاں جانا چاہیے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "واقعی، یہ تو زبردست آئیڈیا ہے۔ [illegible] وقع محل کے مطابق ایک تو قیمتی تحفے کی اہمیت ہوگی۔ [illegible] دوسرے یہ کہ عرصہ میرے بیٹے سے متاثر ہوگی۔"

بابر نے کہا "پھر تو میں ابھی جاؤں گا لیکن یہ بتائیں کہ [illegible] کون سا قیمتی تحفہ دیا جائے؟"

فلک آفتاب نے کہا "تم لڑکی والوں کی طرف سے ہو۔ [illegible]س لیے تمہیں لڑکی کے جہیز کے لیے کوئی معقول چیز دینا چاہیے [illegible] یا پھر زیور کا ایک سیٹ دینا چاہیے۔"

"ڈیڈ! رات کے دس بجنے والے ہیں۔ جیولرز کی دکانیں [illegible] وَاب بند ہوں گی۔ لہٰذا زیورات کا سیٹ خریدا نہیں جا سکتا۔"

بیگم آفتاب نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں نے ایک ماہ پہلے زیورات کا ایک بہت ہی خوبصورت سیٹ خریدا تھا۔ وہ میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ عرصہ اور اس کی بہنوں کو وہ بہت پسند آئے گا۔"

"ممی! وہ سیٹ قیمتی ہونا چاہیے۔"

"بیٹے! وہ ستر ہزار کا ہے۔"

میں نے کہا "عرصہ کی زندگی میں داخل ہونے کے لیے ستر ہزار کا سیٹ کافی ہے۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا "ممی! بس ابھی وہ سیٹ نکالیں میں جا رہا ہوں۔"

میں نے کہا "بیٹھو۔ پہلے میری چند باتیں توجہ سے سنو۔"

بیٹے سے زیادہ ماں باپ توجہ سے سننے لگے اور مجھے دلچسپی سے اور محبت سے دیکھنے لگے۔ میں نے کہا "وہاں جا کر فوراً واپس نہ آ جانا۔ عرصہ کے ساتھ لگے رہنا۔ وہاں شادی کے سلسلے میں بہت زیادہ مصروفیات ہوں گی اور کتنے ہی کام ہوں گے۔ تم عرصہ تمام کاموں میں ہاتھ بٹانا۔ اس طرح اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنے کا موقع ملے گا۔"

بیگم آفتاب نے خوش ہو کر بیٹے سے کہا "یہ ہوتے ہیں کسی کے دل میں جگہ بنانے کے طور طریقے۔ تم اپنے بھائی جان سے یہ سب کچھ سیکھتے رہو اور ان کے مشوروں پر عمل کرو تو بڑے کامیاب رہو گے۔"

میں نے بابر سے کہا "تم عرصہ پر کس طرح اثر انداز ہوتے رہو گے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات سنو۔ اس کے پاس جو ہیرے جواہرات تھے وہ میں نے اس کی اجازت سے فروخت کر دئیے ہیں۔ وہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپے میں فروخت ہوئے ہیں۔"

بیگم آفتاب نے ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ تم عرصہ سے کہو گے "مقدر بھائی نے وہ ہیرے جواہرات تمہیں فروخت کرنے کے لیے دئیے تھے اور اب تمہارے پاس ایک کروڑ بیس لاکھ روپے ہیں۔ کل تم اسے لے کر بینک میں جاؤ گے اور اس کے اکاؤنٹ میں یہ رقم جمع کراؤ گے۔"

بیگم آفتاب اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے پاس آ کر میرے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بڑی ممتا سے سہلاتے ہوئے بولی "پھر تو عرصہ ہماری بہو ضرور بنے گی۔ بیٹے! تم ہمارے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔"

میں نے کہا "بڑی امی! ابھی تو آپ اسے وہ زیورات کا سیٹ دیں پھر یہ کل صبح یہاں آئے گا اور مجھ سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے لے کر جائے گا۔"

بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور بابر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح مجھے محبت سے اپنے دلوں کے اندر گھسا لیں۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ سب مجھے اپنے سروں پر بٹھا کر ناچنے لگتے۔ وہ زیورات کا سیٹ لینے کے لیے اپنی ماں کے ساتھ چلا گیا۔

ادھر عرصہ کے گھر میں بڑی رونق تھی۔ تمام گھر والے جتنے خوش تھے اتنے ہی پریشان بھی تھے۔ پریشان اس لیے تھے کہ کم سے کم وقت میں عرصہ کی بڑی بہن کو دلہن بنا کر رخصت کرنا تھا۔ دنیا جہان کی تیاریاں کرنی تھیں۔ کم سے کم وقت میں میرج ہال بک کرایا گیا تھا۔ رشتہ داروں کو دعوتیں دی جا رہی تھیں اور جہیز کا سامان خریدا جا رہا تھا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں، سب ہی بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔

انسان اپنے بہترین اعمال سے، ذہانت سے اور تدابیر سے شیطان کو شکست دیتا رہتا ہے پھر بھی وہ اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ میں نے امیر علی کو اچھی طرح کچل کر رکھ دیا تھا اور وہ عرصہ کی بڑی بہن سے شادی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن وہ در پردہ انہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ عرصہ کی بڑی بہن کو دلہن بنا کر تو لے آئے گا لیکن رفتہ رفتہ ایسی چالیں چلے گا کہ آنے [illegible]

دلہن موت کی طرف جانے لگے گی اور اس طرح اس کی موت واقع ہوگی کہ کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکے گا۔

امیر علی یہ سوچ کر بھی حیران ہو رہا تھا کہ عرصہ اور اس کے والدین پسماندہ علاقے میں رہتے ہیں، نہایت غریب ہیں پھر ان کے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی ہے کہ وہ ایک بڑے سے میرج ہال میں بڑی دھوم دھام سے بیٹی کی شادی کر رہے ہیں۔ میں نے امیر علی کو بھی دھمکی دی تھی کہ اگر دھوم دھام سے بارات لے کر نہیں آیا اور اس کی بارات میں سیکڑوں باراتی شامل نہیں ہوئے تو پھر وہ مصیبت میں پڑ جائے گا اور میری دشمنی اسے مہنگی پڑ رہی تھی۔ اس لیے وہ بھی دھوم دھام سے بارات لانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس نے اس پسماندہ علاقے کے تھانے دار فیروز خان سے رابطہ کیا ''میں امیر علی بول رہا ہوں۔ میں نے افضل حیات کی بڑی بیٹی نجمہ کو اغوا کرایا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں مجھ سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ اب میں کچھ مشکلات میں پڑ گیا ہوں۔ جس لڑکی نجمہ کو اغوا کرایا تھا اسی سے شادی کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

فیروز خان نے پوچھا ''ایسی مجبوری کیا ہے؟ آپ ہمیں ساری باتیں بتائیں۔ اگر کوئی آپ پر دباؤ ڈال رہا ہے۔ کوئی بدمعاشی کر رہا ہے تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔''

''وہ ایک نامعلوم شخص ہے۔ نہ اپنا نام پتا بتاتا ہے اور نہ ہی مجھ سے بڑی رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ بس اس کی شرط یہی ہے کہ جس لڑکی کو میں نے اغوا کرایا تھا اسی سے شادی کر کے اسے عزت اور نیک نامی دوں اور میں ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں کیونکہ اس نے مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''وہ شخص جو اس غریب خاندان کی پشت پناہی کر رہا ہے وہ کل ان کی شادی میں ضرور آئے گا۔''

''چوبیس گھنٹے کے اندر شادی کی جا رہی ہے۔ لاکھوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں۔ آپ کسی طرح یہ معلوم کریں کہ آخر وہ کون ہے جو انہیں تحفظ بھی فراہم کر رہا ہے اور ان پر لاکھوں روپے بھی خرچ کر رہا ہے۔ ہاں۔ مجھے یاد آیا۔ وہ لڑکی عرصہ فون پر اس شخص کو بھائی جان کہہ رہی تھی اور اپنے باپ سے کہہ رہی تھی کہ اس شخص نے اسے اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔''

''پھر تو وہ شخص کل شادی میں ضرور آئے گا۔ ویسے میں ابھی ان کے گھر جا کر ان کی اچھی طرح کھنچائی کرتا ہوں۔''

وہ اپنی گاڑی میں چند سپاہیوں کو لے کر عرصہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہاں گھر میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ ڈھولک پر سہاگ کے گیت گائے جا رہے تھے۔ محلے پڑو[سی] عورتیں اور مرد پہلے ان کے گھر والوں سے دور دور ر[ہتے] تھے۔ نجمہ کے اغوا ہونے کے بعد سب ہی اس گھر کی لڑکیوں کو بدنام کر رہے تھے اور سب ہی نے ان کے ہاں جانا بند کر دیا تھا لیکن جب عرصہ کے والدین نے گھر گھر ان لوگوں کو دعوتیں دیں اور بتایا کہ بہت دھوم دھام سے شادی ہو رہی ہے تو سب حیران رہ گئے تھے۔ سب ہی کے دلوں میں یہ تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ اتنی جلدی شادی کیسے ہو رہی ہے، کہاں ہو رہی ہے؟ اور اتنی دھوم دھام کے لیے ان کے پاس اتنی بڑی رقم کہاں سے آگئی ہے؟''

اس علاقے کی کتنی ہی عورتوں اور مردوں نے ان کے ہاں اس لیے آنا جانا شروع کر دیا کہ باتوں باتوں میں اندر کا بھید معلوم کریں کہ علی بابا کو چالیس چوروں کا خزانہ کہاں مل گیا ہے؟

جب انسپکٹر فیروز خان سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو کھلبلی سی مچ گئی۔ اتنے میں بابر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں آیا۔ وہ ایک اور گاڑی ڈرائیور سمیت لے آیا تھا تاکہ شادی والے گھر میں سب ہی کو آنے جانے کی سہولت رہے۔

عرصہ کے باپ افضل حیات نے گھر سے باہر آ کر انسپکٹر فیروز خان کو سلام کیا پھر پوچھا ''فرمایئے، آپ کیسے آئے ہیں؟ ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

انسپکٹر فیروز خان نے کہا ''کیا باہر ہی کھڑے کھڑے سوالات کرو گے؟ اندر بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گے؟''

اس نے کہا ''جی ہاں، آیئے، تشریف لایئے۔''

آمرا اور عرصہ بھی باہر آگئی تھیں۔ عرصہ نے کہا ''پتا نہیں یہ پولیس والے پھر کیوں آئے ہیں؟''

آمرا نے کہا ''فکر نہ کرو۔ بابر بھائی آگئے ہیں۔ معاملہ سنبھال لیں گے۔''

بابر نے زیورات کا ڈبہ عرصہ کو دیتے ہوئے کہا ''ا[سے] رکھو۔ میں تھانے دار سے نمٹنے کے بعد تم سے بات کروں گا۔''

وہ بیٹھک والے کمرے میں آیا۔ وہاں عرصہ کا باپ تھانے دار سے کہہ رہا تھا ''جناب! ہم بے شک غریب ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کبھی ہمارے دن نہیں پھریں گے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے دن پھر گئے ہیں۔''

تھانے دار نے کہا ''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ اچانک دن کیسے پھر گئے؟''

بابر نے کمرے میں آ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا[یا] [اور] کہا ''انسپکٹر! میرا نام فلک بابر حیات ہے۔ میں ایس پی [...]شان کا چھوٹا بھائی ہوں۔''

انسپکٹر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گیا [پھر] طنزیہ انداز میں بولا ''اوہ! تو آپ ایس پی صاحب کے [چھوٹے] بھائی ہیں۔ بھئی وہ تو ہمارے اعلیٰ افسر رہ چکے ہیں۔ [ہم] نے ان کی بڑی تابعداری کی ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ [جب با]دشاہ کے سر سے تاج گر جائے اور بادشاہ تخت سے نیچے گر [جا]ئے تو پھر کوئی اسے سلام نہیں کرتا۔ اس سے ہاتھ ملانا بھی [پس]ند نہیں کرتا۔ تمہارے بھائی کو اب کبھی پولیس کی وردی [نص]یب نہیں ہوگی۔ بائی دا وے، آپ اس گھر میں کیا کر رہے [ہی]ں؟''

بابر نے کہا ''شناسائی، دوستی اور رشتہ داری کے بغیر کوئی [ک]سی کے گھر آنا جانا نہیں ہے۔ میں یہ پوچھنے کی جرأت کر رہا [ہ]وں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں.... گوارا کی ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''میرے علاقے میں کوئی راتوں رات امیر ہو جائے تو انکوائری کرنا میرا فرض ہے کہ ایسے [لو]گوں کے ہاتھ کہاں سے خزانہ لگ گیا ہے؟''

''کوئی ڈاکوؤں، قاتلوں اور اسمگلروں سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ راتوں رات کس طرح امیر بن جاتے ہیں۔ یہ بزرگ اپنی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی چاہتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ رقم خرچ کر رہے ہیں تو آپ انکوائری کے لیے پہنچ گئے۔''

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا ''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم انہیں لاکھوں روپے دے رہے ہیں۔ آپ میرے بھائی جان کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ ان کے سر سے تاج گر گیا ہے اور وہ تخت سے نیچے گر چکے ہیں لیکن پولیس کی وردی اترنے کے باوجود وہ کروڑ پتی تھے اور رہیں گے۔ ہم سکندر حیات انٹرپرائیزز گروپ آف انڈسٹریز کے مالکان میں سے ہیں۔ ہم دل کھول کر کسی کی بھی مالی امداد کر سکتے ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

وہ بڑی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''ہاں۔ میں یہ ثابت کر دوں گا کہ اس بڈھے کے پاس حرام کی اور ذلالت کی کمائی ہے۔ یہ بیٹیوں سے دھندا کراتا ہے۔''

بابر نے گرج کر کہا ''انسپکٹر! مائنڈ یور لینگوج۔ آپ کی بھی جوان بیٹیاں ہوں گی۔ پلیز ایک غریب کی بیٹیوں پر کیچڑ نہ اچھالیں۔''

وہ غصے سے بولا ''اتنی گرمی کسے دکھا رہے ہو۔ کیا ان کی جوان بیٹیوں سے تم بھی فیض حاصل کرتے ہو؟''

بابر دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصہ برداشت کرنے لگا۔ وہ پولیس کی وردی میں تھا۔ اس پر ہاتھ بھی اٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر مجھ سے رابطہ ہوتے ہی بولا ''بھائی جان! یہاں عرصہ کے گھر میں اس علاقے کے تھانے دار آئے ہیں اور وہ انتہائی گندی باتیں کر رہے ہیں اور اس کے خاندان والوں پر کیچڑ اچھال رہے ہیں لیکن ہم ان کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے قانون کی وردی پہن رکھی ہے۔''

میں نے کہا ''وہ کیچڑ اچھالتا ہے تو اچھالنے دو۔ تمہیں غصے میں نہیں آنا چاہیے۔ اسے کچھ دیر تک باتوں میں الجھائے رکھو۔ اس کا خاطر خواہ علاج ہو جائے گا۔''

میں نے رابطہ ختم کیا۔ بابر نے فون بند کرتے ہوئے انسپکٹر کو مسکرا کر دیکھا پھر کہا ''سوری! میرے بھائی جان نے ابھی مجھے سمجھایا ہے کہ آپ جتنی بھی کیچڑ اچھالیں میں آپ کی عزت کروں۔''

میں جانتا تھا کہ امیر علی اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا اور اپنے جیسے شیطانوں کو عرصہ کے گھر والوں کے پیچھے لگا دے گا۔ اسی لیے میں نے بابر کے ہاں جانے سے پہلے ہی جان محمد گبول سے رابطہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا۔ ''تمہارے تمام اہم ڈاکومنٹس میرے پاس حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں۔ اب تمہیں ہمارا ایک اور کام کرنا ہے۔''

اس نے پوچھا ''اب کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا ''ایک علاقے کے پولیس انسپکٹر کی وردی اتروانی ہے۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟ پتا نہیں وہ انسپکٹر کیسا ہے؟ اگر اس کا سروس ریکارڈ اچھا ہوا تو اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکے گی۔''

''میں جانتا ہوں اس کا سروس ریکارڈ بہت ہی خراب ہے۔ وہ کئی بار قانون کو ہاتھوں میں لیتا رہا اور قانونی ہتھکنڈوں سے بچتا رہا۔ اس کے خلاف انکوائری ہوتی رہی اور وہ تمام انکوائری کو مختلف ذرائع سے دباتا رہا۔ اس کے خلاف تمام فائلیں پولیس ہیڈکوارٹر میں موجود ہیں۔ تم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کے خلاف ایکشن لو۔''

میں نے اسے بتایا تھا کہ اس وقت انسپکٹر فیروز خان کس علاقے کے کس مکان میں بیٹھا ہوا ہے اور اسے وہیں گرفتار کرنا ہے۔

میں نے انسپکٹر فیروز کے وہاں آنے سے پہلے ہی جان

محمد گبول کو فون کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ انسپکٹر عرصہ کے گھر ضرور آئے گا کس طرح انہیں پریشان کرے گا اور اسی لیے پہلے ہی میں اس کے خلاف ایکشن لے چکا تھا۔

ادھر جان محمد گبول نے ایمرجنسی کال کر کے اعلیٰ افسران کو حکم دیا تھا کہ ابھی انسپکٹر فیروز خان کی فائلیں کھولی جائیں۔ وہ جہاں بھی ہے وہیں اسے حراست میں لے کر اس کی وردی اتاری جائے۔ یہ کام ابھی ایک گھنٹے کے اندر ہونا چاہیے۔

کوئی معاملہ خواہ کتنا ہی پیچیدہ ہو اگر اسے اعلیٰ سطح پر نمٹایا جاتا ہے تو پلک جھپکتے ہی اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آجاتے ہیں۔

عرصہ کے گھر والے پریشان ہو رہے تھے۔ محلے پڑوس کی عورتیں اور مرد جتنے بھی آئے تھے وہ تماشائی بنے دیکھ رہے تھے کہ انسپکٹر کس طرح ان پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ محلے کے جو لوگ بھید لینے آئے تھے وہ ہنس رہے تھے، مذاق اڑا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ''انسپکٹر صاحب! میں تو ان کا پڑوسی ہوں اور ان کی بیٹیوں کے رنگ ڈھنگ اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ راتوں رات امیر کیسے بن گئے؟''

ایک عورت نے ہاتھ نچا کر کہا ''سنا ہے بیٹی کو جہیز میں دینے کے لیے صرف فرنیچر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کا آیا ہے جبکہ ان کا کوئی بیٹا کماتا نہیں ہے۔ یہ تو کبھی کبھی پڑوسیوں کے ہاں جا کر آٹا، دال، چاول ادھار مانگتے رہتے ہیں۔''

ایک اور عورت نے بابر کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا ''یہ امیر زادہ اپنی قیمتی گاڑی نمائش کے لیے یہاں لایا ہے۔ اب اس گاڑی میں ان کی کسی بیٹی کو بٹھا کر یہاں سے لے جائے گا۔''

عرصہ اور اس کی بہنوں نے بابر کو دیکھا پھر ایک بہن روتی ہوئی اپنا منہ چھپاتی ہوئی وہاں سے مکان کے اندر چلی گئی۔ وہ عرصہ کے سامنے اپنی بہت ہی انسلٹ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ غصے میں نہیں آنا اور دانشمندی بھی یہی تھی کیونکہ عرصہ کے گھر والوں کے خلاف صرف پولیس والے ہی نہیں تھے پورا محلہ بھی تھا۔ اگر وہ کسی ایک سے بحث کرتا یا جھگڑا کرتا تو سب ہی اس پر پل پڑتے۔

اسی وقت سی۔ آئی۔ اے والے ایک گاڑی میں وہاں پہنچ گئے۔ گاڑی کی اگلی سیٹ سے مہارت خان نے اترتے ہوئے سپاہیوں کی طرف دیکھا پھر انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا تم انسپکٹر فیروز خان ہو؟''

وہ فخر سے سینہ تان کر بولا ''ہاں میں ہوں فیروز خان۔ تم کون ہو؟''

مہارت خان نے اپنے ڈپارٹمنٹ کا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا ''میں ہوں مہارت خان سی۔ آئی۔ آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔''

فیروز خان ذرا ڈھیلا پڑ گیا۔ مصافحے کے لیے بڑھاتے ہوئے بولا ''آپ نے یہاں آنے کی زحمت کی؟ مجھے بلا لیا ہوتا۔''

مہارت خان نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھا کہا ''میں صرف ان افسران سے ہاتھ ملاتا ہوں جو ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔ افسوس تم ڈیوٹی پر نہیں رہے۔ تمہیں معطل چکا ہے۔''

فیروز خان کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک پیچھے ہٹ کر بولا ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میرے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ والے لوگوں کی سلامتی کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ قابل قدر ہوتی ہے۔ اس لیے میں اس وردی میں ہتھکڑی نہیں پہناؤں گا۔ اپنا یہ بیلٹ اتار دو۔''

فیروز خان کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ اپنی عزتی محسوس کرتے ہوئے تمام لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ عورتیں اور مرد دور دور تک کھڑے ہوئے دکھائی دے تھے۔ سب ہی خاموش تھے اور سوالیہ نظروں سے اسے رہے تھے۔ سب ہی کی نظریں پوچھ رہی تھیں ''کیا وہ پو آفیسر بیلٹ اترتے ہی دو کوڑی کا ہو جائے گا؟''

فیروز خان نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ وہ کے ہر اچھے برے وقت میں کام آتے تھے لیکن ان کے سا سی۔ آئی۔ اے کا بہت بڑا افسر کھڑا ہوا تھا۔ اس افسر کے ماتحت نے آگے بڑھ کر فیروز خان کی کمر سے بیلٹ اتار

بابر نے آگے بڑھ کر مہارت خان سے کہا ''آفیسر! میر فلک بابر حیات ہے۔ میں ایس۔ پی ذیشان کا چھوٹا ہوں۔''

مہارت خان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا ہوئے کہا ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ فرمائیے آپ کیسے؟''

بابر نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''میں اسی طرح انسپکٹر سے مصافحہ کرنا چاہتا تھا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی ہے۔ ان کی وردی اتر چکی ہے۔ لہٰذا جو بادشاہ اپنے تخت نیچے گر جاتا ہے اس سے کوئی ہاتھ نہیں ملاتا۔''

مہارت خان نے کہا ''آپ کے بھائی جان کے

ساتھ ہیں۔ انہوں نے اچھا کیا ہے یا بر اس کا فیصلہ میں ہوگا لیکن آپ سے نفرت کرنا اور آپ کے گھر لوں کا مذاق اڑانا سراسر کم ظرفی ہے۔''

بابر نے کہا ''یہ سارے محلے کے لوگ تماشائی بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے یہ اس بوڑھے غریب کی بیٹیوں پر کیچڑ اچھال رہا تھا۔ جبکہ ان کی بڑی صاحب زادی کل عزت آبرو سے دلہن بن کر رخصت ہونے والی ہے۔ اس نے اس بات کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اس دلہن بننے والی پر بھی کیچڑ اچھالتا رہا۔''

بابر نے تمام محلے والوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میں افسر کے سامنے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ بہت سے بدمعاش فیروز خان کی طرح پولیس کی وردی پہن کر غریبوں اور لاچاروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان پر بے جا کیچڑ اچھالتے ہیں۔ انہیں بدنام کرتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ لوگ بھی ایسے شرپسند پولیس والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔''

آسرا نے کہا ''اب آپ کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ جو ذلیل کمینہ تھا اور شیطانی فطرت رکھتا تھا وہ آپ لوگوں کے سامنے گرفتار ہو کر جا رہا ہے اور جو نیک نام تھے وہ نیک نام ہیں اور رہیں گے اور ایک شریف زادی نیک نامی کے ساتھ یہاں سے دلہن بن کر جائے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکے گی۔ جو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، اڑاتے رہیں اور اپنے گھروں میں جا کر آرام کریں۔ آئندہ اگر کسی نے ہم پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو ہم اس کے خلاف بھی اسی طرح قانونی کارروائی کریں گے۔''

انسپکٹر فیروز نے کہا ''پلیز آپ مجھے ابھی ہتھکڑی نہ لگائیں۔ میں فون پر کسی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہماری کارروائی مکمل ہونے کے بعد تم کسی سے بھی فون پر بات کر سکو گے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اب تک تمہارے خلاف جتنی انکوائری ہوتی رہی اور تم انہیں دباتے رہے وہ ساری فائلیں کھل گئی ہیں۔ تمہیں اتنی مضبوطی سے شکنجے میں لیا گیا ہے کہ تم کسی بڑے سے بڑے حمایتی کی فون کال سے بھی نہیں بچ پاؤ گے۔''

اسے ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ وہ سب کے سامنے سر جھکا کر ان کے سامنے گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

جو لوگ انسپکٹر فیروز کی موجودگی میں انہیں طعنے دے رہے تھے اور بدنام کر رہے تھے وہ اب منہ چھپا کر وہاں سے جانے لگے۔ جو سیدھے سادے اور شریف لوگ تھے ان میں سے کسی نے آگے بڑھ کر عرصہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ کسی بوڑھے نے اس کے باپ کو گلے لگا کر کہا ''اچھائی اور سچائی کی قدر دیر سے ہوتی ہے مگر ضرور ہوتی ہے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی اس گھر میں پھر ڈھولک بجنے لگے۔ سہاگ کے گیت گائے جانے لگے۔ ہنسنے بولنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں نے آسرا سے فون پر کہہ دیا تھا کہ اسے اور عرصہ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جو برا ہے وہ اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا۔ میں نے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔

جب مہارت خان انسپکٹر فیروز کو گرفتار کر کے لے گیا اور

بدنام کرنے والے سر جھکا کر اور منہ چھپا کر چلے گئے اور اس گھر میں پھر سے شادی بیاہ کے گیت گائے جانے لگے تو آسرا نے فون کے ذریعے مجھے مخاطب کیا پھر کہا "میرے دل کی کائنات کو لوٹ لینے والے تو ہے کیا چیز؟ پتا ہے اس وقت میرا دل کیا کہنا اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"

پھر وہ ہنستے ہوئے بولی "میرا بلما چھیل چھبیلا، میں تو ناچوں گی......"

میں ہنسنے لگا۔

☆☆☆

دردانہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ خود کو ہر زاویئے سے دیکھ دیکھ کر خوش بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی ہو رہی تھی۔ شہباز درانی اور اس کا میک اپ مین ایک طرف بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

وہ اپنے چہرے کو ادھر ادھر سے چھو کر بولی "میں تو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور جوان لگ رہی ہوں۔ اور خود کو پہچان نہیں پا رہی ہوں۔"

میک اپ مین نے کہا "میڈم! میرا دعویٰ ہے کہ آپ کو آپ کے ماں باپ بھی دیکھیں گے تو پہچان نہیں پائیں گے۔"

وہ الماری کے پاس آئی اور اس میں سے دس ہزار روپے نکال کر میک اپ مین کو دیتے ہوئے بولی "تم نے میری عمر پہلے سے کم کر دی ہے۔ یہ اس کا انعام ہے۔" وہ خوش ہو کر شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی شہباز نے دردانہ کو پکڑ کر اپنی آغوش میں کھینچا اور بولا۔

"آج میرے بازوؤں میں ایک نئی بھرپور جوان عورت آ گئی ہے۔ اس بات کی تو خوشی ہے کہ تم پہلے سے جوان اور خوبصورت ہو کر بہت خوش نظر آ رہی ہو لیکن میری دردانہ کہیں گم ہو گئی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "میں تو تمہاری دھڑکنوں سے لگی ہوئی ہوں۔ تمہارے دل میں بسی ہوئی ہوں۔ میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔ البتہ تبدیلی آ گئی ہے۔ مرد یکسانیت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی چہرہ دیکھنا نہیں چاہتے اسی لیے میں تمہارے لیے بدل چکی ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک اس کے نئے رنگ روپ اور اس کے نئے بہروپ سے بہلتا رہا پھر گھڑی دیکھ کر بولا "ٹھیک دو گھنٹے بعد تمہاری فلائٹ ہے۔ کیا تمام ضروری سامان پیک کر چکی ہو؟"

"تمام پیکنگ ہو چکی ہے۔ بس یہاں سے چلنا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا "ائر پورٹ چلو۔ اس کے بعد تو جدا ہونا ہے پھر پتا نہیں ہم ملیں گے؟"

"مجھ پر بھروسا کرو۔ اگر حالات سازگار نہ ہوئے یہاں نہ آ سکیں تو میں تمہارے پاس چھپ کر آؤں گا۔"

وہ اس پر قربان ہونے لگی۔ کہنے لگی "میں جانتی میرے بغیر نہیں رہ سکو گے۔ ضرور میرے پیچھے آؤ گے۔"

وہ اس کے سحر میں ڈوب گیا پھر ابھر کر بولا "تم بھ آؤ گی۔"

"میں جانتی ہوں۔ جب تم بہت پریشان ہوتے میں تمہارا سر اپنے سینے پر رکھ کر سہلاتی ہوں۔ تمہیں خو دیتی ہوں اور تمہارا ذہن بھٹکا دیتی ہوں۔ تم فکر و پریشا وقتی طور پر نجات حاصل کر لیتے ہو لیکن اب تمہیں کون ب گا؟ کون پیار کرے گا؟"

"میں تمام پریشانیاں پہلے سے دور کرنے کی کوش رہا ہوں۔ اسد عزیزی میرے لیے بہت اہم ہے۔ ا جان کے لیے خطرہ تھا اسی لیے میں نے اسے واشنگٹن بھ وہاں اس کا علاج ہو رہا ہے۔ آج تم جا رہی ہو۔ اس کوئی دشمن میری کسی کمزوری سے نہیں کھیل سکے گا۔"

"تم روز صبح شام موبائل پر مجھ سے رابطہ رکھنا خیریت بتاتے رہنا۔"

"ہاں۔ اطمینان رکھو۔ جہاں تم جا رہی ہو وہا میرے آدمی ہوں گے۔ میرا ایک جاسوس تمہارے سا کرے گا مگر تم سے دور دور رہ کر تمہاری نگرانی کرتا ر ممبئی میں اور کئی مسلح گارڈز ہونگے جو دور ہی دور سے نگرانی کرتے رہیں گے۔ کبھی تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں دیں گے۔"

ایک مسلح گارڈ نے آ کر کہا "باس ٹیکسی آ گئی ہے۔"

وہ بولا "ٹھیک ہے۔ میڈم کا تمام سامان لے رکھو۔"

وہ اس کا سامان لے جا کر رکھنے لگا۔ وہ دونوں کرتے ہوئے باہر آئے پھر اس نے کہا "تم ٹیکسی میں میں تمہارے پیچھے اپنی گاڑی میں رہوں گا۔ ائر پورٹ تمہیں دور ہی دور سے دیکھتا رہوں گا۔ جب تک فلائٹ روانہ نہیں ہو جائے گی تب تک میں وہیں رہوں"

وہ خوش ہو کر بولی "آئی لو یو شہباز۔"

وہ بولا "آئی لو یو ٹو۔"

وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور وہ اپنی کار میں بیٹھ گیا اور اسے اسٹارٹ کر کے اس ٹیکسی سے کچھ فاصلہ

کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ مقدر سے دولت اور طاقت ملتی ہے لیکن کمزوری بھی ملتی ہے۔ جو شہزور ہوتے ہیں ان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اور آج وہ اپنی تمام کمزوریوں کو خود سے دور کر رہا تھا۔

وہ دونوں ائر پورٹ پہنچ گئے۔ وہ وزیٹرز لابی میں ادھر سے ادھر گھومتی پھرتی رہی۔ شہباز نے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولی "ہائے! تم کہاں ہو؟"

"یہیں ائر پورٹ پر ہوں۔ تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تم بک اسٹال کے پاس کھڑی ہوئی ہو۔ ادھر ادھر سر گھما کر مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"ہائے شہباز! مجھ جیسی عورتیں بہت خوش نصیب ہوتی ہیں جن کے پیچھے ان کے چاہنے والے مرد دیوانے کی طرح لگے رہتے ہیں۔"

"تم اس نئے روپ میں کیا محسوس کر رہی ہو؟"

"کچھ نہ پوچھو۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ایڈونچرس لائف گزار رہی ہوں۔ بہت پر اسرار بن گئی ہوں۔ کوئی مجھے نہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے۔ پتا ہے ابھی ایک جیولر سے سامنا ہوا۔ میں اس سے کئی بار جیولری خرید چکی ہوں۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے لیکن وہ بھی مجھے پہچان نہ سکا۔ میں کیا بتاؤں کہ مجھے کتنی خوشی ہو رہی تھی۔"

"میری جان! اسی طرح خوش ہوتی رہو۔ تم مسرتوں میں مست رہتی ہو تو مجھے ذہنی سکون حاصل ہوتا رہتا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بول رہی تھی پھر ایک دم سے چونک گئی۔ اس کی ساری خوشیاں ہرن ہو گئیں۔ شہباز نے پوچھا۔ "اچانک چپ کیوں ہو گئیں؟"

"وہ۔ شہباز! وہ تمہارا ماہر نجومی پبلو ماسٹر مجھے دیکھ رہا ہے۔ شاید مجھے پہچان رہا ہے۔"

شہباز درانی نے اپنی نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تو دیکھا کہ وہ پبلو ماسٹر وہیں دردانہ سے تھوڑے فاصلے پر بک اسٹال کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہ بولا "تم کیوں خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو؟ وہ تمہیں نہیں پہچانے گا۔"

"اگر نہیں پہچانے گا تو پھر وہ کیوں مجھے اس طرح دیکھ رہا ہے؟"

"اسے دیکھنے دو۔ اپنے آپ پر اعتماد رکھو۔ یہ اچھا ہے کہ جان پہچان والوں سے سامنا ہو رہا ہے۔ اس طرح موجودہ میک اپ کی آزمائش بھی ہوتی رہے گی کہ کوئی تمہیں کسی بھی طرح پہچان سکتا ہے یا نہیں؟"

وہ دھیمی آواز میں بولی "شہباز! وہ میری طرف آ رہا ہے۔"

"آنے دو۔ فون کو آن رکھو۔"

وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے انتظار کر رہا ہو کہ وہ فون پر ہونے والی باتیں ختم کرے تو پھر اسے مخاطب کرے۔ دردانہ نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا "یس؟ کیا بات ہے؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "دیکھیے میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے آپ فون پر باتیں کر لیں۔"

"میں باتیں کر لوں گی۔ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"وہ۔ میں کیا بتاؤں؟ آپ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں آپ کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچ رہی ہے۔"

اس نے تجسس میں مبتلا ہو کر پوچھا "ایسی کیا بات ہے۔ مجھ میں کس طرح کی کشش ہے۔ ذرا وضاحت کرو۔"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"کیا میری صورت تم نے پہلے بھی دیکھی ہے؟"

"نہیں۔ میں پہلی بار آپ کو دیکھ رہا ہوں لیکن ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

پھر وہ ایک دم سے چونک کر بولا "لعنت ہے میری یادداشت پر۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے۔"

اس بار دردانہ اور شہباز دونوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ میک اپ کے باوجود اسے پہچان گیا ہے۔ وہ ہنسنے لگا۔ دردانہ نے پوچھا "کیوں اس طرح ہنس رہے ہو؟ تمہیں کیا یاد آ گیا ہے؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ یہ جو آپ نے لباس پہن رکھا ہے یہ بالکل یونیک ہے، منفرد ہے۔ اس کا کلر اور اس کے گلے میں اور آستینوں میں بنے ہوئے بیل بوٹے کچھ ایسے ہیں کہ انہیں میں نے پہلی بار ایک رئیس خاتون کے بدن پر دیکھا تھا۔"

وہ بولی "تم نے کس خاتون کو ایسا لباس پہنے دیکھا تھا؟"

"وہ بہت ہی امیر کبیر خاتون ہیں۔ میں ان کا ہاتھ دیکھنے کے لیے ان کی کوٹھی میں گیا تھا لیکن ایسا لباس دیکھتے ہی میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں ایسا پاکستانی لباس کسی ٹیلر ماسٹر سے سلواؤں گا۔ یہ میری محبوبہ کے لیے بہترین تحفہ ہوگا۔"

وہ بولی "تھینکس گاڈ! تمہیں یاد آ گیا۔ اب میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھے فون پر بات کرنے دو۔"

وہ بولا "سوسوری میڈم! میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ دردانہ نے فون کو کان سے لگایا۔ شہباز نے کہا ''اس کمبخت پبلو ماسٹر نے تو ہمیں پریشان ہی کر دیا تھا۔ اس نے وضاحت کی تو مجھے یاد آیا کہ جب وہ ہماری کوٹھی میں آ کر تمہارا ہاتھ دیکھ رہا تھا اس روز تم نے یہی لباس پہنا ہوا تھا۔''

وہ حیرانی سے بولی ''مائی گاڈ! میں چہرے سے نہیں صرف اپنے لباس سے پہچانی جانے والی تھی۔''

وہ بولا ''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ جرمنی سے آیا ہے۔ اس کے لیے یہاں کے ملبوسات کچھ نئے اور عجیب سے ہیں اسی لیے اسے تمہارا یہ لباس یاد رہ گیا۔ کوئی دوسرا اس لباس کی وجہ سے تم پر شبہ نہیں کرے گا۔ دیکھو، اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔ اب بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لیے جاؤ۔''

''جا رہی ہوں مگر جاتے جاتے تم مجھے ایک بار تو نظر آ جاؤ۔''

''تم وہاں سے آگے بڑھو۔ میں ابھی تمہارے سامنے سے گزروں گا۔''

وہ اپنے سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی جانے لگی۔ اسی وقت شہباز ایک طرف سے چلتا ہوا آیا۔ اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔ وہ بے اختیار مسکرانے لگی لیکن وہ بہت ہی سنجیدہ تھا۔ ایسے گزر رہا تھا جیسے اسے پہچانتا نہ ہو۔

بہر حال وہ گزر گیا۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ وہاں اس نے سامان لگیج میں دیا۔ بورڈنگ کارڈ حاصل کیا پھر مقررہ وقت پر طیارے کے اندر آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ انسان جب بھی کچھ سوچتا' وہ پورا ہو جاتا۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ مقدر ساتھ نہ دے تو آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ طیارے کے اندر دو ائر ہوسٹس مسافروں کی ان کی سیٹوں کی طرف رہنمائی کر رہی تھیں۔ ان مسافروں کی بھیڑ میں پبلو ماسٹر بھی تھا۔ دردانہ اسے دیکھتے ہی چونک گئی اور پریشان ہو گئی۔ ائر ہوسٹس پبلو ماسٹر کا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر دردانہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا جب اس کے قریب آیا تو اسے دیکھ کر ایک دم سے چونک گیا پھر بولا ''ارے آپ؟ آپ بھی اسی فلائٹ سے جا رہی ہیں؟''

وہ اپنا بریف کیس سامان والے اوپر کے خانے میں رکھ کر اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دردانہ پریشان تھی۔ سوچ رہی تھی ''یہ تو شہباز درانی کے کام سے پاکستان آیا تھا۔ اب ہندوستان کیوں جا رہا ہے؟''

وہ یہ سوال اس سے نہیں کر سکتی تھی۔ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی ''اس کی موجودگی سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟''

وہ چاہتی تھی شہباز درانی کو فون کرے۔ اسے بتائے کہ پبلو ماسٹر بھی اس کے ساتھ اسی طیارے میں سفر کر رہا ہے۔ وہ فون نہیں کر سکتی تھی۔ جہاز کے اندر موبائل فون استعمال کرنے کی ممانعت ہوتی ہے۔ ماسٹر اسے غور سے دیکھ رہا تھا پھر بولا ''آپ کچھ سوچ رہی ہیں اور پریشان لگ رہی ہیں۔''

وہ بولی ''میں پریشان نہیں ہوں اور آپ سے یہ کہہ دوں کہ سفر کے دوران میں خاموش رہنا پسند کروں گی۔ پلیز! گفتگو سے پرہیز کریں تو بہتر ہوگا۔''

وہ مسکرا کر بولا ''ایز یو لائک۔ میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔''

وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فی الحال دردانہ کی طرف سے تجسس نہیں تھا۔ وہ کراچی میں دو چار روز رہ کر یہ دیکھ چکا کہ ایسا لباس عام طور پر یہاں کی عورتیں پہنتی ہیں۔ صرف اس میں کڑھائی کا کام کچھ ایسا مختلف تھا کہ اسے یاد رہ گیا تھا۔

جہاز اپنے مقررہ وقت پر پرواز کرنے لگا۔ مسافر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور کچھ اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے لگے تھے یا سونے لگے۔ دردانہ بھی آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ سیٹ کے ہتھے پر تھا اور دوسرا زانوں پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ اس طرح کھلا ہوا تھا کہ پوری طرح دکھائی دے رہی تھی۔

پبلو ماسٹر کی نظر ادھر گئی تو وہ اپنی عادت اور پیشے کے مطابق اسے دیکھنے لگا۔ پہلے تو وہ سرسری طور پر اسے دیکھ کر اپنی نظریں ہٹا لینا چاہتا تھا لیکن جیسے جیسے ایک ایک لکیر کو دیکھتا گیا اس کی حیرانی بڑھتی گئی۔ وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

یہ بات نہیں تھی کہ ان لکیروں نے دردانہ کو بے نقاب کر دیا تھا۔ نہیں۔ لکیریں نام اور پتا نہیں بتاتیں۔ لیکن وہ حیران ہو رہا تھا پریشان ہو رہا تھا۔ کبھی اس کی ہتھیلی کو اور کبھی چہرے کو دیکھتا تھا۔ دردانہ اس کے اس انداز سے چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھتی ہوئی بولی ''کیا بات ہے؟ تم مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟''

''میں حیران ہو رہا ہوں۔''

''کس بات پر حیران ہو رہے ہو؟''

''یہ پاکستان کیسا ملک ہے؟ کیا یہاں بھی ایسے

ہیں؟''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں نے پاکستان آتے ہی ایک شخص کا ہاتھ دیکھا۔ اس کا نام مقدر حیات ہے اور اس سے ایک برس پہلے میں نے مسٹر شہباز درانی کا ہاتھ دیکھا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ بالکل ایک جیسے ہیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں کی ایک ایک لکیر ایک جیسی ہے۔ جو ایک کے ہاتھ کی لکیر کہتی ہے وہی دوسرے کے ہاتھ کی لکیر بھی کہتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی دو افراد کے ہاتھوں کی لکیروں کو یکساں نہیں دیکھا۔ ہر ہاتھ کی لکیریں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟''

''اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مسٹر شہباز درانی کی کوٹھی میں میں نے جس خاتون کا ہاتھ دیکھا تھا' اس کے ہاتھ کی لکیریں بالکل آپ کے ہاتھ کی لکیروں کی جیسی ہیں۔ آپ کے اس ہاتھ میں اور اس خاتون کے ہاتھ میں بھی فرق نہیں ہے۔''

دردانہ نے فوراً ہی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور اپنی ہتھیلیاں چھپانے لگی۔ گھر سے وہ اپنا چہرہ چھپا کر آئی تھی۔ اب ہاتھ چھپانے لگی۔

انسان کی زندگی میں ہر چیز بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ چہرہ بھی بدل جاتا ہے لیکن ہاتھ کبھی نہیں بدلتا اور ہاتھ کی لکیریں کبھی نہیں بدلتیں۔ صورت بدلنے سے سیرت نہیں بدلتی، تقدیر نہیں بدلتی۔

شہباز درانی اس کا چہرہ بدل کر ساری دنیا کو دھوکا دے سکتا تھا لیکن مجھے دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ جس سے دشمنی کر رہا ہے وہ ہاتھ کی لکیروں پر ہی زندہ رہتا ہے اور زندگی بھر تدبیر اور تقدیر کے تماشے دکھاتے رہتا ہے۔

وہ کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ میں کیا ہوں۔
میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

دردانہ پریشان ہوکر پبلو ماسٹر کا منہ تک رہی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ سوال گونج رہا تھا "کیا اس نے مجھے پہچان لیا ہے؟"

پھر اس نے خود ہی انکار میں سر ہلا کر سوچا "نہیں...... مجھے کیسے پہچان سکتا ہے؟ ایک ماہر میک اپ مین نے بڑی مہارت سے میری شکل بدل دی ہے۔ اس کے باوجود یہ میرا ہاتھ دیکھ کر پریشان ہوگیا ہے۔ ایسا لگتا ہے اس ہتھیلی کے آئینے میں میرا اصل چہرہ دیکھ رہا ہے۔"

وہ پریشان ہورہی تھی اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "میں اور شہباز کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ کم بخت نجومی میرا ہاتھ دیکھ لے گا اور شبے میں مبتلا ہو جائے گا۔"

پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر سوچا "لیکن شبہ کیسا؟ یہ مجھے دردانہ نہیں سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے اب سے پہلے بھی دو آدمیوں کے ایک جیسے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اسی طرح آج دو عورتوں کے ہاتھ ایک جیسے دیکھ رہا ہے۔"

اس نے سوچا "باتیں بنا کر اس نجومی کو ٹالنا چاہیے۔ اسے اپنے بارے میں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ یہ ہاتھ کی لکیروں پر بھٹکتا ہوا کہیں میری اصلیت تک نہ پہنچ جائے۔"

اس نے کہا "تم کسی مقدر حیات اور شہباز درانی کی باتیں کررہے ہو۔ کیا واقعی ان دونوں کے ہاتھ ایک جیسے ہیں؟"

"ہاں...... میں نے ان دونوں کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ اپنی ان ہی آنکھوں سے میں نے میڈم دردانہ کا ہاتھ بھی دیکھا ہے اور اب تمہارا ہاتھ بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"جب تم دیکھ چکے ہو اور تمہارے تجربے میں یہ بات آچکی ہے کہ دو افراد کے ہاتھ ایک جیسے ہوسکتے ہیں تو پھر تم حیران کیوں ہورہے ہو؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں، مجھے اب حیران نہیں ہونا چاہیے لیکن میں نے یہ حیرت انگیز چیز پاکستان میں ہی آکر دیکھی ہے۔ دنیا کے کسی اور ملک میں مجھے دو ایسے افراد نہیں ملے جن کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی باتیں بولتی ہوں۔"

"چلو۔ پاکستان میں آکر تمہیں ایک انوکھا تجربہ تو ہوا۔ اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری دنیا میں سب کچھ ہوسکتا ہے۔ کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے پاکستان میں آکر عجیب و غریب ہاتھ دیکھے ہیں۔ پلیز...... آپ مجھے اپنا ہاتھ دکھائیں۔"

اس نے ابھی تک اپنی دونوں مٹھیاں بند کر رکھی تھیں۔ وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ میں ہاتھ دکھانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ معلوم کرنا نہیں چاہتیں؟"

"سیدھی سی بات ہے، میں علم نجوم کو نہیں مانتی۔ یہ ہوں کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ضرور ہوتا ہے۔ ہمارے روکنے سے ہونی انہونی نہیں ہوسکتی اور جو ہمارے لیے انہونی ہے اسے ہونی نہیں کرسکتے۔"

"تمہاری یہ سوچ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و حوصلے کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے عزم سے ذہانت اور تدبیر سے ہونی کو انہونی اور انہونی کو ہونی بنا سکتا ہے۔"

اس نے بے زاری ظاہر کرتے ہوئے کہا "پلیز، میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ میں سفر کے دوران خاموش رہنا چاہتی ہوں۔"

"بے شک خاموش رہو لیکن ایک بات کہہ دوں، تمہارا ہاتھ اور اس میڈم دردانہ کا ہاتھ بالکل ایک ہے اور میں وہ ہاتھ پڑھ چکا ہوں۔ لہٰذا اس ہاتھ کی لکیروں کے ذریعے تمہارے مقدر کا حال معلوم کرسکتا ہوں۔"

وہ پریشان ہوکر بولی "کیا تمہیں یاد ہے کہ میڈم دردانہ کے ہاتھ کی لکیریں کیسی تھیں؟ اور کیا کہہ رہی تھیں؟"

"ہاں...... وہ ہاتھ دیکھے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے مجھے وہ باتیں بھی یاد ہیں جو میں انہیں بتا چکا ہوں اور وہ باتیں بھی یاد ہیں جو میں نے بتائی نہیں ہیں، چھپائی ہیں۔"

یہ سن کر اس کے اندر تجسس پیدا ہوا۔ سوچنے لگی "پتا نہیں اس نے مجھ سے متعلق کون کون سی باتیں چھپائی ہیں۔"

اس نے پوچھا "کیا تم بتانا چاہو گے کہ اس کی کون کون سی باتیں تم نے چھپائی ہیں؟"

"سوری۔ میں جس کا ہاتھ دیکھتا ہوں۔ اسی کو اس کی باتیں بتاتا ہوں۔ کسی دوسرے کو کبھی نہیں بتاتا۔ میں تمہارا ہاتھ دیکھ کر صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو باتیں میں نے ان سے چھپائی ہیں۔ وہی باتیں تمہارے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ لکیریں مجھے یاد نہیں ہیں۔ میں انہیں دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دردانہ کے اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی "پتا نہیں۔ اس نے کون سی اہم باتیں چھپائی ہیں؟ اس نے شہباز کی موت کے بارے میں کہا تھا کہ ہم عارضی طور پر کامیابیاں حاصل کررہے ہیں لیکن ان کامیابیوں کے پیچھے ہماری ناکامیاں چھپی ہوئی ہیں اور اس کی یہ باتیں سچ ثابت ہوچکی ہیں۔"

وہ اپنے نقصان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہلا نقصان تو یہی ہوا تھا کہ وہ قانون کی گرفت میں آگئی تھی پھر شہباز نے چند شرائط مان کر اسے رہائی دلائی تو بیگم آفتاب کے شکنجے سے نکل گئی۔ عینی کی ویڈیو فلم بھی اس کے پاس نہ رہی۔ اس کے بعد پاشا اس کی قید سے نکل گیا۔ ایک کے بعد ایک نقصان پہنچتا رہا پھر سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ شہباز کے بہت اہم کاغذات اس کے پرائیویٹ چیمبر سے چرا لیے گئے۔

اب دردانہ کے ذہن میں یہ سوال چبھ رہا تھا "کیا آئندہ بھی اسے مزید نقصانات اٹھانے ہیں؟ ان حالات میں کیا یہ دانشمندی ہوگی کہ وہ اپنا ہاتھ پبلو ماسٹر سے چھپائے؟"

وہ بڑی بے بسی سے بولی "مسٹر......! تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ چاہو تو مجھے بتا سکتے ہو کہ تم نے میڈم دردانہ سے کون کون سی باتیں چھپائی ہیں؟ ہوسکتا ہے ان باتوں کا تعلق میرے ہاتھ کی لکیروں سے ہو؟ اور میرے ہاتھ کی لکیریں بھی وہی کہہ رہی ہوں۔"

"اس لیے تو میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا چاہتا ہوں لیکن اگر تم اپنا ہاتھ نہیں دکھاؤ گی تو پھر میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں بتا سکوں گا۔"

وہ منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دردانہ نے اپنی مٹھی کو دیکھا پھر مجبور ہوکر مٹھی کھول دی۔ اپنی ہتھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "لو...... تم ہاتھ دیکھ سکتے ہو۔"

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ہتھیلی پر لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک لکیر کو پڑھنے لگا۔ شدید حیرانی سے بولنے لگا "مائی گاڈ......! بالکل وہی ہاتھ ہے۔ ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے میں میڈم دردانہ کا ہاتھ دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم نقاب پہن لو اور میں تمہاری صورت نہ دیکھوں تو یہی سمجھوں گا کہ تم میڈم دردانہ ہو۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے ہوں اور تم دیکھ رہے ہو کہ میں دردانہ نہیں ہوں۔ میں ایک ہندو عورت ہوں اور میرا نام نیلماں دامودر ہے۔"

"تمہارا نام کچھ بھی ہو لیکن تمہارا ہاتھ وہی کہہ رہا ہے جو دردانہ کا ہاتھ کہہ رہا تھا۔"

وہ جھنجلا کر بولی "بس یہی کہہ رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ اس کا ہاتھ کیا کہہ رہا تھا اور اب میرا ہاتھ کیا کہہ رہا ہے؟"

"اس وقت میڈم کے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی تھیں کہ وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنسنے والی ہیں اور اب تمہارے ہاتھ کی لکیر بھی یہی کہہ رہی ہے۔ تم ایک بڑی مصیبت سے نجات حاصل کرکے دوسری بڑی مصیبت کی طرف تیزی سے جارہی ہو۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "میں کس مصیبت کی طرف جارہی ہوں؟ پلیز مجھے جلدی بتاؤ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"

"میڈم نیلماں......! یہ بتاؤ، کیا میری یہ بات درست ہے کہ تم ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل کر آرہی ہو؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی "ہاں میں ایک بڑی مصیبت سے نکل کر آرہی ہوں مگر مجھے جلدی سے بتاؤ کہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"

"سوری۔ ہاتھ کی لکیریں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ زندگی میں بہت الجھنیں ہیں لیکن وہ الجھنیں اور مصیبتیں کس نوعیت کی ہوں گی۔ کس طرح سے آئیں گی اور کس طرح پریشان کریں گی۔ یہ ہاتھ کی لکیریں کبھی نہیں بتاتیں۔"

"پھر تم کیسے نجومی ہو کہ اندر کی باتیں وضاحت سے نہیں بتا سکتے۔ مقدر حیات تو دور تک بہت سی باتیں بتا دیتا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا "کیا تم مقدر حیات کو جانتی ہو؟"

وہ گڑبڑا گئی۔ جلدی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ "نہیں میں اسے نہیں جانتی لیکن ایک سہیلی اس کا ذکر کررہی تھی۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب شخص ہے۔ علم نجوم میں ایسی حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے کہ اندر کی باتیں دور تک بتاتا ہے۔ پلیز میرے ہاتھ کی لکیروں کو توجہ سے پڑھو اور کسی طرح مجھے بتاؤ مجھ پر کیسی مصیبتیں آنے والی ہیں؟ یا پھر یہی بتا دو کہ میں ان مصیبتوں سے خود کو کس طرح بچا سکتی ہوں؟"

"ہاتھ کی لکیریں بچاؤ کی تدبیر نہیں بتاتیں۔ یہ تو اپنی ذہانت سے تدبیر سوچنی پڑتی ہے اور اس تدبیر پر ذہانت سے عمل کرنا ہوتا ہے۔"

جب برا وقت آنے لگتا ہے تو انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی ذہانت کو کیسے استعمال کرے؟ وہ مسائل اور مصائب سے فرار کا راستہ ڈھونڈتا ہے۔ اس وقت دردانہ کے سامنے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ نہ زمین پر تھی نہ آسمان پر۔ آسمان اور زمین کے بیچ لٹکتی جارہی تھی۔ اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ سولی پر لٹک رہی ہے اور اسے بچانے والا شہباز بھی اس کے آس پاس نہیں ہے۔

اسے یاد آیا، شہباز نے کہا تھا کہ اس کا ایک جاسوس اس

کی نگرانی کے لیے اسی کے ساتھ جہاز میں سفر کرے گا اور ممبئی پہنچ کر کچھ مسلح گارڈز بھی اس کی حفاظت کے لیے آ جائیں گے۔

وہ بے اختیار اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اب آگے پیچھے بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھنے لگی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کی نگرانی کرنے والا جاسوس کہاں ہے؟ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کون ہے تو وہ اس کے پاس جا کر کہتی کہ مجھ پر مصیبتیں آنے والی ہیں، تم محتاط رہو۔

پبلو ماسٹر نے پوچھا" کھڑی کیوں ہوگئی ہو؟ کسے دیکھ رہی ہو؟"

وہ بیٹھتے ہوئے بولی" میرے شوہر نے کہا تھا کہ میں یہاں سے ممبئی پہنچنے تک تنہا نہیں رہوں گی۔ ان کا کوئی آدمی میری حفاظت کے لیے جہاز میں بھی موجود رہے گا۔"

"کیا تمہارے شوہر کو پہلے سے معلوم تھا کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہو؟"

"اور اگر معلوم تھا تو اسے چاہیے تھا تمہارے باڈی گارڈ کو تمہارے ساتھ رہنے کی ہدایت کرتا۔"

"وہ میرے ساتھ نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے آس پاس ہی کہیں ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن اتنی سی بات تو عقل سے بھی سوچی جا سکتی ہے کہ مصیبت کے وقت کوئی دوسرا کام نہیں آتا یہ تو سنا ہوگا تم نے کہ برے وقت میں اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ بہر حال مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا اور کہا" دیکھو! تم نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ تم نے میڈم دردانہ کو آدھی بات بتائی تھی۔ تم اب میرے ساتھ بھی یہی کر رہے ہو۔ پلیز...... مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اگر تم تمام باتیں مجھے بتا دو گے تو میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گی۔ میں تمہیں تمہاری ماں کی قسم دیتی ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ نہیں تو میں ہیبت سے مر جاؤں گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آگاہی کا علم نہیں دیا ہے۔ اسے مستقبل کی باتیں پہلے سے نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر معلوم ہونے لگیں تو وہ ایک پل بھی زندہ نہ رہے۔ دہشت سے ہی مر جائے۔ اس وقت تمہاری بھی یہی حالت ہے تم بری طرح دہشت زدہ ہو۔ جبکہ تمہیں اس وقت پُرسکون رہ کر اپنے تمام خیالات کو ایک جگہ کر کے ذہانت سے سوچنا چاہیے کہ آنے والے حالات کا کس طرح مقابلہ کرو گی۔"

اس نے الجھ کر کہا" کچھ معلوم تو ہو کہ وہ حالات کیا ہوں گے؟ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس وقت تک میں اپنے بچاؤ کی تدبیر کیسے کروں؟"

"تم نے مجھے قسم دی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ میں خود نہیں جانتا کہ تم پر کس قسم کی مصیبت آئے گی؟"

وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ کسی حد تک جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے لیکن وہ نہیں بتا رہا تھا۔ اگرچہ اس نے ماں کی قسم دی تھی لیکن اسی ماں نے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا جب کسی کا ہاتھ دیکھو تو اسے ایسی باتیں نہ بتانا جنہیں سن کر اس کی زندگی اس کے لیے عذاب بن جائے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دردانہ ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محافظ جہاز میں موجود ہے یا نہیں۔ مگر ہاں یہ جانتا تھا کہ جو عورت اس کے ساتھ سفر کر رہی ہے اور جس کا ہاتھ ابھی اس نے دیکھا ہے۔ اس کی مصیبت کے وقت کوئی اس کے کام نہیں آ سکے گا۔

وہ اس حد تک درست سمجھ رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ دردانہ کا محافظ اس کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور وہ کسی بھی مشکل میں اس کے کام آ سکتا تھا لیکن ایسے ہی وقت تو تقدیر کا کھیل شروع ہوتا ہے۔ شہباز کی تدبیر یہ تھی کہ سفر کے دوران میں دردانہ کی نگرانی کے لیے ایک محافظ موجود رہے گا پھر ممبئی پہنچنے پر مسلح گارڈز وہاں موجود ہوں گے۔ وہ چاروں گارڈز دردانہ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس کا ہم سفر محافظ ہی انہیں اس کے بارے میں بتانے والا تھا کہ وہ کس بہروپ میں ہے اور انہیں کس طرح دن رات اس کی نگرانی کرنی ہے؟

بہت ہی ٹھوس تدبیر تھی اور بڑی مستعدی سے عمل ہو رہا تھا۔

لیکن... لیکن...... ہاں لیکن یہ ہوا کہ وہ محافظ جو جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ بار بار ٹوائلٹ کی طرف جا رہا تھا۔ جب طیارہ ممبئی کے ایئرپورٹ پر پہنچا اور تمام مسافر امیگریشن کاؤنٹر سے گزرنے کے بعد لاؤنج میں پہنچے تو اس وقت بھی وہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر تیزی سے دوڑتا ہوا ٹوائلٹ کے اندر گیا اور وہاں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔

دردانہ نے جہاز سے اترنے کے بعد ائرپورٹ کی عمارت میں آتے ہی فون کے ذریعے شہباز درانی کو مخاطب کیا اور پریشان ہو کر بولی" میں بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہوں۔"

وہ اس کی بات سن کر پریشان ہوگیا" کیا ہوا میری جان......! یہ خلافِ توقع تم وہاں پہنچتے ہی کس مشکل میں پڑ گئی ہو؟"

وہ بولی" پبلو ماسٹر میرے ساتھ ہی اسی فلائٹ سے یہاں ممبئی آیا ہے۔"

"مائی گاڈ! اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تین دنوں کے لیے کہیں جا رہا ہے واپس آ کر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی اسی فلائٹ سے تمہارے ساتھ ہندوستان پہنچ گیا ہے۔ کیا اس نے تمہیں پہچان لیا ہے؟"

"وہ مجھے پہچاننے والا ہی تھا لیکن میں اسے الو بنا رہی ہوں اور وہ مجھے نیلماں سمجھ رہا ہے۔"

پھر وہ شہباز کو بتانے لگی کہ کس طرح اس نے اس کا ہاتھ دیکھ لیا تھا؟ اور اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ شہباز درانی اور مقدر حیات کے ہاتھوں کی طرح میڈم دردانہ اور نیلماں دامودر کے ہاتھ بھی ایک جیسے ہی ہیں۔

دردانہ نے کہا" میرے ہاتھ کی لکیریں چغلی کھانے والی تھیں لیکن میں نے اس معاملے کو سنبھال لیا ہے۔ تم جانتے ہو پبلو ماسٹر کی پیش گوئی بھی کس قدر درست ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس نے ابھی پیش گوئی کی ہے کہ مجھ پر بڑی مصیبتیں آنے والی ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ میرا آدمی تمہارے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔ وہ ابھی تم سے رابطہ کرے گا۔"

"وہ مجھ سے کب رابطہ کرے گا؟ میں تو پریشان ہو رہی ہوں۔ لیچ ہال سے باہر جا کر کہاں بھٹکتی پھروں گی؟ یہاں تمہارے جو ماتحت ہیں نہ میں انہیں پہچانتی ہوں اور نہ ہی وہ مجھے پہچانتے ہیں۔"

اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا" تعجب ہے۔ میرا وہ ماتحت کہاں چلا گیا؟ میں نے خود اسے تمہارے بعد اندر جا کر بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ یقیناً طیارے میں بھی سوار ہوا ہوگا پھر وہاں کیوں نہیں پہنچا؟ اور اگر پہنچا ہے تو تم سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟"

"کوئی مصیبت آنے والی ہو تو اسی طرح آتی ہے۔ ہم اپنے طور پر بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہ جاتے ہیں لیکن ہونے والی بات تو ہو کر ہی رہتی ہے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ میں کہاں جاؤں؟ کس کے پاس جاؤں؟"

"جسٹ اے منٹ...... تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ فی الحال یہ کرو کہ پبلو ماسٹر کا سہارا لو۔ وہ یقیناً کسی ہوٹل میں جا کر رہے گا۔ تم بھی اس کے ساتھ رہو اور مجھ سے برابر فون کے ذریعے رابطہ رکھو۔ میں بھی تھوڑی دیر بعد پبلو ماسٹر کو فون کروں گا۔ یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ تم دردانہ ہو اور مجبور ہو کر اس کا سہارا لے رہی ہو۔"

"یہاں ممبئی میں جو تمہارے آدمی ہیں۔ انہیں تو میرے پاس بھیج سکتے ہو؟"

"ہاں ہاں پہلے تم ہوٹل پہنچو تا کہ تمہارا کوئی پتا ٹھکانا تو ہو...... پھر میں اپنے آدمیوں کو بتا سکوں گا کہ تم کہاں ہو۔ تب ہی تو میرے آدمی تم سے رابطہ کر سکیں گے۔"

"تم کہتے ہو تو پبلو ماسٹر کا سہارا لے لیتی ہوں مگر میں بہت گھبرائی ہوئی ہوں۔ پتا نہیں مجھ پر کیسی مصیبتیں آنے والی ہیں؟"

"میری جان......! میں تم سے دور تو ہوں لیکن یوں سمجھو جیسے بالکل تمہارے پاس ہوں۔ تم ہوٹل پہنچتے ہی مجھے فون کرنا۔ آدھے گھنٹے کے اندر میرے ماتحت تمہارے پاس ہوں گے اور تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر کے پبلو ماسٹر سے بات کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر کے ادھر ادھر دیکھا۔ ماسٹر ٹرالی میں اپنا سامان رکھ رہا تھا۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی پھر اس کے بازو کو ایسے تھام لیا۔ جیسے گرتے گرتے سہارا لے رہی ہو۔

اس نے اپنے بازو پر اس کی گرفت محسوس کی تو پلٹ کر پوچھا" کیا بات ہے؟"

وہ عاجزی سے بولی" تم تو میری پریشانیوں کو سمجھ ہی رہے ہو۔ میں اکیلی اور بے یار و مددگار ہوں۔ پلیز...... تم میرے ساتھ رہو۔"

"سوری...... میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہاں ایک اسائنمنٹ پر آیا ہوں۔ جن لوگوں کی دعوت پر میں آیا ہوں وہ لوگ باہر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"میں کسی بھی طرح تم پر بوجھ نہیں بنوں گی اور نہ تمہارے معاملات میں مداخلت کروں گی۔"

وہ جانتی تھی کہ ایسے میں مرد کو کس طرح لبھا کر اپنا مطلب نکالنا چاہیے۔ وہ تقریباً اس کے بازو سے چپکتے ہوئے بولی۔" میں نہیں جانتی کہ تم میری حفاظت کر سکو گے یا نہیں؟ لیکن ڈوبنے والے کے لیے تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے اور پھر تم تو بڑی حد تک مضبوط سہارا ہو۔ تم آگے کی بہت سی

باتیں جان لیتے ہو۔ اگر تم مجھے میرے مستقبل کے بارے میں پہلے سے بتاتے رہو تو میں بھی اپنے بچاؤ کی کوششیں کرسکوں گی۔"

پھر وہ ذرا اور قریب ہو کر بولی "پلیز۔ میری مدد کرو۔"

اس نے دردانہ کو دلچسپی سے دیکھا۔ کچھ سوچا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ چلو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر تمہارے شوہر کا بھیجا ہوا وہ محافظ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں وہ کہاں مر گیا ہے؟ میں نہ اسے چہرے سے پہچانتی ہوں نہ اس کا نام جانتی ہوں۔ اس کی کوئی شناخت بھی میرے پاس نہیں ہے۔"

"تم اپنے شوہر سے تو فون پر رابطہ کرسکتی ہو۔"

"میں نے رابطہ کیا ہے اور اسے بتادیا ہے کہ میں ایک بہت ہی ماہر نجومی کے ساتھ جارہی ہوں۔ جہاں پہنچوں گی اسے اطلاع دے دوں گی تو اس کے ماتحت وہاں آکر مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔"

وہ اپنے سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اس کے ساتھ لگیج ہال سے باہر آگئی۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ سب ہی اپنے رشتے داروں اور دوستوں کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ چند افراد پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پر پبلو ماسٹر کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے اس پلے کارڈ کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔ استقبال کرنے والے نے خوش ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔ اس کے پیچھے دو گن مین کھڑے ہوئے تھے۔ وہ پبلو ماسٹر اور دردانہ کی ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے باہر آگئے۔

وہاں ایک بڑی اور خوب صورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا گیا۔ دردانہ اس نجومی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ گھر سے کہیں اور جانے کے لیے نکلی تھی اور تقدیر اسے کہیں اور پہنچا رہی تھی۔ اس قیمتی کار کے آگے پیچھے بھی دو گاڑیاں اور تھیں۔ جن میں گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ اہتمام دیکھ کر پتا چل رہا تھا کہ ماسٹر کو جس شخص نے بلوایا ہے۔ وہ واقعی زبردست ہے۔ دولت مند بھی ہے اور وسیع اختیارات کا مالک بھی ہے۔ تب ہی تو اس کے درجنوں ماتحت ہتھیار لیے بھرے پرے شہر میں یوں گھوم رہے تھے۔ کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔

وہ جس کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی اگلی سیٹ پر دو نہایت ہی خوش لباس افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے لباس اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے یا تو سیاست داں لگ رہے [تھے یا] بہت بڑے تاجر۔

ان میں سے ایک نے عقب نما آئینے کے زاویے کو اس طرح بدل دیا کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دردانہ اسے نظر آ[نے] لگی۔ اسے دیکھتے ہی وہ شخص چونک گیا پھر پچھلی سیٹ کی طر[ف] سر گھما کر دیکھتے ہوئے ماسٹر سے بولا "آپ تو اکیلے آ[نے] والے تھے؟"

ماسٹر نے کہا "جی ہاں۔ میں اکیلا ہی آیا ہوں لیکن [یہ] خاتون ذرا مشکل میں پڑ گئی ہیں۔ انہیں جو ریسیو کرنے [کے] لیے آنے والے تھے۔ وہ نہیں آئے تھوڑی دیر کے ب[عد] آجائیں گے۔ ان سے رابطہ ہوجائے گا تو یہ چلی جا[ئیں] گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ اور یہ خاتون ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔"

"جی ہاں۔ سفر کے دوران ہی ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے انہیں مشکلات میں دیکھا تو اس بات پر راضی ہوگیا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان کا سہارا بن جاؤں گا۔"

اس شخص نے دردانہ سے کہا "میڈم......! آپ مائنڈ نہ کریں تو اپنا تعارف کرادیں۔ پتا نہیں...... آپ کتنی دیر تک ہماری مہمان رہیں گی۔ اس لیے ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہیے۔"

وہ بولی "میرا نام نیلماں دامودر ہے۔ میرے ماں باپ روس میں رہتے ہیں۔ میں کتنے ہی ٹی وی چینلز پر انڈیا کے پروگرام دیکھتی رہتی ہوں۔ دل چاہتا رہتا ہے کہ یہاں آؤں اور اپنے دیس کے لوگوں کے ساتھ انجوائے کروں۔"

"لیکن تم تو پاکستان سے آئی ہو؟"

"ہاں...... میں ماسکو سے پاکستان آئی۔ وہاں میری طبیعت بہت ہی خراب ہوگئی تھی۔ لہٰذا مجھے علاج کے لیے رکنا پڑا۔ اب صحت یاب ہو کر یہاں آئی ہوں۔"

"یہاں تمہارے رشتے دار تو ضرور ہوں گے؟"

"ہاں...... ہیں تو...... لیکن میں انہیں نہیں جانتی۔ ویسے انہیں اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ مجھے لینے کے لیے...... ائیرپورٹ آنے والے تھے۔ پتا نہیں کیوں نہیں آئے؟"

اس شخص نے کہا "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم ہماری پناہ میں ہو۔ اپنے رشتے داروں کو ہمارا فون نمبر بتادو۔ وہ ہم سے رابطہ کریں گے اور آکر تمہیں لے جائیں گے۔"

دردانہ نے اس کے بتائے ہوئے نمبر کو اپنے موبائل میں فیڈ کیا پھر شہباز سے رابطہ کرکے کہا "میں پبلو ماسٹر کے

ساتھ ہوں اور ان کے جو میزبان ہیں...... وہ ہمیں اپنے ساتھ کہیں لے جارہے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر دیا ہے۔ تم ان سے فون پر رابطہ کرلینا۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ میں کہاں ہوں تاکہ تمہارے آدمی مجھے آکر لے جائیں۔"

شہباز درانی نے پوچھا "یہ کیسے لوگ ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "میں کیا بتاسکتی ہوں؟"

"کیا تم ان کی موجودگی میں میرے سوالوں کے جواب نہیں دے سکو گی؟"

اس نے مختصر سا جواب دیا "نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں جو بھی سوال کروں۔ اس کا جواب صرف ہاں یا ناں میں دو۔ ماسٹر کا میزبان ایک ہے یا ایک سے زیادہ؟"

اس نے صرف "ہاں" کہا۔

"ہاں کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ ہیں؟ اب بتاؤ پانچ ہیں۔ دس ہیں یا بارہ پندرہ؟"

وہ بولی "ہاں۔"

"یعنی بارہ یا پندرہ افراد ہیں۔ تعجب ہے پبلو ماسٹر کے استقبال کے لیے اتنے افراد کیوں آئے ہیں؟ کیا وہ سیدھے سادے شہری لباس میں ہیں اور نہتے ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔"

"یعنی وہ نہتے نہیں ہیں۔ مسلح ہیں؟"

اس نے کہا "ہاں۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھا شخص کان لگائے سن رہا تھا۔ وہ دردانہ کی باتوں سے اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے بولنے والا اسے کیا کہہ رہا ہے؟ لیکن وہ بڑی دیر تک ہاں یا ناں میں ہی جواب دیتی رہی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ دونوں بڑی رازداری سے گفتگو کررہے ہیں۔

پھر دردانہ نے اپنا فون بند کرکے اس شخص سے کہا "میں آپ کے گھر پہنچ کر اپنے اس رشتے دار کو فون کرکے آپ سے بات کرادوں گی۔"

شہباز درانی فوراً ہی ان اجنبی افراد سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہلے یہ جاننا چاہتا تھا کہ دردانہ کن لوگوں کے درمیان پہنچ گئی ہے۔

وہ پریشان ہو کر ٹہلنے لگا۔ سوچ رہا تھا "پتا نہیں کن لوگوں نے پبلو ماسٹر کی خدمات حاصل کی ہیں اور وہ کہاں پہنچا ہوا ہے؟ اس کے ساتھ دردانہ بھی وہیں پہنچ گئی ہے۔ یہ کیا چکر چل گیا ہے؟"

مقدر کا چکر تھا۔ جسے نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ ہی وہ سمجھ سکتا تھا۔ اس نے تو اپنی عقل سے کام لے کر دردانہ کو نیلماں دامودر بنا کر بھیج دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نیلماں کی موت کو ایک برس گزر چکا ہے۔ روسی انٹیلی جنس والوں نے اس کی فائل بند کردی ہے اور ہندوستان والوں سے نیلماں دامودر کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا دردانہ وہاں نیلماں بن کر بھی رہ سکتی ہے اور اپنا میک اپ تبدیل بھی کرسکتی ہے۔

لیکن اسے تو میک اپ تبدیل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی حالات بدل گئے تھے۔ شہباز نے جس شخص کو دردانہ کی نگرانی کے لیے بھیجا' وہ بھی اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہا تھا۔ میں مقدر ہوں۔ میں نے اس شخص کو فرائض کی انجام دہی سے نہیں روکا تھا اور نہ ہی اسے کسی حادثے سے دوچار کیا تھا۔ اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ وہ دردانہ کی نگرانی نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا تقدیر کے لکھے کے مطابق اس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ ٹوائلٹ میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔

اسی طرح پبلو ماسٹر نے سفر کے دوران دردانہ کا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ وہ مصیبتوں سے دوچار ہونے والی ہے اور اب یہی ہو رہا تھا۔ شہباز درانی نے اپنی عقل اور تجربے کے مطابق زبردست پلاننگ کی تھی لیکن وہ نیلماں دامودر کی پرائیویٹ لائف کے بارے میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے درپردہ کسی دامودر نامی شخص سے عشق کیا تھا جس کا پورا نام آکاش دامودر تھا۔ وہ ہندوستان سے ماسکو آیا کرتا تھا۔ اس سے ملاقاتیں ہوتی تھیں پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے ضروری ہوگئے کہ شادی تک بات پہنچ گئی۔ روسی انٹیلی جنس والے آکاش دامودر کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کون ہے اور ہندوستان میں کیا کرتا ہے۔

نیلماں خود بھی یہی معلوم کرنے کے لیے پچھلے سال ماسکو سے ہندوستان جا رہی تھی لیکن اس کا پاکستان میں رکنا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ وہ شہباز درانی کے بارے میں چند حقائق معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن کسی بھی طرح کی معلومات حاصل کرنے سے پہلے ہی اسے اسد عزیزی نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے کاغذات اور دوسرے ذرائع سے پتا چلا تھا کہ اس کا نام نیلماں دامودر ہے۔ وہ دس یا بارہ برس کی عمر میں ماسکو چلی گئی تھی۔ وہیں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں اور بہت کچھ معلوم ہوا تھا لیکن اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں اسد عزیزی اور شہباز درانی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کسی آکاش دامودر سے عشق کرتی تھی اور چھپ کر اس سے شادی بھی کر لی تھی۔ انٹیلی جنس والوں کو بھی اس کی خفیہ شادی کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

اس طرح شہباز درانی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ نیلماں دامودر کا عاشق اور شوہر ہندوستان میں ہی رہتا ہے۔ یہ درست تھا کہ نیلماں کے دوسرے رشتے دار جو ہندوستان میں تھے۔ وہ اسے چہرے سے نہیں پہچانتے تھے۔ کیونکہ وہ دس برس کی عمر میں ہندوستان سے گئی تھی اور اب وہ جوان ہونے کے بعد بائیس برس کی عمر میں واپس آ رہی تھی۔

ایسے میں اسے صرف اس کا شوہر آکاش دامودر ہی پہچان سکتا تھا۔

اور دردانہ اس وقت پہچانی جا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اسے عقب نما آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کا نام اجے ملہوترا تھا۔ وہ اپنے سیکنڈ باس آکاش دامودر کا خاص ماتحت تھا۔ پچھلے برس جب نیلماں پاکستان پہنچنے کے بعد کہیں گم ہو گئی تھی اور جب ہندوستان نہیں آئی تو آکاش دامودر نے اپنے ماتحت اجے ملہوترا کو اس کی تصویر دے کر پاکستان بھیجا تھا تاکہ وہ اسے تلاش کرے۔ وہ تو اوپر پہنچ چکی تھی۔ نیچے ڈھونڈنے والوں کو نہیں مل سکتی تھی۔ لہٰذا وہ ناکام ہو کر واپس آ گیا تھا۔ اب وہ اسے عقب نما آئینے میں دیکھ رہا تھا پھر اگلی سیٹ سے پلٹ کر بھی اسے دیکھا تھا اور وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی اور اس بات پر حیران تھی کہ وہ اسے کیوں نہیں پہچان رہی ہے؟

آکاش دامودر ماسکو جایا کرتا تھا۔ اس نے نیلماں کو اپنے خاص ماتحت اجے ملہوترا کی تصویر دی تھی اور کہا تھا کہ جب وہ ہندوستان آئے گی تو اس کا یہ خاص ماتحت ہی اس کے استقبال کے لیے ائرپورٹ پر موجود ہوگا۔

اجے ملہوترا نے فون کے ذریعے آکاش دامودر سے رابطہ کر کے کہا "باس......! میں اس وقت مصلحتاً تامل زبان میں بول رہا ہوں۔ آپ نے کہا تھا کہ میڈم نیلماں تامل زبان نہیں جانتی ہیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ واپس آ گئی ہیں اور اس وقت میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہیں۔"

آکاش نے حیرانی سے خوش ہو کر پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا میری نیلماں واپس آ گئی ہے؟ کیا تم اسے میرے پاس لے کر آ رہے ہو؟"

"نو سر......! پہلے آپ یہ سن لیں کہ وہ مجھے نہیں پہچان رہی ہیں اور یہ بھی نہیں بتا رہی ہیں کہ یہاں کس سے ملنے آئی ہیں۔ ابھی میری موجودگی میں انہوں نے فون پر کسی شخص سے بات کی ہے۔ باتیں کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے راز داری برت رہی ہوں اور مجھ سے بات چھپا رہی ہوں۔"

اس نے کچھ سوچ کر کہا "ہوں! پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ تمہیں نہیں پہچان رہی ہے۔ اگر پہچان لیتی تو تم سے اجنبی بن کر نہ رہتی اور کسی شخص سے یوں راز دارانہ انداز میں گفتگو نہ کرتی۔"

"باس......! یہ یقیناً آپ کا فون نمبر اور پتا جانتی ہوں گی۔ یہ آپ کو اپنے آنے کی اطلاع دے سکتی تھیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کو اطلاع دیئے بغیر یہاں کیوں آئی ہیں؟"

"تم درست کہتے ہو۔ تم اب اگلے فون کا انتظار کرو۔ دیکھو کہ وہ مزید کیا کہتا ہے اور نیلماں کو وہاں سے لے جانے کے لیے اس کے کن رشتے داروں کو تمہارے پاس بھیجتا ہے؟"

پھر وہ ذرا توقف سے بولا "تم اس نجومی پہلو ماسٹر کو لے کر دانیال صاحب کے پاس جا رہے ہو ناں؟"

"یس سر......! میں وہیں جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

ادھر سے شہباز درانی نے فون پر ماسٹر کو مخاطب کیا "ہیلو ماسٹر......! میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔"

وہ بولا "ہیلو مسٹر درانی! کیسے ہیں آپ؟"

دردانہ درانی کا نام سن کر چونک گئی۔ ماسٹر کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "مسٹر درانی! میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ تین دن کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ بے شک میں نے یہ نہیں بتایا کہ ہندوستان جا رہا ہوں اور میں نے یہ کچھ ضروری بھی نہیں سمجھا پھر آپ شکایت کیوں کر رہے ہیں؟"

درانی نے کہا "کیا مجھے شکایت نہیں کرنا چاہیے؟ تم ایک ملک سے دوسرے ملک چلے گئے۔ جبکہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لیے بلایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ نے اپنے کام کے لیے بلایا تھا لیکن نہ تو میں آپ کا ملازم ہوں اور نہ ہی کسی کی پابندی میں رہ کر کام کرتا ہوں۔ اس ہاتھ سے لیتا ہوں۔ اس ہاتھ سے کام کرتا ہوں۔ میں نے آپ سے تین دن کی بات کی ہے۔ تو میں تین دن کے بعد آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔"

"مجھے تو اطمینان ہے لیکن کیا یہ بتا سکتے ہو کہ ہندوستان میں تم کہاں ہو اور کس کے کام سے گئے ہوئے ہو؟"

"سوری...... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس لیے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن میں تو دوستانہ انداز میں پوچھ رہا ہوں۔ پلیز انکار نہ کرنا۔ تم یہاں واپس آؤ گے تو میں معاوضے کی رقم اور بڑھا دوں گا۔ بس تم دوستانہ انداز میں ہی مجھے بتا دو کہ اس وقت کس کے کام سے ہندوستان گئے ہوئے ہو؟"

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولا "مسٹر ڈی کے دانیال ایک بہت ہی دولت مند بزنس مین ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے ملکوں کے تمام بڑے شہروں میں ان کے فائیو اسٹار ہوٹلز ہیں۔ میں دو دنوں تک ان کا مہمان رہوں گا۔ تیسرے دن واپس آ جاؤں گا۔"

"پلیز۔ میرے ایک اور سوال کا جواب دو۔ کیا تم یہاں سے اکیلے گئے ہو؟ یا کوئی تمہارے ساتھ ہے؟"

"میں فرینکفرٹ سے اکیلا تمہارے پاس آیا تھا اور اب اکیلا ہی یہاں آیا ہوا ہوں۔"

شہباز درانی دراصل کرید کرید کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دردانہ اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا "ماسٹر! بھئی آخر تم مرد ہو۔ تمہارے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ کسی کو تو عارضی طور پر ساتھی بنایا ہی ہوگا؟"

"مسٹر درانی! تم ایسے سوالات کر رہے ہو جیسے تمہیں شبہ ہو کہ میں کسی عورت کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ ہاں اتفاقاً میری ایک ہم سفر مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ ضرور میرے ساتھ ہے۔ ابھی اس کا کوئی رشتے دار آ کر اسے لے جائے گا۔"

پھر وہ ایک دم سے چونک کر بولا "ہاں...... یاد آیا۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔ تمہیں یاد ہوگا۔ میں مقدر حیات کا ہاتھ دیکھ کر چونک گیا تھا۔ کیونکہ تمہاری اور اس کی دونوں کی لکیریں ایک جیسی تھیں؟"

شہباز درانی سمجھ گیا کہ وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔ اس نے انجان بن کر پوچھا "تم میرے اور مقدر حیات کے ہاتھوں کی بات کیوں کر رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں نے ایک خاتون کا ایسا ہی ہاتھ دیکھا ہے۔ وہ خاتون میرے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ اور آپ کی میڈم دردانہ کا ہاتھ بالکل ایک جیسا ہے اور ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں بھی ایک ہی جیسی ہیں۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا اجے ملہوترا بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس بات نے اسے چونکا دیا کہ جو نیلماں دامودر پیچھے بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی لکیریں کسی میڈم دردانہ کی ہاتھوں کی لکیروں سے ملتی ہیں۔ وہ نجومی نہیں تھا لیکن اتنا تو جانتا تھا کہ دو انسانوں کے ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

شہباز درانی نے کہا "یعنی اس خاتون نیلماں کے ہاتھوں کی لکیریں وہی کہہ رہی ہیں جو دردانہ کے ہاتھوں کی لکیریں کہہ رہی تھیں؟"

"مسٹر درانی۔ اس سوال کا جواب بہت طویل ہوگا۔ جو میں ابھی نہیں دے سکتا۔ پھر کسی وقت رابطہ کریں تو آپ کو بتاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز درانی جھنجلا کر اسے گالیاں دینے لگا۔ جبکہ گالیوں کا مستحق وہ خود تھا۔ اس نے دردانہ کے اغوا کا الزام ذیشان کے سر تھوپنے کے لیے اسے ملک سے باہر بھیج دیا تھا لیکن وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مشکلات میں پڑ جائے گی اور واقعی اغوا ہونے والی راہ پر ہی چل پڑے گی۔

وہ شکست خوردہ انداز میں ایک صوفے پر گر پڑا۔ اس کے سامنے ایک زبردست چیلنج تھا کہ وہ اپنی دل نواز محبوبہ کو ان لوگوں کے درمیان سے کس طرح نکال سکے گا؟

اس نے خود ہی اسے اپنے گھر سے اٹھا کر دوسروں کی جھولی میں پھینکا تھا۔ اب اس جھولی سے نکال لانا گویا جوئے شیر نکال لانے کے مترادف تھا۔

☆☆☆

جاوید برقی کا باپ صمد بیوپاری ساٹھ برس کا تھا۔ اس نے بی بی پاشا سے شادی کی تو اس وقت وہ اٹھارہ برس کی جوان بیٹی کی ماں تھی۔ اس نے شادی کے وقت صمد کو اپنی عمر تیس برس بتائی تھی اور کہا تھا "میری شادی تو پندرہ برس کی عمر میں ہی

ہوگئی تھی۔ ایک سال بعد ہی میری بیٹی شکیلہ پیدا ہوگئی جواب چودہ برس کی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ صمد سے شادی کے وقت وہ چالیس برس کی تھی اور اس کی بیٹی شکیلہ اٹھارہ برس کی۔

صمد بیوپاری بوڑھا تھا۔ بیمار بھی رہتا تھا۔ بی پاشا دلہن بن کر آئی تو وہ خوش ہوگیا کہ ایک حسین اور جوان بیوی مل گئی ہے۔ اس جوان بیوی نے طرح طرح کے چونچلوں سے اس بوڑھے کو اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ اپنی ہر بات منوالی تھی لیکن یہ بات نہ منواسکی کہ اس کی بیٹی شکیلہ کو گھر کی بہو بنالیا جائے۔

جاوید برقی اکلوتا بیٹا تھا۔ پورے کاروبار اور تمام جائداد کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ بس! اتنی سی کمی تھی کہ باپ نے ابھی بیٹے کے نام سب کچھ لکھا نہیں تھا۔

بی پاشا اپنے بوڑھے شوہر سے یہ نہیں منواسکتی تھی کہ جائداد کا کچھ حصہ اس کے اور اس کی بیٹی کے نام لکھ دیا جائے اور تمام دولت و جائداد پر قبضہ جمانے کا بس یہی ایک طریقہ تھا کہ اس کی بیٹی شکیلہ کسی طرح جاوید کی شریکِ حیات بن جائے۔

اس کی یہ حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی کیونکہ جاوید برقی نے رومانہ سے شادی کرلی تھی اور دو بچوں کا باپ بھی بن گیا۔ بی پاشا صبر تو کررہی تھی مگر سازشیں بھی کررہی تھی کہ کسی طرح رومانہ اس کی زندگی سے نکل جائے۔

آخر وہ نکل ہی گئی۔ بی پاشا پھر اپنے شوہر صمد کے پیچھے پڑگئی۔ اس نے کہا ''اب تو آپ کے بیٹے کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اپنے لیے ایک شریک حیات اور بچوں کے لیے ایک ماں کی ضرورت ہے اور ہماری شکیلہ سے بہتر کوئی لڑکی کبھی مل ہی نہیں سکے گی۔''

جاوید برقی اپنی سوتیلی ماں اور اس کی بیٹی سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے پہلے بھی اس کے ساتھ شادی سے انکار کیا تھا اور بعد میں بھی وہ اس پر راضی نہ ہوا۔

بی پاشا کے سامنے اپنے شوہر کی سلطنت جیتنے کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ کسی طرح جاوید کے بچوں کو اپنی طرف مائل کرکے انہیں اپنے گھر میں رکھا جائے۔ تاکہ وہ اس کی بیٹی شکیلہ سے مانوس ہوں اور اسے اپنی ماں تسلیم کرنے لگیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو دوسرا راستہ جارحانہ تھا۔ دشمنی کا تھا۔ وہ آخر میں مجبور ہوکر ایسا راستہ اپنانے والی تھی۔

شکیلہ نے اپنی ماں کے بیڈروم میں آکر بیزاری سے کہا۔ ''ممی! آپ کیوں اس مغرور شخص کے پیچھے پڑگئی ہیں؟ مجھے تو وہ زہر لگتا ہے۔''

''بیٹی......! تمہیں گھر بیٹھے قارون کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے یہ زہر کا گھونٹ پینا ہی ہوگا۔''

''ہم انڈیا میں ہی خوش تھے۔ میرے پاپا کے پاس بھی مال و دولت کی کمی نہیں تھی۔ آپ نے ان سے طلاق کیوں لی؟ کیوں مجھے یہاں لے آئیں؟ میرے ڈیڈی کتنے اچھے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد بھی وہ میرے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کرتے رہتے ہیں۔''

''آہستہ بولو۔ میں نے یہاں تمہارے سوتیلے باپ کو نہیں بتایا ہے کہ تمہارا باپ ہمیں اب بھی بہت کچھ دیتا رہتا ہے۔ میں یہاں جو بھی کررہی ہوں تمہاری بہتری کے لیے ہی کررہی ہوں۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولی ''اپنے باپ کی تعریفیں میرے سامنے نہ کیا کرو۔ تم اس کی حقیقت نہیں جانتی ہو۔''

''میرے پاپا کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک نہایت شریف انسان ہیں لیکن آپ نے ان کی قدر نہیں کی۔''

''دیکھو شکیلہ! میں نے تمہارے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اس کی اصلیت کبھی نہیں بتاؤں گی لیکن جب تم مجھے برا سمجھ کر اور اس کی تعریفیں کرکے مجھے مجبور کررہی ہو کہ اس کا اصلی چہرہ تمہیں دکھاؤں۔ جس باپ کو فرشتہ سمجھ رہی ہو۔ اس کے اندر شیطان چھپا رہتا ہے۔ وہ انڈر ورلڈ کا بہت بڑا مجرم ہے۔ ہاں...... یہ ضرور ہے کہ وہ شیطان ہونے کے باوجود تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک مجرم کی بیٹی کہلاؤ پھر یہ کہ نہ صرف پولیس بلکہ انڈر گراؤنڈ کے دوسرے مجرم بھی اس کے دشمن بن گئے تھے۔ وہ ان سے ڈرتا تو نہیں تھا لیکن یہ کہتا تھا کہ کسی دن بھی مارا جائے گا اس لیے میں تمہارے ساتھ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلی جاؤں۔ یہاں وہ میرے اخراجات برداشت کرے گا۔''

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولی ''ہندوستان میں ہماری کروڑوں کی جائداد ہے۔ میں وہ سب کچھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے کہا کہ اگر تم سیدھی طرح یہاں سے نہیں جاؤ گی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور تم میری تمام دولت و جائداد سے محروم ہوجاؤ گی۔''

بی پاشا نے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا ''میں یہ سمجھ رہی تھی کہ تمہارا باپ مجھے صرف دھمکی دے رہا ہے۔ وہ مجھے کبھی طلاق نہیں دے گا لیکن وہ تمہاری سلامتی کے لیے اور بہتری کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے مجھے طلاق دے دی اور کہا اب میری بہتری اسی میں ہے کہ میں تمہیں لے کر پاکستان چلی جاؤں۔ جہاں وہ میرے لیے پیسا بھیجتا رہے گا

رتمہارے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں بھی بڑی بڑی رقمیں ع کرواتا رہے گا۔''

شکیلہ نے کہا ''جب پاپا یہاں بھی ہمارے اخراجات راشت کررہے تھے تو پھر آپ کو اس شخص صمد سے شادی رنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟''

''تو ایک دولت مند بوڑھے کی ہاتھ آئی دولت کو کیا میں یسے آسانی سے چھوڑ دیتی؟''

''آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آرہا ہے۔ آپ یہاں..... اخواہ ذلیل و خوار بھی ہورہی ہیں اور دوسری شادی کرکے میرے پاپا کو بھی ناراض کردیا ہے۔''

''وہ مجھ سے ناراض ہوسکتے ہیں لیکن تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے اور تمہاری ہی خاطر وہ مجھ سے بھی سمجھوتا کریں گے۔ میں جیسی بھی زندگی گزاروں گی وہ مجھ پر اعتراض نہیں کرسکیں گے۔ ان کی یہی ایک شرط ہے کہ میں تمہاری زندگی تمہارا مستقبل بہتر سے بہتر بناؤں اور تمہارا مستقبل بہتر بنانے کے لیے ہی میں تمہیں جاوید سے منسوب کرنا چاہتی ہوں۔''

شکیلہ مایوسی سے سوچنے لگی۔ ماں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ''ایک بات سچ سچ بتاؤ۔ کیا واقعی جاوید تمہیں زہر لگتا ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بی پاشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں نے دنیا دیکھی ہے۔ تمہارے مزاج کو خوب سمجھتی ہوں۔ تم دل ہی دل میں اسے بہت چاہتی ہو۔''

وہ رونی صورت بنا کر بولی ''میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ تو میری صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جب وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تو پھر مجھے اپنی توہین کا احساس ہوتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ کیوں اسے اپنے دل میں جگہ دے رہی ہوں؟''

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی ''بیٹی......! میری ایک بات یاد رکھو۔ جب کسی کو جیتنے کا عزم کرلو تو پھر ہارنے کی بات نہ سوچو اور ہر حال میں اسے جیت لینے کی کوشش کرو۔ تمہاری پشت پر مجھ جیسی جہاں دیدہ ماں ہے اور تمہیں دل و جان سے چاہنے والا باپ ہے۔ وہ باپ تمہارے دل کی مراد پوری کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کرسکتا ہے۔ ان باپ بیٹے کو تگنی کا ناچ نچا سکتا ہے لیکن ابھی میں ایسا کچھ نہیں کررہی ہوں۔ سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کی کوشش کررہی ہوں۔ اگر کامیابی نہ ہوئی تو پھر ٹیڑھی بھی کرنا پڑے گی۔''

رات کو کھانے کے وقت جاوید برقی گھر آیا۔ وہ سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے باپ نے ناراضگی سے کہا ''میں نے تمہیں صبح یہاں آنے کو کہا تھا اور تم اب آرہے ہو۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''ڈیڈ......! آپ جانتے ہیں کہ اشعر اور ماہم کو وہاں ایڈجسٹ کرنے کا مسئلہ ہے۔ میں وہاں سارا دن رہ کر دیکھ رہا تھا کہ وہ دونوں عینی سے مانوس ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اسے بالکل اپنی ماں سمجھنے لگے ہیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ وہ بچے ایک ہی دن میں کیسے کسی کو اپنی ماں مان لیں گے۔ وہ لڑکی عینی بہت موقع پرست ہے۔ اس نے اوپری دل سے ایسی محبت کا مظاہرہ کیا ہے کہ بچے اس کی طرف جھکنے لگے ہیں۔''

بی پاشا نے فوراً اپنے شوہر کی تائید کی ''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ان کے پاس اتنی عقل کہاں ہے کہ وہ کسی کی مکاریوں کو سمجھ سکیں۔''

جاوید نے بی پاشا سے پوچھا ''آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ مکاری کیوں دکھائے گی؟ اسے تو آنکھیں حاصل کرنی تھیں۔ اس نے وہ حاصل کرلیں۔ میرے بچے اس کی طرف مائل ہوں یا نہ ہوں اس کی بلا سے۔ وہ انہیں ٹھکرا کر اپنے گھر کی راہ لے سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے رومانہ سے وعدہ کیا تھا کہ بچوں کو بھرپور ممتا دے گی اور وہ اپنا وعدہ وفا کررہی ہے۔''

صمد نے کہا ''بیٹے! میں مانتا ہوں کہ تم بہت سمجھدار ہو۔ میرا پورا کاروبار سنبھال رہے ہو پھر بھی تم مجھ سے زیادہ تجربہ تو نہیں رکھتے۔ انسانوں کے بدلتے ہوئے چہرے اور بدلتے ہوئے مزاج کو سمجھتے سمجھتے ہی ایک عمر گزر جاتی ہے۔ اس نے ابھی تمہاری بیوی کی آنکھیں حاصل کی ہیں۔ ابھی وہ دنیا والوں کو دکھانے کے لیے ان بچوں سے ممتا ظاہر کررہی ہے۔ میری ایک بات لکھ لو کہ جب وہ اسپتال سے گھر جائے گی تو وہاں تنہائی اور گھر کی چار دیواری میں انہیں پلٹ کر بھی نہیں دیکھے گی۔''

''جب ایسا ہوگا تو مجھے بچوں سے معلوم ہوجائے گا اور اس کے بعد میں عینی پر بھروسا نہیں کروں گا۔ میری رومانہ نے اس پر بھروسا کیا۔ اسے اپنی آنکھیں دیں تو فی الحال مجھے بھی اس پر اعتماد کرنے دیں۔''

''بیٹے......! تمہاری عقل کو کیا ہوگیا ہے؟ میں تمہارا باپ ہوں۔ ان بچوں کا دادا ہوں۔ وہ ہم باپ بیٹے کے پاس بڑی محبت اور بڑی حفاظت سے رہیں گے۔ تمہاری مرحوم بیوی نے اسے آنکھیں دیں۔ اس کے ساتھ نیکی کی۔ اس کی

نیکی اس کے ساتھ جانے دو۔ ان بچوں کو کسی آزمائش میں نہ ڈالو۔ تم بچپن سے ہمیشہ میرا حکم مانتے آئے ہو۔ صرف رومانہ کے معاملے میں تم نے اپنی من مانی کی۔ میرا دل دکھایا۔ میں نے تمہاری محبت میں اسے برداشت کرلیا لیکن اب اپنے پوتے اور پوتی کی جدائی برداشت نہیں کروں گا۔ تم ابھی جاؤ اور انہیں یہیں لے آؤ۔"

"ڈیڈی......! آپ مجھ پر حیران ہو رہے ہیں کہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ اور میں آپ پر حیران ہوں کہ آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟ آپ کبھی مجھے بھوکا پیاسا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ابھی میں کھانے کے لیے بیٹھا ہی ہوں تو مجھے یہاں سے جانے کا حکم دے رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آرام سے کھاؤ پھر اس کے بعد جا کر بچوں کو یہاں لے آؤ۔"

وہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولا "میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔ پہلے وہاں جا کر دیکھوں گا۔ اگر بچے عینی سے مانوس لگے اور انہوں نے یہاں آنے سے انکار کیا تو پھر میں انہیں جبراً یہاں نہیں لاؤں گا۔"

وہ باپ کے حکم کے مطابق کھانے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ بی پاشا نے صمد سے کہا "آپ ابھی لکھ لیں۔ یہ صرف دکھاوے کے لیے یہاں سے گیا ہے۔ آپ کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرنے گیا ہے لیکن دیکھ لیجئے گا۔ یہ بچوں کے بغیر ہی واپس آئے گا۔"

وہ سب اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ باپ آدھی رات کے بعد سو گیا صبح پتا چلا کہ وہ رات کے دو بجے آیا تھا پھر صبح اٹھ کر دفتر چلا گیا ہے۔ صمد نے فون پر پوچھا "جاوید کیا ہوا؟ بچے کہاں ہیں؟"

"بچے اپنی ماں کے پاس ہیں۔ ڈیڈ پلیز...... آپ میری بات مان لیں ضد نہ کریں۔ انہیں وہیں رہنے دیں۔ وہ بہت خوش ہیں۔ وہ اپنی ماں کا دکھ بھولے ہوئے ہیں۔ انہیں بھولنے دیں۔ دوبارہ ماں کا صدمہ نہ اٹھانے دیں۔"

بی پاشا اپنے میاں کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا کہہ رہا ہے؟"

صمد نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا "بچے وہاں سے آنا نہیں چاہتے اور وہ انہیں جبراً لانا نہیں چاہتا۔ اب میں کیا کروں؟ جوان بیٹا ہے۔ اتنا بڑا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ میں اسے لعن طعن بھی نہیں کرسکتا۔"

"آپ چاہیں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ آپ دھمکی دیں کہ اسے جائداد سے عاق کردیں گے۔ کاروبار سے ہٹا دیں گے پھر دیکھیے گا اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

"اس کے تو نہیں میرے ہوش اڑ جائیں گے۔ میں اپنے بیٹے کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ رومانہ کا دیوانہ تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بچوں کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے۔ ان کی خوشی کے لیے وہ میری دولت و جائداد سب کچھ چھوڑ دے گا۔"

"کروڑوں کی جائداد ہے۔ ہر ماہ لاکھوں کا منافع ہوتا ہے۔ وہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا ہے۔ اس گنگا کو چھوڑ کر کبھی نہیں جائے گا۔ آپ میری بات مانیں۔ اسے دھمکی دیں میں بھی نہیں چاہتی کہ آپ سچ مچ اسے عاق کردیں۔ میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔ اسے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔ تب ہی تو اپنا داماد بنانا چاہتی ہوں۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بی پاشا کو دیکھا پھر تائید میں سر ہلا کر فون پر بولا "جاوید...... تم روز بروز نافرمان ہوتے جا رہے ہو۔ میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں' آج بچوں کو گھر لے آؤ' وہ ہمیشہ اپنے دادا کے پاس رہیں گے۔ اگر تم انہیں یہاں نہیں لاؤ گے تو پھر میں بہت ہی سخت قدم اٹھاؤں گا۔"

"ڈیڈ......! وہ سخت قدم کیا ہوگا؟ یہ بھی بتا دیں۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ تم نافرمانی کرو گے۔ میرے پوتے اور پوتی کو مجھ سے چھین لو گے تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ اپنے کاروبار سے الگ کردوں گا۔ اپنی جائداد میں سے ایک پیسا بھی نہیں دوں گا۔"

"ڈیڈ! آپ نے بچپن میں ایک بار کہا تھا کہ اگر کوئی محبت سے کچھ دے تو لے لیا کرو مگر ہاتھ پھیلا کر کبھی نہ مانگو۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے زور بازو سے زندگی کی مسرتیں کماؤ۔ لہٰذا آپ محبت سے کچھ دیں گے تو لوں گا۔ نہیں دیں گے تو ہاتھ پھیلا کر نہیں مانگوں گا۔"

"ایسی جذباتی باتیں نہ کرو۔ جب تم سے سب کچھ چھین لیا جائے گا اور تم کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جاؤ گے۔ تب پتا چلے گا کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ بلکہ کانٹوں کا بستر ہے۔ میں تمہیں سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو۔"

"میری شریکِ حیات نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے میرے دونوں بچے عینی کے پاس اچھی طرح سے پرورش پائیں گے پھر میں تو اکیلا رہ جاؤں گا اور ایک اکیلے کی زندگی ہوتی ہی کیا ہے؟ ملی تو روزی۔ نہیں تو روزہ۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ سوچنا مجھے نہیں ہے آپ کو ہے کہ آپ میری سوتیلی ماں کے فریب میں آ کر کس طرح اپنے جوان بیٹے کی حق تلفی کر رہے ہیں۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ صمد نے اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر رکھ کر بی پاشا سے کہا "میں پہلے ہی کہتا تھا۔ وہ بہت ہی ضدی اور خودسر ہے۔ وہ پہلے اپنے بچوں کی بہتری چاہے گا اور بچے عینی جیسی دولت مند لڑکی کے پاس ہیں۔ اسے بچوں کی طرف سے کوئی فکر پریشانی نہیں ہے اور وہ خود کاروبار کا اتنا وسیع تجربہ رکھتا ہے کہ میرے ہاں سے دھتکارا جائے گا تو ہماری تاجر برادری میں سب ہی اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور وہ تنہا اپنی زندگی عیش و عشرت سے گزار لے گا۔"

بی پاشا جھنجلا کر بولی "آپ کو اس بات کا ڈر ہے کہ جوان بیٹا چلا جائے گا تو اتنا بڑا کاروبار کون سنبھالے گا؟"

"یہی تو اصل مسئلہ ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بیمار رہتا ہوں۔ میں اب کاروبار پر پوری توجہ نہیں دے سکتا۔"

"آپ پوری توجہ نہ دیں۔ آدھی تو دے سکیں گے۔ آدھی میں دوں گی۔ جاوید جیسے ہزاروں قابل جوان بے روزگار پھرتے ہیں۔ ہم کسی بہت ہی ذہین اور باصلاحیت جوان کی خدمات حاصل کرلیں گے۔ وہ آپ کے زیرِ سایہ رہ کر چند مہینوں میں سارے کاروبار کو سنبھال لے گا۔"

"تم فضول باتیں کیوں کر رہی ہو؟ میں اپنے خون کو اپنے جوان بیٹے کو الگ کردوں اور کسی دوسرے پر بھروسا کروں اور وہ میرے کاروبار میں کیسی ہیرا پھیری کرے گا۔ مجھے کیسے دھوکے دے گا۔ میں سمجھ بھی نہیں سکوں گا۔"

"آپ کا جوان بیٹا جو ابھی ہیرا پھیری کر رہا ہے اور آپ کو دھوکا دے رہا ہے تو کیا آپ سمجھ پا رہے ہیں؟"

"وہ میرا بیٹا ہے۔ میرا خون ہے۔ ہیرا پھیری کر کے اگر لاکھوں روپے چوری چھپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرتا رہے گا تو کیا، آخر وہ میرا بیٹا ہی ہے نا۔ میں ساری زندگی اپنے بیٹے کے لیے ہی تو محنت کرتا رہا ہوں اور کاروبار کو اتنا پھیلاتا رہا ہوں۔ یہ سب اسی کا ہے۔ وہ چوری کرے یا ایمانداری سے کاروبار چلائے۔ دونوں صورتوں میں یہ سارا کاروبار اور اس کی ساری آمدنی اسی کی ہے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی اور ناکامی اور نامرادی کے باعث اندر ہی اندر تلملانے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا پھر بولا "تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو کہ میرا وہ ایک ہی بیٹا ہے اور وہ آئندہ شادی کرنا نہیں چاہتا۔ نہ وہ دوسری شادی کرے گا نہ اور کوئی اولاد ہوگی۔ لہٰذا میرا ایک ہی پوتا اشعر ہے۔ اگر بیٹا میرے گھر سے جائے گا تو میرا پوتا بھی مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میری دولت اور جائداد کا وارث جاوید نہ ہو تو میرا پوتا اشعر بھی نہ ہو؟"

وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی لیکن اوپر سے اپنی ناکامی اور غصے کو دبا رہی تھی۔ اس نے بڑے صبر اور ضبط سے کہا۔ "میں یہاں آپ کا گھر برباد کرنے نہیں آئی ہوں۔ آپ کو اپنا بیٹا اور پوتا مبارک ہو۔ اب بھی میں یہ نہیں کہوں گی کہ میری بیٹی کو آپ اپنی بہو بنائیں۔ میں نے آپ کی خانہ آبادی کے لیے شادی کی ہے۔ آپ کا گھر برباد نہیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔ وہاں شکیلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی غصے سے بڑبڑانے لگی۔ "بس...... اب بہت ہوگیا۔ یہاں محبت اور شرافت سے کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ جب ٹیڑھی انگلی سے گھی نکلتا ہے تو پھر میں بھی ٹیڑھی ہو کر ہی دکھاؤں گی۔"

شکیلہ نے کہا "آپ نے تو کہا تھا کہ آخری راستہ یہی ہے۔ اب آپ بتائیں کس طرح ٹیڑھے پن سے انہیں سیدھا کریں گی؟"

"تم اپنے باپ سے فوراً رابطہ کرو اور مجھ سے بات کراؤ۔"

شکیلہ کے باپ کا نام یوسف جان تھا۔ جب یوسف جان بائیس برس کا تھا تو پولیس والوں نے اسے ایک مجرم نانا بھائی کے دھوکے میں گرفتار کرلیا تھا۔ وہ چیختا چلاتا رہا تھا کہ وہ نانا بھائی نہیں ہے۔ اس کا نام یوسف جان ہے لیکن پولیس والوں کو تو اپنی خانہ پری کے لیے کسی کو پکڑنا ہی تھا۔ لہٰذا اسے پکڑ کر اس کا نام نانا بھائی رکھ کر جیل میں پہنچا دیا تھا۔

تین برس کے بعد جب وہ جیل سے باہر نکلا تو اصل مجرم نانا بھائی نے اسے گلے لگا کر کہا "جرم میں نے کیا۔ سزا تجھے ملی تو نے میرے لیے سزا کاٹی ہے۔ اس لیے آج سے تو میرے گینگ میں ہی رہے گا۔"

یوسف جان اس پر خار کھایا ہوا تھا۔ اس کے گینگ میں رہ کر دو ماہ کے بعد ہی اس نے اسے اس طرح قتل کیا کہ گینگ والوں کو اس پر شبہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اس کے قتل کے بعد اسے نانا بھائی بنا لیا۔

ممبئی کے بڑے بڑے غنڈوں کو بھائی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اصل نانا بھائی کے قتل کے بعد اس کا نام نانا بھائی پڑ گیا۔ وہ تعلیم یافتہ تھا۔ سیاست کو خوب سمجھ سکتا تھا اس لیے بڑے بڑے سیاست دانوں کے لیے مجرمانہ خدمات انجام دینے لگا۔ جرائم کی دنیا میں سرنگ بناتا ہوا وہ انڈر ورلڈ کی

وسیع دنیا میں پہنچ گیا اور وہاں دوسرے بڑے بڑے زبردست مجرموں کے لیے چیلنج بننے لگا۔ فی الحال یوسف جان عرف نانا بھائی کا یہ مختصر سا تعارف کافی ہے۔ آگے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔

اس نے فون کے ذریعے رابطہ ہونے پر شکیلہ سے کہا۔ ''میری بچی میری جان! کیسی ہو تم؟''

''پاپا......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کی یاد آ رہی تھی۔ اس لیے فون کیا ہے۔ کیا آپ بہت مصروف ہیں؟''

''بیٹی......! تمہارے لیے دنیا کی کوئی مصروفیت آڑے نہیں آ سکتی۔ تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں کتنا یاد کرتا ہوں۔ کبھی ہندوستان آ کر میرے کمرے کو دیکھو۔ وہاں چاروں طرف تمہاری ہی بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ میں جدھر دیکھتا ہوں۔ ادھر تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔''

''او پاپا...... آئی لو یو...... آپ جیسا باپ تو دنیا میں کسی کا نہیں ہوگا۔''

''باپ کی جان! میرا دل میری دولت سب کچھ تمہارے لیے ہی تو ہے۔ پتا ہے انڈین کرنسی کے مطابق تمہارے اکاؤنٹ میں دس کروڑ جمع ہو چکے ہیں اور یہاں انڈیا میں پچیس کروڑ کی جائداد بھی ہے۔ وہ تمام جائداد تمہاری صرف تمہاری ہے۔''

''او پاپا......! میرے پاس اتنی دولت ہوگئی ہے پھر بھی ممی دولت حاصل کرنے کے لیے اپنے سوتیلے بیٹے جاوید برقی کے پیچھے پڑ گئی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں اس سے شادی کروں اور اس کی تمام دولت اپنے قابو میں کرلوں۔''

''بیٹی! جس طرح میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اسی طرح تمہاری ماں بھی تمہیں چاہتی ہے اور تمہارے مستقبل کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دنیا جہان کی دولت سمیٹ لینا چاہتی ہے۔ اگر وہ جاوید سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟''

''برائی تو کوئی نہیں ہے لیکن وہ جاوید بہت مغرور ہے۔ مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا ہے۔''

''میری جان......! جو تمہارا دل ذرا سا بھی دکھائے گا اور تم سے سیدھے منہ بات نہیں کرے گا۔ میں اسے سیدھا اوپر پہنچا دوں گا۔ تم صرف اتنا بتاؤ۔ کیا اسے پسند کرتی ہو؟ اور تمہاری خواہش ہے کہ تمہاری شادی اس سے ہو جائے؟''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی ''آپ اس سلسلے میں ممی سے بات کریں۔''

اس نے ریسیور بی پاشا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔''

''کوئی دوسری بات نہ بولو۔ صرف اتنا بتاؤ کہ کیا میری بیٹی جاوید برقی کو چاہتی ہے؟''

''ہاں...... اسے چاہتی ہے۔ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے لیکن وہ لڑکا بہت ہی ضدی اور خودسر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کا دل ٹوٹ جائے۔ کیا تم چاہو گے؟''

''ہرگز نہیں۔ اس خودسر کا سر میری بیٹی کے آگے ضرور جھکے گا۔ وہ میری بیٹی کو محبت اور دنیا جہان کی مسرتیں دے ورنہ اس کا پورا خاندان خاک میں مل جائے گا۔''

''پورے خاندان کو خاک میں ملانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صمد بیوپاری کو اطمینان ہے کہ اس کے بعد اس کا جاوید اور جاوید کے بعد اس کا بیٹا اشعر خاندان کی نسل بڑھائیں گے۔ بس اس کی یہ خوش فہمی ختم ہونی چاہیے۔''

''ہاں...... میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ ہم جرم کی دنیا میں یہی کرتے ہیں۔ اپنے دشمنوں کی کمزوریوں سے کھیلتے ہیں۔ میں ان باپ بیٹے کی کمزوری سے کھیلوں گا۔ تم شکیلہ کو کہو کہ مایوسی چھوڑ دے۔ اس کی شادی اسی جاوید برقی سے ہوگی اور ہر حال میں ہوگی۔''

وہ شکیلہ کی طرف فون بڑھا کر بولی ''تمہارے پاپا کہہ رہے ہیں کہ تمہاری شادی ہر حال میں جاوید سے ہی ہوگی۔ تمہارا باپ کیسا فولاد ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔ اس کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ اب تم مایوس ہونا چھوڑ دو۔ خوش رہو اور پاپا سے باتیں کرو۔''

وہ فون لے کر کان سے لگا کر باتیں کرنے لگی اور خوش ہونے لگی۔ باپ اسے یقین دلا رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ وہ بڑے بڑے سیاست دانوں کو ان کی کرسیوں سے گرا دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے کسی بھی دشمن کا مقدر بدل دیتا ہے۔ لہٰذا وہ جاوید برقی کا مقدر بھی بدل دے گا اور مزاج بھی۔

☆☆☆

اسما اسپتال کے اسپیشل وارڈ میں عینی کے ساتھ تھی اور دونوں پاشا کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ عینی کے کپڑے لینے کے لیے گیا تھا اور تقریباً تین گھنٹے گزرنے کے بعد بھی واپس نہیں آیا تھا۔

اسما پریشان ہو رہی تھی۔ وہ پاشا کے مزاج کو سمجھ رہی تھی کہ وہ کہیں عروج کی تلاش میں اسپتال نہ گیا ہو۔ اس نے عینی سے کہا تھا کہ عروج سے فون پر بات کرے اور اس نے بات کی تھی۔ عروج سے پوچھا تھا کہ پاشا کیا وہاں آیا ہوا ہے؟

پاشا عروج کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن بے چاری

ج دوراہے پر تھی۔ نہ عینی کا دل توڑنا چاہتی تھی اور نہ ہی بدنام ہونا چاہتی تھی کہ وہ اس کے نئے دولہا کو اپنی طرف [illegible] رہی ہے۔

وہ دولہا بھی ایسا دیوانہ ہے کہ اپنی دلہن کو چھوڑ کر اس پاس آ کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے پہلی بار عینی سے کہا تھا پاشا اس کے پاس نہیں آیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے کو جبراً عینی کے پاس بھیجا تھا۔

ادھر عینی کو شبہ تھا کہ پاشا عروج کے پاس گیا ہوگا لیکن [illegible] کرنے کے بعد اطمینان ہو گیا کہ وہ عروج کے پاس نہیں [illegible] اسے پاشا کی فکر تھی کہ وہ کہاں جا کر گم ہو گیا ہے؟

لیکن وہ ان دو بچوں اشعر اور ماہم سے بھی بہل رہی وہ پاشا کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔ پریشان تھی لیکن ان بچوں سے بہلتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر ہونے والی ایک نئی ممتا اس کا سہارا بن گئی تھی۔ وہ ان دم بچوں کی موجودگی میں پاشا کے ہرجائی پن کو بھول رہی

اسما نے اسے بہلانے کے لیے کہا ''جب تمہارے بھائی سے میری شادی ہوئی تھی تو وہ بھی ابتدائی دنوں میں مجھ سے دور رہتے تھے۔ کتراتے رہتے تھے۔''

عینی نے پوچھا ''بھائی جان آپ سے کیوں کتراتے [illegible]؟''

''یہ مردوں کی عادت ہوتی ہے۔ پہلے پہل اپنی بیویوں پر ایسے ہی رعب جماتے ہیں۔ بڑے ریزرو رہتے ہیں۔''

''آپ درست کہہ رہی ہیں۔ پاشا کو دیکھیں۔ پہلے مجھے کس قدر چاہتے تھے۔ اب شادی ہوتے ہی ریزرو رہنے لگے ہیں۔ مجھ سے کترا رہے ہیں۔ یہاں سے جا کر واپسی کا نام ہی نہیں لے رہے۔''

''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی ذہانت اور محبت سے میاں کو ہینڈل کرتی رہو گی تو وہ تمہارا ہی دیوانہ بن کر رہے گا۔''

عینی نے ایک گہری سانس لی۔ اسما کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیا وہ صرف میرے دیوانے بن کر رہ سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں رہ سکتا؟ وہ تمہارا مجازی خدا ہے۔ جب تم سب کچھ اس کے حوالے کر سکتی ہو تو پھر اسے بھی اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس کا دل، دماغ، من، آج اس کے احساسات اور جذبات سب کچھ تمہارے لیے ہونا چاہیے۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی پھر اسما نے کہا ''دیکھو عینی......! میں برسوں سے تم دونوں سہیلیوں کی محبت دیکھتی آ رہی ہوں۔ شادی سے پہلے یہ محبت قابلِ تعریف تھی، اور ہم سب دعائیں مانگتے تھے کہ تم دونوں سہیلیوں کی محبت اسی طرح قائم رہے لیکن شوہر کے معاملے میں اسے قائم نہیں رہنا چاہیے۔ میں عروج کی دشمن نہیں ہوں۔ عروج کو بھی سمجھاؤں گی۔ تمہیں بھی سمجھاتی ہوں۔ تم نے کنوارے پن میں سہیلی کی محبت میں یہ سوچ لیا تھا کہ اسے سوکن کے طور پر برداشت کرلو گی لیکن دنیا کی کوئی عورت کسی دوسری عورت کو اپنے مرد کی حصے دار نہیں بناتی ہے۔''

''لیکن کتنی ہی عورتیں ایک تو کیا دو دو تین تین سوکنوں کو برداشت کر لیتی ہیں؟''

''وہ مجبوراً برداشت کرتی ہیں۔ تمہارے آگے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ مجھے دیکھو...... میں پچھلے چھ سات برس سے بانجھ ہوں۔ میرے میاں مجھ پر سوکن لا سکتے ہیں لیکن وہ نہیں لا رہے ہیں۔ جانتی ہو کیوں؟''

عینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی ''اس لیے کہ میں نے اپنے میاں کو اتنی محبت دی ہے۔ اس قدر پیار دیا ہے کہ وہ میرے سوا کسی دوسری کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے، قسم کھائی ہے کہ وہ کبھی مجھ پر سوکن نہیں لائیں گے۔ تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔ پاشا کو اتنا پیار اور محبت دو کہ وہ صرف تمہارے بارے میں ہی سوچے۔ عروج تو کیا ساری دنیا کی عورتوں کو بھول جائے۔''

وہ اسما کا ہاتھ تھام کر بولی ''بھابی! سچ تو یہ ہے کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ عروج کی طرف سے بہت الجھی ہوئی ہوں۔ اس کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتی۔ سوچتی ہوں کہ میں اسے پاشا سے دور رکھنا چاہوں گی تو وہ مجھے بے وفا سہیلی سمجھے گی اور میں نے جو وعدہ کیا ہے اس کے حوالے سے وہ مجھے طعنے دے گی۔''

''اسے طعنے دینے دو۔ یہ نہ سوچو کہ اس کا دل ٹوٹے گا۔ یہ سوچو کہ پاشا نے تمہارے حصے کی محبت اسے دی اور اسے تمہاری سوکن بنا دیا تو تمہارا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔''

''بھابی جان! آپ کی باتوں سے مجھے بڑا حوصلہ مل رہا ہے۔ میں عروج سے خود کچھ نہیں کہوں گی۔ اس کے سامنے میرا منہ نہیں کھلے گا۔ پلیز...... آپ ہی اسے کچھ اس طرح سمجھا دیں کہ اس کے دل میں میرے لیے میل پیدا نہ ہو۔''

اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''میں اسے سمجھاؤں گی۔ تمہارے بھائی جان بھی رہائی پا کر آنے والے ہیں۔ وہ بھی اسے سمجھائیں گے۔ بلکہ تمام گھر والے سمجھائیں گے تو اسے

سمجھنا ہی ہوگا۔ وہ تمہیں دل و جان سے چاہنے والی سہیلی ہے۔ سمجھ دار بھی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہماری بات مان لے گی اور پاشا سے شادی کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لائے گی۔''

اس وقت پاشا نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پوچھا ''کیا میں آ سکتا ہوں؟''

اسما نے اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا ''اپنی شریکِ حیات کے پاس آنے کی اجازت مانگ رہے ہو؟''

''جب دو خواتین بیٹھی باتیں کر رہی ہوں تو ان کے درمیان مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔''

اسما نے کہا ''اب باتیں نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ اتنی دیر تک کہاں تھے؟ ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے تھے۔''

''اور آپ کی گاڑی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اچانک گیئر باکس بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی کو دھکے دیتا ہوا ایک ورکشاپ میں لے گیا تھا۔''

''کیا گیئر بکس صحیح کروانے میں اتنی دیر لگتی ہے؟''

''دیر نہیں لگتی مگر میں لائن میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے پہلے بھی وہاں چار گاہک موجود تھے۔ وہ انہیں نمٹائے بغیر میرا کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور میں ان سے زبردستی کام نہیں کروا سکتا تھا۔''

وہ عینی کی طرف ایک شاپنگ بیگ بڑھا کر بولا ''اس میں تمہارے دو جوڑے ہیں۔ میں اپنی پسند سے لایا ہوں۔ پتا نہیں تمہیں پسند آئیں گے یا نہیں؟''

وہ مسکرا کر بولی ''تمہاری پسند میری پسند ہے۔ تم جو پہناؤ گے وہی پہنوں گی جو کھلاؤ گے وہ کھاؤں گی۔ جو کہو گے وہ کروں گی۔ تمہارے مزاج کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کروں گی۔''

اسما نے کہا ''تم کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو اس نے کہا ''یہ کیا؟ ادھر کیوں بیٹھ رہے ہو؟ کیا اپنی دلہن کے پاس نہیں بیٹھ سکتے؟''

اس نے سر کھجاتے ہوئے عینی کو دیکھا۔ وہ شرما رہی تھی۔ مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے پیچھے بیڈ پر دونوں بچے سو رہے تھے۔ پاشا نے سر گھما کر انہیں دیکھا پھر عینی سے کہا ''یہ اپنے باپ کے ساتھ گھر نہیں گئے؟''

اسما نے کہا ''میں ان کے لیے ابھی میٹرس منگوا کر فرش پر بچھا کر ان کو اس پر سلا دوں گی۔ تمہیں رات گزارنے کی پریشانی نہیں ہوگی۔''

وہ جلدی سے بولا ''مجھے...... میں یہاں...... میں رات گزاروں گا؟ یہ ہمارا کوئی گھر تو نہیں ہے؟ ...والے کیا کہیں گے؟''

''کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ یہ اسپیشل کمرا ہے۔ میا بیوی کی دیکھ بھال کے لیے یہاں دن رات رہ سکتا ہے''

''نہیں بھابی جان! اسپتال میں رہنا مناسب ہے۔ بس آج ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ کل عینی کو ...سے چھٹی ملنے والی ہے اور کل میں اپنے لیے ایک ...کرائے پر لے لوں گا۔''

عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔ مکان کرائے پر کیوں؟ میری اتنی بڑی کوٹھی اب صرف میری نہیں تمہاری بھی ہے۔''

''سوری عینی......! مرد وہ ہے جو اپنی عورت کو اپنے گھر لے جاتا ہے۔ اس کے گھر نہیں جاتا۔''

اسما نے کہا ''خواہ مخواہ مردانگی والی بات نہ کرو۔ جو کچھ بھی ہے وہ تمہارا ہی ہے۔''

''میرا وہ ہوگا۔ جو میری محنت سے حاصل کیا گیا ہو''

عینی نے کہا ''بے شک تم محنت تو کرو گے۔ ...کاروبار کو سنبھالو گے اور میری دولت و جائداد کی دیکھ ...کرو گے تو کیا اس میں تمہارا حصہ نہیں ہوگا؟ کیا اس ...تمہاری محنت ساتھ نہیں ہوگی؟''

''سیدھی سی بات ہے' مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں اور میں اتنی بڑی ذمے داری قبول کر کے تمہارے کار... ڈبونا نہیں چاہوں گا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو پاشا۔ تمہیں کاروبار کو سنبھا... باقاعدہ ٹریننگ دی جائے گی تعلیم یافتہ ہو' سمجھ دا... میرے مجازی خدا ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی بیوی کی ... و جائداد کو ہاتھ سے بے ہاتھ نہ ہونے دو۔''

''تم درست کہتی ہو۔ میں رفتہ رفتہ تمہارے کار... سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ ٹریننگ کے دوران کسی کو تنخوا... دی جاتی۔ اس لیے میں بھی تنخواہ نہیں لوں گا۔ تم سے کو... حاصل نہیں کروں گا۔ اس وقت تک میں ٹیکسی چلاؤں گا۔''

اس نے بڑے دکھ سے کہا ''پاشا......! تم میرا دا... رہے ہو۔ یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ ٹیکسی چلاؤ گے تو ... خاندان میں میری کتنی سبکی ہوگی؟ سب ہی طرح طر... باتیں بنائیں گے۔ میرا مذاق اڑائیں گے۔''

''تمہارے خاندان والوں کو بہت پہلے ہی معلوم ہوگا کہ میں ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اب انہیں معلوم ہو...

...میں غیرت مند بھی ہوں۔ لہٰذا جب تک تمہارے کاروبار کو ...لنے کے قابل نہیں ہو جاؤں گا اس وقت تک میں اپنا کام ...وں گا اور اس سلسلے میں کسی کی بات نہیں مانوں گا۔''

...اسما نے کہا ''ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام ضرور کرو اور عینی کے ...وبار کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے رہو لیکن الگ گھر تو نہ لو۔ تم ...زندگی بھول چکے ہو۔ اس لیے عینی کے بارے میں نہیں ...تے۔ یہ بچپن سے شہزادیوں کی طرح زندگی گزارتی آئی ...تم کوئی سستا سا چھوٹا سا مکان لو گے تو یہ وہاں کس طرح ...ارہ کرے گی؟''

عینی نے جلدی سے کہا ''بھابی جان! آپ ایسی باتیں ...یں۔ یہ مجھے جہاں لے کر جائیں گے۔ میں ان کے ...ہ جاؤں گی۔''

پاشا نے اسما سے کہا ''آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ...ے بینک کے اور دوسرے ضروری کاغذات آپ کے ...ہیں۔ پلیز...... ابھی گھر چل کر وہ مجھے دے دیں۔ میں ...سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال کر ایک اچھا سا ...ن کرائے پر لوں گا اور ایک ٹیکسی بھی خرید دوں گا۔ اس ...ح روزگار کا ذریعہ حاصل ہوگا۔''

اسما نے کہا ''ہم تمہاری تمام باتیں مان رہے ہیں۔ تم ...ی ایک بات مان لو۔ عینی کو اسپتال میں تنہا نہ چھوڑو۔ ...ت یہیں گزارو یہ تمہارا فرض ہے۔''

''بھابی جان! میں آپ سے کہہ رہا ہوں صرف ایک ...ت کی بات ہے۔ کل مکان ضرور کرائے پر حاصل کر لوں ...۔ آپ ایک رات کی بات کر رہی ہیں۔ میں عینی کے ساتھ ...گی کی ساری راتیں گزاروں گا۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''بھابی جان! یہ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ...۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہ میرے لیے اپنا ایک ...ن کرائے پر لے رہے ہیں اور وہاں میرے ساتھ ایک گھر ...نا چاہتے ہیں۔ عورت کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات ...کیا ہو سکتی ہے؟''

اسما نے کہا ''دیکھو پاشا......! محبت کرنے والی وفا شعار ...یاں ایسی ہوا کرتی ہیں۔ ساری لڑکیاں جھونپڑیوں میں رہ ...محلوں کے خواب دیکھتی ہیں لیکن یہ محل میں رہنے والی لڑکی ...ارے ساتھ کہیں بھی گزارہ کرنے کو تیار ہے۔ اسے لکھ لو کہ ...ی وفا شعار بیوی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔ کوئی بھی دوسری ...ی تم سے محبت کا دعویٰ تو کرے گی لیکن عینی کی طرح اپنا وقار ...ا سوسائٹی دھن دولت سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس نہیں ...ئے گی۔''

وہ کھل کر نہیں کہہ رہی تھی لیکن اس کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عروج کے مقابلے میں عینی کو بہتر اور برتر ثابت کر رہی ہے۔

پاشا یہ ڈھکی چھپی باتیں خوب سمجھ رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اسما نے کہا ''اب رات بہت ہو چکی ہے۔ مجھے گھر جانا چاہیے۔ پاشا...... میں پھر ایک بار کہتی ہوں۔ آج رات یہاں رہ جاؤ۔ کل تم اپنا مکان لے لو گے تو عینی کو ساتھ لے جانا۔ آج اسے تنہا نہ چھوڑو۔''

وہ بولا ''بھابی جان! صرف ایک رات کی تو بات ہے۔ آپ بھی تو رات یہاں رہ سکتی ہیں۔''

اسما نے مایوسی سے پاشا کو دیکھا۔ اتنے میں عینی بولی۔ ''آپ میری فکر نہ کریں۔ میں یہاں اکیلی رہ جاؤں گی۔ بس ایک ہی رات کی بات ہے۔ کل صبح تو چھٹی مل ہی جائے گی۔''

اسما نے پاشا کو دیکھا' پھر طنزیہ انداز میں کہا ''عینی......! میں ایسی بے حس نہیں ہوں کہ تمہیں تنہا چھوڑ دوں۔ میں یہاں تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' پھر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''پاشا......! تم بہت ضدی ہو۔ اپنے بزرگوں کی بات رکھنا بھی نہیں جانتے۔ بہرحال میں آدھے گھنٹے کے لیے جا رہی ہوں۔ اتنی دیر یہاں رکو۔ میرے آنے کے بعد چلے جانا۔''

اور وہ کوئی جواب سنے بغیر اس کمرے سے باہر چلی گئی۔ دروازے کو بند کر دیا۔ وہ عینی کے پاس بیڈ کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا ''بھابی جان ناراض ہو گئی ہیں۔ گھر کے دوسرے افراد بھی ناراض ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ ماضی میں میرا تمہارا تعلق کس نوعیت کا تھا۔ وردانہ نے ہمارا نکاح پڑھوا دیا۔ ہم نے نکاح قبول کر لیا۔ اگر اس سلسلے میں مجھے فیصلہ کرنے کی آزادی دی جاتی تو اس وقت یہی کہتا کہ پہلے میں کوئی روزگار حاصل کر لوں' اپنا گھر حاصل کر لوں پھر شادی کروں گا۔''

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا ''اب بحث کرنا فضول ہے۔ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اپنی غیرت اور حالات کے مطابق عمل کروں۔ میری کوشش ہوگی کہ کل ہی کرائے کا کوئی مکان مل جائے اور میں تمہیں وہاں لے جاؤں۔ اس کے بعد تم اپنے طور پر فیصلہ کرنا کہ میرے ساتھ وہاں مستقل رہ سکو گی یا اپنی عالی شان کوٹھی میں ہی رہو گی۔''

''جب میں تمہاری ہر بات مانوں گی تو پھر تم کو بھی میری معقول باتیں ماننی پڑیں گی اور ایک معقول بات یہ ہے کہ تم کاروبار سنبھالنے کی ٹریننگ حاصل کرو گے۔ دو چار مہینوں

میں ہی بہت کچھ سیکھ لو گے۔ مقدر بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ بہت جلد تمہارے اندر اتنا اعتماد پیدا کر دیں گے کہ تم ان کے ساتھ مل کر میرا کاروبار سنبھال سکو گے۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''اس کے بعد میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ تم میرے ساتھ میری کوٹھی میں رہو۔ کیونکہ جب میرا کاروبار تمہارا ہو جائے گا اور تم اسے سنبھال لو گے تو پھر میری کوٹھی کو اور میری تمام جائیداد کو سنبھالو گے اور مجھے یقین ہے تم اس وقت انکار نہیں کرو گے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''اگر میں ٹریننگ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ تم چاہتی ہو تو...''

وہ خوش ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''تم بہت اچھے ہو۔''

وہ دونوں بیڈ کے سرے پر قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہت دیر سے انتظار کر رہی تھی کہ پاشا اس کا ہاتھ پکڑے' اسے اپنے بازوؤں میں لے لے لیکن وہ ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا۔ آخر عینی نے ہی اس کا ہاتھ تھام کر کہا ''تم بہت اچھے ہو۔ بس کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے مجھ سے کترا رہے ہو۔ جیسے تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں ہے۔''

وہ آہستہ سے عینی کا ہاتھ سہلاتا ہوا بولا ''مجھے بتایا گیا تھا کہ میں پہلے تم سے محبت کرتا تھا لیکن میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ البتہ ایک شوہر کی حیثیت سے اپنی ذمے داریوں کو سمجھ رہا ہوں اور تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے خود کو تیار کر رہا ہوں۔ ہم ایک ساتھ رہیں گے' ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔''

وہ اپنے طور پر درست کہہ رہا تھا لیکن عینی کا دل یہ سن کر بجھ گیا تھا کہ اسے محبت نہیں ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ آئندہ ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے شاید محبت ہو جائے گی۔

وہ اس وقت بھی اس کا ہاتھ تھام کر اس انتظار میں تھی کہ شاید وہ کچھ آگے بڑھے گا لیکن وہ باتوں میں وقت ضائع کر رہا تھا۔ اس نے بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''یہ بچے دولت مند باپ دادا کی اولادیں ہیں۔ کیا یہ تمہارے ساتھ میرے چھوٹے سے گھر میں رہ سکیں گے؟''

''تم اپنی حیثیت کے مطابق میری ذمے داریاں پوری کرو گے اور میں اپنی حیثیت کے مطابق ان بچوں کی ذمے داریاں پوری کروں گی۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ ابھی بچے ہیں' چھوٹا اور بڑا گھر نہیں دیکھتے۔ صرف ماں کی محبت اور اس کی ممتا کو سمجھتے ہیں۔''

اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھ کو عینی کے ہاتھ دیکھا۔ وہ اندر اندر پریشان ہو رہا تھا' سوچ رہا تھا کہ عینی کا ہاتھ تھام لینا چاہیے۔ کم از کم اپنے سینے سے لگا پیار کرنا چاہیے۔ وہ اس کی شریکِ حیات ہے۔ اسے اس کا فرض ہے۔

لیکن وہ مجبور تھا۔ اس کا دل ادھر مائل نہیں ہو اس کا دھیان تو عروج کی طرف لگا ہوا تھا۔ سوچ رہا از جلد یہاں سے نکل کر اس کے پاس پہنچے۔ اس رات گیارہ بجے ان کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور ا بجنے والے تھے۔ عینی نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر ا پھر پوچھا ''ایک بات کہوں؟''

وہ بولا ''ہاں...... ہاں کہو......''

''ابھی تم نے کہا تھا کہ ہم میاں بیوی ای دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے۔ کیا تم ابھی ادا کر رہے ہو؟ ہم اس وقت بالکل تنہا ہیں۔ کیا تم میر کی محبت مجھے دے رہے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''وہ...... وہ بات یہ ہے کہ صرف بند ہے۔ اندر سے لاک نہیں ہے۔ بھابی وقت بھی آ سکتی ہیں۔ اس لیے میں نے یہ فاصلہ رکھا۔

وہ بڑی شکایت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ دل میں بولی ''دروازہ لاک نہیں ہے' لیکن تم اسے اندر کر سکتے ہو۔''

اس کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی ''ہائے! بدنصیب سہاگن ہوں' میری شادی ہوئی' میں نے ایک دن اپنے اس خاوند کے ساتھ گزارا ہے لیکن رات نصیب نہیں ہوئی۔ آج یہ رات نصیب ہو سکتی میرا مجازی خدا بے حس ہے۔ میرے احساسات کو نہیں ہے۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں؟ کیسے اس کے دل جاؤں؟''

وہ یکبارگی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر لگی۔ کمرے کی خاموشی میں اس کی سسکیاں ابھرنے وہ نادان نہیں تھا۔ ایک دلہن کے جذبات کو سمجھ سکتا تھا انجان بن کر بولا ''یہ تم اچانک کیوں رو پڑیں؟''

وہ سسکتے ہوئے بولی ''مجھے نئی آنکھیں ملی ہیں زندگی رونے کے لیے ہیں۔''

یہ بات اس کے دل کو لگی۔ وہ اسے بڑی ہمدر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سر جھکا کر آہستہ آ ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اس کے ضمیر نے اسے

اس کا ہاتھ لاک کی طرف گیا پھر وہ دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔

اس کمرے سے باہر اسما کوریڈور کے ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے کے بعد واپس آئے گی لیکن وہ وہیں بیٹھی رہی۔ آدھا گھنٹا گزر گیا۔ وہ چاہتی تھی کہ دولہا دلہن کو زیادہ سے زیادہ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملے۔ شاید اس طرح وہ اپنی دلہن کی طرف مائل ہو جائے۔

ایسے وقت فلک ناز وہاں آئی۔ اس نے اسما کو دیکھ کر پوچھا ''تم یہاں باہر بیٹھی ہوئی ہو؟''

''ہاں...... آپ بھی یہاں بیٹھ جائیں۔ یہ پاشا اڑیل ٹٹو ہے۔ قابو میں نہیں آ رہا ہے۔ عینی سے کترا رہا ہے۔ اس سے دور رہنے کے لیے طرح طرح کے بہانے بنا رہا ہے۔''

وہ فلک ناز کو پاشا کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ کس طرح گھر کرائے پر لے کر عینی کو وہاں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ غیرت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اپنا روزگار حاصل کیے بغیر عینی کے گھر کی روٹی بھی کھانا نہیں چاہتا۔

فلک ناز نے کہا ''میں تو پہلے دن سے ہی جانتی تھی کہ پاشا اور عروج کے درمیان ہمیشہ کھچڑی پکتی رہی ہے۔ یہ عینی کے گھر کی روٹی کھائے یا نہ کھائے لیکن عروج اس کے ذریعے عینی کی دولت پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔''

اسما بولی ''عروج کی نیت جو بھی ہو۔ ہم سب کو یہ کوشش کرنی ہوگی کہ وہ پاشا سے شادی نہ کرے۔ عینی کی سوکن نہ بنے۔ ہم سب مل کر اسے سمجھائیں گے۔''

''ہم تو سمجھائیں گے لیکن اب عینی کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک سہیلی کی محبت میں اندھی بن کر نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھوں کی روشنی دی ہے۔ اب وہ اپنی سہیلی کا اصل چہرہ پڑھ سکتی ہے۔''

وہ باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئیں۔ دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ اندر سے ماہم کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اسما نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا ''عینی نے بہت بڑی ذمے داری اپنے سر لے لی ہے۔ ایک نہیں دو بچے ہیں۔ پتا نہیں انہیں کیسے سنبھالے گی؟''

فلک ناز نے کہا ''دو نہیں...... تین بچے ہیں۔ پاشا تو سب سے بڑا ضدی اور ناسمجھ بچہ ہے۔ وہ اسے کیسے سنبھالے گی؟''

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئیں پھر اسما نے ہولے سے دستک دی۔ دروازے سے لگ کر کہا ''عینی......! ماہم کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔''

اندر سے عینی نے کہا ''ایک منٹ بھابی جان......! میں ابھی دروازہ کھول رہی ہوں۔''

ایک منٹ گزر گیا پھر دوسرا منٹ گزر گیا۔ دروازہ نہ کھلا۔ اسما اور فلک ناز دونوں ہی تجربہ کار تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ عینی پتھر کو پگھلا چکی ہے۔ اسی لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہو رہی ہے۔

تین منٹ کے بعد عینی نے دروازہ کھولا۔ ماہم اس کی گود میں تھی اور اس کے شانے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ اس نے ذرا شرماتے ہوئے کہا ''یہ رو رہی تھی۔ میں اسے تھپک رہی تھی۔ اس لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی۔''

دونوں نے اندر آ کر دیکھا۔ پاشا کمرے میں نہیں تھا۔ وہ دس منٹ کے بعد باتھ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ تولیے سے منہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا ''اب مجھے چلنا چاہیے۔''

فلک ناز نے چونک کر کہا ''ہائے اسما......! میں تمہیں بہت بڑی خوش خبری سنانے آئی تھی لیکن دوسری باتوں میں بھول گئی۔ ذیشان کے وکیل نے ابھی فون کیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ کل صبح دس بجے ذیشان کو رہائی مل جائے گی۔''

اسما نے خوش ہو کر کہا ''خدا کا شکر ہے پھوپی جان......! آپ کے منہ میں گھی شکر۔ آپ نے واقعی بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ میں ابھی گھر جا کر شکرانے کے نفل ادا کروں گی۔''

پھر وہ چونک کر پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اوہو۔ پاشا تو جا رہے ہیں۔ مجھے یہاں رہنا ہوگا۔''

فلک ناز نے کہا ''میں یہاں رہنے آئی ہوں۔ تم گھر جا کر اپنے میاں کے استقبال کی تیاریاں کرو۔''

''شکریہ پھوپی جان......! میں ابھی جا رہی ہوں۔''

پاشا نے کہا ''بھابی جان......! میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ آپ مجھے گھر جا کر بینک وغیرہ کے ضروری کاغذات دے دیں۔ میں کل ضرورت کے مطابق رقم نکالنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولی ''ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔''

پاشا نے عینی کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اچھا جا رہا ہوں۔ مکان وغیرہ کے سلسلے میں مصروف رہوں گا لیکن فارغ ہوتے ہی تمہیں اپنے ساتھ نئے گھر میں لینے کے لیے آؤں گا۔''

وہ بہت خوش تھی۔ مسکرا کر بولی ''ہاں جاؤ۔ میں کل صبح کسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی پھر کوٹھی میں ہی ملاقات ہوگی۔''

وہ اسے بڑے پیار سے رخصت کرنے دروازے تک آئی پھر دروازے سے باہر آ کر اسے کوریڈور میں دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہونے والا تھا۔ اسما نے رک کر اسے دیکھا پھر پوچھا ''کیا تم محبت کرنا نہیں جانتے ہو۔''

پاشا نے حیرانی سے پوچھا ''آپ یہ سوال کیوں کر رہی ہیں؟''

''اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ عینی تمہیں ہی دیکھ رہی ہوگی۔ لہٰذا تمہیں بھی پلٹ کر اسے دیکھنا تو چاہیے۔ ہاتھ ہلا کر وش کرنا چاہیے۔''

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عینی اپنے کمرے کے دروازے کے پاس کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب اسے آنکھوں کی ایسی روشنی ملی تھی کہ وہ دور تک اپنے پاشا کو صاف طور پر دیکھ سکتی تھی۔ پاشا نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے وش کیا پھر وہاں سے آگے بڑھ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے اسما کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے کہا ''تم عجیب سرپھرے ہو۔ تم سے اسپتال میں رہنے کو کہا تو وہاں نہیں رہے اور عینی کی کوٹھی میں بھی رہنا نہیں چاہتے۔ اتنی رات کو کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟''

وہ ونڈ اسکرین کے پار نیم تاریکی اور نیم روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اسے عروج دکھائی دے رہی تھی۔ اسما نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر مخاطب کیا ''پاشا......! میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں؟''

وہ چونک کر بولا ''جی...... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''میں پوچھ رہی ہوں۔ اتنی رات کو کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟ عینی کا بیڈ روم خالی ہے۔ ایک رات دلہن کے گھر رہ جاؤ۔ تمہاری مردانہ غیرت کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔''

''اگر میں آج کی رات کہیں گزار لوں گا تو میری غیرت کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ کل میرا اپنا گھر ہوگا۔''

''کیا آج رات کسی ہوٹل میں گزارو گے؟ یا......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پاشا نے جلدی سے کہا۔ ''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھلا اور کہاں جا سکتا ہوں؟ ریلوے اسٹیشن کے قریب بہت سے ہوٹل ہیں جو ایک چارپائی کے دس روپے لیتے ہیں۔ وہاں گزارہ ہو جائے گا۔''

''میرا خیال ہے۔ اتنی جلدی تمہیں نیند نہیں آئے گی ابھی ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہو گے۔''

''جی ہاں...... جب نیند آنے لگے گی تو میں کسی میں چلا جاؤں گا۔''

''رات کو خواہ مخواہ پیدل گھومتے رہو گے۔ مجھے کم کر یہ گاڑی لے جاؤ۔''

''نہیں...... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''یعنی اس کے پاس ہے؟''

''جی ہاں۔''

پھر اس نے چونک کر اسما کو دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین پار دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی ''میں ذہین پولیس افسر کی بیوی ہوں۔ باتوں باتوں میں کسی اندر کی بات کو نکالنا خوب جانتی ہوں۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''آپ...... دیکھیں...... آ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ بس ایک بات کہ گی۔ تم مسلمان ہو اور مسلمان کتنا ہی بے ایمان اور سر کیوں نہ ہو۔ اپنے خدا سے ضرور ڈرتا ہے۔ جب بھی تم سے کبھی ناانصافی کرنے یا اس کی حق تلفی کرنے لگو تو خدا ضرور ڈرنا۔''

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی کے بڑے گیٹ کے سا پہنچ گئی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر سلام کیا پھر گیٹ کھول د اسما نے گاڑی کوٹھی کے پورچ میں روکی پھر اسے سوالیہ نظر سے دیکھنے لگی۔

وہ بولا ''عینی بہت اچھی ہے۔ میں جب دردانہ کی میں تھا۔ تب پہلی بار اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے باتیں مجھے یاد نہیں تھیں لیکن اس پہلی ملاقات سے اب میں نے یہی دیکھا ہے کہ وہ دل و جان سے مجھے چا ہے۔''

''کیا تم اس کی چاہت کی قدر نہیں کرو گے؟''

''ہم انسان ہیں۔ ہمیں جانوروں سے بھی پیار ملتا۔ ہم انہیں محبت سے پالتے پوستے ہیں اور عینی تو پھر ایک انس ہے۔ ایک بہت ہی محبت کرنے والی پیاری سی ہستی ہے۔ اس کی محبت کا جواب ہمیشہ محبت سے دیتا رہوں گا۔''

وہ دونوں کوٹھی کے اندر آئے۔ اسما اسے لے کر ا کمرے میں آ گئی۔ وہاں اس نے الماری کھول کر ایک چ سا چرمی بیگ نکالا اور اسے دیتے ہوئے کہا ''اسے کھول دیکھو۔ اس میں تمہارے تمام کاغذات موجود ہیں۔''

وہ اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ اس میں سے بہت اہم کاغذات نکل رہے تھے۔ چند ایسے خطوط تھے۔ جو اس نے اپنے والدین کو لکھے تھے۔ انہیں پڑھ کر معلوم ہو سکتا تھا کہ ماضی میں اس کے ماں باپ کون تھے اور پہلے وہ لاہور میں تھا۔ وہاں سے پھر کراچی آیا تھا۔ اسکول کالج کے سرٹیفکیٹ بھی تھے۔ بینک کے کچھ کاغذات اور چیک بک بھی تھی۔

اس نے تمام کاغذات کو بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ بھابی جان۔ کیا یہ بیگ میں لے جا سکتا ہوں؟''

''یہ تمہارا ہی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا ''پتا نہیں میں کب تک اپنے آپ کو اور اپنی چیزوں کو بھولتا رہوں گا؟ اچھا اب میں چلتا ہوں۔''

وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولی ''بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ دیکھو...... آدھی رات گزر چکی ہے۔ کہاں بھٹکنے جاؤ گے؟ یہاں ساتھ ہی عینی کا کمرا ہے۔ وہاں آرام سے رات گزار سکتے ہو۔''

''بھابی جان۔ آپ بہت ہی محبت کرنے والا دل رکھتی ہیں۔ یہ نہیں چاہتیں کہ میں باہر جا کر کہیں بھٹکتا پھروں لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ یادداشت گم ہونے کے باوجود ہوش و حواس میں رہتا ہوں۔ میں راستہ نہیں بھولوں گا۔ کل عینی کے پاس واپس آ ؤں گا۔''

وہ خدا حافظ کہتا ہوا اس کے کمرے سے باہر آیا پھر سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ میں وہاں موجود تھا۔ ریسیور کو یونہی کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ کسی سے فون پر بات نہیں کر رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ پاشا ابھی یہاں سے گزرے گا۔

اس نے مجھے دیکھ کر سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دے کر کہا ''آؤ بیٹھو۔ تمہیں تو عینی کے پاس اسپتال میں ہونا چاہیے تھا؟''

وہ بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے عروج کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی لیکن مجبوراً بیٹھتے ہوئے بولا ''میں ابھی عینی کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔''

میں نے اس کے بیگ کو دیکھ کر پوچھا ''یہ اتنی رات کو بیگ لے کر کہاں جا رہے ہو؟''

''جی...... کہیں نہیں...... اس میں ضروری کاغذات ہیں اور چیک بک ہے۔ صبح بینک سے کچھ رقم نکلوا کر ایک مکان وغیرہ کا انتظام کروں گا تاکہ عینی کو اپنے ساتھ وہاں لے جاؤں۔''

وہ مجھے بتانے لگا کہ اپنا روزگار حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنی چھت کے نیچے عینی کو رکھنا چاہتا ہے۔ یہاں رہ کر بیوی کی دولت پر عیش کرنا نہیں چاہتا۔ جب وہ میرے تعاون سے کاروبار کو پوری طرح سمجھ لے گا اور سنبھال لے گا۔ تب یہاں آ کر عینی کے ساتھ رہے گا۔

میں نے اس کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا ''مجھے یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم اپنے بل پر زندگی گزارنا چاہتے ہو اور عینی کا احسان اٹھانا نہیں چاہتے۔ اس کے کسی کام آؤ گے۔ اس کے کاروبار کی ذمے داری سنبھالو گے۔ تب یہاں آ کر رہو گے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا ''کیا آپ عینی کے کاروبار کے سلسلے میں مجھے ٹریننگ دیں گے؟''

''ہاں...... تم کل ہی سے ٹریننگ شروع کر سکتے ہو...... لیکن......''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا ''آپ کچھ کہتے ہوئے کیوں رک گئے؟''

''تمہیں عینی نے شاید بتایا ہو کہ میں ہاتھ کی لکیریں پڑھتا ہوں اور مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتا ہوں؟''

''جی ہاں...... مجھے عینی اور عروج دونوں نے یہ باتیں بتائی ہیں۔''

''میں نے تمہارا ہاتھ نہیں دیکھا ہے لیکن عینی اور عروج کی لکیریں اپنی شادی و محبت کے سلسلے میں ایک جیسی باتیں بتاتی ہیں۔''

وہ ذرا شرما کر بولا ''جی ہاں...... اب میں اپنے منہ سے کیا کہوں؟ ان دونوں نے بہت پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک دوسری کی سوکن بن کر رہیں گی۔''

''انسان تو فیصلے کرتا ہے لیکن مقدر انہیں بدل دیتا ہے۔''

وہ ذرا پریشان ہو کر بولا ''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی سوکن نہیں بن سکیں گی؟ عروج سے میری شادی نہیں ہو سکے گی؟''

''میں ایک نجومی ہوں۔ اپنے طریقے کے مطابق یہ کہہ سکتا ہوں کہ انسانوں کے درمیان ان کے عمل اور ردِعمل سے ایک دوسرے کی تقدیر بنتی اور بگڑتی ہے۔ تم تینوں کے درمیان ابھی بہت سے عمل اور ان کے ردِعمل ہونے ہیں۔ ابھی تم ان دونوں کے درمیان بھٹک رہے ہو۔ بھٹکنے کے دوران میں غلطیاں کر سکتے ہو۔ ادھر دونوں سہیلیوں کے احساسات اور جذبات میں بھی تبدیلیاں آ سکتی ہیں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''یہ ضروری تو نہیں ہے کہ آپ جو کہہ

رہے ہیں وہ بالکل درست ہو؟''

میں نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا ''ہاں...... کوئی ضروری نہیں ہے۔ بہرحال' تم ابھی کہاں جارہے ہو؟''

وہ میرے سوال پر ذرا چپ ہوا پھر ہچکچا کر بولا ''اور کہاں جاؤں گا؟ ہر انسان کی طرح اپنی منزل کی طرف جانا ہے۔''

''لیکن تمہاری تو ایک نہیں دو منزلیں ہیں؟ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ دونوں کے درمیان بھٹکتے رہو گے تو غلطیاں کرتے رہو گے۔ دانش مندی یہ ہوگی کہ دونوں کے بیچ محبت کا توازن رکھو۔ کسی سے ناانصافی نہ کرو۔ اس وقت عینی کو تمہاری ضرورت ہے۔ ایک تو اسے آنکھوں کی روشنی ملی ہے۔ دوسرے یہ کہ تم اس کی زندگی میں آئے ہو۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے اور تمہیں بھی اس کی ضرورت ہونی چاہیے۔''

''جی ہاں۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔''

میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا ''تو پھر کہاں جارہے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''وہیں...... وہیں عینی کے پاس جارہا ہوں۔''

وہ یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوگیا پھر وہاں سے جاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا اب چلتا ہوں۔ خدا حافظ......!''

میں نے دل میں کہا ''خدا ہی حافظ ہے۔''

چونکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس لیے مجھ سے منہ پھیر کر' گویا منہ چھپا کر' جارہا تھا۔ یہ سب ہی جانتے تھے کہ اگر وہ عینی کے پاس نہ ہوا تو پھر عروج کے پاس ضرور ہوگا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ گھر میں نہیں ہوگا تو اپنے محبت کے معبد میں ضرور ہوگا۔ وہ رات کے ڈیڑھ بجے اسپتال پہنچا تو ایک نرس نے کہا ''ڈاکٹر عروج کی ڈیوٹی گیارہ بجے ختم ہو چکی تھی۔ وہ جا چکی ہیں۔''

وہ اسپتال سے نکل کر ڈاکٹروں کے کوارٹرز کی طرف آیا۔ ایک دروازے پر ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اندر گہری خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ جالیوں کے پاس کھڑے ہو کر غور سے اندر دیکھنے لگا۔ پتا چلا کسی اندرونی کمرے میں دھیمی دھیمی سی روشنی ہے۔ شاید زیرو پاور کا بلب آن تھا۔ وہ سو رہی تھی۔

اس نے سوچا ''کیا وہ سو رہی ہے؟ کیا اسے جگانا مناسب ہوگا؟''

اس نے اپنے دل کو سمجھایا ''نہیں...... وہ سو نہیں رہی ہے۔ میری یاد میں کروٹیں بدل رہی ہے۔ میں ایک بار بیل بجاؤں گا۔ اگر وہ جاگ رہی ہوگی تو دروازہ کھولنے آئے گی۔ سو رہی ہوگی تو میں دوسری بیل بجا کر اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔''

اس نے ایک انگلی اٹھا کر بٹن پر دباؤ ڈالا پھر جیسے اس انگلی کو وہاں سے ہٹانا بھول گیا۔ اس نے یہ تہیہ کیا تھا کہ ایک ہی بیل بجائے گا۔ اگر وہ انگلی ہٹا لیتا تو مختصر سی بیل اندر سنائی دیتی پھر خاموشی چھا جاتی لیکن اب اندر مسلسل گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد برآمدے میں عروج کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی ''کون ہے؟''

انگلی بٹن سے ہٹ گئی۔ وہ بولا ''میں ہوں۔''

عروج کا دل دھک سے رہ گیا۔ یوں لگا' جیسے کوئی حملہ آور شب خون مارنے پہنچ گیا ہو۔ دل دھڑکا تو' لیکن پیار سے دھڑکا۔

دھڑکا لگا کہ کیوں آیا ہے؟

دھڑکن نے کہا ''اری پگلی! دیوانہ اور کس لیے آتا ہے؟''

وہ خاموش تھی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر دھڑکنوں پر قابو پانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا ''تم نے شاید مجھے آواز سے نہیں پہچانا؟ میں پاشا ہوں۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر ہلکے سے بولی ''اتنی رات کو کیوں آئے ہو؟''

''یہ سب جانتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو بھول چکا ہوں۔ تمہارے پاس یاد کرنے آیا ہوں۔''

''تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہیے۔ کیا کل سورج نہیں نکلے گا؟ صبح نہیں ہوگی پلیز۔ ابھی چلے جاؤ۔ کل ملاقات ہوگی۔''

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ تب سے یہی دیکھا ہے کہ میری تو کیا کسی بھی انسان کی زندگی میں کل نہیں آتا اور تم کل آنے کو کہہ رہی ہو؟''

''پلیز۔ باتیں نہ بناؤ۔ اس وقت میری دہلیز پر قدم رکھو گے تو میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

''اگر میں اسی طرح باہر کھڑا رہا اور کسی نے دیکھ لیا تو دونوں ہی بدنام ہوں گے۔ مجھے اندر بلا لو۔ بڑے پیار سے چھپا لو پھر کسی کا ڈر نہیں رہے گا۔''

''دیکھو...... سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں میں تنہا رہتی ہوں۔ کسی نے تمہیں اندر آتے دیکھ لیا تو میری نیک نامی

خاک میں مل جائے گی۔''

''کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟''

''ہے...... مگر بدنامی مول لینے والی محبت نہیں کرنا چاہتی۔''

''اور میں محبت میں نیک نامی اور بدنامی کا حساب نہیں کرنا چاہتا۔ میں محبت سے آیا ہوں۔ یہ بتاؤ دروازہ کھولو گی یا نہیں؟''

وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی ''اسپتال واپس جاؤ۔ میرے رشتے دار بن کر یا مریض بن کر کسی وارڈ بوائے کے ساتھ واپس آؤ پھر میں دروازہ کھولوں گی۔ اس طرح کوئی ہمارے خلاف باتیں نہیں بنا سکے گا۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اسپتال سے آنے والا وارڈ بوائے یہاں موجود رہے گا اور اس کی وجہ سے مجھے جلدی واپس جانا ہوگا۔''

''تو کیا یہاں سے جانے کے لیے نہیں رہنے کے لیے آئے ہو؟''

''میں کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں اور باتوں میں کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ تم ڈر کیوں رہی ہو؟ کوئی بدنامی نہیں ہوگی۔ دروازہ کھولو۔''

''نہیں۔ میں ایسے دروازہ نہیں کھولوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ نہ کھولو۔ میں یہیں دھرنا دے کر بیٹھا رہوں گا۔''

''پاگل ہو گئے ہو؟ چوکیدار گشت کرتا ہے۔ ابھی یہاں سے گزرے گا تو تمہیں دیکھ کر کیا سوچے گا؟''

''تم میرے بارے میں سوچو۔ میں کس طرح اپنے آپ کو بھولا ہوا ہوں۔ اندھیروں میں بھٹک رہا ہوں۔ تمہارے کہنے پر میں یہاں آکر واپس چلا گیا تھا۔ عینی کو اس کی ضرورت کے کپڑے لے جا کر دیئے۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارا۔ تم نے جیسا کہا۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ اب واپس یہاں آیا ہوں مگر میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم نہیں کر رہی ہو۔''

''تم غلط وقت پر غلط ضد کر رہے ہو۔ دن کی روشنی میں آؤ۔ میرا دروازہ تمہارے لیے کھلا رہے گا۔''

''تم ضدی ہو تو میں بھی ضدی ہوں۔ کل دن نکلنے تک یہیں کھڑا رہوں گا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرتا رہوں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ وہ اس کی ضد کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ کبھی محبت اور کبھی جبر سے اپنی بات منوانے کا عادی تھا۔ اسی وقت نائٹ چوکیدار نے وہاں سے گزرتے ہوئے پاشا کو دیکھا تو پوچھا ''آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

پاشا بولا ''میں ڈاکٹر عروج کے گھر سے آیا ہوں۔ ان کے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ شاید وہ سو رہی ہیں۔ میں پھر بیل بجاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے بٹن پر انگلی رکھی۔ عروج کے دل میں گھنٹی بجنے لگی۔ اب تو مجبوری تھی یہ نہیں چاہتی تھی کہ نائٹ چوکیدار کسی طرح کا شبہ کرے۔ اس نے کھنکارتے ہوئے پوچھا ''کون ہے؟''

پاشا نے کہا ''میں ہوں پاشا۔ آپ کے گھر سے آیا ہوں۔''

اس نے سوئچ کا بٹن دبایا تو اندر روشنی ہوگئی۔ عروج کو اطمینان ہوا کہ پاشا چوری چھپے اندر نہیں آرہا ہے۔ چوکیدار اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے گھر سے کوئی آیا ہوا ہے۔

ویسے پاشا کی ضد دل و دماغ پر حاوی ہو رہی تھی اور دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ بڑا ہی منہ زور عاشق ہے۔

چوکیدار وہاں سے چلا گیا۔ عروج نے دروازہ بند کیا پھر پلٹ کر اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی ''یہ کیا ضد کی ہے؟ محبت کرنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم اپنی چاہنے والی کو بدنام کر دو؟''

وہ اس کے آگے سے گزر کر کمرے میں جاتے ہوئے بولا ''پلیز۔ اب کوئی بدنامی کی بات نہ کرو۔ تم یہی چاہتی تھیں کہ اسپتال کا کوئی بندہ مجھے یہاں تمہارے رشتے دار کی حیثیت سے آتے ہوئے دیکھ لے سو اس چوکیدار نے دیکھ لیا ہے۔ اب تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''چوکیدار نادان نہیں ہے۔ وہ دوسری بار راؤنڈ کے وقت یہاں سے گزرے گا۔ اگر تمہیں میری عزت کا ذرا سا بھی خیال ہے تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولا ''نہیں جاؤں گا۔ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ میں نے محبت کی ہے۔ تمہاری غلامی نہیں کی ہے۔ اگر میں نے تمہاری بات مان کر عینی سے محبت کی اور اس سے شادی کر لی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اسی کے ساتھ مجھے زنجیروں میں باندھ کر رکھ دو۔''

وہ غصے میں کبھی اس سے دور جارہا تھا۔ کبھی اس کے پاس آرہا تھا اور کہہ رہا تھا ''مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں صرف تم سے محبت کرتا تھا۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں عینی سے بھی محبت کروں اور شادی کروں تو پھر تم بھی میری شریک زندگی بن جاؤ گی۔ میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے لیکن تم

جھوٹی ہو۔ مجھے دھوکا دے رہی ہو مجھ سے کترا رہی ہو۔ میں تمہارے پاس آتا ہوں تو تم مجھ سے دور ہو جاتی ہو۔"

"تم مجھے جھوٹی اور فریبی کہہ لو لیکن میرا خدا جانتا ہے کہ میں تمہاری کتنی قدر کرتی ہوں۔ تمہاری محبت پر فخر کرتی ہوں لیکن پاشا...... ہمارے پاس عقل ہے۔ علم ہے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر محبت کرنا چاہیے۔"

"ہاں...... جیسے تم سوچ سمجھ کر کر رہی ہو۔ تم نے محبت کو لین دین کی چیز سمجھ لیا ہے۔ اپنی چاہت کو کسی دوسری کی جھولی میں ڈال دیا۔ واہ کیا خوب سوچ سمجھ کر محبت کر رہی ہو۔ خود تو میری محبت سے محروم ہو رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں بھی ساری زندگی تمہاری محبت سے محروم رہوں۔"

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم عینی کو محبت دو۔ اس کے ساتھ بہترین ازدواجی زندگی گزارو۔"

"یعنی تم سے محبت کرنے کی یہ شرط ہے کہ میں عینی سے محبت کرتا رہوں؟ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہوں؟ عینی کے بچوں کا باپ بنوں۔ خوشی ہو یا غم...... عید ہو یا محرم۔ عینی کے ساتھ ہی مناؤں اور ساری عمر "ہائے عروج ہائے عروج" کرتا رہوں۔"

"تم میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟"

"تمہارے پاس کوئی سمجھنے والی بات ہوگی تو سمجھ میں آئے گی۔ چلو...... یہی بتا دو کہ تمہیں اپنی دلہن بنانے سے پہلے مجھے عینی کے ساتھ کتنے عرصے تک ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی؟ آج اپنے دلہن بننے کا کوئی دن اور تاریخ مقرر کر دو۔"

"دن اور تاریخ اس وقت مقرر ہوگا جب تم دل سے عینی کو محبت دینے لگو گے اور اس کے بچوں کے باپ بن کر محبت کا ثبوت پیش کرو گے۔"

تڑاخ سے اس کے منہ پر ایک طمانچہ پڑا۔ ایک دم سے منہ گھوم گیا۔ وہ دوسری طرف پلٹ گئی۔ اس نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کہا "کیا تم مجھے الو کا پٹھا سمجھتی ہو؟ اگر اس سے بچے نہ ہوئے تو میں بچے ہونے کا انتظار کرتا رہوں۔ اگر ایک ہی ہوا تو مزید کے لیے دو چار برس اور انتظار کروں۔ ساری دنیا والوں کے سامنے یہ ثبوت پیش کرتا رہوں کہ میں عینی سے بچے پیدا کرنے والی محبت کر رہا ہوں۔"

اس کی ریشمی زلفیں مٹھی میں جکڑی ہوئی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ اس نے ایک دھکا دیا...... وہ لڑکھڑاتی ہوئی سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔ روتے ہوئے بولی "تم جانور ہو۔ درندے ہو۔ میں تم سے محبت نہیں نفرت کرتی ہوں۔"

وہ اس کے پاس آ کر فرش پر گھٹنے ٹیک کر جھک گیا پھر اس کے جبڑوں کو اپنی ہتھیلی کے شکنجے میں لے کر بولا "عینی تمہاری جان سے زیادہ عزیز سہیلی ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ تم اس کے لیے قربانی دے رہی ہو' میرے لیے نہیں دے سکتیں۔ مجھ سے نفرت کر رہی ہو تو سن لو۔ میں بھی جواباً عینی سے نفرت کروں گا۔ تم مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تو میں بھی عینی کی زندگی سے دور چلا جاؤں گا۔ بلکہ جا رہا ہوں۔ اب تم جاؤ اور سہیلی کو گلے سے لگا کر ساری زندگی اس کے آنسو پونچھتی رہو۔"

وہ اسے دھکا دے کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پلٹ کر جانا چاہتا تھا۔ عروج ایک دم سے تڑپ کر آگے بڑھی پھر اس کے قدموں سے لپٹ کر بولی "نہیں...... تم اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم نہیں جانتے کہ وہ دولت مند تو ہے لیکن بہت ہی بدنصیب ہے۔ اسے زندگی میں کبھی سچی محبت نہیں ملی۔ وہ محبت کے لیے بھٹکتی ہوئی تمہارے پاس آئی ہے۔ تم اسے یوں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

اس نے اس کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے کر فرش سے اٹھایا پھر کہا "میں تمہیں خوب سمجھ گیا ہوں۔ تم کبھی مجھ سے شادی نہیں کرو گی۔ بس محبت کا جھوٹا فریب دیتی رہو گی اور جھوٹے وعدے کرتی رہو گی۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہنے لگی "نہیں...... میں تمہیں چاہتی ہوں۔ دل و جان سے چاہتی ہوں۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔ میں صرف تمہارے نام سے جیوں اور مروں گی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ پاشا نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ان لمحات میں دل کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ اس کی محبت اس کی زندگی اور آخری سانس تک پوری ہونے والی ساری مسرتیں دل کی دھڑکنوں سے آ کر لگ گئی تھیں۔

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسے پا لینے کا یقین کر رہا تھا۔ وہ اس کے بازوؤں میں آ کر کمزور پڑ گئی تھی۔ ہارے ہوئے سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ وہ پہلا شخص تھا۔ جسے وہ لیڈی ڈاکٹر دل و جان سے چاہنے لگی تھی۔

رات دن اسی کے بارے میں سوچتی تھی لیکن ایسے وقت بھی وہ صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ عینی کے لیے بھی سوچتی تھی۔ پہلے تو فیصلہ جذباتی تھا کہ وہ دونوں اس سے شادی کریں گی اور

ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہیں گی لیکن اب عروج کی سوچ بدل رہی تھی۔ وہ عقل سے سوچ سمجھ رہی تھی کہ سہیلی کی سوکن بن کر ہمیشہ کے لیے سہیلی کو کھو دے گی۔ دو سوکنیں کبھی سہیلیاں نہیں بن سکتیں اور دو سہیلیاں کبھی سوکنیں بن کر نہیں رہ سکتیں۔

جب اس کی سہیلی پاشا کی دلہن بن گئی۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ رفتہ رفتہ پاشا کو اسی کی طرف مائل کر دے گی۔ عینی بھی اپنی محبت اور خدمت گزاری سے اس کا دل جیت لے گی۔ اس کے بچوں کی ماں بن جائے گی تو پھر پاشا بھی اس کی دنیا میں رہ کر اپنی پہلی محبت کو بھول جائے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ ابھی ابتدا تھی لیکن پاشا کے مزاج سے اور اس کی حرکتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ عینی سے محبت نہیں کر رہا بلکہ سمجھوتا کر رہا ہے کہ وہ اسے شوہر کی محبت اور توجہ دے گا تو پھر عروج بھی اس کی شریکِ حیات بن جائے گی۔ گویا عروج ایک انعام کے طور پر اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی کہ وہ اس کی باتوں اور ہدایات پر عمل کرتا رہے تو یہ انعام اسے ایک دن ضرور ملے گا مگر وہ اسے حاصل کرنے کے لیے طویل آزمائشوں سے گزرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس وقت تو وہ دونوں یک جان دو قالب ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہے تھے پھر عروج نے کہا۔ "میں تمہاری دیوانگی کو خوب جانتی ہوں لیکن پاشا تمہیں میری قسم ہے۔ دیوانگی سے باز آ جاؤ۔ ہوش و حواس میں رہ کر محبت کرو۔ میں صرف تمہاری ہوں اور تمہاری ہی رہوں گی۔"

"جھگڑا تو اسی بات کا ہے کہ میری ہونے کا دعویٰ کرتی ہو لیکن میری بنتی نہیں ہو۔ تم ابھی میری زندگی میں آ جاؤ تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔"

"پلیز...... اس معاملے میں جلدی نہ کرو۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ آج عینی سے شادی کی' کل مجھ سے کر لو۔ ہمیں اپنے خاندان اپنی سوسائٹی میں رہنا ہے۔ دوسروں کا لحاظ کرنا ہے' انہیں یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہیے کہ ہم دونوں سہیلیاں ایک ہی مرد کی دیوانی ہیں۔ ہم دونوں کی محبت اور شادیوں کو مذاق بنایا جائے گا۔ ہمیں مذاق بن کر نہیں رہنا ہے۔ کچھ ایسا کام کرنا ہے کہ بات بھی بن جائے اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع بھی نہ ملے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا، دنیا والوں کا لحاظ کرتے کرتے نہ جانے کتنی مدت گزر جائے مگر میں سمجھ گیا ہوں کہ تم عینی کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو۔ اس کی حمایت اور محبت میں مجھے اپنے سے دور کرنے لگی ہو۔ میں تمہارے ارادوں کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ تم چاہتی ہو' میں اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہوں اور اس کے بچوں کا باپ بنتا رہوں۔ اس طرح سے میں اسی کا ہو کر رہ جاؤں اور تمہیں بھول جاؤں لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں مر جاؤں گا لیکن تمہیں نہیں بھولوں گا اور اسے چھوڑ کر تمہارے پیچھے دوڑتا رہوں گا۔"

وہ بڑی عاجزی سے بولی "کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟"

"میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ تم جو کہو گی وہ کروں گا لیکن تم صرف ایک بات مان لو۔"

"ٹھیک ہے۔ بولو میں مانوں گی۔"

"تم دنیا والوں سے ڈرتی ہو' عینی کی سوکن نہیں بننا چاہتیں۔ ٹھیک ہے نہ بنو لیکن میری ایک بات مان لو۔"

"کہہ تو رہی ہوں' مان لوں گی' بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ہم چپ چاپ رازداری سے نکاح پڑھوا لیں گے۔ تم میری شریکِ حیات بن کر رہو گی۔ ہم یہ رشتہ دنیا والوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی "نہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر میں تم سے شادی کر لوں تو تم میرے اور بھی دیوانے ہو جاؤ گے اور عینی سے بے اعتنائی برتو گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم دونوں کے ساتھ محبت میں توازن رکھوں گا۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھتے ہوئے بولی "نہیں پاشا...... ! میں نے اگر تمہارے ساتھ شادی کر لی تو بہت ہی کمزور پڑ جاؤں گی۔"

"ہاں...... یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب تم میری بیوی بن جاؤ گی تو پھر عینی کے لیے قربانیاں نہیں دے سکو گی۔ اب تک عینی کے لیے جتنی باتیں مجھ سے منواتی رہی ہو اپنی شادی کے بعد نہیں منوا سکو گی۔"

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ میں جلد ہی تم سے شادی کر لوں گی۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کب مجھ سے شادی کرو گی؟ بس ایک بات کہتا ہوں جب تک تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی۔ تب تک میں عینی کے ساتھ ایک رات بھی نہیں گزاروں گا۔ میں تو آج اس سے اور بھائی جان سے یہ کہہ کر آیا تھا کہ کل اپنا مکان حاصل کرنے کے بعد عینی کو وہاں لے جاؤں گا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اسے جھوٹ کہتا رہوں گا کہ ابھی اچھا مکان نہیں مل رہا ہے اور جب تک مکان نہیں ملے گا اس وقت تک عینی کو اپنے ساتھ گھر نہیں لے جاؤں گا

اور جب گھر ہی نہیں لے جاؤں گا تو وہ میرے ساتھ راتیں بھی نہیں گزار سکے گی۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ تم نے وعدہ کیا ہے تو کل ہی کرائے کا مکان حاصل کر کے اسے وہاں لے جاؤ۔"

وہ اپنا چرمی بیگ اٹھا کر بولا "میں جا رہا ہوں۔ اب اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہاری سہیلی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاروں تو کل میرے ساتھ چل کر کورٹ میں نکاح پڑھوا لو۔"

"نہیں پاشا......! مجھے ایسا کام کرنے کے لیے نہ کہو جو میرے لیے ناممکن ہو۔ میری مجبوری کو سمجھو۔ میں بڑی مشکل میں پڑ جاؤں گی۔ عینی مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔ اس کے خاندان والے سب ہی مجھے ایک دھوکے باز سہیلی کہیں گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ میں رفتہ رفتہ سب کی رضامندی حاصل کر کے عینی کو اپنے اعتماد میں لے کر پھر تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں؟"

وہ وہاں سے چلتا ہوا دروازے تک گیا پھر پلٹ کر بولا۔ "یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ کل صبح دس بجے تمہیں فون کروں گا۔ تم سے پوچھوں گا کہ میرے ساتھ کورٹ چلنے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔ اگر تم نے انکار کیا تو پھر میں عینی کے لیے مکان حاصل نہیں کروں گا۔ تم جس طرح مجھے دھوکا دے رہی ہو۔ اسی طرح میں بھی عینی کو دھوکا دیتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا اور وہاں سے چلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی تو وہ باہر کا دروازہ کھول کر جا رہا تھا۔ وہ بولی "پاشا......! رک جاؤ۔"

لیکن وہ رکنے والا نہیں تھا۔ وہ تو آندھی کی طرح آیا تھا اور طوفان کی طرح اسے بکھیر کر چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گل خانم بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ یاور خان نے اپنی بدماغی اور حماقت کے باعث اسے کئی بار نقصان پہنچایا تھا۔ اب وہ اس پر کسی پہلو سے بھی بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے کبھی سوچتی تھی کہ واپس اس کی زندگی میں چلی جائے گی لیکن اب ایسی کوئی سوچ نہیں تھی۔ اس نے اسے اپنے دل سے نکال کر پھینک دیا تھا۔ وہ طلاق لینے کے بعد کئی بار برے حالات سے گزری تھی اور ہر بار ذیشان نے اس کی مدد کی تھی۔ اپنے خلوص اور محبت سے اسے متاثر کیا تھا لیکن اس دوران میں ایسا کچھ ہوا تھا کہ وہ اس سے بھی بدظن ہو گئی تھی اور اس کی ایک غلطی کے باعث ذیشان پر بدکاری تک کا الزام عائد کیا گیا اور اسے جیل جانا پڑا تھا۔

وہ اب بھی آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا اور گل خانم خود کو لعنت ملامت کر رہی تھی' کیونکہ اسی کی وجہ سے ایک عزت دار اعلیٰ عہدے پر فائز ایس پی مجرم کہلانے لگا تھا اور اپنی وردی سے محروم ہو گیا تھا۔ عدالت میں کسی دن اس کی پیشی تھی۔ گل خانم کا خیال تھا کہ اس نے ذیشان سے محبت کر کے اس سے بہت بڑی دشمنی کی ہے۔

وہ خیالات سے چونک گئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھایا "ہیلو......کون؟"

دوسری طرف سے ذیشان کی آواز سنتے ہی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی پھر بولی "آپ......؟ کیا آپ کو رہائی مل گئی ہے؟"

"نہیں...... لیکن کل صبح دس بجے تک باہر آ جاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں کل دس بجے سینٹرل جیل کے سامنے رہوں گی۔"

"نہیں گل خانم ...... جذباتی ہو کر نہ سوچو۔ دشمنوں نے ہم پر بڑا ہی شرمناک الزام لگایا تھا۔ میری رہائی کے بعد بھی وہ اسی تاک میں رہیں گے کہ ہم دونوں کب ملتے ہیں؟ کہاں ملتے ہیں اور کیوں ملتے ہیں؟"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کی رہائی کی خوشی میں یہ بھول گئی تھی کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ آپ ضمانت پر رہائی حاصل کر رہے ہیں؟"

"ہاں...... یہی بات ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ہمارے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اسے اب کمزور بنا دیا گیا ہے۔ اب دوسرے الزامات کے حوالے سے تو مجھ پر مقدمہ چلایا جائے گا لیکن اب مجھے بدکاری کا الزام نہیں دیں گے۔"

"کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ دشمن آپ پر کئی طرح کے الزامات عائد کر رہے ہیں لیکن بدکاری کا الزام واپس لے رہے ہیں؟"

"بے شک یہ حیرانی کی بات ہے۔ اب یہ تو باہر آنے کے بعد ہی معلوم کروں گا کہ یہ سب کیا چکر ہے۔"

"ذیشان صاحب! کیا ہم کہیں روبرو بھی نہیں مل سکتے؟ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"فی الحال نہیں۔ ہمیں کچھ دن محتاط رہ کر جائزہ لینا ہوگا اور دشمن کی چالوں کا اندازہ لگانا ہوگا۔ اس کے بعد حالات نے اگر اجازت دی تو کہیں نہ کہیں ضرور ملیں گے۔"

"اگر ہم گھریلو ماحول میں ملاقات کریں تو...... ؟"

"کس گھریلو ماحول میں؟ یہاں تمہاری تو کوئی فیملی نہیں ہے اور میرے خاندان والے ابھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

"جانتے ہیں......"

وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا......؟ میرے خاندان والے تمہیں جانتے ہیں؟"

"جی ہاں...... میں نے آپ سے یہ بات چھپائی تھی کہ آپ کی والدہ سے میری فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں۔"

اس نے حیرانی سے کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میری ممی نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ تم سے فون پر باتیں کرتی ہیں؟"

"ہاں۔ انہوں نے مجھے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میرا بیٹا کسی مصلحت کے تحت اپنے والدین سے یہ بات چھپا رہا ہے تو اسے چھپانے دو۔ آپ کی ممی بہت اچھی ہیں۔ مجھے بہت چاہتی ہیں۔"

"وہ تو پوتی پوتوں کو گود میں کھلانے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ یقیناً یہ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں تم میں دلچسپی لے رہا ہوں اور تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ اس لیے وہ بھی تمہیں چاہ رہی ہیں۔"

"جب میں آپ کے گھر میں اجنبی نہیں رہی ہوں اور آپ کی ممی سے باتیں ہوتی رہی ہیں تو کیا میں وہاں نہیں آ سکتی؟ وہاں آپ کے فیملی ماحول میں ہماری ملاقات ہوگی تو کوئی دشمن ہمیں بدنام نہیں کر سکے گا۔"

"تم درست کہہ رہی ہو لیکن بات صرف میری ممی اور ڈیڈی کی پسند کی نہیں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں اسما کو قائل کرنا ہوگا۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ تمہیں اس کی سوکن بنا کر گھر نہیں لاؤں گا۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ تم اس کی سوکن نہیں بنو گی تو تب ہی وہ تمہیں دل سے خوش آمدید کہے گی۔"

ذیشان کی زبان سے یہ سن کر گل خانم کو دکھ پہنچا کہ وہ اسے اپنی بیوی کی سوکن بنانا نہیں چاہتا ہے۔ یعنی اس سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

ذیشان نے پوچھا "تم چپ کیوں ہو گئیں؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں' جب آپ کی ممی کا دل جیت سکتی ہوں تو آپ کی وائف کا دل بھی جیت لوں گی۔ بس ایک بار اسما سے ملاقات کرنے دیں۔ مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت تو دیں۔"

وہ تھوڑی دیر چپ چاپ سوچتا رہا پھر بولا "گل خانم......! تم اس بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہو۔ پتا نہیں۔ ہمارے تعلقات آئندہ کیسے رہیں گے؟ لیکن جیسے بھی رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے خاندان والوں سے گھل مل جاؤ۔ میرے گھر آتی جاتی رہو۔ اس طرح تمہاری تنہائی بھی ختم ہو جائے گی۔ میں کوشش کروں گا کہ میرے گھر والوں کا پیار تمہیں ملتا رہے۔"

"خدا کرے ایسا ہو جائے۔ تو آپ مجھے آنے کی اجازت دے رہے ہیں؟"

"ہاں...... مگر کل تک انتظار کرو۔ میں باہر آنے کے بعد اسما سے بات کروں گا' پھر اس کے خیالات تمہارے بارے میں جو بھی ہوئے۔ ان سے میں تمہیں آگاہ کروں گا۔"

"آپ کی یہ باتیں سن کر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔ میرا ضمیر بار بار مجھے ملامت کرتا ہے کہ میری وجہ سے آپ کے ساتھ اتنی زیادتی ہوئی اور آپ کو ایک غلط الزام میں جیل جانا پڑا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا ہے۔ تمہارے اس خر دماغ سابقہ شوہر نے ہمارے خلاف ایسے بیانات دیئے تھے اور اس افسر نے تمہاری اور اس کی باتیں ریکارڈ کر کے ایسی چال چلی تھی کہ میں گرفت میں آ جاؤں۔"

"شہباز درانی دردانہ بیگم اور نئی آئی اے کے افسر نے جیسی بھی چالیں چلی ہوں لیکن ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں' میری ہی وجہ سے آپ کو یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ آپ نے میری مدد کرنے اور میرے کام آنے کی انتہا کر دی۔ میں بھی انتہا کر دوں گی۔ آپ کے ہاں ایک وارث ضرور پیدا ہوگا اور اسے میں جنم دوں گی۔"

ذیشان نے ایک ذرا چپ ہو کر کچھ سوچا پھر کہا "گل خانم......! یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ تمہارے اور میرے راستے میں ابھی اچھی خاصی رکاوٹیں ہیں۔"

"میں تمام رکاوٹوں کو توڑ کر آپ کے پاس آؤں گی۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں نے آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں آپ کے بازوؤں میں آخری سانس لینا چاہتی ہوں۔"

"زندگی کی باتیں کرو' موت کی نہیں۔ بہرحال اب میں کل کسی وقت فون کروں گا۔ اچھا خدا حافظ......!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ گل خانم نے ریسیور کو دیکھا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے یوں تھام لیا۔ جیسے ذیشان کو ہاتھوں میں لے رہی ہو۔ اس بکھرے ہوئے شخص کو سمیٹ رہی ہو۔

وہ اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ صرف ایک پہلو تکلیف دہ تھا اور وہ یہ کہ وہ صرف اولاد کی خاطر اس سے

قریب آنا چاہتا تھا اور اولاد ہونے کے بعد بچے کو لے کر اس کی زندگی سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اس نے جب پہلی بار ایسا کہا تھا تو وہ صدمے سے ٹوٹ گئی تھی۔ وہ تو اسے دل و جان سے چاہنے لگی تھی اور محبت کرنے والی عورت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اس کے وجود سے کھیلے اور پھر اسے چھوڑ کر اولاد کی صورت میں سارا لہو نچوڑ کر لے جائے۔

اسے ذیشان پر بہت غصہ آیا تھا۔ وہ اس سے بدظن ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے اس نے سی آئی اے کے افسر باقر مہدی کے سامنے سچ کہہ دیا تھا کہ وہ رات دو بجے تک اس کے پاس تنہائی میں رہ چکا تھا۔ اگرچہ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتی رہی کہ انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس کے نتیجے میں سر شرم سے جھک جاتے ہیں اور وہ دونوں آدھی رات کے بعد تنہا رہنے کے باوجود گنہگار نہیں ہیں۔

لیکن یہ بات ماننے والی نہیں تھی۔ گل خانم اور یاور خان کا یہ بیان ہی ذیشان کو پھانسنے کے لیے بہت تھا۔

پھر جب وہ دشمنوں کے شکنجے میں پھنس گیا اور جیل چلا گیا۔ تب گل خانم کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ شرمندگی ہوئی ضمیر نے ملامت کی کہ ہر برے وقت میں کام آنے والے شخص کے خلاف بیان دینے کا یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ وہ بے چارہ ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔

ان حالات میں گل خانم کا مزاج بدلا۔ اس کا دل پھر ذیشان کی طرف کھنچنے لگا۔ وہ ضمیر کے ملامت کرنے پر سوچنے لگی کہ اس سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ ان کی تلافی کرے گی۔ وہ ذیشان کی وردی تو واپس نہیں دلا سکتی لیکن اسے بھرپور پیار دے کر اور اس کی خواہشات پوری کر کے اسے ایک اولاد دے کر اس کی بہت بڑی ذاتی اور خاندانی محرومی دور کر سکتی ہے۔

اس نے ریسیور کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دیکھا پھر کریڈل پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد نمبر پنچ کرنے لگی۔

دوسری طرف ڈرائنگ روم میں فون کی بیل بجنے لگی۔ اسما وہاں سے گزر رہی تھی گھنٹی کی آواز پر رک گئی۔ دور رکھے ہوئے فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اس فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی تھا۔ بیگم آفتاب کے بیڈروم میں بھی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ فلک آفتاب سو رہا تھا۔ وہ بھی سونا چاہتی تھی۔ ایسے وقت گھنٹی کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔

اس نے فون کی طرف دیکھا پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی۔ دوسری طرف سے اسما کی آواز سنائی دی۔ وہ خوش ہو کر بول رہی تھی "او گل خانم...... تم ہی ہو؟ کتنے دنوں کے بعد فون کیا ہے کہاں رہ گئی تھیں؟"

گل خانم نے کہا "اوہ ممی......! میں کیا بتاؤں؟ صرف آپ کے بیٹے پر مصیبت نہیں آئی مجھ پر بھی آئی تھی۔ آپ کے ذیشان کو تو دشمنوں نے جیل بھیج دیا اور مجھے میری ہی کوٹھی میں نظر بند رکھا گیا۔"

اسما نے کہا "دشمنوں پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے میرے بچے کو جیل میں بھیج دیا مگر میرا بیٹا کمزور نہیں ہے۔ ان سے زیادہ شہ زور ہے۔ کل رہائی پا کر یہاں آ رہا ہے۔"

بیگم آفتاب فون پر یہ باتیں سن رہی تھی۔ حیرانی سے دیدے پھیل گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ اسما میرے بیٹے کی بیوی ہے تو پھر اس وقت ماں بن کر کیوں بول رہی ہے۔

گل خانم نے کہا "ممی......! میں نے آپ کو دیکھا تو نہیں ہے۔ اب تک آپ سے فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن باتوں سے ہی اندازہ لگایا ہے کہ آپ ایک بہت ہی ممتا بھرا دل رکھنے والی خاتون ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ ساس ہونے کے باوجود اپنی بہو کو بھی ماں کا پیار دیتی ہوں گی۔"

اسما نے کہا "ہاں...... اصل بات یہ ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ بہو ہو کر میری بیٹی کی طرح تابعدار بن کر رہتی ہے تو میں بھی اس پر ممتا نچھاور کرتی رہتی ہوں۔ ہم دونوں ساس بہو کو تو پورے خاندان میں ماں بیٹی کہا جاتا ہے۔"

"آپ کی گفتگو سن کر آپ سے ملنے کے لیے دل مچلنے لگتا ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دیں گی؟ مجھ سے ملنا پسند کریں گی؟"

اسما ذرا چپ ہوئی۔ سوچنے لگی کہ اسے کس طرح یہاں آنے کی اجازت دے؟ پہلے تو اپنے میاں ذیشان کو حقیقت بتانی ہوگی کہ وہ بیگم آفتاب بن کر گل خانم سے باتیں کرتی رہی ہے۔ اولاد کی محرومی کا جو مسئلہ ہے اسے تو حل کرنا ہی ہوگا۔ اس مسئلے سے فرار حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اسما یہ بات خوب سمجھ رہی تھی کہ آئندہ کبھی گل خانم اس کی سوکن بن سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے سوکن بن کر آئے یا عارضی طور پر، بہرحال یہ تو ایک دن ہونا ہے تو پھر کیوں نہ اس سے کہیں ملاقات کی جائے۔

گل خانم نے پوچھا "ممی......! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"کچھ نہیں...... میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کل ذیشان رہا

ہو کر گھر آنے والا ہے۔ پہلے میں اس سے اس سلسلے میں بات کروں گی پھر تم سے ملاقات کا وقت مقرر کر کے میں تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔"

"ممی......! میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟"

"ایسی کیا بات ہے کہ تمہیں میری طرف سے ناراضگی کا اندیشہ ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "دراصل بات یہ ہے آپ نے کہا تھا کہ میری اور آپ کی یہ فون پر ہونے والی گفتگو راز میں رہے۔ کسی کو بتایا نہ جائے لیکن آج میں نے ذیشان کو یہ بات بتا دی ہے۔"

اسما نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا بات بتا دی ہے؟ ذرا وضاحت کرو۔"

"یہی کہ آپ سے میرا بڑی راز داری سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔"

اسما نے حیرانی سے پوچھا "تم نے ذیشان سے فون پر کہاں رابطہ کیا تھا۔ وہ تو جیل میں ہے؟"

"ہاں انہوں نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ کل انہیں رہائی ملنے والی ہے۔ آپ کو بھی تو فون پر بتایا ہوگا؟"

"ہاں...... یہاں اس نے فون کیا تھا لیکن میں اس وقت گھر میں نہیں تھی۔ یہ خوش خبری مجھے مل چکی ہے اور میں کل کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... پھر میں کل کسی بھی وقت فون کروں گی۔"

"تم نہ کرنا۔ میں خود تمہیں کال کروں گی۔ اب آرام سے سو جاؤ۔ شب بخیر!"

اس نے ریسیور رکھا۔ بیگم آفتاب صوفے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی تو اسما ایک دم سے گھبرا گئی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اسے گھورتی ہوئی بولی "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اسما بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "وہ...... وہ...... وہاں ایک خاتون ہیں۔ گل خانم آپ نے نام سنا ہوگا؟ ٹی وی اسکرین پر انہیں گاتے ہوئے سنا ہوگا؟ بہت اچھی خاتون ہیں۔ میں ان سے باتیں کر رہی تھی۔"

"وہ تو میں بھی سن رہی تھی لیکن یہ بتاؤ کہ تم میرے بیٹے کی شریکِ حیات ہو یا اماں جان ہو، کل تمہارا شوہر رہائی پا کر آ رہا ہے یا بیٹا......؟"

اس نے ہچکچا کر کہا "وہ ممی......! بات یہ ہے کہ ذیشان اولاد کی خاطر اس خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں فون پر یہ کہہ دوں کہ ذیشان کی وائف ہوں تو وہ مجھے ہونے والی سوکن سمجھ کر شاید گفتگو نہ کرے۔ اس لیے میں آپ کے حوالے سے بول رہی تھی۔"

"میرے حوالے سے بول رہی تھیں لیکن مجھ سے باتیں نہیں کروا سکتی تھیں۔ جب وہ میرے بیٹے سے شادی کے لیے راضی ہے اور ہمارے لیے اولاد پیدا کر سکتی ہے تو کیا میں اس سے بات نہیں کر سکتی؟ کیا میں اس سے دشمنی کروں گی؟"

"پہلے میں اپنے اطمینان کے مطابق اس سے باتیں کر لینا چاہتی تھی پھر آپ سے ملوانا چاہتی تھی۔"

"تم اپنا اطمینان کیا کر رہی ہو؟ اطمینان تو ہمیں کرنا ہے کہ وہ ہونے والی دوسری بہو ہے کیسی اور وہ ہمارے خاندان میں ایڈجسٹ ہو سکے گی یا نہیں؟"

"بہو کیسی بھی ہو۔ اگر ساس سے محبت ملتی رہے تو وہ ایڈجسٹ ہو جاتی ہے۔ یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں آپ کو بھگت رہی ہوں۔"

"تم ہی نہیں بھگت رہی ہو، ہم بھی تمہیں بہو بنا کر پچھتا رہے ہیں۔ یہ بات لکھ لو کہ ذیشان سے تمہارا میاں بیوی کا رشتہ نہیں رہا ہے۔ ٹوٹ چکا ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی "خدا نہ کرے ایسا ہو۔ کیوں زہر اگل رہی ہیں؟ آپ کی تو یہ دلی آرزو ہے کہ میں کسی بھی طرح اپنے ذیشان سے الگ ہو جاؤں۔ وہ مجھے چھوڑ دیں اور آپ سجدۂ شکر ادا کریں۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں کل ہی کسی اچھے عالمِ دین سے معلوم کروں گی کہ جو بیوی اپنے آپ کو شوہر کی ماں کہتی ہے اور شوہر کو اپنا بیٹا کہتی ہے۔ کیا اس سے نکاح قائم رہ سکتا ہے؟"

اسما کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی "آپ تو بات کا بتنگڑ بنانے میں مہارت رکھتی ہیں۔ اب آپ اس بات کو غلط انداز میں پھیلائیں گی لیکن میں جانتی ہوں یا میرا خدا جانتا ہے نہ میں نے دل سے انہیں بیٹا کہا اور نہ ہی خود کو ان کی اماں جان کہا ہے۔"

"دل سے نہ کہا ہو۔ زبان سے تو کہا ہے۔ جس زبان سے تین بار قبول کہہ کر میرے بیٹے کو مجازی خدا بنا لیا۔ اسی زبان سے اسے بیٹا بھی کہا۔ تمہارے اس دوغلے پن کے بارے میں جو بھی سنے گا یہی کہے گا کہ اب تم اس کی شریکِ حیات نہیں رہی ہو۔"

پھر بیگم آفتاب نے ایک مٹھی کو بھینچتے ہوئے کہا۔''بڑے عرصے کے بعد میرے شکنجے میں آئی ہو۔ میں نے کسی عالم دین سے تمہارے خلاف فتویٰ حاصل نہ کیا تو میرا بھی نام نہیں۔''

وہ بڑے فاتحانہ انداز میں وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ اسما کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ساس کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ دل تھا کہ بری طرح ڈوب رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کھڑے کھڑے گر پڑے گی پھر وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

بیگم آفتاب دروازہ کھول کر اندر آئی تو فلک آفتاب کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا''کہاں گئی تھیں؟ پتا نہیں کتنی رات ہو چکی ہے۔ اب تمہیں سو جانا چاہیے۔''

''اس گھر میں کیا خاک نیند آئے گی؟ یہاں تو طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔''

''اب کیا ہو گیا ہے؟''

''رشتے بدل رہے ہیں جو شوہر تھا وہ بیٹا بن گیا ہے اور جو بیوی تھی وہ اماں جان کہلانے لگی ہیں۔''

فلک آفتاب نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر کہا۔ ''بیگم......! میرے پاس آؤ۔''

اس نے بیگم کی پیشانی کو چھو کر پوچھا''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

بیگم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا''کیا میں مذاق کر رہی ہوں یا پاگل ہو گئی ہوں؟ آپ کی وہ بہو اسما میرے بیٹے کو بیٹا کہہ رہی ہے اور میرے بیٹے کی ماں بن رہی ہے۔''

وہ اسے اسما اور گل خانم کی فون پر ہونے والی گفتگو تفصیل سے بتانے لگی۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ''بیگم......! یہ تو ہمارے لیے اچھی خبر ہے کہ ذیشان اولاد کے لیے دوسری شادی کے لیے راضی ہو گیا ہے اور کسی کو پسند بھی کر رہا ہے۔''

''آپ ابھی یہ بات رہنے دیں۔ کل ذیشان رہا ہو کر آئے گا تو میں گل خانم کا پتا پوچھ کر وہاں جاؤں گی۔ اس سے خود بات کروں گی۔ جب بیٹا اور گل خانم دونوں راضی ہیں تو جلد سے جلد ان کا نکاح پڑھوا دوں گی لیکن کیا وہ تہذیب کے خلاف رشتے کے خلاف اور دین کے خلاف اپنے شوہر کو بیٹا کہہ کر ازدواجی رشتے سے خارج نہیں ہو گئی ہے؟''

فلک آفتاب نے سوچنے کے انداز میں تائید کی''ہاں اس سلسلے میں ہمیں کسی عالم دین سے رجوع کرنا چاہیے۔''

''کل صبح ہوتے ہی پہلا کام یہی کریں کسی بھی عالم دین سے ملاقات کر کے اس سے فتویٰ حاصل کریں۔ اس ز کمینی کو تو اب میں ایک منٹ کے لیے بھی اس گھر برداشت نہیں کروں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اس قدر طیش میں کیوں آ ہو؟ تمہیں تو غصہ کرنے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔ ب سے ایک موقع ہاتھ آیا ہے۔ ہم کل ہی اس بہو سے نج حاصل کرنے کے لیے اس کے خلاف فتویٰ حاصل کر گے۔ چلو...... لائٹ آف کر کے یہاں آ کر سو جاؤ۔''

بیگم نے لائٹ آف کر دی۔ کمرے میں اندھیرا ہو اسما کے کمرے میں روشنی تھی لیکن آنکھوں کے سامنے اند چھا رہا تھا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ اسے سکون نہ مل رہا تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ کبھی رو رہی تھی۔ آنسو صاف کر کے سوچ رہی تھی کہ میں نے دل سے ا شوہر کو بیٹا نہیں کہا ہے۔ یوں بیٹا کہہ دینے سے تو میں ا ماں نہیں بن جاؤں گی۔ یہ میری خوش دامن صاحبہ تو بس آ لگانا چاہتی ہیں۔ وہ تو میرا اور ذیشان کا رشتہ ہمیشہ کے لیے دینا چاہتی ہیں مگر میں اس دشمن عورت کو ہرگز ایسا نہیں کر دوں گی۔

وہ لائٹ آف کر کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے صبح بجے سے پہلے سینٹرل جیل کے سامنے گاڑی لے کر پہنچنا ذیشان کے وکیل نے کہا تھا کہ وہ وہاں موجود رہے گا اور ا اللہ ذیشان کو ضرور رہائی حاصل ہو جائے گی۔

وہ بیڈ پر لیٹ گئی پھر سوچنے لگی کہ ذیشان کے جیل نکل کر کار میں بیٹھتے ہی وہ اسے اپنی یہ روداد سنائے گی۔ ا سے رو رو کر کہے گی کہ ہمارا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ میں نے سے ایسا نہیں کہا تھا۔ صرف زبان سے کہا تھا اور زبان سے ہوئی سب باتیں سچ نہیں ہوتیں۔

وہ سوچتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی۔ اسے ہر لمحہ لگ رہا تھا جیسے اندر سے اس کی ساس کلیجہ نوچ رہی ہو۔

اسے پتا نہ چلا کہ کب تک انگاروں پر لوٹتی رہی؟ نیند کانٹوں کے بستر پر بھی آ جاتی ہے۔ آخر اسے بھی آ گئی اس پر اتنی بڑی قیامت آنے والی تھی کہ نیند میں بھی و پُرسکون نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کھٹ کھٹ کی آ سنائی دے رہی ہے پھر عدالت میں بیٹھے ہوئے جج نے لکڑی کا ہتھوڑا مارتے ہوئے کہا''آرڈر...... آرڈر......''

سب خاموش ہو گئے۔ اس خاموشی میں جج نے سنایا''مسماۃ اسما بانو زوجہ فلک ذیشان حیات نے چونکہ بوجھ کر رشتہ تبدیل کیا ہے اپنے ہوش و حواس میں رہ کر ا

شوہر کو بیٹا کہا ہے اور خود کو شوہر کی ماں کہا ہے۔ لہٰذا مسماۃ اسما بانو اپنے شوہر کے ازدواجی رشتے سے خارج ہو چکی ہے۔ آئندہ یہ ذیشان کے ساتھ ایک چھت کے نیچے زندگی نہیں گزارے گی۔''

وہ رو رو کر کہہ رہی تھی''خدا کے لیے ایسا فیصلہ نہ سناؤ۔ میں اپنے ذیشان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی مگر اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔''

اسے بیگم آفتاب دکھائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی''رشتہ تو ٹوٹ چکا ہے۔ اب تمہاری جگہ خالی ہو چکی ہے۔ تمہاری جگہ اب گل خانم بہو بن کر آئے گی۔''

یہ کہہ کر بیگم آفتاب قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کے پیچھے فلک آفتاب اور دوسرے رشتے دار اس پر چھی چھی تھو تھو کر رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی دوڑتی ہوئی ذیشان کے پاس آئی پھر بولی ''یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ دنیا میرے ساتھ کیسا سلوک کر رہی ہے۔ آپ فیصلہ کریں۔ کیونکہ آپ کے فیصلے سے میری زندگی سنور سکتی ہے۔''

ذیشان نے ناگواری سے کہا''میں تمہاری زندگی کیسے سنواروں؟ جبکہ تم نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے' خود اپنی زبان سے رشتے کو بدل دیا ہے۔''

''نہیں...... میں مر جاؤں گی مگر آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔''

''تمہیں تو جانا ہی ہوگا۔ نہیں جاؤ گی تو تمہیں ٹھوکریں ماری جائیں گی۔''

یہ کہہ کر ذیشان نے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ گہری گہری سانسیں لے کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ بیڈ پر تنہا تھی۔ اس نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر خود کو تسلی دی کہ خدا کا شکر ہے یہ ایک خواب تھا۔

یہ خواب تھا کہ آگاہی تھی۔ کبھی کبھی خواب کے ذریعے بھی پیش آنے والی کسی بات کی آگاہی مل جاتی ہے۔

☆☆☆

دردانہ پبلو ماسٹر اور راجے ملہوترا کے ساتھ ایک محل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس محل کے بڑے سے آہنی دروازے پر نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا''دانیال پیلس''وہ بڑا سا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔ اس کی کار اس محل کے اندر داخل ہوئی۔ آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔

دردانہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بادشاہ وقت کے شاہی محل میں جا رہی ہو۔ جب وہ محل کے اندر پہنچی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سچ مچ کسی بادشاہ کا محل ہو۔ ایسے قیمتی ساز و سامان سے آرائش کی گئی تھی کہ آنکھیں ایک جگہ نہیں ٹھہرتی تھیں۔ وہ کبھی ادھر دیکھتی کبھی ادھر۔

شہباز درانی کے محل کی طرح وہاں بھی باہر اور اندر ہر طرف مسلح گارڈز الرٹ کھڑے تھے۔ حتیٰ کہ وہاں دیگر ملازمین اور خادماؤں کی کمر سے بھی ریوالور لگے دکھائی دے رہے تھے۔

اجے ملہوترا نے محل کے ایک حصے میں پہنچ کر دردانہ سے کہا۔''مسز دامودر آپ اپنا موبائل فون مجھے دے دیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولی''آپ مجھ سے موبائل فون کیوں لے رہے ہیں؟ مجھے ابھی اپنے ایک آدمی سے بات کرنا ہے۔''

''آپ ایک ہی خاص آدمی سے کیوں۔ ہزاروں خاص آدمیوں سے بات کریں۔ ہم اپنے فون پر باتیں کروائیں گے۔ پلیز...... کوئی بحث نہ کریں۔ موبائل فون مجھے دے دیں۔''

اس نے پریشان ہو کر سہارے کے لیے پبلو ماسٹر کی طرف دیکھا تو وہ بولا''اپنا فون انہیں دے دو۔ جب تم یہاں سے جانے لگو گی تو میں تمہارا فون تمہیں واپس دلا دوں گا۔''

اس نے مجبوراً پرس میں سے موبائل فون نکال کر اجے ملہوترا کی طرف بڑھا دیا۔ اسے دیتے وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے شہباز درانی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا ہو۔ وہی ایک سہارا تھا جس کے ذریعے وہ اس سے رابطہ کر کے اس سے مشورے لے سکتی تھی۔ اب سے پہلے یہ آسرا تھا کہ شہباز کا کوئی آدمی اس کی نگرانی کر رہا ہے' وہ اس کی حفاظت کرتا رہے گا لیکن تقدیر نے وہ آسرا بھی ختم کر دیا تھا۔

اچانک وہاں کھڑے ہوئے مسلح گارڈز الرٹ ہو گئے۔ ایک چھوٹے قد کا آدمی وہاں آیا تھا۔ وہ پانچ فٹ کا ہوگا لیکن اتنا موٹا تھا کہ اور بھی چھوٹا لگتا تھا۔ وہ جب کمرے میں آیا تو ایسا لگا جیسے فٹ بال لڑھکتا ہوا آ رہا ہے۔ جسم پر ریچھ کی طرح بال ہی بال دکھائی دے رہے تھے لیکن سر گنجا تھا۔ وہ سر منڈوانے کا عادی تھا پھر اس پر کچھ ایسا لوشن لگا تھا کہ اس وقت وہ مرکری کے بلب کی طرح چمک رہا تھا۔

اجے ملہوترا بھی اسے دیکھ کر بالکل الرٹ ہو گیا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر کہا''باس...... یہ پبلو ماسٹر ہیں۔''

پھر وہ پبلو ماسٹر کی طرف پلٹا''یہ ہمارے باس ڈی کے

دانیال ہیں۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ دانیال نے مسکراتے ہوئے کہا "ماسٹر......! میں نے آپ کی بڑی تعریفیں سنی ہیں۔ یورپ اور امریکا کے ٹاپ میگزین میں آپ کے انٹرویو شائع ہوتے رہے ہیں۔ میں نے آپ کو ٹی وی چینلو پر بھی دیکھا ہے۔"

پبلو ماسٹر نے کہا "میرے آپ جیسے قدردان ہیں اسی لیے میری اتنی قدر کی جاتی ہے اور مجھے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلایا جاتا ہے۔"

"آپ ابھی سفر سے آرہے ہیں۔ تھکے ہوئے ہوں گے۔ گھنٹے دو گھنٹے آرام کرلیں پھر باتیں ہوں گی۔"

پھر وہ دردانہ کی طرف گھوم کر بولا "یہ کون ہیں؟"

اجے ملہوترا نے کہا "باس......! یہ پبلو ماسٹر کے ساتھ آئی ہیں۔"

ڈی کے دانیال نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دردانہ کو دیکھا پھر کہا "اچھا اچھا سمجھ گیا۔ انہیں ان کے کمرے میں بھیج دو اور تم میرے پاس آؤ۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔ اجے ملہوترا نے دو خادماؤں سے کہا "مہمانوں کو ان کے کمرے میں پہنچادو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

دردانہ پبلو ماسٹر کے ساتھ ایک کمرے کی طرف چلی گئی۔ اجے ملہوترا وہاں سے پلٹ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ڈی کے دانیال اور آکاش دامودر بڑی مہنگی اور آرام دہ کرسیوں پر شاہانہ انداز سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اجے ملہوترا نے آکاش دامودر کے سامنے اٹینشن ہو کر کہا "باس......کیا آپ نے اسے دیکھا؟"

آکاش دامودر نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "میں یہاں سے چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ نیلماں چوبیس برس کی تھی لیکن یہ تو عمر میں مجھ سے زیادہ لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ پریشان ہے اور سہمی ہوئی بھی ہے۔"

دانیال نے کہا "ابھی پتا چل جائے گا کہ یہ کون ہے؟ تم ریکارڈنگ مشین اس فون سے منسلک کردو اور اسے کہو کہ وہ اپنے کسی خاص آدمی سے بات کرلے۔"

اجے ملہوترا اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ دردانہ ایک بیڈروم میں ماسٹر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ وہ محسوس کررہی تھی کہ کسی مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔ پبلو ماسٹر اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے اس کے سامنے رک گئی

پھر بولی "مجھے لگتا ہے' تمہاری پیش گوئی درست ثابت ہو [illegible] ہے۔ میں کسی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔"

وہ بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا "میں کیا کرسکتا ہوں؟ [illegible] سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں [illegible] کب نازل ہوں گی اور کیسے نازل ہوں گی؟ یہ میں بھی نہیں جانتا تھا۔ تم نے میرا سہارا مانگا اور میں نے سہارا دے دیا [illegible] میں نہیں سمجھتا کہ تم یہاں آکر کسی مصیبت میں پھنس گئی ہو [illegible] ویسے خدا بہتر جانتا ہے۔"

"میں اپنے آدمی سے بات کرنا چاہتی ہوں مگر انہوں [illegible] نے موبائل لے لیا ہے۔ کیا میں یہ فون استعمال کرسکتی ہوں؟"

"جب ہم اس کمرے میں ہیں اور انہوں نے یہ ک[illegible] ہمیں دیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فون بھی ہم استعمال کرسکیں گے تمہیں کرنا چاہیے۔"

دردانہ نے فون کی طرف دیکھا پھر ہچکچا کر کہا "لیکن ا[illegible] فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی ہوسکتا ہے۔"

اسے اجے ملہوترا کی آواز سنائی دی "یہاں ہر کمرے [illegible] فون الگ الگ ہے۔ کسی کا کنکشن ایک دوسرے سے نہیں ہے۔ آپ جس سے چاہیں بات کرسکتی ہیں۔"

پھر اس نے پبلو ماسٹر سے کہا "ماسٹر! آپ کو دانیال صاحب نے یاد کیا ہے۔"

ماسٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "تمہیں یہاں فون کرنے کی آزادی ہے۔ جس سے چاہو باتیں کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ اجے ملہوترا کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اگرچہ ابھی یہ کہا گیا تھا کہ اس فون کا کنکشن کسی دوسرے کمرے سے نہیں ہے تاہم وہ یقین نہیں کرسکتی تھی۔ دھوکا بھی ہوسکتا تھا۔

مگر وہ کیا کرے؟ فون تو کرنا ہی تھا۔ شہباز سے کسی [illegible] طرح رابطہ کرنا تھا۔ اسے اپنی آواز سنانی تھی۔ اس سے [illegible] مشورے لینے تھے۔ دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ ایسا لگ ر[illegible] تھا۔ جیسے کسی شکنجے میں کسی جارہی ہے۔

اس نے پھر فون کی طرف دیکھا۔ بس وہی ایک بیسا[illegible] تھی۔ جس کے سہارے وہ کھڑی ہوسکتی تھی۔ یہ بیساکھی ٹو[illegible] بھی سکتی تھی۔ اسے گرا بھی سکتی تھی اور ہوسکتا ہے کہ ا[illegible] سنبھال بھی لے۔

وہ شاید ہی کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی تھی لیکن جب [illegible] وقت آتا ہے تو کافر بھی خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اس نے اللہ

[illegible] نام لے کر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف فون کی بیل بج رہی تھی۔ تیسری بیل پر ہی اسے شہباز کی آواز سنائی دی "ہیلو......کون؟"

وہ جلدی سے بولی "میں بول رہی ہوں۔ میں......"

وہ بولا "تم نے موبائل بند کیوں رکھا ہے؟ میں کتنی دیر سے کوشش کررہا ہوں اور تم موبائل چھوڑ کر اس فون سے بات کیوں کررہی ہو؟"

"میں مجبور ہوں۔ میرے میزبان نے مجھ سے موبائل لے لیا ہے۔"

وہ چونکنے کے انداز میں بولا "او......آئی سی......اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں ایک بہت بڑے محل میں ہوں۔ مسٹر ڈی کے دانیال کوئی بہت ہی امیر کبیر شخص ہے۔ بہت ہی با اختیار معلوم ہوتا ہے۔ ان کی کوٹھی کے اندر باہر مسلح گارڈز موجود رہتے ہیں۔ میں نے پہلی بار یہاں کے ملازموں کو بھی اپنے ساتھ گن رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں تو یہاں پہنچتے ہی مسٹر دانیال سے متاثر ہوگئی ہوں۔"

"تمہاری باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر دانیال بہت ہی سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ تم نے جو فون نمبر مجھے دیا ہے وہ شاید ان کا ہی ہے۔ میں ابھی ان سے بات کروں گا۔"

"اور میرے لیے جہاں رہائش کا بندوبست کیا ہے۔ مجھے وہاں پہنچادو۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ابھی سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں تم سے دوبارہ اسی نمبر پر رابطہ کروں گا۔

دوسرے کمرے میں آکاش دامودر ٹیلی فون کے پاس بیٹھا ریکارڈنگ مشین کے ذریعے دردانہ اور شہباز کی ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ ادھر فون کا رابطہ ختم ہوا تو اس نے بھی ریکارڈنگ مشین بند کردی۔

دانیال نے کہا "یہ تمہاری نیلماں ہے یا نہیں؟ جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال اس کے ساتھ کوئی لمبا چکر ہے اور جو شخص اس سے ابھی بول رہا تھا۔ وہ بہت ہی چالاک ہے اور تمہاری یہ نیلماں بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس نے باتوں باتوں میں ہی یہ کہہ دیا کہ میں بہت ہی با اختیار ہوسکتا ہوں۔ میرے محل کے باہر اور اندر صرف مسلح گارڈز ہی نہیں بلکہ ملازم بھی مسلح رہتے ہیں۔"

آکاش دامودر نے ہنستے ہوئے کہا "اور وہ کم بخت۔ اتنا کچھ سننے کے بعد بھی کہہ رہا تھا کہ تم کوئی سلجھے ہوئے انسان ہو۔ یعنی ہمیں الو بنا رہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوگا کہ ہم اس کی اور نیلماں کی گفتگو ضرور سن رہے ہیں۔"

اس کے فون کا بزر سنائی دیا۔ دانیال نے کہا "وہی تمہیں فون کررہا ہوگا۔"

اس نے موبائل کو نکال کر اس میں نمبر پڑھے پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر اسے آن کرکے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو......کون......؟"

شہباز نے کہا "میں نیلماں دامودر کا کزن بول رہا ہوں۔ اسی نے مجھے یہ نمبر دیا تھا کہ میں آپ سے رابطہ کروں۔"

آکاش نے کہا "اچھا......سمجھ گیا لیکن یہ میرے باس کا فون ہے اور وہ اس وقت میٹنگ میں ہیں۔ آپ آدھے گھنٹے کے بعد فون کریں۔"

اس نے رابطہ ختم کیا پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "دانیال......! تم پبلو ماسٹر سے باتیں کرو۔ میں ابھی نیلماں کی حقیقت معلوم کرتا ہوں۔"

وہ وہاں سے نکل کر اس کمرے سے باہر آیا پھر محل کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس کمرے میں آیا۔ جہاں نیلماں پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر آکاش دامودر نے کہا "تم مجھے دیکھ کر نہ حیران ہورہی ہو نہ خوشی کا اظہار کررہی ہو؟ کیا میں تمہارے لیے اجنبی بن گیا ہوں؟"

اس کی اس بات نے دردانہ کو اور زیادہ پریشان کردیا۔ وہ بولی "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں؟ آپ کا مطلب ہے میں آپ کو جانتی ہوں اور اس وقت اجنبی سمجھ رہی ہوں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "تمہیں کیا ہوگیا ہے نیلماں......! تم نیلماں دامودر ہو اور اپنے آکاش دامودر کو نہیں پہچان رہی ہو؟"

اس نے حیران ہو کر پوچھا "آکاش! دامودر! کیا......؟ کیا میں تمہیں پہچانتی ہوں؟ او گاڈ...... یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟"

وہ اچانک ہی اپنی عادت کے مطابق مکاری پر اتر آئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی "میرا سر چکرا رہا ہے۔ پلیز......ایک گلاس پانی پلائیں۔"

یہ کہہ کر وہ کرسی پر دھپ سے بیٹھ گئی۔ ایسے وقت اس کے مکار ذہن نے پاشا کے متعلق سوچا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکا تھا۔ اس کے ساتھ فراڈ کیا جارہا تھا اور وہ اس فراڈ کو

سچ سمجھ رہا تھا۔ شہباز اور دردانہ کو اپنے والدین سمجھ رہا تھا۔

اب اس کی مکاری اسے سمجھا رہی تھی کہ اسے بھی یادداشت کے گم ہوجانے کا ناٹک کرنا چاہیے۔ آکاش دامودر اس کے لیے ایک گلاس میں پانی لے آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولا ''نیلماں...... پانی پیو۔''

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر گلاس کو لے کر اسے منہ سے لگایا اور یوں پانی پینے لگی جیسے اندر سے بالکل خالی ہوگئی تھی اور اب مدتوں کے بعد خود کو سیراب کر رہی ہو۔

وہ گلاس خالی کرنے کے بعد گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''نیلماں...... تمہیں کیا ہوگیا ہے؟''

وہ پریشان ہوکر بولی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے۔''

''تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ یہی میں سننا اور سمجھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے کیوں نہیں پہچان رہی ہو؟''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا ''پلیز...... مجھے پانچ منٹ کے لیے خاموش رہنے دو پھر میں بات کروں گی۔''

آکاش خاموش رہا۔ اس کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ان پانچ منٹ میں دردانہ نے سوچا ''یہ اپنا نام آکاش دامودر بتا رہا ہے اور میرا نام نیلماں دامودر ہے۔ یہ مجھ سے اپنائیت بھی ظاہر کر رہا ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں اسے کیوں نہیں پہچان رہی ہوں؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کا اور نیلماں دامودر کا کوئی گہرا رشتہ تھا۔''

وہ سوچ رہی تھی۔ نیلماں کے اندرونی حالات کا علم شہباز کو بھی نہیں تھا۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ دامودر اس کے باپ کا نام ہوگا اور اس لیے وہ خود کو نیلماں دامودر کہتی ہے لیکن یہ جو میرے سامنے ہے یہ باپ کی عمر والا نہیں ہے یا تو نیلماں کا عاشق ہے یا پھر اس کا شوہر ہے۔ تب ہی وہ اپنے نام کے ساتھ اس کا نام لگاتی ہے اور خود کو نیلماں دامودر کہتی ہے۔''

وہ تیزی سے سوچ رہی تھی ''ایک بات اور بھی میری سمجھ میں آرہی ہے۔ جس طرح شہباز درانی پاکستان میں بہت ہی وسیع ذرائع اور بے انتہا اختیارات کا مالک ہے۔ اسی طرح یہ ڈی کے دانیال اور آکاش دامودر بھی بھارت میں وسیع ذرائع اور وسیع اختیارات کے مالک ہیں۔ شہباز کی طرح یا تو بہت بڑی سیاسی طاقت کے ایجنٹ ہیں یا پھر انڈر ورلڈ کے بہت بڑے مجرم ہیں۔''

وہ تیزی سے سوچنے لگی کہ اسے اب کیا کہنا چاہیے؟ کیا کرنا چاہیے؟

ایسے وقت اسے پیشانی پر ایک مردانہ سخت ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ آکاش اس پر جھک کر کہہ رہا تھا ''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بیڈ پر لیٹ جاؤ۔''

وہ بولی ''بیڈ پر لیٹنے یا سونے سے میری پرابلم حل نہیں ہوگی۔''

''یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری پرابلم کیا ہے؟''

''شاید تم یقین نہ کرو۔ میں اپنے آپ کو بھول گئی ہوں مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے میں کون تھی؟ کہاں تھی اور کہاں پاکستان پہنچ گئی تھی؟''

وہ بولا ''اوہو...... اب میں سمجھا۔ اسی لیے تم مجھے پہچان نہیں پارہی ہو۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی ''اگر تم مجھے پہچان گئے ہو تو بتاؤ میں کون ہوں؟''

''تم میری دھرم پتنی ہو۔ میں تمہارا پتی ہوں۔ ہم نے ماسکو میں کورٹ میرج کی تھی۔''

دردانہ اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ خواہ مخواہ حیران ہورہی تھی پھر وہ سوچنے کے انداز میں بولی ''ماسکو......؟ ہاں مجھے یاد آرہا ہے۔ پتا نہیں کتنے دن گزر گئے۔ جب ایک دن میری آنکھ کھلی تو ایسا لگا جیسے میں بہت لمبی نیند کے بعد جاگی ہوں۔ جاگنے کے بعد معلوم ہوا کہ مجھے اپنے بارے میں کچھ یاد نہیں ہے۔ تب میرا علاج کرانے والے ایک شخص نے کہا کہ میرا نام نیلماں دامودر ہے اور میں ماسکو سے پاکستان آئی تھی۔ وہاں بیمار ہوگئی تھی۔ اس لیے میرا علاج کروایا جارہا تھا۔''

وہ حیرانی سے بولا ''لیکن تم تو ایک برس پہلے ماسکو سے پاکستان گئی تھیں؟ اس کے بعد کہیں گم ہوگئی تھیں؟ کیا تم اس وقت کی باتیں کر رہی ہو؟''

''مجھے کیا پتا کہ ایک برس گزر چکا ہے یا دس برس گزر چکے ہیں؟ مجھے تو یہ کل ہی کی بات لگ رہی ہے۔ جس نے میرا علاج کرایا تھا۔ اس نے مجھے میرا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات دیئے پھر کہا کہ مجھے ممبئی جانا چاہیے۔ وہاں میرے رشتے دار ہیں اور وہ مجھے لینے کے لیے ائرپورٹ آئیں گے۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولی ''میں خود کو پہچانتی نہیں تھی۔ تنہا سفر کرنے سے ڈر رہی تھی۔ اس نے کہا کہ جہاز میں میرا ایک نگرانی کرنے والا شخص ہوگا۔ وہ دور ہی دور سے میری نگرانی کرتا رہے گا اور ممبئی پہنچنے کے بعد میرے رشتے داروں سے مجھے ملوادے گا لیکن یہاں پہنچ کر میں بھٹک رہی ہوں۔ ابھی تک اس شخص کا کوئی آدمی میرے پاس نہیں آیا ہے۔''

آکاش اس کی باتوں سے متاثر ہورہا تھا۔ وہ جھوٹ کو اس طرح سچ بنا کر بول رہی تھی کہ وہ اس کی باتوں کا یقین کرتے ہوئے بولا ''ہاں...... وہ شخص بہت چالاک ہے۔ اس نے تمہیں بھٹکانے کے لیے بھیج دیا ہے لیکن بھگوان کی کرپا ہے تم ٹھیک جگہ پہنچی ہو۔ یہ بتاؤ اس آدمی کا نام کیا تھا؟''

اسے جلدی میں کوئی اور نام یاد نہیں آیا۔ وہ بولی ''اس کا نام سلطان راہی تھا۔''

آکاش نے حیران ہوکر پوچھا ''سلطان راہی......؟ یہ تو پاکستانی فلموں کا بہت ہی مشہور ہیرو تھا۔ گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اس کا نام درج ہے لیکن وہ تو مر چکا ہے؟''

''میں اس سلطان راہی کی نہیں۔ بلکہ اس آدمی کی بات کر رہی ہوں جس نے مجھے اپنا نام سلطان راہی بتایا تھا۔''

آکاش نے کہا ''وہ کوئی چالباز ہے۔ اب میں تمہیں سچ بتاتا ہوں۔ ابھی تم نے تھوڑی دیر پہلے اس شخص سے رابطہ کیا تھا تو ہم نے تمہاری اور اس کی باتیں سنی تھیں۔ اس کی باتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ بہت بڑا چالباز ہے اور تمہارے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم کہاں پہنچی ہوئی ہو؟''

دردانہ اسے دیدے پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سن کر اطمینان ہورہا تھا کہ فون کال سننے کے باوجود شبہ نہیں کیا جارہا ہے۔ صرف شہباز کو چال باز سمجھا جارہا ہے۔

پھر وہ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کسے سچا سمجھوں اور کسے جھوٹا؟ تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہاری دھرم پتنی ہوں اور تم میرے پتی ہو۔ ادھر وہ سلطان راہی بھی کہہ رہا تھا کہ وہ میرے باپ بلراج دامودر کا دوست ہے۔ چونکہ میں بلراج دامودر کی بیٹی ہوں۔ اس لیے نیلماں دامودر کہلاتی ہوں۔''

آکاش دامودر نے اپنی ران پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا ''وہ جھوٹا اور چالباز ہے۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ میں نے اور تم نے بڑی رازداری سے کورٹ میرج کی تھی۔ میں آکاش دامودر ہوں۔ اس لیے تم شادی کے بعد نیلماں دامودر کہلاتی ہو۔ اب دیکھو...... میں اس شخص کو کیسے الو بناتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا ''میرے پاس آؤ۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر اس سے کتراتے ہوئے بولی ''مجھے اپنے قریب نہ بلاؤ۔ پہلے مجھے یقین ہونے دو کہ تم سچ بول رہے ہو اور میں واقعی تمہاری دھرم پتنی ہوں۔ دیکھو......! میری بات کا برا نہ ماننا میں پہلے بھی دھوکا کھا چکی ہوں۔''

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں یقین دلانے کی کوشش کرتا رہوں گا کہ ہم دونوں پتی پتنی ہیں۔ بہرحال میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ دشمنوں میں پھنسنے کے باوجود آزاد ہے اور بھید کھلنے کے بعد جو جان کا دشمن بن سکتا تھا وہ اس کی باتوں میں آکر اس پر اعتماد کر رہا ہے۔

پبلو ماسٹر نے کہا تھا کہ مصیبت کے وقت کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ صرف اپنی ذہانت اور تدبیر کام آتی ہے اور واقعی اس نے بڑی ذہانت سے یا مکاری سے کام لیا تھا۔ حاضر دماغی سے فوراً ہی ترکیب سوچی تھی اور عمل کیا تھا' جس کے نتیجے میں وہ بڑی حد تک محفوظ ہوگئی تھی۔

وہ تدبیر کے ہتھیار سے تقدیر کو مات دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن پوری طرح نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود اندر ہی اندر گھبرا رہی تھی کہ جو چال چل رہی ہے۔ اس میں آئندہ کہاں تک کامیاب رہے گی؟ کیا وہ اپنا بچاؤ جب تک کرتی رہے گی تب تک شہباز درانی اسے وہاں سے بچا کر لے جائے گا؟

پبلو ماسٹر ایک کمرے میں ڈی کے دانیال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔ ڈی کے دانیال نے پہلے بھی کسی دوسرے نجومی سے اپنا زائچہ بنوا کر رکھا تھا۔ پبلو ماسٹر نے اس زائچے کو پڑھا تھا اور اس کے ذریعے اس نے یہ معلوم کیا تھا کہ دانیال اپنے مزاج کے خلاف کوئی بھی بات برداشت نہیں کرتا ہے۔

اب وہ اس کا ہاتھ پڑھتے ہی سوچ رہا تھا کہ اسے کیا بتائے؟ کیونکہ ہاتھ کی لکیریں دانیال کے مزاج کے خلاف بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا ماسٹر......! اتنی دیر سے چپ ہو۔ کچھ بولو تو سہی۔''

وہ کھنکار کر گلا صاف کر کے بولا ''آپ ملک سے باہر جانے والے تھے لیکن آپ نے اچانک ارادہ بدل دیا۔''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ماسٹر نے کہا

''آپ کو یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ آپ نے یہاں رک کر اچھا نہیں کیا۔''

''کیوں اچھا نہیں کیا؟ کیا مجھے کوئی نقصان پہنچنے والا ہے؟''

پبلو ماسٹر نے ایک گہری سانس لی اور دل ہی دل میں کہا۔ ''اب تو بتانے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں اس شخص کو کیا بتاؤں؟ لیکن بات تو بنانی ہی ہوگی۔''

اس نے کہا ''یہاں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ دشمن آپ کو چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''یہ کون سی نئی بات بتا رہے ہو؟ میری تو زندگی ہی دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے گزر رہی ہے۔''

''آپ دشمنوں سے جنگ کرتے رہتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے لیکن اس بار آپ کو دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور آپ پر جان لیوا حملہ ہونے والا ہے۔''

''تمہاری اس بات میں کس حد تک سچائی ہے؟''

''اس حد تک کہ آپ بچ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی بچ سکتے۔''

''میں کس طرح بچ سکتا ہوں؟''

ایسے وقت دردانہ آکاش دامودر کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور ماسٹر دانیال سے کہہ رہا تھا ''آپ اس طرح بچ سکتے ہیں کہ آپ کی بلا دوسرے کے سر آ جائے۔ آپ پر ہونے والا حملہ دوسرے پر ہو جائے۔ یعنی گولی آپ کی طرف چلائی جائے مگر وہ کسی دوسرے کو لگ جائے۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک زوردار دھماکا سا ہوا۔ بہت بڑی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ کر کمرے کے اندر بکھرتے چلے گئے۔ دردانہ کھڑکی کے قریب تھی۔ اس لیے سب سے زیادہ وہی متاثر ہوئی۔ اسے تو یوں لگا جیسے اس کے چہرے اور بدن پر نوکیلے تیر پیوست ہو رہے ہوں۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہا۔

باہر سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کمرے کے اندر جہاں جہاں گولیاں لگ رہی تھیں۔ وہاں کی چیزیں ٹوٹ رہی تھیں۔ بکھر رہی تھیں۔ جس طرح موت سے پہلے انسان آخری بار چیخیں مارتا ہے۔ اسی طرح ٹوٹنے والی چیزیں ٹوٹ رہی تھیں۔ چیخ رہی تھیں۔ آرائش کے تمام قیمتی سامان آخری ہچکیاں لے رہے تھے۔

وہ سب فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ آکاش دامودر اور ڈی کے دانیال لڑھکتے ہوئے مختلف دیواروں سے جا کر لگ گئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اپنے اپنے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کر رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے تمام گارڈز کہاں ہیں؟ یہ حملہ کرنے والے اندر کیسے گھس آئے ہیں؟''

دوسری طرف سے آکاش کہہ رہا تھا ''انہیں بھون کر رکھ دو۔ زندہ جانے نہ دو لیکن دو چار کو زندہ گرفتار کر لو۔ ہم ان سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے۔''

دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا کہ وہ حملہ آوروں کو پسپا کر رہے ہیں۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد خاموشی چھا گئی۔ دوسری طرف سے بتایا گیا کہ جو بھی زندہ بچے تھے وہ فرار ہو گئے ہیں۔ ان میں سے چار مر چکے ہیں۔ دو زخمی پڑے ہیں اور دو کو فرار ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا ہے۔

جب اطمینان ہوا کہ حملہ آور فرار ہو چکے ہیں اور اب حملہ نہیں ہوگا تو وہ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ تب انہوں نے پبلو ماسٹر اور دردانہ کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے لباس لہو سے تر بتر ہو رہے تھے۔ پہلی نظر میں لگ رہا تھا کہ وہ حملہ آوروں کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہیں اور شاید آخری سانسیں بھی لے چکے ہیں۔

ڈی کے دانیال نے پبلو ماسٹر کے قریب پہنچ کر جھک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا ''اوہ گاڈ! یہ اپنے علم کا سچا ہے۔ اس نے ابھی کہا تھا کہ مجھ پر حملہ کیا جائے گا۔ اگر میری بلا کسی اور کے سر چلی جائے۔ میری طرف آنے والی گولیاں کسی دوسرے کی طرف چلی جائیں تو میں بچ جاؤں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں بچ گیا ہوں اور جو میری موت کی پیش گوئی کرنے والا تھا۔ وہ نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔''

آکاش دامودر نے دردانہ کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولتے ہوئے کہا ''یہ ابھی زندہ ہے۔ ماسٹر کا کیا حال ہے؟''

دانیال کا ہاتھ پبلو ماسٹر کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ہی از نو مور۔''

وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا ''یہ نجومی کیا ہوتے ہیں! دوسروں کی زندگی اور موت کی تو پیشگوئی کرتے رہتے ہیں مگر اپنی موت کا علم انہیں نہیں ہوتا۔''

میں پبلو ماسٹر کے بارے میں جانتا تھا۔ اس سے پہلے بھی دو بار ایسا ہو چکا تھا ہاتھ کی لکیر نے کہا تھا کہ اسے موت آ سکتی ہے لیکن وہ بچ بھی سکتا ہے۔

بشرطیکہ اس کی طرف آنے والی موت اپنا رخ بدل کر دوسرے کی طرف چلی جائے۔ اسی طرح دانیال کے ہاتھ کی لکیر بھی پبلو ماسٹر کو یہی کہہ چکی تھی کہ اس کی موت آ سکتی ہے اور ٹل بھی سکتی ہے۔ اس کی آئی ہوئی کسی دوسرے کو آ سکتی ہے اور یہی ہوا بھی تھا کہ پبلو ماسٹر کو آئی ہوئی دانیال کو نہیں آئی لیکن دانیال کو آئی ہوئی پبلو ماسٹر کو آ گئی۔ کیا تماشے ہیں مقدر کے؟

محل میں رہنے والے ڈاکٹر اور نرس کو فوراً طلب کیا گیا۔ دردانہ کو ایک اسٹریچر پر ڈال کر دہیں محل کے ایک چھوٹے سے کلینک میں پہنچایا گیا۔ وہاں اکثر خون خرابے ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے آپریشن کا بھی اچھا خاصا انتظام تھا۔ ڈاکٹر اور نرس دردانہ کو چھوٹے سے آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔

دوسری طرف شہباز درانی بہت بے چین تھا۔ اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ دردانہ کو وہاں سے نکال لانے کی خاطر آکاش کے فون پر اس نے رابطہ کیا تھا اور آکاش نے آواز بدل کر کہا تھا کہ باس ابھی میٹنگ میں ہیں آدھے گھنٹے کے بعد رابطہ کیا جائے۔

تب سے وہ انتظار کر رہا تھا۔ اس نے آدھے گھنٹے کے بعد فون کیا تو ایک دم سے چونک گیا۔ دوسری طرف سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آکاش دامودر نے چیخ کر کہا۔ ''بند کرو اپنا فون!''

اس کے بعد ہی رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ مسلسل فائرنگ کی آوازیں سننے کے بعد شہباز درانی کو سکون کیسے مل سکتا تھا؟ وہ تو اور زیادہ پریشان ہو گیا تھا کہ پتا نہیں اس کی دردانہ کہاں جا کر پھنس گئی ہے؟

اس نے پھر اس سے فون پر رابطہ کیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن وہ بھی بند ہو گئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اس کا فون نمبر پڑھ کر دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ وہاں بہت زبردست گڑبڑ چل رہی ہے اور خون خرابا ہو رہا ہے۔ فائرنگ ہو رہی ہے۔ سب کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوگی۔ اس لیے اس کا فون اٹینڈ نہیں کیا جا رہا ہے لیکن پریشانی تو یہ تھی کہ اس کی دردانہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ بس وہ اپنے ان سوالات کے جواب چاہتا تھا' اس کی آواز سننا چاہتا تھا' یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ جہاں قیامت کی فائرنگ ہو رہی ہے۔ وہاں وہ زندہ سلامت ہے یا نہیں؟

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی دردانہ کی خیریت کیسے معلوم کرے؟ اس نے زندگی میں پہلی بار نوجوانی کی عمر میں دردانہ سے عشق کیا تھا۔ اس کے بعد اس سے بچھڑ گیا تھا پھر ایک طویل مدت کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس کا ایسا دیوانہ تھا کہ اس کے بعد اس نے کسی سے شادی نہیں کی تھی۔

وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اس کی جان کی سلامتی کے لیے اور دشمنوں کو اپنی سازش کے جال میں پھانسنے کے لیے ہی اسے پاکستان سے ہندوستان کی طرف روانہ کیا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تقدیر کے خلاف اپنی تدبیر کرے گا اور بدنیتی سے کرے گا تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا جو اب سامنے آ رہا تھا۔

اس نے ذیشان کے خلاف سازش کی تھی۔ دردانہ کو چھپا کر اس کے اغوا کا الزام ذیشان پر عائد کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ سچ مچ اغوا ہو چکی تھی۔ پہلے مہمان دشمنوں کے درمیان پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد پتا چلا کہ وہاں بھی وہ محفوظ نہیں ہے اور دشمنوں پر بھی آفت آئی ہوئی ہے۔ مسلسل فائرنگ ہو رہی ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔

پہلے نامعلوم دشمنوں نے اسے اغوا کیا تھا۔ اب موت اسے اغوا کرنے والی تھی۔

تقدیر اور تدبیر کی اس جنگ میں اس نے ذیشان کے لیے جو گڑھا کھودا تھا۔ اس میں خود گر رہا تھا۔ اب اس گڑھے سے دردانہ کے ساتھ نکلنا چاہتا تھا لیکن کیسے نکلے؟

دوسری بار اس نے پبلو ماسٹر کے فون پر رابطہ کیا۔ وہاں بزر کی آواز ابھر رہی تھی۔ ڈی کے دانیال نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر پوچھا ''ہیلو...... کون......؟''

شہباز نے کہا ''میں پبلو ماسٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''سوری...... اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔''

وہ گھبرا کر بولا ''اسے کیا ہوا؟ وہ کیسے مر گیا؟ وہ ابھی تو زندہ تھا؟''

''کیا ہماری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی ابھی زندہ دکھائی دیتا ہے اور ابھی مر جاتا ہے؟ یہ جو نجومی ہوتے ہیں۔ یہ نیوز ریڈر کی طرح ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کو زندگی اور موت کی خبریں سناتے سناتے خود بے خبری میں اپنی موت کی خبر بن جاتے ہیں۔''

شہباز نے جلدی سے پوچھا ''ماسٹر کے ساتھ ایک عورت بھی تھی وہ کہاں ہے؟''

''وہ بھی زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔ نہ جانے اس کا کیا بنے گا؟''

ڈی کے دانیال نے فون بند کر دیا۔ ادھر سے شہباز چیخنے لگا ''ہیلو...... ہیلو......''

اس نے فون کو دیکھا پھر دوبارہ رابطہ کیا۔ پتا چلا کہ ادھر سے فون بالکل ہی بند کر دیا گیا ہے۔ اس کی جھنجلاہٹ کی انتہا نہ رہی۔ وہ پیر پٹخ کر ادھر سے ادھر جانے لگا۔ جی چاہتا تھا کہ موبائل فون کو دیوار پر دے مارے لیکن اسے مار دیتا تو اپنی دردانہ کی زندگی یا موت کی خبر نہ ملتی۔

بے چین ہو کر ایک بار پھر فون پر رابطہ کیا۔ آکاش دامودر آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور ڈاکٹر سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دردانہ کے بچنے کی امید ہے یا نہیں؟

ایسے ہی وقت اس نے اپنے فون پر شہباز درانی کے فون نمبر پڑھے۔ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''تمہیں شرم نہیں آتی۔ سلطان راہی کا نام بدنام کرتے ہو۔ تم جھوٹے سچے نام بتا کر میری نیلماں کو اب تک دھوکا دیتے رہے اور خود یہ سمجھتے رہے کہ وہ کسی دامودر کی بیٹی ہے۔ جب کہ یہ میری پتنی ہے۔ میرا نام آکاش دامودر ہے اور میرے ہی نام پر یہ نیلماں دامودر کہلاتی ہے۔''

شہباز درانی حیرانی اور پریشانی سے اس کی یہ باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ ایک برس پہلے اس نے جس نیلماں دامودر کو قتل کروایا تھا۔ اسی کا شوہر اس وقت اس سے فون پر باتیں کر رہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک برس کی طویل جدائی کے بعد اس کی نیلماں اس کے پاس پہنچ گئی ہے۔

شہباز کو ایک طرف سے یہ اطمینان ہوا کہ نیلماں پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا رہا ہے اور اسے دشمن نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ اس نے کہا ''مسٹر آکاش دامودر! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں کوئی سلطان راہی نہیں ہوں۔ شاید کسی نے نیلماں سے فراڈ کیا ہوگا۔ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ وہ میری مریضہ تھیں۔ اس لیے میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ سوری۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔ اب میں اس کی خیریت کیا بتاؤں؟ اس وقت ہمارے چھوٹے سے آپریشن روم کا دروازہ بند ہے۔ ڈاکٹر پتا نہیں کیا کر رہے ہیں؟ وہ بے چاری زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔''

ایسے ہی وقت اس آپریشن روم کا دروازہ کھل گیا۔ آکاش دامودر نے کہا ''اوہ دروازہ کھل گیا ہے۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ میری نیلماں خیریت سے ہے یا نہیں؟''

وہ ادھر سے چیخ کر بولا ''فون بند نہ کرنا پلیز۔ میں بھی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر نے کہا ''مسٹر دامودر! آپ آ سکتے ہیں۔ بھگوان نے آپ کی نیلماں کو بچا لیا ہے۔''

شہباز نے فون کے ذریعے ہونے والی بات سن اطمینان کی ایک گہری سانس لی لیکن دوسرے ہی لمحے میں کا اطمینان ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی ''آ ذرا یہاں آئیں اور ان کا چہرہ دیکھیں۔ شیشے کی کرچیار ان کے چہرے پر چبھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے ہم نکال دی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی پتا چلا ہے کہ یہ اصلی نہیں ہے۔ یہ جو نظر آ رہی ہیں وہ نہیں ہیں۔ ان کا اصلی میک اپ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

شہباز درانی کے ہوش اڑ گئے۔ یہ اطمینان غارت ہو کہ دردانہ دشمنوں کے درمیان پہنچ کر بھی خیریت سے ہے اب اس کی خیریت نہیں تھی۔ بھید کھلنے ہی والا تھا۔

تدبیر یقیناً کام آتی ہے۔ جیسا کہ دردانہ کی تدبیر آ رہی تھی۔ اس نے یادداشت کے گم ہونے کا ناٹک کیا اور آکاش دامودر کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔

تقدیر کی لکیر اسے مصیبت کی طرف لے جا رہی تھی لیکن وہ اپنی تدبیر سے اسے کاٹ رہی تھی۔ کامیاب ہو رہی تھی اس تدبیر میں نیک نیتی ہوتی تو شاید کامیابی دائمی ہوتی۔

جھوٹ بہر حال جھوٹ ہوتا ہے۔ کبھی نہ کسی چور راستے سے سامنے چلا آتا ہے۔

اس وقت وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ شیشے کی کرچیوں کے باعث اس کا چہرہ جگہ جگہ سے چھلنی ہو گیا تھا' ادھر چکا تھا جھوٹ کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی اور اس وقت اپنے چہرے کو دیکھ لیتی تو اس کے ہوش اڑ جاتے۔

بہر حال کب تک بے ہوش رہے گی۔ ہوش میں آئے گی آنکھیں کھولے گی اور جب اپنے آپ کو دیکھے گی تو پھر اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں جھانک کر مقدر سے پوچھے گی کہ میں کیا ہوں؟

میں اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں......!

''پردہ کیا ہے؟''

چشم بددور ہے، حسن کو چھپانے کے کام آتا ہے، کبھی غربت کو ڈھانپنے کے لیے غریب نواز بن جاتا ہے، کبھی الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کے لیے سیاسی نقاب بن جاتا ہے، کبھی موقع پرستوں کا... ثواب بن جاتا ہے، اور بہت زیادہ چالاک بننے والوں کے لیے عذاب بن جاتا ہے، دردانہ بہت زیادہ چالبازی دکھانے کے لیے پردے میں گئی تھی اور عذاب میں مبتلا ہو گئی تھی پردے میں زردہ ہو گیا تھا۔

ویسے یہ پردہ ہے بڑی کام کی چیز، ہو تو اچھا، نہ ہو تو اچھا، عوام کی آنکھوں پر ہو تو صاحب اقتدار کے لیے اچھا، شوہر کی عقل پر ہو تو بیوی کے لیے اچھا، ہوس پرستوں کی آنکھوں پر ہو تو حوا کی بیٹی کے لیے اچھا۔

شہباز درانی اور دردانہ نے تقدیر کی آنکھوں پر تدبیر کا پردہ ڈالنا چاہا تھا، لیکن مقدر کے پھیر کون جانتا ہے؟ وہ پردہ ان کے لیے جال بن گیا تھا اور وہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنے ہوئے جال میں الجھتے چلے جا رہے تھے۔

فون کا رابطہ ختم ہو چکا تھا مگر وہ اب تک اسے کان سے لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونج رہی تھی۔ ''آپ ذرا یہاں آئیں اور ان کا چہرہ دیکھیں۔ شیشے کی کرچیاں جو ان کے چہرے پر چبھی ہوئی تھیں، وہ ایک ایک کر کے ہم نے نکال دی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی پتا چل رہا کہ یہ اصلی چہرہ نہیں ہے۔ یہ جو نظر آ رہی ہیں وہ نہیں ہیں۔ ان کا اصلی چہرہ میک اپ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

شہباز کے کانوں میں ڈاکٹر کی یہی باتیں گونج رہی تھیں۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟

پھر وہ جیسے ایک دم سے چونک گیا۔ اپنی دردانہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آکاش کے نمبر پنچ کرنے لگا مگر مایوسی ہوئی۔ اس کا فون آف تھا۔ اس نے جھنجلا کر اپنے فون کو دیکھا پھر اسے صوفے پر پٹخ کر ٹہلنے لگا، فی الحال وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار کر تلملاتے ہوئے ادھر سے ادھر ٹہل رہا ہو۔ کوئی دوسرا غلطی کرے تو اسے گالیاں دی جاتی ہیں، جوتے مارے جاتے ہیں۔ کوئی خود کو جوتے نہیں مارتا، خود کو الزام نہیں دیتا، مقدر کو کوستا ہے۔

وہ بھی یہی کر رہا تھا۔ جب کہ میں وقت سے پہلے ہی اسے پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کر چکا تھا۔ اپنے اور اس کے ہاتھ کی یکساں لکیروں کا حوالہ دے چکا تھا لیکن شیطانی ارادے رکھنے والوں کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیر سے مخالف ہواؤں کا رخ بدل دیں گے۔

اب وہی ہوائیں آندھی طوفان کی طرح اس کے ہوش اڑا رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دردانہ جس دلدل میں جا گری ہے، وہاں سے اسے کیسے نکال لائے گا؟

دوسری طرف آکاش دامودر ڈاکٹر کے ساتھ آپریشن تھیٹر میں آیا، میک اپ مکمل طور پر واش کیا جا رہا تھا، دردانہ پر نیم بے ہوشی طاری تھی وہ اس کے واش ہوتے ہوئے اور بدلتے ہوئے چہرے کو اس دکھ سے دیکھ رہا تھا کہ وہ اس کی نیلماں نہیں ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر یہ کون ہے؟

سیاہ رات کے بعد روشن صبح طلوع ہوتی ہے مگر وہاں اس کی نیلماں کا سورج غروب ہو رہا تھا اور اجنبی سا اندھیرا پھیلا رہا تھا۔

وہ سوچتا ہوا، اس اجنبی چہرے کو دیکھتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا، فریب ایسا ہوتا ہے، سامنے آتا ہے تو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا، نیلماں کی ڈمی کو سامنے لا کر اس کے جذبوں کا نداق اڑایا گیا ہے، صبح کے بھولے کو گھر کا راستہ یاد دلایا گیا ہے اور جب وہ گھر آیا تو گھر کا دروازہ کھولنے والی بدل چکی ہے۔

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے سر گھما کر بیڈ کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے پلٹ کر کہا۔ ''چہرہ واش ہو چکا ہے، تعجب ہے، یہ کچھ دیر پہلے کوئی اور تھیں، اب کوئی اور ہیں۔ ہماری دنیا میں عجیب عجیب تماشے ہوتے ہیں۔''

پھر وہ جاتے ہوئے بولا۔ ''میں جا رہا ہوں یہ ابھی ہوش میں آ جائیں گی۔''

وہ چلا گیا، وہ گہری نظروں سے بے ہوش پڑی ہوئی دردانہ کو دیکھنے لگا۔

شمع جلتی ہے تو پروانہ اس کی سمت لپکتا ہے۔ وہ بھی اپنی نیلماں کی طرف لپکا تھا، مگر اس کی تپش تک رسائی حاصل ہونے والی ایک دم سے بجھ گئی تھی۔ اس نے ایک عرصے کے بعد اسے دیکھا تھا لیکن وہ تو جیسے ایک جھلک دکھا کر اس اجنبی چہرے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

اب وہ اس کی نیلماں نہیں تھی، نہ جانے کون تھی؟ وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ ''یہ جو کوئی بھی ہے، بہت ہی مکار ہے، نیلماں بن کر میرے پاس آئی تھی، یادداشت گم ہو جانے کا ڈراما کر رہی تھی۔ ایک ہی جھٹکے میں اصلیت سامنے آ گئی ہے۔ پتا نہیں کیا مقصد لے کر آئی تھی؟ آدھی حقیقت

کھل چکی ہے، آدھی اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گی۔"

اس بے ہوش ہونے والی نے دشمنوں کے درمیان محفوظ رہنے کے لیے بڑی شاطر دماغی سے کام لیا تھا، یادداشت گم ہونے کا بہت ہی زبردست ڈراما رچایا تھا مگر مقدر میں ناکامی ہو تو زبردست، زیردست ہو جاتا ہے۔

وقت اپنی رفتار سے رینگنے لگا، موبائل فون کا بزر سنائی دیا، آکاش نے نمبر پڑھ کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر خاموش بیٹھا رہا۔ دوسری طرف شہباز جواب کا انتظار کر رہا تھا، اپنی دردانہ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے بے چین ہو کر پوچھا "اب کیسی ہے وہ......؟"

وہ دردانہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ جیسی بھی ہے مگر میری نیلماں جیسی نہیں ہے۔"

"پلیز......اس سے میری بات کراؤ۔"

"باتیں تو مجھے بھی بہت سی کرنی ہیں لیکن ذرا انتظار کرو۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون آف کر دیا۔ ادھر وہ "ہیلو ہیلو" کرتا رہ گیا۔ جیسے وہ اپنی دردانہ کا دیوانہ تھا ویسے ہی آکاش اپنی نیلماں کا دیوانہ تھا۔ اس دیوانے کو بیٹھے بٹھائے تنگ کیا گیا تھا۔

کچھ عرصے پہلے نیلماں اس سے بچھڑ گئی تھی۔ تلاش کا ہر ممکن راستہ اختیار کرنے کے باوجود نہیں مل رہی تھی، ملتی بھی کیسے؟ شہباز نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آکاش اب تک دوسرے معاملات میں الجھ کر اسے بھلانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

لیکن اب وہ قریب آ کر دور ہو گئی تھی، اس دیوانے کو تڑپا گئی تھی، تھپک تھپک کر سلائے گئے جذبے ہڑبڑا کر بیدار ہو گئے تھے۔ فریب کے جھٹکے میں سہی وہ ریشمی آنچل کی طرح لہرائی تھی اور جذبوں کو گدگدا گئی تھی۔ ایسے میں اس دیوانے کی دیوانگی شدت اختیار کر گئی تھی۔

تدبیر سے ہی تقدیر بدل جاتی ہے بشرطیکہ اس تدبیر میں نیک نیتی شامل ہو۔ شہباز نے تدبیر کی تھی مگر نیک نیتی سے نہیں کی تھی۔ دردانہ کو نیلماں کا روپ دینے اور اسے رازداری سے ہندوستان بھیجنے کے پیچھے یہ شیطانی منصوبہ بنایا گیا تھا کہ جب ذیشان جیل سے رہا ہو گا تو اس پر دردانہ کے اغوا کا الزام لگایا جائے گا۔

مگر افسوس! میری چال کے آگے کسی کی نہیں چلتی، بڑے بڑوں کی چالیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور اس کے ساتھ یہی ہو رہا تھا، وہ نیلماں کے پردے میں جانے والی بے نقاب ہو چکی تھی۔ سچ ہے، بلی کی غلاظت چھپائے نہیں چھپتی۔ وہ پاکستان سے جا کر ہندوستان میں مہک رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو نگاہوں کے عین سامنے آکاش کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ ذرا سوچتی رہی کہ اس وقت کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ پھر اسے فوراً ہی یاد آ گیا کہ وہ نیلماں دامودر ہے، سامنے بیٹھے ہوئے آکاش دامودر کی محبوبہ اور دھرم پتنی ہے۔

وہ دھیرے سے مسکرائی پھر آہستگی سے بولی۔ "مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

اس نے بڑے ہی سپاٹ انداز میں اسے دیکھا پھر ایک گلاس میں پانی بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ کہنی کے بل ذرا اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کے ہاتھوں سے گلاس لے کر پانی پینے لگی۔

ایسے ہی وقت اس کی نظر پیروں کی طرف رکھے ہوئے قدِ آدم آئینے پر پڑی، وہ اپنا عکس دیکھ کر ایک دم سے چونک گئی۔ گلاس ایسے چھوٹ گیا جیسے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں، منہ میں پانی بھرا ہوا تھا وہ اسے پینا بھول گئی وہ حلق میں اترنے کے بجائے فوارے کی طرح منہ سے ابل پڑا، ایک زور کا ٹھسکا لگا، وہ بری طرح کھانسنے لگی۔

کھانسی کا ٹھسکا ہوتا تو وہ کچھ دیر بعد ہی سنبھل جاتی مگر اسے تو مقدر کا ٹھسکا لگا تھا، میں گلے میں ہڈی بن گیا تھا۔

چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ وہ کھانس کھانس کر دہری ہو رہی تھی لیکن اصل میں کھانسی کے بہانے سوچنے کی مہلت حاصل کر رہی تھی۔ کچھ لوگ بڑے ہی ڈھیٹ ہوتے ہیں، ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی سنبھلتے نہیں ہیں۔ اپنی شاطر دماغی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔

اسے مقدر کی ٹھوکر لگی تھی، دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور ان دھماکوں کے درمیان ہی وہ سوچ رہی تھی۔ پہلا ایک منصوبہ ناکام ہوا تھا تو اس نے فوراً ہی بات گھما دی تھی مقدر میں چکر ہو تو انسان چکرا کر رہ جاتا ہے، وہ بھی چکرا رہی تھی، کچھ دیر پہلے بنائی ہوئی بات بگڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی تصویر کا دوسرا رخ سامنے آ گیا تھا۔

آکاش نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "آئینہ عورت کی سب سے محبوب چیز ہوتا ہے۔ وہ اپنے عاشق کے سامنے جانے سے پہلے بھی اسی کا دیدار کرتی ہے اور اس کے دیدار کے بعد دیدار کرتی ہے۔ میں نے اسے یہاں اسی لیے رکھوایا ہے کہ

تم ہوش میں آؤ تو تمہاری نظر سب سے پہلے اپنی محبوب صورت پر پڑے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی ہو۔"

وہ ہانپنے کے انداز میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی پھر آئینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں اسے...... دیکھ کر پریشان نن...... نہیں ہو رہی ہوں، بلکہ اس میں دکھائی دینے والے عکس کو دیکھ کر پریشان ہو رہی ہوں...... یہ کون ہے؟"

اس کی بات سن کر آکاش نے ایک ذرا تعجب سے اسے دیکھا پھر تیز لہجے میں کہا۔ "تمہاری اصلیت سامنے آ گئی ہے۔ یہ تم ہو۔"

وہ ایک دم سے چیخ پڑی۔ "نہیں...... یہ مم...... میں نہیں ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھو رہی تھی، آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "نہیں یہ میرا چہرہ نہیں ہے۔ یہ میں نہیں ہوں، میں نہیں ہوں......"

وہ ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی، دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیڈ پر گر پڑی۔ آکاش اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا فوراً ہی ڈاکٹر کو بلا کر لے آیا، دردانہ بہت ہی شاطر دماغی کا مظاہرہ کر رہی تھی اس نے سانس روک کر کنپٹیوں کی رگیں پھلا ڈالی تھیں۔

ڈاکٹر اس کا معائنہ کرتے ہوئے بولا۔ "نہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ میں انجکشن لگا رہا ہوں، یہ کچھ دیر بعد نارمل ہو جائیں گی لیکن ان سے زیادہ باتیں نہ کی جائیں۔ میرا مطلب ہے، ان کے دماغ پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے تو بہتر ہو گا۔"

سوئی چبھنے سے تکلیف ہوئی مگر بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے تھوڑی بہت تکلیف تو اٹھانی ہی پڑتی ہے وہ کچھ دیر کے لیے پرسکون ہو گئی۔ نئی منصوبہ بندی کرنے کے لیے ایسے ہی سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوسری طرف آکاش یہی سن کر اور دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اجنبی عورت خود کو پہچان نہیں رہی تھی، اپنے چہرے کو اپنا نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا، اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔ پہلے اس سے سچ اگلوانے کا انتظار تھا، اب یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ وہ کون ہے جو اپنے ہی چہرے سے انجان ہے؟

اس نے سوچا۔ "ہونہ ہو اس کے ذریعے میں اپنی نیلماں کا سراغ لگا سکوں گا۔ وہ ضرور اس اجنبی دشمن کی قید میں ہے جس نے اس عورت کو نیلماں کا روپ دے کر یہاں بھیجا ہے۔"

ادھر وہ ٹہل رہا تھا، سامنے آنے والی نئی صورت حال پر غور کر رہا تھا۔ ادھر شہباز درانی رابطہ نہ ہونے پر جھنجلا رہا تھا۔ غصے سے اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا، کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی آکاش کے کسی ملازم کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو......! ڈی کے دانیال پیلس۔"

وہ بولا۔ "مسٹر آکاش دامودر سے بات کراؤ۔"

"یور نیم پلیز؟"

"میں نام نہیں بتا سکتا، ان سے صرف اتنا کہہ دو کہ آپریشن تھیٹر میں جو خاتون ہیں میں ان کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ملازم "او کے سر" کہہ کر چلا گیا۔ وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی ملازم کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "سوری سر! صاحب ابھی مصروف ہیں، کسی سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کچھ دیر کے بعد رابطہ کریں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر فون سے انگیج ٹون سنائی دینے لگی، دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک دم سے بپھر گیا، فون کو گھور کر یوں دیکھنے لگا، جیسے اس اجنبی دشمن کو گھور رہا ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی دردانہ سے کیسے رابطہ کرے؟ دل کہہ رہا تھا، چاہے اس کی آواز نہ سنے مگر اس کی خیریت تو معلوم ہو جائے۔

کبھی کبھی طاقتور بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اس طرح خدائی دعوے داروں کو خدا یاد رہتا ہے۔ وہ بھی طاقتور تھا لیکن اس وقت اس کی تمام شہزوری اور شاطر دماغی دھری کی دھری رہ گئی تھی، اسے دردانہ کی جدائی تڑپا رہی تھی اور خدا کی خدائی یاد آ رہی تھی۔

عجب بے بسی تھی، وہ ایسے وقت اپنے ناخداؤں کو یاد نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب ذاتی معاملات میں الجھنے کی خبر اوپر والوں تک پہنچے گی تو اس بار وارننگ نہیں ملے گی بلکہ نتیجے میں ایک اندھی گولی ملے گی، جو پلک جھپکتے میں اس کا کام تمام کر دے گی۔

دوسری طرف وہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی، اپنے نئے حالات پر غور کر رہی تھی۔ یادداشت گم ہونے کا ڈراما کسی حد تک کامیاب ہو رہا تھا مگر وہ اسے مزید نکھارنے اور اس میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے نئی منصوبہ بندی کر رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں، آکاش فوراً ہی اس کے قریب آگیا، بیڈ کے سرے پر ہتھیلیاں ٹیک کر جھکتے ہوئے بولا۔ "آر یو اوکے؟"

دشمن کی خیریت نہیں پوچھی جاتی۔ لیکن ایسے وقت وہ بہت اہمیت اختیار کرگئی تھی۔ وہ دشمن سہی مگر اسے اس کی نیلماں تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر بڑی افسردگی سے کہا۔ "پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "آئینے میں اپنا آپ دکھائی دیتا ہے، اپنا چہرہ دکھائی دیتا ہے مگر میں کیسی بدنصیب ہوں، اپنے چہرے کو نہیں پہچان رہی ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے، میرے سامنے کسی اجنبی عورت کی تصویر رکھ دی گئی ہے۔"

اس نے کہا۔ "پہچاننے کی کوشش کرو، یہ تم ہی ہو۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں میں تو نیلماں دامودر ہوں، تمہاری دھرم پتنی ہوں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تم نے مجھے بتایا تھا۔"

"نہیں۔ تم میری نیلماں نہیں ہو، خود کو پہچانو، یاد کرنے کی کوشش کرو، تم کون ہو؟ تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟ کیوں بھیجا ہے؟"

وہ انگلیوں کے پوروں سے اپنے چہرے کو ایسے ٹٹول رہی تھی جیسے ان نقوش کو یاد کرنے کی کوشش کررہی ہوں، آکاش بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا، پُرامید نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ چہرے پر ایسے تاثرات سجا رہی تھی، جیسے ذہن پر زور ڈال رہی ہو اور ایسے وقت بڑے کرب سے گزر رہی ہے، پھر ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آکاش نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کچھ یاد آیا؟"

وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔ "میں کیا کروں، مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے ایک پہچان ملی تھی وہ بھی گم ہوگئی ہے کوئی بتائے کہ اب میں کون ہوں؟ کسی کی دھرم پتنی ہوں یا کسی کی بیوی ہوں؟ ہندو ہوں، مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، کون ہوں میں؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی بعض اوقات انسان کو اپنی اوقات کے مطابق مگر مچھ کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ وہ اب بھی ایسے ہی آنسو بہا رہی تھی۔

آکاش اسے ہمدردی سے دیکھ رہا تھا لیکن ایسا کرنے سے نیلماں نہیں ملنے والی تھی۔ اس نے کہا۔ "کوئی ایسا دشمن ہے جو میری نیلماں سے دشمنی کررہا ہے۔ اس نے نیلماں کو اپنی قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے اور یہ دشمن وہی ہوسکتا ہے جس نے تمہیں نیلماں بنا کر یہاں بھیجا ہے اور جو بار بار مجھ سے رابطہ کررہا ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، یہ جاننے کی بے چینی ہوگئی تھی کہ شہباز نے اس سے رابطہ کیا تھا تو ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں؟

اس نے پوچھا۔ "تو اب وہ تم سے رابطہ کیوں نہیں کررہا ہے؟"

"کیونکہ میں نے اپنا موبائل فون آف کررکھا ہے میں ابھی اسے آن کرکے اس سے بات کرتا ہوں۔"

پھر وہ اسے آن کرتے ہوئے بولا۔ "تم اپنے آپ کو نہیں پہچانتی ہو، پتا نہیں وہ تمہیں یہاں بھیج کر تمہاری کمزور یادداشت سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا؟"

وہ بے چینی سے فون کو دیکھ رہی تھی، اپنے شہباز کی آواز سننا چاہتی تھی، اسے کسی طرح یہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے کیسی حکمتِ عملی اختیار کی ہے؟ آکاش نمبر پنچ کرکے فون کو کان سے لگائے رابطے کا انتظار کررہا تھا۔

دوسری طرف شہباز اپنے فون کا بزر سنتے ہی چونک گیا۔ نمبر پڑھ کر فوراً ہی اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔"

آکاش نے کہا۔ "تمہیں تو ابھی بہت کچھ بولنا پڑے گا۔ پہلے اپنا تعارف کراؤ۔"

ادھر دردانہ نے فوراً ہی فون کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ تم میری کمزور یادداشت سے کون سا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟ تم نے مجھے نیلماں کا روپ دے کر یہاں کیوں بھیجا ہے؟"

اس نے بڑی چالاکی سے اپنے محبوب تک یہ بات پہنچا دی کہ وہ یادداشت گم ہونے کا ڈراما رچا رہی ہے لہٰذا اب اسے اسی کے مطابق آگے بات بنانی ہے۔ دوسری طرف شہباز اس کی آواز اور اس کی بات سن کر کسی حد تک مطمئن ہوگیا۔

وہ بول رہی تھی۔ "کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

آکاش نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں یہی پوچھ رہا ہوں، تم خاموش رہو۔ پہلے مجھے اپنی نیلماں کے بارے میں پوچھنے دو۔"

وہ پیچھے ہٹ گئی، اس نے فون پر کہا۔ "ہاں تو مسٹر! بتاؤ تم کون ہو اور یہ عورت کون ہے جسے تم نے نیلماں کا روپ دے کر ہندوستان بھیجا ہے؟ اور جب اسے اس کا روپ دیا گیا ہے تو یقیناً میری نیلماں تمہارے پاس ہے۔ تم میرے لیے کون سے دشمن ہو، جسے میں نہیں جانتا۔"

"دیکھیں! میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے میں نے اسے کسی غلط ارادے سے وہاں نہیں بھیجا ہے آپ کون ہیں؟ یہ نیلماں کون ہے، میں نہیں جانتا پھر دشمنی کیوں کروں گا؟"

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو، تم مجھے نہیں جانتے، نیلماں کو نہیں جانتے تو پھر تم نے اس کے چہرے پر اس کا چہرہ کیسے چڑھا دیا؟ اس کے پاس اس کے اہم کاغذات کہاں سے آئے؟ دیکھو، مجھ سے کچھ چھپانے کی غلطی نہ کرنا، میں اپنی نیلماں کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں زمین کی تہہ سے بھی نکال لاؤں گا۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں، نیلماں کے اہم کاغذات یہاں کے ایک بارڈر پار کرانے والے دلال نے مجھے دیے تھے اور اسی نے اس کا چہرہ تبدیل کیا تھا۔ پلیز، آپ میری اس سے بات تو کرائیں۔"

"تم اس سے بات کرنا چاہتے ہو جب کہ یہ تمہیں جانتی تک نہیں ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر افسردہ لہجے میں بولا۔ "ایک حادثے میں اس کی یادداشت گم ہوچکی ہے۔ وہ سب کچھ بھول چکی ہے، اپنے آپ کو بھول چکی ہے، اپنے شمشیر خان کو بھول چکی ہے۔"

"یہ شمشیر خان کون ہے؟"

دردانہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور کسی حد تک سمجھ بھی رہی تھی، یہ اجنبی نام سن کر ایک ذرا چونک گئی۔ دوسری طرف شہباز نے کہا۔ "میں شمشیر خان ہوں اور جو اس وقت آپ کے پاس ہے وہ میری جانِ حیات دردانہ ہے۔ میں اسے کبھی اپنے سے دور نہ کرتا۔ لیکن اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اس ملک سے اور اپنے دشمنوں سے دور ہوجائے۔"

آکاش نے دردانہ کو دیکھا پھر فون پر کہا۔ "اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہوں اس لیے یادداشت گم ہونے والی بات پر یقین کررہا ہوں۔ تم مجھے اس دلال کا نام، پتا اور فون نمبر بتاؤ، جس طرح تمہیں اپنی دردانہ سے بات کرنے کی بے چینی ہے اسی طرح مجھے اپنی نیلماں کے بارے میں جاننے کی جلدی ہے۔"

کوئی دلال ہوتا تو وہ اس کا نام پتا بتاتا اس نے کہا۔ "آپ سمجھ دار ہیں یہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ دو نمبر کام کرنے والے اپنی اصل شناخت کسی کو نہیں بتاتے۔"

"اس نے اپنی شناخت چھپائی ہوگی، لیکن تم اسے چہرے سے تو پہچانتے ہوگے؟"

"سیدھی سی بات ہے، جب وہ دوسروں کے چہرے تبدیل کرسکتا ہے تو اپنا چہرہ بھی تبدیل کرتا ہوگا۔ آپ پلیز، دردانہ سے میری بات تو کرائیں۔"

"میں نے کہا نا، ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، جو بے چینی تمہیں ہے وہی مجھے ہے۔ جب تک میری نیلماں نہیں مل جاتی تب تک تم اپنی دردانہ کے لیے ترستے رہو گے۔"

اس کی بات سن کر وہ ایک دم سے پریشان ہوگئی، یہ جانتی تھی کہ نیلماں اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ شہباز اسے کہاں سے لائے گا؟

دوسری طرف وہ بھی پریشان ہوگیا تھا، الجھ کر بولا۔ "یہ آپ کیسی شرط لگا رہے ہیں؟ آپ کی نیلماں کہاں ہے، کس کے قبضے میں ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"ہوسکتا ہے نہیں، ہے، بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ تم اپنی دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے مجھے نیلماں تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتے ہو۔"

"میں نے آپ کو اپنی مجبوری بتا دی ہے۔ میں اس دلال کو تلاش نہیں کرسکوں گا۔"

اس نے گہری نظروں سے دردانہ کو دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔ "اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے اسے ڈھونڈنا کون سی بڑی بات ہے؟ وہ تمہارے ہی شہر میں کہیں ہوگا۔ اسے تلاش کرو پھر اس کے ذریعے نیلماں کا سراغ لگاؤ۔ تب تک تمہاری امانت میرے پاس رہے گی لیکن میرے معاملے میں دیر کروگے تو میں امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

دردانہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اسے خود سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، گزرے ہوئے وقت کو کوسنے سے کیا حاصل ہونا تھا؟ اب تو یہ پریشانی حواس پر چھا رہی تھی کہ وہ کسی دلال کو کہاں سے پیدا کرے گا اور اگر کر بھی لے گا تو نیلماں کو کیسے زندہ کرے گا؟

اس نے ناگواری سے کہا۔ "یعنی تم مجھے بلیک میل کررہے ہو؟"

وہ بے پروائی سے بولا۔ ''جو بھی سمجھ لو لیکن ایک بات یاد رکھو جب تک میری نیلماں مجھے نہیں مل جائے گی، تب تک تم بھی اپنی دردانہ کے لیے ترستے رہو گے۔''

وہ پہاڑ تھا، لیکن دردانہ کمزوری بن رہی تھی، آکاش کے سامنے اسے ریزہ ریزہ کر رہی تھی، دیوانہ اپنی دیوانگی سے مجبور تھا، مزاج کے خلاف جھک رہا تھا۔ اس نے عاجزی سے کہا۔ ''میں اپنی سی کوشش کروں گا مگر تم وعدہ کرو، دردانہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔''

''اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔''

آکاش نے اتنا کہا پھر رابطہ ختم کر دیا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا، فون کو یوں گھورنے لگا جیسے اس اجنبی دشمن کو گھور رہا ہو۔ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، بشرطیکہ زنگ آلود نہ ہو، وہ لوہا تھا آکاش جیسے لوہے کو کاٹ سکتا تھا لیکن دردانہ کی چاہت اسے زنگ آلود کر رہی تھی، شہزور سے کمزور بنا رہی تھی۔

یہی مقدر کے پھیر ہوتے ہیں، کبھی شہزور کمزور ہوتے ہیں کبھی کمزور شہزور بن جاتے ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں۔ اب یہ تماشا دیکھنا تھا کہ وہ دیوانہ اپنی دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے آنجہانی نیلماں دامودر کو کیسے زندہ کرنے والا تھا؟

☆☆☆☆

عورت کے لیے جتنا سنگار ضروری ہوتا ہے، اتنا ہی آئینہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ اس کے رو برو آ کر سب کو بھول جاتی ہے، اپنے آپ میں گم ہو جاتی ہے، سولہ سنگار کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتی کبھی اس زاویے سے کبھی اس زاویے سے اپنا سراپا دیکھتی رہتی ہے۔

وہ بھی آئینے کے روبرو تھی، اپنے سراپے میں گم تھی، خیالوں کی اڑان میں نہ جانے کہا سے کہاں پہنچ رہی تھی؟ ذیشان کو رہائی ملنے والی تھی اور وہ اس کے استقبال کے لیے سنور رہی تھی۔ حسن کے ہتھیار میں سنگار کا بارود بھر رہی تھی۔

شریر جھمکے نے کان میں سرگوشی کی۔ ''ہمیں پہن تو تم رہی ہو، اتارے گا کون؟''

اس کی شرارت بھری سرگوشی سن کر وہ لہرا گئی، آئینے سے منہ پھیر کر شرمانے لگی۔ ایسے ہی وقت زلفوں نے چھیڑ خانی کی، چہرے کو چھو کر یوں گزرتی چلی گئیں جیسے ذیشان کی انگلیاں اس کے چہرے کی سرخیاں پڑھتی چلی گئی ہوں۔

وہ لاج سے یوں سمٹ گئی، جیسے حسن کے اخبار کو مفت میں پڑھنے والے کی نظر سے بچا رہی ہو، سپاہی میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اپنے ہتھیار تیار کرتا ہے۔ وہ جلوؤں کی تلوار چمکا رہی تھی، اپنے روپ کو چار چاند لگا رہی تھی، حسن گھاتیں عجیب ہوتی ہیں، اپنے ہی محبوب کو نشانہ بناتی ہیں آج نشانہ بننے والے کی خیر نہیں تھی۔

وہ ایک بار پھر اپنے عکس کو دیکھنے لگی، سولہ سنگار کی نو پلک درست کرنے لگی۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر ناک لونگ پر پڑی، سہاگ کی نشانی یوں جھلملا رہی تھی، جیسے ذیشا اشارے کر رہا ہو۔ مسکرا کر کہہ رہا ہو۔ ''عورت بھی خو ہوتی ہے، ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتی لیکن سہاگ کی مکھ کیسے فخر سے بٹھائے پھرتی ہے؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''یہ مکھی نہیں ہے، سہاگ کی نشانی۔ سہاگن کا اصل سنگار ہے۔ اس کے بغیر عورت ادھوری رہ ہے۔ آپ نے اسے پہنا کر میرے ادھورے پن کو دور کر ہے۔''

وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوگئی، ایک طرف رکھے ہوئے دوپٹے کو اٹھا کر شباب کی چکا چوند ڈالنے لگی۔

خزانہ چھپ گیا لیکن پہلے سے زیادہ پرکشش ہو گیا۔ اس کی بجلی دوپٹے کی اوٹ سے شعاعیں بن کر پھوٹنے لگی، ایک تجلیاں نظر نظر میں حیرانیاں بھر دیتی ہیں۔

وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی، ایسے ہی وقت نسوانی ہنس سنائی دی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا، آئینے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔ وہاں ساس صاحبہ دکھائی دے رہی تھیں۔

اس نے ذرا ناگواری سے اسے دیکھا۔ یہ ساس بھی خوب ہوتی ہے، خوابوں میں تو آ کر ڈراتی ہی ہے، اب آئینے میں بھی آسیب کی طرح اپنا چہرہ دکھا رہی تھی۔

بیگم آفتاب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''اے بیوقوف عورت! کیوں خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہی ہے؟ تو نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب تو سہاگن نہیں رہی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ خدا نہ کرے کہ میرے سہاگ کو کچھ ہو۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''سہاگ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ ہاں، سہاگن کی موت ہو چکی ہے۔ تو نے میرے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ کر رشتہ بدل ڈالا ہے۔ اب وہ تیرا شوہر نہیں رہا ہے، میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو چکا۔''

''نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے سر تاج ہیں اور ہمیشہ میرے سر کا تاج بنے رہیں گے۔''

''تو نے سر کے تاج کو پیروں تلے روند ڈالا ہے۔ اب

سنگار کس کے لیے ہے؟ اپنے ارمانوں کو کفن پہناؤ اور یہاں سے جاؤ۔''

''خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ تو رائی کا بت بنا رہی ہیں۔ آپ حقیقت سے واقف ہیں، میں نے نہیں دل سے بیٹا نہیں کہا تھا۔ گل خانم سے جھوٹ بولا تھا۔''

''میاں بیوی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ ایک ذرا سی غلطی یا ایک چھوٹا سا طلاق کا لفظ چٹکی بجاتے ہی اس رشتے کو خاک میں ملا دیتا ہے اور تم نے رشتہ بدلنے کی غلطی کی ہے۔ ہمارے دینی معاملات بہت نازک ہوتے ہیں، علمائے دین بھی یہی فتویٰ دیں گے کہ میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ تم میرے بیٹے کے نکاح سے خارج ہو چکی ہو۔''

وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''شٹ اپ۔ ہمارا رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میں ذیشان کو سمجھاؤں گی، وہی میری بات سمجھیں گے۔''

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ ''تم نے میرے بیٹے سے اپنی باتیں منوائی تھیں، وہ منوا چکی ہو۔ اب وہ تمہاری باتوں میں نہیں آئے گا۔ تم نے نئی بہو کے لیے اپنے ہاتھوں سے اس گھر کے دروازے کھول دیے ہیں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں رہا ہے، ذیشان پہلے سے گل خانم کی طرف مائل ہے۔ تم اس سے ٹلو گی تو میں فوراً ہی اسے بہو بنا کر لے آؤں گی۔''

وہ پریشان ہو کر ساس کو دیکھنے لگی، اسے کیا معلوم تھا کہ ایک چھوٹا سا جھوٹ اس کی ازدواجی زندگی میں آگ لگا دے گا بلکہ رشتہ ازدواج کو ہی جلا کر راکھ کر ڈالے گا۔

ساس آئینے کی سطح پر قہقہے لگا رہی تھی، طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''گھر کا پرانا سامان پھینک کر نیا سامان لایا جاتا ہے، میں پرانی بہو کو پھینک کر نئی بہو لاؤں گی۔ تم نے تو میرے من کی مراد پوری کر دی ہے...... ہاہاہا......''

ساس کے قہقہے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہے تھے۔ وہ ایک دم سے چیختی ہوئی آگے بڑھی، آئینے کی سطح کو دونوں ہاتھوں سے یوں پکڑنے لگی، جیسے ساس کا گلا دبوچ رہی ہو۔ ساس ویمپائر بن گئی تھی، جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اسما نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر ایک گلدان اٹھا کر پوری قوت سے آئینے پر یوں دے مارا جیسے ساس کو منہ توڑ جواب دے رہی ہو۔ آئینہ ایک زوردار آواز کے ساتھ چکنا چور ہو گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے ساس کو زمین بوس کر ڈالا ہو۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ گہری سانسیں لینے لگی۔ ایک جنگ اختتام پذیر ہوئی تو دوسری شروع ہوگئی۔ دل میں یہ اندیشہ جنم لینے لگا۔ ''کیا واقعی علمائے دین نکاح ٹوٹنے کا فتویٰ دیں گے اور ذیشان ان کے مطابق اسے اپنی زندگی سے نکال دے گا؟''

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے زیر لب کہا۔ ''نہیں میرے ذیشان ایسا نہیں کریں گے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، روتے روتے بیڈ سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئی، سائیڈ ٹیبل پر ذیشان کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر ذرا کھسک کر اس کے قریب آگئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہ رو رہی تھی، دو مختلف تیور روبرو آ گئے تھے۔

وہ تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے ذیشان! میں آپ سے الگ ہو کر کہاں جاؤں گی؟ اس بھری دنیا میں سوائے آپ کے میرا کوئی نہیں ہے۔ اس فرش سے اس عرش تک اور اس دنیا سے عاقبت تک جو راستہ گیا ہے اس پر آپ ہی میرے واحد ہم سفر ہیں۔ آپ کا ہاتھ چھوٹے گا تو میں دنیا سے بھی جاؤں گی اور عاقبت سے بھی۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی، آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ زبان نے ساتھ چھوڑا تو دل بولنے لگا۔ ''آپ میرے مجازی خدا ہیں، خدا نے مجھے آپ کی خدائی میں بھیج دیا ہے لیکن سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کوئی نہیں جانتا، آپ بھی نہیں جانتے کہ میں محبت اور عقیدت کے جنون میں آپ کے نام سے سجدہ کرتی رہتی ہوں۔''

اس کا سر دھیرے دھیرے جھکتا ہوا تصویر کے قدموں میں آ کر ٹک گیا، اکثر عورتیں کبھی بے بس ہو کر اور کبھی چاہت میں ڈوب کر اپنے مجازی خدا کے سامنے ایسے ہی سجدے کرتی ہیں۔

کچھ دیر بعد ہی وہ چونک گئی، سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھنے لگی۔ صبح کے نو بجنے والے تھے، اسے ذیشان کے استقبال کے لیے جیل کے سامنے پہنچنا تھا۔

اس نے حلیہ درست کرنے کے لیے سنگار میز کی طرف دیکھا پھر یاد آیا کہ وہ اسے اپنے ہی ہاتھوں سے چکنا چور کر چکی ہے اور اس کی کرچیوں میں اپنی ساس کو دفن کر چکی ہے۔

اس نے پلٹ کر پھر ذیشان کی تصویر کی طرف دیکھا۔ ذرا غور کرنے سے اس کے شیشے پر اپنا عکس دکھائی دینے لگا۔

شوہر آئینہ بن گیا۔ وہ اس کے اندر اپنا آپ دیکھ ہی رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی روح میں اتر رہی ہے۔

وہ سوچوں کے سمندر میں کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی سینٹرل جیل کے سامنے پہنچ گئی۔ ذیشان اپنے وکیل کے ساتھ بڑے سے آہنی گیٹ کے ضمنی دروازے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ذیشان نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم کیوں رو رہی ہو؟ مجھے وکیل صاحب نے بتایا ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے جیل میں آنا چاہتی تھیں لیکن اجازت نہیں ملی۔''

وہ اس کی بات سن کر اور زیادہ آنسو بہانے لگی، یہ سوچ ڈسنے لگی کہ جیل میں جا کر نہ مل سکی، اب وہ رہائی پا چکا ہے، جیل سے باہر آ چکا ہے تب بھی جی بھر کر نہیں مل پائے گی۔ گھر پہنچتے ہی ساس یہ زہر گھول دے گی کہ نکاح ٹوٹ چکا ہے، ازدواجی رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ ماں کی بات سنتے ہی ذیشان اسے ٹھکرا دے گا۔

یہ خیال آتے ہی اس نے نظریں اٹھا کر ذیشان کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی فیصلہ سنانے والا ہو، ابھی اسی وقت اسے اپنی زندگی سے نکالنے والا ہو۔ اس کے برعکس وہ بڑی محبت سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے آنسو بہا رہی تھی اور ایسے وقت بہت پُرکشش ہو گئی تھی۔ وہ بڑی چاہت سے اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

وکیل جہاندیدہ تھا، میاں بیوی کے احساسات کو سمجھ سکتا تھا، زیادہ دیر تک کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا، ذیشان سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا ''ویل مسٹر ذیشان! مجھے اجازت دیں۔ کل آفس میں آپ سے ملاقات ہوگی۔''

وہ مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ ذیشان نے اسما کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی کیا مقام ہے کبھی یہاں کسی کے بچھڑنے پر آنسو بہائے جاتے ہیں اور کبھی ملنے پر، لیکن تم شاید بھول رہی ہو، میں جیل کی طرف نہیں اپنے گھر کی طرف جانے والا ہوں۔''

وہ اس کا ایک ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''آپ یہاں آئیں، گھر جانے سے پہلے میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ وہ دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی، ذیشان نے پوچھا۔ ''ایسی بھی کیا باتیں ہیں، کیا یہ باتیں گھر میں نہیں ہو سکتیں؟''

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی، کچھ کہنے کے لیے الفا[ظ] تلاش کر رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک اس کے بولنے کا انتظ[ار] کرتا رہا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''کیا بات [ہے] اسما؟''

اس کا لمس محسوس کرتے ہی جیسے وہ چونک گئی، سر گھما[کر] اسے دیکھنے لگی پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ [کر] رو پڑی۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ج[ب] سے ملی ہو روئے چلی جا رہی ہو۔ غم کے بادل چھٹ چکے ہ[یں] پھر یہ برسات کیسی؟''

وہ اس سے الگ ہو گئی، آنچل سے چہرے کو پو[نچھتے] ہوئے بولی۔ ''ذیشان! مجھے معاف کر دیں، مجھ سے ای[ک] بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم تو میری جان ہو، ہزار غلطیاں [بھی] کرو گی تو تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے یوں سسکی لی جیسے اس کا محبت بھرا لہجہ سن کر ا[س] کی آرزو میں سسک رہی ہوں، بچھڑنے سے پہلے آہیں [بھر] رہی ہوں۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ ''پتا نہیں معافی ملے گی یا نہیں؟ اس غلطی کے نتیجے میں، میں کبھی سزا پانے کے [لیے] آپ کی زندگی سے دور بھی جا سکتی ہوں؟''

اس نے اسے ایک ذرا تشویش سے دیکھتے ہو[ئے] پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے؟''

وہ ایک بار پھر رونے لگی، ہچکیوں کے درمیا[ن] بولی۔ ''ذیشان! میں نے آپ سے یہ بات چھپائی تھی کہ م[یں] آپ کی لاعلمی میں گل خانم سے فون پر باتیں کرتی رہ[ی] ہوں۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''تم باتیں کرتی رہی ہو، لیکن گل خانم نے تو مجھے بتایا تھا کہ ممی اسے فون کرتی ہیں؟''

وہ ذرا ہچکچا کر بولی۔ ''ممی نہیں، میں ممی بن کر اس سے باتیں کرتی رہی ہوں۔''

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''ممی بن کر اسے فون کرتی رہی ہو؟ کمال ہے تم اسے دھوکا دیتی رہیں اور وہ بڑے مزے سے دھوکا کھاتی رہی، یہی سمجھتی رہی کہ ممی اسے مخاطب کر رہی ہیں۔''

وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ ہنس رہے ہیں؟ آپ کو یہ سن کر غصہ کیوں نہیں آ رہا ہے کہ میں فون پر ممی بن کر آپ کو بیٹا کہتی رہی ہوں، رشتہ بدلنے کی بہت حماقت کرتی رہی ہوں۔''

''اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے؟ مجھے تو [بڑی]

[بڑی] بہت خوشی ہو رہی ہے کہ تم ایک اچھی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ غضب کی اداکارہ بھی ہو۔''

''آپ میری اداکاری پر چہک رہے ہیں، یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ میری یہ حماقت دینی احکامات کے منافی ہے۔ [ذرا] سوچیں، کیا ایسی حماقت کے بعد ہمارا رشتہ قائم رہے گا؟''

اس نے ایک ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر [پو]چھا۔ ''کیوں نہیں رہے گا؟''

اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بھیگی [سی] آواز میں کہا۔ ''ممی کہتی ہیں...... ممی کہتی ہیں......''

''کیا کہتی ہیں؟''

وہ اٹک اٹک کر بولی۔ ''ممی کہتی ہیں کہ م...... میں آپ [کے] نکاح سے خا...... خارج ہو چکی ہوں۔''

اس نے اتنا کہا پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر بلک بلک [کر] رونے لگی۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے [ہو]ئے بڑی محبت سے بولا۔ ''پاگل ہوئی ہو؟ کیا ہمارا رشتہ اتنا [کمز]ور ہے کہ ممی کے کہہ دینے سے ٹوٹ جائے گا؟''

وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''انہوں نے [کہا] ہے کہ وہ کسی عالم دین سے فتویٰ لیں گی تو یہی بات [سا]منے آئے گی کہ ہمارا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ ممی کے تو من کی [مراد] پوری ہونے والی ہے۔''

وہ سر جھٹک کر بولا۔ ''رشتہ نہ ہوا کچا دھاگا ہو گیا، تم بھی [کن] باتوں میں آ گئیں، جو ہوا وہ سب ایک ڈراما تھا، ناٹک [تھا۔ تم] نے فون پر اسما کی حیثیت سے نہیں ممی کی حیثیت سے [بات] کی تھی۔ ایسے وقت تم حقیقتاً ماں نہیں تھیں، ایک اداکارہ [تھیں] اور اداکارہ کبھی کسی کی ماں بنتی ہے، کبھی کسی کی بہن اور [کبھی] کسی کی بیوی بنتی ہے، جب ڈراما یا فلم ختم ہوتی ہے تو پھر کسی سے کوئی رشتہ نہیں رہتا۔''

وہ قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ [اس] کے چہرے کو ہاتھوں کے کٹورے میں لیتے ہوئے [بولا۔ '']تم نے صرف فون پر ہونے والی گفتگو کی حد تک خود کو ماں کہا اور ایسا کہتے وقت تمہارے خواب و خیال میں [یہ] بات نہیں ہوگی کہ تم کوئی غلطی کر رہی ہو۔''

وہ اپنی سیٹ پر سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ [مجھے ب]ہلا رہے ہیں لیکن دینی معاملات بڑے نازک ہوتے [ہیں۔'']

''ایسی بات نہیں ہے، ہمارے دین میں اتنی لچک ہے [کہ اگر کسی] سے نادانستگی میں کوئی غلطی ہو جائے اور پھر وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو اسے معافی مل جاتی ہے۔''

وہ قائل ہو کر سن رہی تھی اور کسی حد تک مطمئن ہو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں بولا۔ ''تمہارے آنچل سے تو میرا مقدر بندھا ہے، تم تو میری زندگی ہو، میری جان ہو اور بھلا کوئی اپنی جان سے بچھڑ کر زندہ رہ سکتا ہے؟''

وہ اس کے قریب آ گیا تھا، سرگوشیاں کر رہا تھا۔ وہ اس کی قربت سے دہکنے لگی تھی۔ ایسے ہی وقت ساس کی آواز سلگتے ہوئے ارمانوں پر اوس بن کر گرنے لگی۔ ''عالم دین بھی نکاح ٹوٹنے کا ہی فتویٰ دے گا اور ذیشان اس کے مطابق تمہیں اپنی زندگی سے نکال پھینکے گا۔''

اس نے ذیشان سے کہا۔ ''آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ ''ارے بابا کہا ناں، کچھ نہیں ہوگا۔ خواہ مخواہ ...... اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو۔ تم میری ہو اور ہمیشہ میری ہی رہو گی۔''

اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے کہا۔ ''اور وہ فتویٰ؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''عورت کا دوسرا نام وہم ہے۔ کوئی بات نہیں میں تمہاری تسلی کے لیے خود کسی عالم دین سے رجوع کروں گا۔ تمہیں اپنی زندگی سے نکلنے نہیں دوں گا۔''

اس کی بات سن کر وہ ایک دم سے کھل گئی، خوشی سے لہرا کر آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ دو دل ساتھ ساتھ دھڑکنے لگے۔ وہ جذبوں میں ڈوب کر بولی۔ ''میں جانتی تھی آپ کا پیار میرا حق ہے اور آپ کسی کو میرا یہ حق چھیننے نہیں دیں گے۔''

وہ سرگوشی میں بولا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے حقدار ہیں، پچھلے ایک ہفتے سے میرا حق تم پر ادھار ہے گھر پہنچتے ہی سود کے ساتھ وصول کروں گا۔''

وہ اس کی بات سن کر جھینپ گئی، اس کے سینے میں منہ چھپا کر شرمانے لگی پھر ایک دم سے چونک گئی فوراً ہی اس سے الگ ہو گئی۔ ذیشان نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

اس نے ایک ذرا ہچکچا کر اسے دیکھا پھر تشویشناک لہجے میں کہا۔ ''پتا نہیں، ہمارا اس طرح ملنا مناسب بھی ہے یا نہیں؟''

اس کی بات سنتے ہی ذیشان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھر لیا۔

یہ دنیا عجیب ہے، یہاں کا دستور عجیب ہے، پھول کی قسمت میں کھل کر بکھرنا لکھا ہوتا ہے اور انسان کی قسمت میں مل کر بچھڑنا......

وہاں ان کی محبت کا پھول کھل رہا تھا، وہ ایک دوسرے سے مل رہے تھے، کیا آج محبت کھلتا ہوا پھول کل بکھر جائے گا' آج ملنے والے کل بچھڑ جائیں گے؟

ان سوالوں کے جواب مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ میں ان کا مقدر تھا اور اس وقت ان کے ہاتھوں کی لکیروں پر ان کا ہم سفر تھا۔ وہ انجان تھے لیکن میں خوب جانتا تھا کہ ان لکیروں کی رہ گزر انہیں کہاں لے جانے والی ہے؟

☆☆☆☆

زندگی میں ٹھوکریں لگتی ہی ہیں۔ کبھی پیار سے ٹھوکر لگتی ہے، کبھی عداوت سے، کبھی دل کی دنیا میں ٹھوکر لگتی ہے، کبھی دنیا ٹھوکر مار کر اوندھے منہ گراتی ہے۔

سوتیلی ماں عداوت سے ٹھوکر مار رہی تھی، اسے اپنی بیٹی کے سامنے اوندھے منہ گرانا چاہتی تھی۔ شکیلہ کوئی گئی گزری نہیں تھی، بھرپور جوان تھی، لبالب بھرے ہوئے کنویں کی طرح تھی جسے وہ پیاسا کسی وقت بھی منہ لگا سکتا تھا۔

لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پیاسا نہیں ہے اور وہ تھی کہ بس چھلکے جا رہی تھی۔ اس اپنی طرف کھینچنے کے لیے سیلاب بلا بننے سے بھی انکار کرنے والی نہیں تھی۔

ماں اسے کیلے کا چھلکا بنا رہی تھی، جس پر سے وہ کسی وقت بھی پھسل سکتا تھا۔ ایسے میں وہ کبھی سنبھل رہا تھا، کبھی ڈگمگا رہا تھا۔ بیوی کا غم غلط کرنے کے لیے شراب کا سہارا لے رہا تھا۔ رات گئے تک نائٹ کلب میں رہنے لگا تھا۔ دل میں سلگنے والی رومانہ کی یادوں کو ایک ذرا تھپکنے کے لیے انگور کی بیٹی سے پیاس بجھانے لگا تھا۔

اس رات موسم کے تیور بگڑے ہوئے تھے، بادل گرج گرج کر احتجاج کر رہے تھے۔ اس کی گڑگڑاہٹ ایسی لگ رہی تھی' جیسے کوئی فریادی گڑگڑا رہا ہو، زنجیر عدل کھینچ رہا ہو۔

اس وقت شکیلہ ماں کے کمرے میں تھی، دونوں بڑے راز دارانہ انداز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت بادل زور سے گرجا، بجلی کڑک دار آواز کے ساتھ کسی ناگن کی طرح ادھر سے ادھر لہرائی پھر اس کے ساتھ ہی پوری کوٹھی میں اندھیرا چھا گیا۔ بیٹی نے گھبرا کر ماں کا ہاتھ تھام لیا، بجلی کی چمک کھڑکی کے راستے کمرے میں فلیش لائٹ کی طرح آئی۔ روشنی ایک ذرا جھلکی، بیٹی کا پریشان چہرہ دکھائی دیا پھر اندھیرا چھا گیا۔ روشنی ہوئی، ماں کا مسکراتا چہرہ دکھائی دیا پھر اندھیرا چھا گیا۔

بجلی یوں جھماکے کر رہی تھی جیسے کوئی شوخ محبو[ب] محبوب کو ستا رہی ہو، کبھی گھونگٹ الٹ کر مسکرا رہی ہو گھونگٹ گرا کر جلوؤں کی پیاس جگا رہی ہو۔

ان دونوں کی راز دارانہ گفتگو سرگوشیوں میں بد[ل] ماں نے سرگوشی کی۔ "یہ اچھا موقع ہے خدا بھی ہم پر [مہربان] ہو رہا ہے اور بجلی سپلائی کرنے والے بھی مہربان ہیں وہ کچھ ہی دیر میں ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا سوکھے پتے کی یہاں آئے گا تو تم اسے اپنی بانہوں کے گلدان میں [کس] طرح سجاؤ گی۔"

وہ اس کے قریب جانے کا سوچ کر اندر ہی اندر [...] اس نے شمع روشن کر دی تھی۔ اس کی روشنی میں چہرہ [...] لگا۔ ایسے ہی وقت اسے جاوید کا رویہ یاد آیا۔ وہ ا[س] سے کتراجاتا تھا۔ بات کرنا تو در کنار وہ اسے مسکرا کر دیکھتا تھا اور وہ اپنی چاہت سے مجبور تھی نظر انداز [...] کی ذلت اٹھانے کے باوجود اسے اپنے دل سے نہیں [نکال] رہی تھی۔

ماں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "جو سمجھ [...] وہی کرنا۔"

موم بتی کی تھرتھراتی ہوئی روشنی میں یہ اندیشہ کہ کہ اس سنگ دل پر آج بھی جادو نہ چلا تو کیا ہوگا؟

وہ ذرا مایوسی سے بولی۔ "ممی! مجھے بہت ڈر [لگتا] ہے۔ میں اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ لیکن با[ت] تو آج کے بعد اس کا ری ایکشن کیا ہوگا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اس کے تو ہاتھوں سے طو[طے اڑ] جائیں گے۔ سب کچھ ہماری پلاننگ کے مطابق ہ[وگا] دیکھو گی کہ وہ... مغرور کیسے مکھن کی طرح پگھل کر [تمہارے] قدموں میں آئے گا؟"

وہ بولی۔ "آپ تو ماں کے دل سے سوچ رہی [ہیں] ماں کی زبان سے تسلیاں دے رہی ہیں۔ خدانخواس[تہ] منصوبہ ناکام رہا تو میں اس کے لیے بالکل ہی صفر [ہو جاؤں] گی۔"

"تم خواہ مخواہ اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو، [ٹھنڈے دل] سے سوچو، وہ نشے کی حالت میں ہوگا اور ایسے میں [...] جو تم اسے سمجھاؤ گی۔ بے فکر رہو، کوئی گڑبڑ ہ[وئی تو] تمہارے پیچھے تمہاری ماں ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی، سرگوشیاں تھم گئیں [...] کا منہ تکنے لگی، موم بتی کی زرد روشنی میں ان کے چ[ہرے]

[...] ہو رہے تھے، سامنے والی دیوار پر دونوں کے سائے کسی آسیب کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

مگر اندیشے تھے کہ شکیلہ کی جان ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ماں اس کی حالت کو سمجھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولی۔ "مایوسی کی باتیں مت سوچو، بس اتنا سمجھ لو تم جو چاہتی ہو وہ ضرور ہوگا، آج کامیابی تمہارے مقدر میں لکھی گئی ہے۔"

اس وقت میں ان کی ہتھیلیوں پر تھا، مسکرا کر ان تدبیر کرنے والیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جاوید کو جھکانے اور اسے اپنے زیر اثر لانے کا منصوبہ بہت زبردست تھا مگر اس میں کس حد تک کامیابی حاصل ہونے والی تھی یہ میں ہی جانتا تھا۔

[...]لی پاشا نے اپنے طور پر پیش گوئی کر دی تھی، وہ [د]رست بھی ہو سکتی تھی اور غلط بھی، انسان خوش فہم نہ ہو تو پھر دنیا کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ یہ خوش فہمیاں ہی ہوتی ہے جو انسان کو آگے قدم بڑھانے پر مجبور کرتی ہیں۔ شکیلہ بھی قدم بڑھا [رہ]ی تھی۔ اب نہ جانے آگے کھائی میں گرنے والی تھی یا [ک]امیابی کی بلندی تک پہنچنے والی تھی؟

بجلی کے جھماکوں سے کوٹھی پل بھر میں روشن ہوتی تھی [او]ر پلک جھپکتے ہی اندھیروں میں ڈوب جاتی تھی۔

رات گئے کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھلا، وہ اندھیرے میں [لڑ]کھڑاتا ہوا، چیزوں سے ٹکراتا ہوا، کوٹھی کے مختلف حصوں [س]ے گزر کر اپنے کمرے میں پہنچا تو دروازہ کھولتے ہی ٹھٹک گیا' [...]دی ریشمی آنچل تھا جو اس کے چہرے کو چھو کر گزرتا چلا گیا [...]۔

بیرونی کھڑکی کھلی ہوئی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر [آ ر]ہے تھے، کھڑکی کے پردے یوں لہرا رہے تھے، جیسے کوئی [...]ینہ ریشمی بانہیں پھیلائیں اپنے محبوب کو بلا رہی ہو۔

وہ نشے میں چور تھا دھندلائی ہوئی آنکھوں سے کمرے کو [دیکھ ر]ہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہ ذرا چونک گیا، دھندلائی ہوئی [آن]کھوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کھڑکی کے پاس رومانہ [دکھ]ائی دے رہی تھی۔

ہاں، وہ رومانہ ہی تھی، بھلا اس کے کمرے میں اور کون [ہو سک]تی تھی؟ وہ کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑی تھی، باہر سے آنے [وا]لے ہوا کے جھونکے اس کی زلفوں سے الجھ رہے تھے، [...]ے پر گیسوؤں کی چلمن بنا رہے تھے اور جاوید کو الجھا رہے [تھے]۔ چہرہ واضح نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ رومانہ ہی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا، وہ اس کی آمد سے [بے] نیاز رہی، بہ دستور کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "کیا میری آہوں میں اتنا اثر ہے کہ وہ دنیا سے منہ پھیر کر جانے والی میری تڑپ اور بے چینی دیکھ کر واپس چلی آئی ہے؟"

نشے کے باوجود ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "نہیں، مرنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں آتا، ہزاروں افراد مرتے ہیں اور اپنے پیچھے ماتم کرنے والوں کو چھوڑ جاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ مرنے والا ان ماتم کرنے والوں کی آہیں سن کر عرش سے فرش پر چلا آئے۔ یہ نظر آنے والی رومانہ نہیں ہے، فریب ہے، تم اسے ہاتھ لگاؤ گے تو یہ غائب ہو جائے گی۔"

وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا، ایک ہاتھ اٹھا کر دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھانے لگا۔ ایسے وقت دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے ہاتھ میں ایک ذرا لرزش پیدا ہو گئی تھی، وہ بزدل نہیں تھا مگر اس خدشے سے خوفزدہ تھا کہ وہ قریب آنے والی ہاتھ لگاتے ہی کہیں گم ہو جائے گی۔

وہ اسے دور ہی دور سے دیکھ سکتا تھا لیکن اپنے دل سے مجبور ہو گیا تھا، پاس آ کر چھونے کو مچل گیا تھا، وہ لرزتا ہوا ہاتھ خدشے کی انگلی تھام کر آگے بڑھا اور اس کے شانے پر ٹک گیا۔ پل بھر کو یوں لگا، جیسے ابھی کوئی دھماکا ہوگا اور یہ خوابناک سا منظر نظروں سے اوجھل ہو جائے گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ اس کا لمس محسوس کر کے ایک ذرا چونک گئی تھی۔

جاوید نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔ "رو...... رومانہ! تم؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بڑی آہستگی سے اس کی طرف پلٹ گئی۔ چہرے پر اب بھی زلفوں کے بادل چھائے ہوئے تھے، بجلی کا جھماکا پل بھر کو اسے روشن کر رہا تھا۔ وہ اسے بہ غور دیکھنے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

اس نے پھر پوچھا۔ "رومانہ! یہ تم ہی ہو؟"

وہ سر اٹھا کر بڑی آہستگی سے بولی۔ "دل کی آنکھوں سے دیکھو گے تو رومانہ ہوں۔"

اس کا لہجہ سن کر وہ ایک دم سے چونک گیا، فوراً ہی اس سے دور ہو کر ناگواری سے بولا۔ "تت...... تم؟ تم یہاں کک...... کیا کر رہی ہو؟"

اس کا لہجہ سن کر وہ ذرا بجھ سی گئی پھر بھی آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں سنبھالنے آئی ہوں، کیوں شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح ادھر ادھر ڈولتے پھرتے ہو؟ آؤ۔ میری پناہ میں آ جاؤ۔"

وہ ڈگمگاتے قدموں سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "دور

روہوم...... مجھ سے......''

نشے کے باعث قدم ڈگمگا رہے تھے اور زبان لڑکھڑا رہی تھی وہ ہوش اور مدہوشی کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ وہ بے بسی سے بولی۔ ''پلیز جاوید! ایسی سنگدلی تو نہ دکھاؤ۔ مجھے نظر بھر کر دیکھو تو سہی، مجھ میں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا میں جوان اور خوبصورت نہیں ہوں؟''

اسے اپنی رومانہ یاد آنے لگی، وہ بڑے کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔ ''تت...... تم جیسی بھی ہو...... لے...... لیکن میری رو...... رومانہ جیسی نہیں ہو۔ اس جیسی کوئی دو...... دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔''

وہ جیتا جاگتا حسن کا شاہکار بنی ہوئی تھی، جلوؤں سے بھرپور مجسمے کی طرح سامنے کھڑی تھی، ایک نظرِ عنایت اس مجسمے میں جان ڈال سکتی تھی مگر وہ نشے کے باوجود اسے دھتکار رہا تھا وہ یہ ذلت برداشت کر رہی تھی لیکن یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکی کہ وہ سانس لیتے ہوئے جلوؤں کو ٹھکرا کر مردہ ہو جانے والے حسن کے قصیدے پڑھے۔

اس نے بڑی حقارت سے پوچھا۔ ''ایسا کیا تھا اس بیماری کی پوٹلی میں جو مجھ میں نہیں ہے؟''

وہ مرحومہ کی برائی سنتے ہی بھنا گیا، غرا کر بولا۔ ''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ تم میری رومانہ کی جگہ نہیں لے سکو گی۔''

''تم دل میں جگہ دو گے تو مجھے اس کی جگہ مل جائے گی۔''

وہ کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی، وہ انکار میں سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ ''نن...... نہیں میرے قریب مت آ...... آؤ...... یہاں سے چلی جاؤ...... چل...... چلی جاؤ...... جاؤ......''

اس سے پہلے کہ وہ اسے ہاتھ لگاتی، وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا، بیڈ سے ٹکرایا اور کسی جھنڈے کی طرح لہراتا ہوا سرنگوں ہو گیا، دھپ سے بستر پر چاروں شانے چت گر پڑا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی اسے ڈگمگاتے اور پھر گرتے دیکھتی رہی تھی۔

''گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔''

لیکن وہ تو ایسا شہسوار تھا جو سوار ہونے سے پہلے ہی میدانِ جنگ میں چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔

بیرونی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی، بجلی اب بھی جھماکے مار رہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اب بھی اندر آ رہے تھے لیکن اب ان جھونکوں میں شکیلہ کو اپنے ارمانوں کی اڑتی ہوئی دھول دکھائی دے رہی تھی، ہر طرف دھند ہی دھند چھا رہی تھی اور اس دھند میں رومانہ کا چہرہ واضح ہو رہا تھا۔

وہ طنزیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی پھر ناگواری سے بولی۔ ''تمہاری خوش فہمی ختم ہو گئی؟ جاوید صرف میرے اور ہمیشہ میرے ہی رہیں گے۔ تم اداؤں کے تیر چلاؤ، جلوؤں کی تجلی دکھاؤ، یہ کبھی گھائل نہیں ہوں گے۔ میں نصیب ہوں، مرنے کے بعد بھی اپنے شوہر کی یادوں میں تنہائیوں میں بسی ہوئی ہوں مگر تم کیسی بدنصیب ہو کہ مقناطیس ہوتے ہوئے بھی لوہے کو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتی ہو۔ اب بھی ایسی کوئی خوش فہمی ہے تو جاؤ انہیں حاصل کر کے دکھاؤ۔

تمہاری اس سے زیادہ اور کیا انسلٹ ہوگی کہ جاوید نے تمہیں منہ لگانے کے بجائے شراب جیسی لعنت کو منہ لگایا ہے۔''

اس کا طنزیہ لہجہ آگ پر تیل کا کام کر رہا تھا وہ اس کی بات سن کر آگ بگولا ہو گئی۔ بڑی حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اب یہ میرا ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔''

اتنا کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں اترنے کی تیاری کرنے لگی۔ اپنے نیم عریاں لباس سے بغاوت پر اتر آئی، دیکھتے ہی دیکھتے تہذیب اسی طرح برہنہ ہوتی ہے۔

کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکنے والی ماں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی پھر وہاں سے پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

ماؤں کی آنکھیں ایسے وقت حیا سے جھک جاتی تھیں لیکن اب معاشرہ بدل چکا ہے، زمانہ بدل چکا ہے، اکیسویں صدی میں سانس لینے والی تہذیب بھی بدل چکی ہے۔

رات دھیرے دھیرے یوں گزرنے لگی جیسے شکیلہ کو ٹھہر کر دیکھ رہی ہو اور انگشت بدنداں ہو رہی ہو۔ یہ اکثر ہی اپنے اندھیرے میں اندھیر مچانے والوں کو دیکھتی رہتی ہے اور ایسا منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ سوکھی دریا کے کنارے آ کر بھی پیاسی رہ جاتی ہے، امنگوں کی گھٹائیں، امنڈ امنڈ کر آتی ہیں، مگر ساون ایسا ہوتا ہے کہ برسنے کا نام نہیں لیتا۔

پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا، شاید صبح ہونے والی تھی، جاوید نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں، نشے کا خمار ڈھل چکا تھا، ذہن کا بوجھل پن کم ہو رہا تھا لیکن سینے پر اب بھی کچھ بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا تو ایک دم چونک گیا۔

اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں تھی، ادھر سے ادھر تک کھلی کتاب کی طرح بکھری پڑی تھی۔

ایک ایک باب کی ایک ایک سطر واضح ہو رہی تھی اور ہر سطر میں قیامت کے فقرے تھے۔ ان فقروں نے بڑی بڑی تباہیاں پھیلائی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ فقرے اپنے وقت کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو فقرا بنا چکے ہیں انہیں پڑھنے والے تو جنت سے بھی نکالے جا چکے ہیں۔

اس نے بے یقینی سے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا، وہ کوئی خیال نہیں تھی کہ پلک جھپکتے ہی غائب ہو جاتی۔ وہ ایک دم سے اچھل کر بیڈ پر بیٹھ گیا، کچھ حیران سا، کچھ پریشان سا ہو کر بولا۔ ''یہ...... یہ کیا بے...... بے ہودگی ہے؟ تم یہاں میرے پاس کیسے آ گئیں؟''

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، وہ سوالیہ نظروں سے گھور رہا تھا، وہ جھجکتی ہوئی، شرماتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی پھر نظریں جھکا کر بولی ''بھلا یہ کیا سوال ہوا؟ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ ہارنے والیوں کے سر جھک جایا کرتے ہیں۔ بولنے کے لیے کچھ نہیں رہ جاتا۔ تم خود ہی سمجھ لو۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''کیا بکواس کر رہی ہو؟''

وہ ایک ادائے ناز سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹنے لگی، زلفیں سمٹ رہی تھیں اور بدن کی رعنائیاں بکھر رہی تھیں۔ ایسے میں فرشتوں کا ایمان بھی ڈول جاتا ہے اور وہ تو پھر انسان تھا۔

وہ جلوؤں کی تاب نہ لا سکا۔ منہ پھیر کر بیڈ سے اتر گیا۔ قریب پڑے اس کا لباس اٹھا کر اس کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ ''اسے پہنو اور یہاں سے چلی جاؤ۔''

وہ بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ ''کیوں چلی جاؤں؟ کیا مطلب کے پجاری ہو؟ ضرورت کے وقت پوچھتے ہو پھر منہ پھیر لیتے ہو۔''

حسن کی کتاب کو ان پڑھ بھی پڑھ لیتے ہیں، وہ تو پھر پڑھا لکھا تھا، ہر سطر کو اس کے معنی و مفہوم کے ساتھ پڑھ سکتا تھا لیکن اس کھلی ہوئی کتاب کو بند کرنا چاہتا تھا۔ وہ الزام دے رہی تھی اور وہ انکار کر رہا تھا۔

اس نے تنک کر کہا۔ ''میں جانتی ہوں، مطلب نکل جائے تو مردوں کے تیور بدل جاتے ہیں لیکن تم تو گرگٹ سے بھی تیز نکلے بڑی جلدی رنگ بدل رہے ہو۔''

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولا۔ ''تم ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا فضول بک رہی ہو؟''

وہ بڑے پختہ لہجے میں بولی۔ ''میں تو رات کو بھی ہوش میں تھی اور اب بھی ہوں، بک نہیں رہی ہوں، حقیقت بیان کر رہی ہوں لیکن تمہیں تو کچھ یاد ہی نہیں ہے۔''

وہ بڑی حقارت سے بولا۔ ''مجھے خود پر پورا یقین ہے، میں ہوش و حواس میں تو کیا نشے میں بھی اپنی رومانہ کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتا۔''

''اونہہ، کسی کو نہیں دیتے، اور دے بھی چکے ہو۔ میں تمہاری رومانہ کی جگہ لے چکی ہوں۔''

بات ختم ہوتے ہی ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر پڑا اس کا منہ دوسری طرف گھوم گیا، باچھوں سے لہو کی ننھی سی دھار بہنے لگی۔ وہ اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ تم یہ کون سا ڈراما پلے کر رہی ہو مگر ایک بات کان کھول کر سن لو، میں تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا۔''

بی پاشا رات بھر بیٹی کی خیریت معلوم کرتی رہی تھی، کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکتی رہی تھی، اس وقت بھی اپنے بیڈ روم سے نکل کر جاوید کے کمرے کی طرف آ رہی تھی لیکن اندر سے آنے والی آوازیں سن کر رک گئی، فوراً ہی سمجھ گئی کہ شیر جاگ چکا ہے اور دھاڑ رہا ہے۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے پلٹ کر اپنے میاں کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

شکیلہ تکلیف سے کراہ رہی تھی، اپنے بالوں کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا جہالت ہے؟ مجھے چھوڑو، میں کوئی ڈراما نہیں کر رہی ہوں جو سچ ہے وہی بتا رہی ہوں۔''

اس نے غصے سے گھور کر اسے ایک زور کا دھکا دیا وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی اور بیڈ سے ٹکرا گئی۔ وہ ٹکرانے کا عزم کر کے ہی آئی تھی۔ وہاں سے پلٹ کر پھر اس سے ٹکرا گئی۔

ادھر بیٹی جونک بنی ہوئی تھی، ادھر ماں اپنی اداکاری کا مظاہرہ کرنے لگی، میاں کا شانہ جھنجوڑ کر روتے ہوئے بولی۔ ''اس گھر میں یہ کیسا اندھیر ہو رہا ہے؟ آپ بے خبر پڑے سو رہے ہیں، ذرا اٹھ کر دیکھیں! آپ کے بیٹے نے میری بچی کو اپنے کمرے میں بند کر رکھا ہے، پتا نہیں کیا ظلم ڈھا رہا ہے؟ میں دروازے پیٹ پیٹ کر تھک گئی ہوں خدا کے لیے چلیں، اس دروازے کو کھلوائیں۔''

اس نے پریشانی سے اور بے یقینی سے اپنی چہیتی بیگم کی باتیں سنیں پھر فوراً ہی بیڈ سے اتر کر اس کے ساتھ چلتا ہوا بیٹے کے دروازے پر پہنچا۔ اندر سے جھگڑے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ باپ نے دستک دے کر بلند آواز میں پوچھا۔ ''جاوید! یہ کیا ہو رہا ہے؟ دروازہ کھولو......''

باپ کی آواز سنتے ہی وہ چونک گیا، الماری سے ایک چادر نکال کر شکیلہ کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ ''اسے لپیٹو، میں دروازہ کھولوں گا۔''

''کیوں لپیٹوں؟ تمہارا دوسرا روپ کیا ہے تمہارے باپ کو معلوم ہونا چاہیے۔''

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی، اس کے تیور سمجھا رہے تھے کہ بحث کرنا فضول ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا، پہلے بی پاشا اندر آئی، بیٹی کی حالت دیکھ کر ایسا ظاہر کرنے لگی، جیسے سکتے میں آ گئی ہو، صمد بیوپاری بھی چونک گیا تھا۔ شکیلہ اپنے بدن کو چادر میں لپیٹتی ہوئی ماں کے قریب آئی پھر روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

باپ نے غصے سے پوچھا۔ ''جاوید! یہ سب کیا ہے؟''

''میں کیا بتاؤں، میری تو خود سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ یہ میرے کمرے میں کب آئی کیسے آئی میں نہیں جانتا۔''

شکیلہ نے روتے ہوئے کہا۔ ''ممی! یہ جھوٹ بول رہے ہیں، میں خود نہیں آئی تھی، انہوں نے ہی مجھے بلایا تھا۔''

وہ غصے سے دھاڑا۔ ''جھوٹ مت بولو۔''

باپ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''جاوید! یہ بات کرنے کا کیا انداز ہے؟''

''ڈیڈ! آپ بھی میری جگہ ہوتے تو اسی انداز میں بات کرتے۔ یہ جھوٹ پر جھوٹ بول رہی ہے، مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔''

''میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''

بی پاشا نے روتے ہوئے کہا۔ ''آپ بھی خوب ہیں، آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟''

اس نے بیٹے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، وہ بولا۔ ''ڈیڈ! میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں، آپ جو سوچ رہے ہیں ویسا کچھ نہیں ہوا ہے۔''

ماں نے بیٹی کے بکھرے ہوئے بال اور ہونٹ سے رستے ہوئے خون کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ہاں اس کا حلیہ بتا رہا ہے کہ تم نے اسے چھوا نہیں ہے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے سوتیلی ماں کو دیکھا پھر کہا۔ ''آپ کی بیٹی کوئی نادان بچی نہیں ہے اگر میں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا تو یہ میرے بلاوے پر کیوں چلی آئی؟''

صمد بیوپاری نے اس بار شکیلہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک ذرا گڑبڑائی پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ آپ تو جانتی ہیں، رات تیز بارش کی وجہ سے بجلی کا ڈاؤن ہوا تھا مجھے اندھیرے میں ڈر لگ رہا تھا میں اسٹینڈ ہاتھ میں لیے آپ کے بیڈ روم کی طرف آ رہی ایسے ہی وقت جاوید نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے انہیں ماچس نہیں مل رہی ہے، ذرا یہ کینڈل اسٹینڈ میرے کمرے میں آ جاؤ۔''

اتنا کہنے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی نے بیٹے کو دیکھا۔ شکیلہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔'' معلوم تھا کہ میں ان کے کمرے میں روشنی کرنے جا اور یہ میری زندگی میں اندھیر مچا دیں گے؟''

وہ بولا۔ ''یہ سراسر مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔''

باپ نے کہا۔ ''اپنی حرکت پر پردہ ڈالنے کی کو کرو، کوئی لڑکی بھلا جان بوجھ کر بدنام کیوں ہونا چاہے

وہ الجھ کر بولا۔ ''یہی بات میری سمجھ میں نہیں ہے۔''

پھر اس نے بی پاشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر م آپ کی بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو یہ اپنے بچ لیے چیخی ہوگی، چلائی ہوگی۔ آپ کا کمرا یہاں سے دور ہے پھر بیٹی کی چیخ و پکار کیوں نہ سن سکیں؟''

اس نے خاموش نظروں سے جاوید کو یوں دیکھا کوئی بہانہ تلاش کرنے کے لیے مہلت حاصل کر رہی کہا۔

رات بارش کا بہت شور تھا، ایسے میں مجھے کیسے ہو سکتا تھا کہ میرے کمرے کے باہر دوسرے کمرے ہو رہا ہے؟''

پھر وہ اپنے شوہر سے بولی۔ ''آپ کا بھی کمرا سے دور نہیں ہے۔ کیا آپ نے بارش کے شور میں بیٹی کی چیخیں سنی تھیں؟ کیا آپ نے آنکھیں کھولی تھیں؟ اگر اب آپ کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیوی کو دیکھا سے کہا۔ ''بہتر ہے، تم اپنا جرم تسلیم کر لو۔''

''جو جرم میں نے کیا ہی نہیں ہے۔ اسے کیوں کروں؟ آپ اپنے بیٹے کا یقین نہیں کر رہے ہیں۔''

''کیسے کروں، جب کہ سچائی اپنی آنکھوں سے ہوں۔''

اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ بی پا کہا۔ ''میں تو خوشی خوشی اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے

میں دے رہی تھی پھر یہ ڈاکا ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟''

وہ حقارت سے بولا۔ ''میں نے کوئی ڈاکا نہیں ڈالا ہے۔ مجھے کل بھی انکار تھا اور آج بھی انکار ہے۔''

وہ تڑپ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ''کل کی بات اور تھی، آج میری بیٹی پر ظلم ہوا ہے۔ میں نے بیٹی کی عزت آبرو کی خاطر ہی تمہارے باپ سے شادی کی ہے۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ اسی گھر میں میری بیٹی کی عزت لٹ گئی۔ اب اسے عزت ملے گی تو اسی گھر میں اور اگر نہ ملی تو میں تم باپ بیٹے کے سامنے اسے زندہ جلا ڈالوں گی۔''

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی اور روتے روتے اس کے قدموں میں بیٹھنے لگی۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی لیکن یہ ہوس بڑی ظالم شے ہے، زیادہ سے زیادہ کے لالچ میں کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، لوگ خدا کے سامنے جھکیں، نہ جھکیں لیکن ایک دوسرے کے سامنے ضرور جھکتے ہیں۔

وہ بھی جھک رہی تھی مگر اس کے قدموں کو چھونے کے لیے نہیں بلکہ اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے جو اس کے پیروں تلے دفن تھا۔

صمد بیوپاری اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ یہ شکیلہ سے شادی کرے گا اور ضرور کرے گا۔ پہلے میں دباؤ نہیں ڈال رہا تھا مگر اب میرا سر شرم سے جھک گیا ہے جو رشتے میں میری بیٹی ہے، اس کی عزت میرے ہی گھر میں لٹ گئی۔ اف خدایا! میرے بیٹے نے اسے میری بہو نہ بنایا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔''

شکیلہ کا دل امیدوں سے تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ماں کی پلاننگ بڑی کامیابی سے اپنے صحیح انجام تک پہنچ رہی تھی۔ دوسری طرف جاوید انکار تو کر رہا تھا لیکن اندر ہی اندر الجھ رہا تھا، ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود کوئی لمحہ یاد نہیں آ رہا تھا جس کے باعث وہ خود کو خطاوار ٹھہراتا۔

اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''آپ کسی ثبوت کے بغیر مجھے مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔''

شکیلہ دھاڑیں مار کر روتی ہوئی ماں سے لپٹ گئی۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ رونے کے انداز نے سمجھا دیا کہ وہ جھوٹی نہیں ہے، جاوید اسے جھٹلا رہا ہے، بی پاشا نے غصے سے کہا۔ ''تم نے تو ڈھٹائی کی حد کر دی۔ آخر سچائی کو کب تک جھٹلاتے رہو گے۔''

جاوید نے حقارت بھری نظروں سے اسے گھورا پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ سچ ہے تو اسے ثابت کیا جائے۔''

ماں بیٹی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''ایک ماں سے اس کی بیٹی کے سلسلے میں بے حیائی کا ثبوت مانگ رہے ہو۔ تمہارے پاس ذرا سی بھی شرم و حیا ہے کہ نہیں؟''

وہ باپ سے بولا۔ ''یہ باتیں ہی بناتی رہیں گی۔ مجھے گناہ گار ثابت نہیں کر سکیں گی۔''

''ثابت کیا کرنا ہے؟ اس کی حالت تمہارے گناہوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔''

''یہ سارے بناوٹی ثبوت ہیں۔''

باپ نے غصے سے کہا۔ ''تم خواہ مخواہ بکواس کیے جا رہے ہو۔ بے حیائی کے کھیل ایسی چال بازی سے کھیلے جاتے ہیں کہ ان کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہوتا اور تم ہو کہ ثبوت مانگ رہے ہو؟ سراسر سچ سے انکار کیے جا رہے ہو۔''

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہاں گناہ کا کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا ہے۔''

ماں بیٹی نے ذرا پریشان ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ انہیں چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ''ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ابھی اس لڑکی کا میڈیکل چیک اپ کرایا جائے۔''

ماں بیٹی کے دماغوں میں ایک دھماکا سا ہوا، بیٹی نے ایک دم سے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا، وہ ایسی زرخیز زمین تھی جس میں ابھی بیج نہیں بویا گیا تھا پھر بھلا کاشتکاری کی رپورٹ کیسے ملتی؟

بی پاشا نے ایک دم سے بھڑک کر کہا۔ ''بڑی دور کی کوڑی لا رہے ہو۔ میری بیٹی کو دو کوڑی کا بنا دینا چاہتے ہو۔ پہلے اسے گھر کی چار دیواری میں تماشا بنایا اب دنیا والوں کے سامنے تماشا بنانا چاہتے ہو؟''

باپ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''یہ میری بیٹی تھی اب بہو بننے والی ہے۔ میں گھر کی عزت کو تماشا نہیں بناؤں گا۔ اس کا میڈیکل چیک اپ نہیں ہوگا۔''

وہ بولا۔ ''کوئی تماشا نہیں ہوگا۔ میڈیکل چیک اپ رازداری سے ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ہوگا اور ڈاکٹر کی رپورٹ مجھے گناہ گار ثابت کرے گی تو میں اس سے ضرور شادی کروں گا۔''

صمد بیوپاری اور بی پاشا نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ شادی کے لیے راضی ہو رہا تھا لیکن پہلے اپنی بات منوانا چاہتا تھا اور یہ بات ماں بیٹی کو بری طرح الجھا رہی تھی، شکیلہ انکار میں سر ہلا کر منہ چھپا کر رونے لگی،

سسک سسک کر کہنے لگی۔ ''میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ ایسی بے حیائی سے بہتر ہے کہ اپنی جان دے دوں۔''

جاوید نے کہا۔ ''یہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہے۔ اسے تو اطمینان ہونا چاہیے کہ رپورٹ اس کے حق میں ہوگی پھر میں اسے اپنی شریکِ حیات بنالوں گا۔''

صمد بیوپاری نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ ''سانچ کو آنچ کیا؟ اگر راز داری سے گھر میں بات بن جائے اور تماشا بننے والی کوئی بات نہ ہو تو ہمیں تمہارا فیصلہ منظور ہے۔''

شکیلہ نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر سر اٹھا کر بولی۔ ''ٹھیک ہے، میں اسے اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔ اس کا معائنہ کراؤں گی لیکن تم وعدہ کرو، زبان سے نہیں پھرو گے۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس۔؟ اپنے تو پھر اپنے ہی ہوتے ہیں، اپنی مرضی سے چیک اپ کرتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق رپورٹ تیار کرتے ہیں۔''

بی پاشا نے ناگواری سے اسے دیکھا، وہ اس کے اندر کی چھپی ہوئی بات کہہ رہا تھا۔ اس کی پلاننگ یہی تھی کہ جھوٹی رپورٹ حاصل کی جائے پھر اس رپورٹ کے مطابق شکیلہ کو اپنی شریکِ حیات بنانے پر اسے مجبور کیا جائے۔

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''معائنہ آپ کے اعتماد کی لیڈی ڈاکٹر سے نہیں بلکہ میرے کسی قابلِ اعتماد ڈاکٹر سے کرایا جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''جو شبہ تم مجھ پر کر رہے ہو وہی شبہ میں بھی تم پر کر سکتی ہوں۔ ہو سکتا ہے، اپنی جان چھڑانے کے لیے تم اپنے ڈاکٹر سے ساز باز کر لو۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔''

''یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔''

صمد بیوپاری نے الجھ کر کہا۔ ''آپس میں بحث مت کرو، شکیلہ کا معائنہ میں اپنے اعتماد کے ڈاکٹر سے کراؤں گا۔''

جاوید نے کہا۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

بی پاشا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا پھر ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر شرط یہی ہے رپورٹ کے مطابق یہ میری بیٹی کو ضرور اپنائے گا۔''

شکیلہ پریشان ہو کر کبھی صمد بیوپاری کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اپنی ماں کو، اس کا ایسا امتحان لیا جانے والا تھا جس کا نتیجہ اسے پہلے سے ہی معلوم تھا۔

بعض اوقات انسان ایسا قدم اٹھاتا ہے جس کا اسے معلوم نہیں ہوتا پھر بھی وہ عقل کے اندھے کی طرح ... ہوتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ شکیلہ کے ساتھ یہی ہو رہا تھا ... نے رات کو جو قدم اٹھایا تھا اس کے نتیجے کا علم نہیں تھا مگر انجام صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ میڈیکل رپور... سے پہلے ہی پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی تھی۔

☆☆☆☆

افلاطون مر گیا مگر اپنی اولاد چھوڑ گیا، شہباز درانی ... ہی میں سے ایک تھا۔ اس نے بڑی ذہانت سے اپنی دردا... انڈیا پہنچایا تھا لیکن وہ ایسی پتنگ بن کر رہ گئی تھی جو اپنی ... سے کٹ کر اپنے یار سے دور، آکاش کے پیڑ میں اٹک ... تھی۔

اس وقت شہباز اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا، دردا... رہائی کے بارے میں سوچ رہا تھا، کمرے میں ادھر سے ا... یوں ٹہل رہا تھا جیسے دیواروں سے سر ٹکرا رہا ہوں۔ وہ ... پر چل رہا تھا اور میں اس کے ہاتھ کی لکیر پر اس کے ... رواں دواں تھا۔

زندگی میں پریشانیاں دستک دیے بغیر گھسی چلی آ... تھیں۔ پہلے دردانہ پر مصیبت آئی تھی پھر اس کے ... کاغذات، تصویریں اور مائیکرو فلمیں چوری کر لی گئی تھ... جن کا شبہ پاشا پر کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ آکاش وا... نئی مصیبت کے روپ میں سامنے آ گیا تھا۔

زندگی میں جیت کے ساتھ ساتھ ہار کا منہ بھی دیکھنا پ... ہے۔ لیکن ہر طرف سے ملنے والی شکست نے اسے بری طر... توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ مضبوط ذہن کا مالک تھا، اپنے چیمبر ... بیٹھ کر نہ جانے کیسے کیسے حکمرانوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ر... تھا۔

اب میں اسے نچا رہا تھا اور ایسا تگنی کا ناچ نچا رہا تھا ک... وہ پل بھر کے لیے کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھ نہیں پا رہا تھا۔

میرا چکر تھا اور وہ چکرا رہا تھا۔ ہاتھ کی لکیریں ... باریک ہوتی ہیں اور بدنصیبی کی چکی میں بہت باریک ... رہتی ہیں۔ بندہ کیسا ہی پہاڑ کیوں نہ ہو، اسے ہتھیلی کی ... میں چھان کر رکھ دیتی ہیں۔ ایسے وقت بندے کی سمجھ میں نہ... آتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے؟

وہ ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ سوچا تھا کیا اور کیا ہو گ...

وہ چاہتا تھا کہ ذیشان کے جیل سے باہر آتے ہی اس ... دردانہ کے اغوا کا الزام عائد کرے گا۔ اب وہ رہائی پا کر آ...

تھا، اس پر الزام لگانے کا وقت آ چکا تھا لیکن جھوٹا الزام کسی اور پہلو سے سچ ہو رہا تھا۔ اسے کسی اور نے سچ مچ اغوا کر لیا تھا۔

وہ پہلو ماسٹر کو اس کی رہائی کا ذریعہ بنا سکتا تھا، وہ شہباز کا ایک بڑا سہارا بن سکتا تھا لیکن سہارا بننے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔ فی الحال دردانہ کو واپس لانے کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی نیلماں دامودر......

وہ نیلماں کو آکاش کے حوالے کر کے اپنی محبوبہ کو حاصل کر سکتا تھا مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ اگرچہ وہ ناممکن کو ممکن بنانے والوں میں سے تھا لیکن قدرت کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔ جس نیلماں کو مردہ بنا چکا تھا، اس میں جان نہیں ڈال سکتا تھا۔

وہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مقدر خراب ہو تو دماغ بھی خراب ہونے لگتا ہے۔ ایسے وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا، اس نے چونک کر اسے دیکھا، سی ایل آئی میں میرا نمبر پڑھ کر جھنجلا گیا۔ اسے تو میرا نام سن کر ہی غصہ آ جاتا تھا۔ اس وقت اس بری طرح الجھا ہوا تھا کہ کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے سوچا کہ فون بند کر دے پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ شاید وہ کوئی پیش گوئی کرے گا۔ اس سے باتیں کر کے پیش آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہی مل سکتی ہے۔

اس نے فون کو کان سے لگایا پھر ذرا ناگواری سے کہا۔ ''کیوں فون کیا ہے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے تم سے ہمدردی ہے اسی لیے فون کیا ہے۔''

''ہمدردی کس سلسلے میں جتا رہے ہو؟''

''اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر لوٹ پوٹ رہے ہو، تکلیف سے کراہ رہے ہو۔ تمہاری آہیں مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔''

وہ غصے سے تلملا کر بولا۔ ''میں کن حالات سے گزر رہا ہوں، یہ تم کیسے جانتے ہو، اب تو میرے ہاتھ کی لکیریں بھی نہیں دیکھ رہے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو، پہلو ماسٹر نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم دونوں کے ہاتھوں ....کی لکیریں بالکل ایک جیسی ہیں، میں جب بھی اپنا ہاتھ دیکھتا ہوں تو گویا تمہارا بھی ہاتھ دیکھتا ہوں۔''

وہ میری بات سن کر ایک ذرا چپ ہو گیا، یہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ جو حالات اس کے ساتھ پیش آ رہے ہیں کیا وہی حالات میرے ساتھ بھی پیش آ رہے ہیں؟

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد پوچھا۔ ''میری جانِ حیات بدنصیبی سے پرائی ہو گئی ہے، کیا تمہاری محبوبہ بھی کسی کے پاس چلی گئی ہے؟''

اس کے سوال نے مجھے نمرہ کے پاس پہنچا دیا۔ وہ میری چشمِ تصور میں یوں ابھرنے لگی جیسے کوئی پھول اپنی شاداب پنکھڑیاں کھول رہا ہو۔

میں نے ایک سرد آہ بھر کر فون پر کہا۔ ''مسٹر شہباز! ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، ایک جیسی لکیروں کے حامل ہیں، ہمارا مقدر بھی ایک ہی ہے، میری محبوبہ پرائی ہوئی تھی تو میں فوراً ہی سمجھ گیا کہ تمہاری دردانہ کا بھی کباڑا ہو رہا ہوگا۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''نہیں اسے کچھ نہیں ہوگا۔ میں اسے جلد ہی وہاں سے نکال لاؤں گا۔ بائی داوے۔ تم بھی اپنی محبوبہ کو واپس لانے کی تدبیر تو کر رہے ہو گے؟''

''ہاں، جیسے تم تدبیریں سوچ رہے ہو، پریشان ہو رہے ہو۔ ویسے ہی میں بھی ہو رہا ہوں۔''

ہم دونوں ایک جیسے حالات سے گزر رہے تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ہم آئندہ بھی اسی طرح ایک دوسرے کے مقدر سے جڑے رہیں گے۔

اس نے ٹوہ لینے کے انداز میں میں پوچھا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو، تم جو تدبیر کر رہے ہو اس میں کامیاب رہو گے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں۔ میں اسے واپس لانے میں کامیاب رہوں گا۔''

وہ میری بات سن کر ایک دم سے خوش ہو گیا، سیدھی سی یہ بات سمجھ میں آئی کہ جب مجھے کامیابی حاصل ہو گی تو بے شک وہ بھی اپنی دردانہ کو لانے میں کامیاب رہے گا۔

میں نے کچھ دیر تک اسے خوش ہونے دیا پھر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں کامیاب رہوں گا لیکن تم اپنی والی کو حاصل کرنے میں ناکام رہو گے۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں ناکام کیوں رہوں گا اور تم کامیاب کیوں رہو گے؟''

''کیونکہ میری نیت اچھی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟ ہمارے ہاتھ کی لکیریں ایک جیسی ہیں، ہمارا مقدر ایک ہے، جو تمہارے ساتھ ہوتا ہے وہی میرے ساتھ ہوتا ہے تو پھر میں تمہاری طرح کامیاب کیوں نہیں رہوں گا؟''

''ہمارے ہاتھ کی لکیریں ایک ہیں لیکن نیتوں میں فرق

ہے۔ میری نیت میں خیر ہے اور تمہاری نیت میں شر ہے۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے کوئی تدبیر کرنے اور دردانہ کو واپس لانے کے راستے سے بھٹکا رہے ہو۔''

''میں کیا بھٹکاؤں گا؟ تمہیں تو تمہارا مقدر بھٹکا رہا ہے۔ پہلے دردانہ بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ گئی، اب تم بھٹکنے والے ہو۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''یوشٹ اپ۔ کیا یہی بکواس کرنے کے لیے فون کیا ہے؟''

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''نہیں ...... ایک نئی مصیبت کی اطلاع دینا چاہتا ہوں۔''

اس پر تو پہلے ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، میری بات سن کر وہ ایک دم سے گھبرا گیا، صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ ہمیشہ سے ہی دیکھتا آیا تھا کہ میں جو بھی پیش گوئی کرتا ہوں وہ ضرور سچ ثابت ہوتی ہے۔ اب یہ سوچ ڈس رہی تھی کہ نہ جانے میں کون سی نئی مصیبت کی اطلاع دینے والا ہوں؟

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے؟''

''کچھ نہیں بہت کچھ ہونے والا ہے۔''

میں مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر بے چین ہو کر بولا۔ ''میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''پہلے دردانہ کو اس ملک سے بھاگنا پڑا، اب تم جلے پاؤں کے بلّے کی طرح ادھر سے ادھر بھاگنے والے ہو۔''

اس نے پریشان ہو کر اپنے فون کو یوں دیکھا جیسے مجھے دیکھ رہا ہو، آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ رہا ہو۔ ''میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور جو ہونے والا ہے، کیا میں اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر کر سکتا ہوں؟''

تدبیریں تو وہ کرتا ہی آ رہا تھا لیکن ہر تدبیر الٹی ہو رہی تھی۔ ہر سمت سے ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ نئی آفت اسے در بدر کرنے والی تھی۔

اسے تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''او کے مسٹر شہباز! میں رابطہ ختم کرتا ہوں، ابھی کچھ ہی دیر میں تمہارے اسی فون پر ایک اہم کال آنے والی ہے۔''

میں نے یہ کہتے ہی رابطہ ختم کر دیا وہ فون کان سے لگائے گم صم بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نئی آفت کس سمت سے آنے والی ہے؟

کچھ ہی دیر بعد اس کے کان میں ایک زور کا دھماکا ہوا، وہ ایک دم سے اچھل پڑا۔ موبائل فون کان سے لگا ہوا تھا اس کا بزر چیخ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اسے کان سے ہٹا کر سی ایل آئی میں نمبر پڑھنے لگا۔ وہ امریکی سی آئی اے کے ایک ایجنٹ کا فون نمبر تھا۔

اس کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا، کانوں میں میرے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے۔ ''پہلے دردانہ کو اس ملک سے بھاگنا پڑا، اب تم جلے پاؤں کے بلّے کی طرح ادھر سے ادھر بھاگنے والے ہو۔''

وہ سہما ہوا سا اپنے فون کو دیکھ رہا تھا، اس کا بزر ایسے چیخ رہا تھا جیسے نئی آفت کے آنے سے پہلے اس کی منادی کر رہا ہو اس نے فون کا ایک بٹن دبا کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہے۔ ہیلو!''

دوسری طرف سے امریکی سی آئی اے کے چیف کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''ہیلو مسٹر شہباز! میں رابرٹ بوینزا بول رہا ہوں۔ الیکشن قریب ہیں اپنی مصروفیات بتاؤ، اس سیاست دان جان محمد گبول کی اہم خفیہ دستاویزات حاصل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہو؟''

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ ''وہ دستاویزات تو ہاتھ آنے کے بعد گیلے صابن کی طرح پھسل گئی ہیں۔ اب اسے کیسے بتاؤں کہ میں کامیاب ہو کر بھی ناکام رہا ہوں۔''

اس نے فون پر کہا۔ ''سر! اس سلسلے میں میری کوششیں جاری ہیں، ہمیں جلد ہی کوئی کامیابی حاصل ہوگی۔''

رابرٹ نے کہا۔ ''وہ ایک اہم سیاست دان ہے۔ ہم اسے بلیک میل کر کے آئندہ بھی اپنی پسند کی حکومت قائم کر سکیں گے۔ کیا اس بات کی اہمیت کو سمجھ رہے ہو؟''

''یس سر! میں اچھی طرح سمجھ رہا ہو۔ اس کے راز چرانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد کامیابی حاصل ہوگی۔''

رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم کسی کی باتوں میں نہیں آتے، تم جھوٹ کا رٹا ہوا سبق سنا رہے ہو، صاف کیوں نہیں کہتے کہ کامیابی حاصل ہوئی تھی مگر تمہاری نااہلی نے اسے ناکامی میں بدل دیا ہے؟''

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا۔ ''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟''

''ہم بے خبر نہیں رہتے، وہ اہم دستاویزات تمہارے

ہاتھوں سے نکل چکی ہیں۔ اب جان محمد گبول ہمارے قابو میں نہیں آئے گا۔'' وہ صوفے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات کرتے ہوئے بولا۔ ''نو سر! آپ کو غلط انفارمیشن ملی ہے۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو، ہمارے ذرائع کمزور نہیں ہیں، ہمیں کبھی کوئی غلط انفارمیشن نہیں ملتی۔ تم اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے جھوٹ مت بولو۔''

وہ جھاگ کی طرح صوفے پر بیٹھ گیا، تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''سر پلیز! مجھے ایک اور موقع دیں۔ اس بار کوتاہی نہیں ہوگی۔''

''مسٹر شہباز! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ایک عورت کی وجہ سے اپنے ساتھ ساتھ ہمارا بھی نقصان کر رہے ہو۔ جان محمد گبول کا معاملہ بہت اہم تھا لیکن تم نے اس میں بھی کوتاہی برتی ہے۔ تم ناقابلِ اعتماد ہوتے جا رہے ہو۔''

وہ عاجزی سے بولا۔ ''سر! کسی عورت کا میرے معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بس مقدر کی خرابی ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے، بہر حال کل صبح دس بجے ہمارا ایک جونیئر آفیسر جوزف مارٹن تمہارے پاس آئے گا، تم فائل نمبر پی تھری اور ایس نائن کے علاوہ زیرِ دفور کی چار مائیکرو فلمیں اس کے حوالے کر دو گے۔''

رابرٹ بوینزا نے اتنا کہہ کر رابطہ ختم کر دیا اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھوٹ گیا، اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا، رابرٹ نے جن فائلوں اور مائیکرو فلموں کا حوالہ دیا تھا وہ بہت اہم تھیں، پچھلے دنوں یہی تمام چیزیں چرائی گئی تھیں، چوری تو تہمینہ نے کی تھی لیکن اس کا شبہ پاشا پر تھا۔

چوری کسی نے بھی کی ہو، شبہ کسی پر بھی ہو لیکن وہ تمام اہم چیزیں کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تھیں، واپس نہیں آ سکتی تھیں۔

وہ اپنی حد سے پرے اور امکان سے بھی اونچی پرواز کر رہا تھا، سورج کی بلندی تک پرواز کرنے والوں کے پر جل جاتے ہیں پھر بلندی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور پستی اسے تمام ذلتوں سمیت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

☆☆ ☆☆ ☆☆

''اترا نہ گریباں میں مقدر کا ستارہ
ہم لوگ لٹاتے رہے اشکوں کے گوہر بھی''

بازی غیر متوقع طور پر پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنی ناکامی پر آنسو بہا رہی تھی۔ محبت کے معاملے میں تو جیسے اس کا مقدر گہری نیند سو گیا تھا۔ وہ جس کے نام پر آہیں بھرتی تھی، وہ اسے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

بی پاشا نے بیٹی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہماری پلاننگ بہت زبردست تھی مگر یہ جاوید بہت ہی شاطر نکلا۔ تم فکر نہ کرو، میں اسے منہ توڑ جواب دوں گی۔''

وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی، ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''ممی! میں اسے بے انتہا چاہتی ہوں اور چاہتی رہوں گی لیکن اپنی انسلٹ کبھی نہیں بھولوں گی۔ آج میرے ساتھ جو ہوا ہے، اس کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

''تم دیکھتی جاؤ کہ میں کیسے تمہاری میڈیکل رپورٹ کو اس کا اعمال نامہ بنا دوں گی؟ وہ چالاکی دکھا سکتا ہے تو میں بھی اپنی مکاری دکھا سکتی ہوں۔ سوتیلی ہی سہی لیکن اس کی بھی ماں ہوں۔ اسے تمہارے قدموں میں نہ گرایا تو میرا نام بی پاشا نہیں۔''

وہ سر اٹھا کر بیزاری سے بولی۔ ''نہیں ممی! اب میں تماشا نہیں بنوں گی۔ کسی میڈیکل چیک اپ سے نہیں گزروں گی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ وہ کبھی میرا نہیں ہوگا میں ایک سائے کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میڈیکل چیک اپ سے انکار کا مطلب یہی ہوگا کہ ہم ماں بیٹی جھوٹ بول رہی تھیں۔ مجھے ہر حال میں اس کے باپ کی حمایت حاصل کرنی ہے۔ تب ہی وہ تمہیں اپنی بہو بنائے گا۔ ہماری عزت اور بہتری جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں ہی ہے۔''

''کچھ بھی ہو، میں چیک اپ نہیں کراؤں گی۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ وہ میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد ہتھیار ڈال رہی تھی۔ جنگ کے اختتام سے پہلے ہی شکست تسلیم کر رہی تھی۔

ماں نے کہا۔ ''یوں ہار مان لو گی تو پھر اپنی انسلٹ کا بدلہ کیسے لو گی؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولی۔ ''فی الحال میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''

''کیسے تنہا چھوڑ دوں؟ صمد تمہیں کلینک لے جانے والے ہیں اور تم ہو کہ چیک اپ سے انکار کر رہی ہو۔ میری بات مانو، اس نامراد کو حاصل کرنے کے لیے اس آخری امتحان سے بھی گزر جاؤ، فکر نہ کرو تمہاری میڈیکل رپورٹ ہماری مرضی کے مطابق ہوگی۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''ہم تو اپنی مرضی کے مطابق بہت کچھ سوچتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا

ہے۔ کل رات میں اس کی محبت میں دیوانگی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ مگر اس نے ایک بار بھی میری پذیرائی نہیں کی۔ کیا میں اتنی گئی گزری ہوں؟"

وہ اسے پیار سے چمکارتے ہوئے بولی۔ "نہیں میری جان! تم گئی گزری نہیں ہو، وہ کم بخت ہی تمہارے پیار کے قابل نہیں ہے۔ میں نے تمہاری محبت کو دیکھتے ہوئے اسے ٹریپ کرنے کا یہ پلان بنایا تھا۔ کامیابیاں اور ناکامیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے تمہیں وہی کرنا ہوگا جو حالات سمجھا رہے ہیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں ممی! گھر کی چار دیواری میں میری جو بے عزتی ہونی تھی وہ ہو چکی، اس کی محبت میں جتنا گر سکتی تھی گر گئی لیکن اب نہیں جھکوں گی۔ آپ اپنے شوہر سے کہہ دیں کہ میں چیک اپ سے انکار کر رہی ہوں۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، اس طرح جاوید کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"آج جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد میں یہ سمجھ گئی ہوں کہ وہ کبھی میرے ہاتھ نہیں آئے گا اور میں جبراً اسے حاصل کرنا چاہوں گی تو ایسی ہی ذلتیں اٹھاؤں گی۔ ویسے بھی میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے اندر اس کی شریکِ حیات بننے کی حسرت دم توڑ رہی ہے۔"

ماں بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بول رہی تھی اور آنسو بہا رہی تھی۔ ایسے وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جاوید کو ابھی گریبان سے پکڑ کر لائے اور بیٹی کے قدموں میں گرا دے۔

اس نے سر گھما کر ماں کو دیکھا پھر اس کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "میں اسے تمام عمر نہ سہی، مگر کیا ایک پل اپنے سامنے نہیں گرا سکتی؟"

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "کیوں نہیں میری جان! لیکن یہ تو اسی وقت ممکن ہوگا جب تم میری بات مانو گی۔"

وہ ماں کے شانے سے الگ ہوگئی، اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ ماں نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ ایک جگہ رک کر بولی۔ "میری سوچ بدل گئی ہے، پہلے میں اسے اپنانا چاہتی تھی۔ لیکن اب صرف گرانا چاہتی ہوں۔ آپ ذرا اس پہلو سے سوچیں کہ ہم اسے کیسے ٹریپ کر سکتے ہیں؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا پھر کہا۔ "کوئی نئی پلاننگ کرنی ہوگی مگر پہلے یہ بتاؤ کہ میں ممی سے کیا کہوں؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "ان سے کہہ دیں، میں میڈیکل چیک اپ نہیں کراؤں گی، وہ مجھے اپنانا ہے تو اپنائے ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں اب شادی کا مطالبہ نہیں کروں گی۔"

"کسی نئی پلاننگ کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ مت کرو۔"

اس نے خاموش نظروں سے ماں کو دیکھا پھر فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "کوئی پلاننگ ہو یا نہ ہو لیکن میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش ہوگئیں۔ عورتیں بڑی مشکل سے خاموش ہوتی ہیں یا تو سوتے وقت یہ کرم کرتی ہیں یا پھر سوچتے وقت۔ وہ ماں بیٹی سو نہیں رہی تھیں بلکہ خاموش رہ کر اپنے سوئے ہوئے مقدر کو جگانے کی تدبیر سوچ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد ہی بی پاشا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی زبردست تدبیر سوچی ہے کہ وہ خودسر اپنی خودسری بھول جائے گا۔ نہ صرف تمہارے قدموں میں گرے گا بلکہ تمہارے سامنے ناک بھی رگڑے گا۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی، خوش ہو کر ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی کیا تدبیر ہے؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "بتاتی ہوں لیکن پہلے میڈیکل چیک اپ کے معاملے کو تو ختم کر دوں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ شکیلہ نے بے چین ہو کر کہا۔ "کچھ تو بتا کر جائیں، آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟"

وہ دروازے پر رک کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نے کہا تھا نا، زندگی میں تمہیں کبھی شکست نہیں کھانے دوں گی فی الحال اتنا جان لو کہ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑتی ہے اور اب میں یہی کرنے والی ہوں۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ شکیلہ بے چین سی ہو کر دروازے کو تکنے لگی، اپنے طور پر قیاس آرائیاں کرنے لگی۔ بہت دیر تک الجھتے رہنے کے بعد بھی سمجھ نہ پائی کہ آخر ماں نے ایسی کیا تدبیر سوچی ہے جس کے نتیجے میں جاوید اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا؟

وہ سوچتی رہی اور الجھتی رہی۔ بی پاشا کی نئی تدبیر کیا تھی اس سے میں بہ خوبی واقف تھا لیکن وہ اپنی تدبیر کے انجام سے واقف نہیں تھی۔ یہی قدرت کا اصول ہے وقت سے پہلے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ میں اس کا انجام جانتا تھا لیکن اسے باخبر نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ایسا ہونے لگے تو انسان تدبیریں کرنا ہی چھوڑ دے۔

میں اس کی ہتھیلی پر تھا، مقدر کی لکیر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا آگے جا کر دو شاخہ ہوگئی تھی یعنی اس کے مقدر میں کامیابی بھی تھی اور ناکامی بھی، اب یہ اس کی تدبیر پر منحصر تھا کہ وہ بامراد ہے گی یا نامراد......

کچھ دیر بعد وہ دروازہ کھول کر اندر آئی شکیلہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، ماں کو دیکھتے ہی لپک کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "کہاں رہ گئی تھیں؟ یہاں بیٹھیں اور مجھے جلدی سے وہ تدبیر بتائیں، جس پر عمل کرتے ہی جاوید میرے قدموں میں آ جائے گا؟"

وہ اسے بازو سے تھام کر بیڈ پر لے آئی پھر مسکرا کر بولی۔ "تدبیر بہت زبردست ہے لیکن اس کے لیے تمہارے پاپا سے رابطہ کرنا ہوگا۔"

"آپ اپنی تدبیر تو بتائیں۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بیٹی کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "اس دنیا میں ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ جاوید اپنے بچوں سے بہت محبت کرتا ہے یعنی وہ بچے اس کی کمزوری ہیں۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی، شکیلہ سوچ رہی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی۔ بات کچھ سمجھ میں آ بھی رہی تھی اور نہیں بھی آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "یعنی آپ اس کی کمزوری سے کھیلنا چاہتی ہیں؟"

اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، اس فولاد کو پگھلانے کے لیے یہی کرنا پڑے گا۔ وہ بچے اس اجنبی لڑکی کے پاس ہیں، اس کی ذمے داری ہیں ایسے میں انہیں کوئی نقصان پہنچے گا تو اس لڑکی پر ہی الزام آئے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا آپ ان بچوں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں انہیں اغوا کرانا چاہتی ہوں۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بہت بھولی ہو، بھئی اب وہ بچے ہی اس کی کل کائنات ہیں، وہ اغوا ہوں گے تو وہ پریشان ہوگا انہیں حاصل کرنے کے لیے ہمارا ہر مطالبہ پورا کرے گا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ جاوید کو بلیک میل کرنے کی یہ تدبیر اچھی تھی۔ ماں نے پوچھا۔ "بات کچھ سمجھ میں آئی؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا پھر مسکرا کر کہا۔ "بہت زبردست پلاننگ ہے۔ اب میں اپنی انسلٹ کا ایسا بدلہ لوں گی کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ اپنے بچوں کو حاصل کرنے کے لیے مجھ سے شادی کرنا چاہے گا اور میں اسے ٹھکراتی رہوں گی، وہ گڑگڑائے گا، التجائیں کرے گا تو مجھے سکون ملے گا۔"

اس نے ماں کو دیکھا پھر خوش ہو کر اس سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "ممی! یو آر سو گریٹ، آئی لو یو۔"

وہ اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے بولی۔ "تم میری بیٹی ہو ممبئی کے نامی گرامی نانا بھائی کا خون ہو پھر جاوید جیسے شخص سے کیسے مات کھا سکتی ہو؟"

وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "ہمیں ابھی اسی وقت ان سے رابطہ کرنا چاہیے۔"

"ہاں، ان کا نمبر ملاؤ۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس آ گئی، ریسیور اٹھا کر یوسف جان کے نمبر پنچ کرنے لگی، کچھ دیر بعد ہی رابطہ ہوگیا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔"

شکیلہ نے چہک کر کہا۔ "ہائے پاپا! میں بول رہی ہوں۔"

وہ بیٹی کی آواز سن کر خوش ہوگیا۔ بڑے پیار سے بولا۔ "میں نمبر دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ میری جان مجھے مخاطب کر رہی ہے، کیسی ہو؟"

بی پاشا نے آگے بڑھ کر فون کا واائڈ اسپیکر آن کر دیا۔ شکیلہ نے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"آئی ایم فائن ٹو۔ یہ بتاؤ آج اپنے پاپا کو کیسے یاد کر لیا؟"

وہ ذرا خفگی سے بولی۔ "میں نے تو یاد بھی کر لیا لیکن آپ کو اپنی بیٹی بالکل یاد نہیں آتی۔ ملنا تو دور کی بات ہے، آپ فون بھی نہیں کرتے۔ کبھی رابطہ کر کے پوچھ لیا کریں کہ آپ کی اکلوتی اولاد زندہ بھی ہے یا نہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اوہو، تو آج ہماری بیٹی شکایت کرنے کے موڈ میں ہے؟"

"تو کیا مجھے شکایت نہیں کرنی چاہیے؟ پچھلی بار بھی میں نے ہی رابطہ کیا تھا اور اس وقت سے اب تک آپ کے فون کا انتظار کرتی رہی مگر آپ کی طرف سے مسلسل مایوسی ہی رہی سچ بتائیں پاپا! کیا آپ کو اپنی بیٹی یاد نہیں آتی؟"

وہ ماؤتھ پیس پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ "تم تو میری

جان ہو، بھلا کوئی اپنی جان سے کیسے غافل ہو سکتا ہے؟ ہاں، تمہاری یہ شکایت بجا ہے کہ میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا لیکن وعدہ کرتا ہوں آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "تھینک یو پاپا! یہ پرومس کریں کہ اپنا وعدہ یاد رکھیں گے۔"

"او کے مائی ڈارلنگ! میں نہیں بھولوں گا۔ اب بتاؤ، اپنے پاپا کو کیسے یاد کیا؟"

"پہلے آپ یہ بتائیں، ابھی کیا کر رہے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اپنی جان سے باتیں کر رہا ہوں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "او نو پاپا! میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ اس وقت مصروف تو نہیں ہیں؟ یا کسی کام میں الجھے ہوئے تو نہیں ہیں؟"

وہ بولا۔ "مصروفیت تو معمول کا کام ہے لیکن تمہارے لیے فارغ ہی فارغ ہوں، کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی پھر فون پر کہا۔ "پاپا! بات تو آپ سے ممی کریں گی میں صرف اتنا کہنا چاہوں گی کہ آج آپ کی بیٹی کو آپ کی ضرورت ہے۔"

"ہاں بولو میری جان! کیا بات ہے؟"

اس نے ماں کو دیکھا، بی پاشا نے فون کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ سے طویل گفتگو کرنی ہے، کیا ابھی آپ بات کر سکتے ہیں؟"

"تم دونوں بڑی تمہید باندھ رہی ہو، آخر معاملہ کیا ہے؟"

"معاملہ شکیلہ کا ہے۔"

اس کے سامنے چند فائلیں کھلی ہوئی تھیں، وہ فوراً ہی انہیں بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا میری بیٹی کو؟"

وہ مسکرا کر بیٹی کو دیکھتے ہوئے فون پر بولی۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اسے اس خر دماغ سے محبت ہو گئی ہے۔ میں نے جاوید کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں اور وہ......؟"

"وہ بے لگام گھوڑا ہے، اب اسے لگام ڈالنے کا وقت آ گیا ہے اور اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔ آپ کی لاڈلی بیٹی ہر حال میں اسے اپنے سامنے جھکانا چاہتی ہے اور میں بھی یہی چاہتی ہوں۔"

"وہ میری بیٹی ہے، جسے چاہے اپنے سامنے جھکا سکتی ہے۔"

"میں نے اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد آپ سے رابطہ کیا ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، وہ لوہا ہے آ... سے نہیں جھکے گا۔ جھکانے سے پہلے اسے گرم کرنا ہوگا تب ہی وہ نرم ہوگا۔"

اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہوں، میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، اب یہ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟"

اس نے بیٹی کی طرف دیکھا پھر فون پر کہا۔ "اس کی ایک بہت بڑی کمزوری سے ہم واقف ہیں اور اسی کے ذریعے اسے ٹریپ کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "ہاں، تم اس کے بچوں کا ذکر پچھلی بار کر چکی ہو۔"

"بیوی کے انتقال کے بعد دو بچے ہی اس کی کائنات ہیں، اس کی سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ ہم اس کمزوری کو ہاتھ میں لے کر اسے اپنی بیٹی کے سامنے جھکائیں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

"تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟"

"آپ ان بچوں کو اغوا کرائیں۔ وہ ہمارے قبضے میں رہیں گے تو ان کا باپ ہماری بیٹی کے سامنے ناک رگڑ رہے گا۔"

شکیلہ نے ماں سے پوچھا۔ "پاپا! اس ملک میں نہیں ہیں سرحد کے اس پار ہیں پھر ان بچوں کو کیسے اغوا کرائیں گے؟"

باپ نے اس کی باتیں سن کر کہا۔ "ہم انڈر ورلڈ والوں کے درمیان کسی ملک کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ تمہارا باپ پاکستان نہیں آ سکتا، لیکن اتنا پاورفل ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کے کسی بھی شخص کا کباڑا کر سکتا ہے۔"

بی پاشا نے کہا۔ "میں اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی، آپ بھی اس کے دیوانے ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ جلد ہی اس کم بخت کو بیٹی کے قدموں میں لا گرائیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کیا ان دونوں کو اغوا کرنا ضروری ہے؟ کسی ایک بچے کے ذریعے بھی بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ کسی ایک سے کام چل جائے گا۔ اس سلسلے میں اس کے بیٹے اشعر کو اہمیت دینی چاہیے۔"

"بے شک وہ اس خاندان کا جانشین ہے۔ جاوید اس کی رہائی کی خاطر ہماری ہر بات ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔"

بی پاشا نے ایک گہری سانس لے کر خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ "میں جلد از جلد اسے اپنی بیٹی کے سامنے مجبور اور

...ں دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے جگر کا ٹکڑا اس سے دور ...ب ہی وہ میرے جگر کے ٹکڑے کو گلے لگائے گا۔"

وہ بولا۔ "ٹھیک ہے، میں فون بند کرتا ہوں اس معاملے ...انے کے لیے ابھی مجھے پاکستانی انڈر ورلڈ والوں سے ...کرنا ہوگا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا، رابطہ ختم ہو گیا۔ بیٹی اس کی ...تھی وہ اس کی زندگی میں خوشیاں بھرنے کے لیے کچھ بھی ...تھا۔ بیٹی کا معاملہ بہت اہم تھا، وہ اپنی تمام مصروفیات ...کر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

...دنیا کے تمام بڑے مجرموں کے درمیان ایک مضبوط ...ورک قائم رہتا ہے۔ وہ پاکستانی انڈر ورلڈ والوں کے ...میں سوچ رہا تھا، کسی ایسے شہ زور کا انتخاب کرنا چاہتا ...اس کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

ایسے وقت اس کی یادداشت نے سگنل دیا، ایک ایسے ...کا نام یاد آیا جس کا تعلق انڈر ورلڈ سے نہیں تھا۔ وہ سپر ...کے لیے کام کرتا تھا اور انڈر ورلڈ کے مجرموں سے کہیں ...پاورفل تھا۔ وہ ریوالونگ چیئر پر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا، ...نے لگا۔

وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں ٹہل رہا تھا اور میں اس کی ...وں پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا لیکن میں سوچ ...تھا۔ وہ اپنے طور پر اپنی پلاننگ کے انجام سے باخبر تھا اور ...اس کے مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے باخبر

☆☆☆☆

شہباز درانی کا ستارہ گردش میں تھا۔ اس پر تو جیسے ...ب کا آتش فشاں پھٹ پڑا تھا اور بدنصیبی کا لاوا ابل ابل ...اس کی تمام تدابیر کو جلاتا جا رہا تھا۔ وہ جدھر دیکھ رہا تھا۔ ...اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ ابھی دردانہ کا مسئلہ حل ...ہوا تھا کہ ایک اور بڑا مسئلہ سامنے آ گیا تھا۔

امریکا سی آئی اے کے چیف آفیسر رابرٹ یونینز اکے ...انے تو جیسے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے تھے وہ ...ج رہا تھا اور الجھ رہا تھا کہ کل صبح وہ مطلوبہ دستاویزات اس ...بڑ آفیسر کے حوالے نہیں کرے گا تو کیا ہوگا؟

پاکستان کی سیاست میں ہونے والی قلابازیوں کے ...تی ان فائلوں اور مائیکرو فلموں میں بہت سے اہم راز ...بند تھے، پاشا جیسے ٹیکسی ڈرائیور کو ان رازوں سے کوئی ...نہیں ہو سکتی تھی۔ شہباز کو یقین تھا کہ اس نے مقدر کے ...اشارے! ایما پر اتنی بڑی چوری کی واردات کی ہے۔

اس شہ زور کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ مقدر سب ہی کا کچھ نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے لیکن مقدر کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ان دستاویزات کے ذریعے امریکی سی آئی اے کی منفی چالبازیوں کا پول کھل سکتا تھا۔ اتنے اہم رازوں کے گم ہو جانے کے نتیجے میں شہباز کو گولی ماری جا سکتی تھی، اسے کسی حادثے میں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ ایسا ہوتا ہے۔ سپر پاور اپنے ناکام ہونے والوں کو ان کے ہی ملک میں پھانسی پر چڑھا دیتا ہے یا ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک کرا دیتا ہے یا پھر کسی آلہ کار کے ذریعے گولی مار دیتا ہے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچ کے گھوڑے کبھی امریکی سی آئی اے والوں کی طرف دوڑ رہے تھے اور کبھی دردانہ کی طرف دوڑے چلے جا رہے تھے۔ صبح دس بجے آنے والا آفیسر خالی ہاتھ جائے گا تو فوراً ہی شہباز درانی کو واشنگٹن کے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا جائے گا اور اس طلبی کی وجہ سے دردانہ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ جھنجلائے ہوئے ذہن میں بچاؤ کی کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے وقت میں موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے کوئی نئی آفت آ رہی ہو وہ فون تو اس کے لیے منحوس ہو گیا تھا، جب بھی اسے آن کر کے کان سے لگاتا تھا ایک نیا دھماکا ہی سنتا تھا۔

اس نے صوفے پر بیٹھ کر اسے اٹھایا، سی ایل آئی میں میرا نمبر دکھائی دے رہا تھا، وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "پتا نہیں اب یہ منحوس کون سی منحوس خبر سنانے والا ہے؟"

"اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہاں بولو! اب کیسی خبر سنانا چاہتے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "واقعی تم چٹان کی طرح مضبوط ہو۔ اتنا سب کچھ سہنے کے بعد بھی مزید بری خبریں سننے کا حوصلہ رکھتے ہو۔"

طعنے نہ دو۔ ٹو دی پوائنٹ بات کرو کس لیے فون کیا ہے؟"

میں اپنی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو دیکھ رہا تھا، مسکرا کر بولا۔ "اس وقت میں اپنے ہاتھ پر زندگی کی لکیر کو دیکھ رہا ہوں؟"

"کیا یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟"

"ہاں، میں تمہیں انفارم کرنا چاہتا تھا کہ میری زندگی کی لکیر اچانک ہی دھندلی ہو گئی ہے۔"

''تمہاری زندگی کی لکیر دھندلی ہوئی ہے تو میں کیا کروں؟ اس سے میرا کیا تعلق......''

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''شاید بھول گئے تھے، اب یاد آگیا ہے کہ میرا اور تمہارا مقدر اور ہاتھوں کی لکیریں ایک جیسی ہیں۔ جو میرے ساتھ ہوگا وہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔''

وہ ایک دم سے پریشان ہوکر بولا۔''تم ......تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ میری زندگی کی لکیر کچھ دھندلی پڑ رہی ہے تو تمہاری لکیر کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہوگا۔''

اس نے بے اختیار اپنی ہتھیلی کو دیکھا، وہ کوئی نجومی نہیں تھا پھر بھی لکیروں کو یوں دیکھنے لگا جیسے انہیں پڑھ رہا ہو۔ میں نے پوچھا۔''کیا ہوا؟ کچھ سمجھ میں آیا؟''

میں نے ایک ذرا بے پروائی سے کہا۔''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں خواہ مخواہ تمہیں پریشان کر رہا ہوں تو آئندہ تمہارے پاس آکر کبھی پیش گوئی نہیں کروں گا اور جہاں تک تماشائی بننے کی بات ہے تو میں صرف تمہاری پریشانیوں کا ہی نہیں موت کا بھی تماشا دیکھوں گا۔''

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ کبھی کہتے ہو، ہمارا مقدر ایک ہے۔ کبھی کہتے ہو، ہماری زندگی کی لکیر ایک ہے اور وہ مٹ رہی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو صرف میں ہی کیوں؟ تم بھی تو مرو گے۔''

تقدیر کے لکھے کو بدلنے کے لیے تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہماری موت قریب ہے مگر ہم اپنی موت کو ٹال بھی سکتے ہیں۔ میں یہی کروں گا اس لیے زندہ سلامت رہوں گا، تم بھی چاہو گے تو اپنی طبعی عمر تک جی سکو گے۔''

پہلے وہ جھنجلا رہا تھا پھر میری یہ بات سن کر ذرا نرم پڑتے ہوئے بولا۔''کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں ایسی کیا تدبیر کروں گا کہ آنے والی موت ٹل جائے گی۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔''مجھے دشمن سمجھتے ہو اور دشمن ہی سے سلامتی کا راستہ پوچھ رہے ہو۔''

وہ ایک ذرا کھسیانے انداز میں بولا۔''جب دو دشمن ڈوبنے والی ایک ہی کشتی پر سوار ہوں تو کنارے تک پہنچنے کے لیے جس تدبیر پر ایک عمل کرتا ہے تو دوسرے کو بھی اسی تدبیر پر عمل کرنا چاہیے۔ موت ہم دونوں کو آنے والی ہے لہٰذا بچاؤں کا راستہ بھی ایک ہی ہوگا۔''

میں نے کہا۔''ہمارے بچاؤ کے راستے الگ الگ ہیں وہ اس لیے کہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے اور تمہارے ہزاروں ہیں۔ میں کسی کی دشمنی سے نہیں مارا جاؤں گا لیکن تمہیں ایک بڑی دشمن طاقت دبوچنے والی ہے۔''

وہ ایک ذرا پریشان ہوکر سوچنے لگا۔''مقدر صحیح کہہ رہا ہے۔ کل مطلوبہ چیزیں نہ ملنے کی صورت میں امریکی سی آئی اے والے مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔''

اس نے کہا۔''اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے امریکی آقاؤں کا عتاب مجھ پر نازل ہوگا۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ تم اپنے حالات کے آئینے میں بہت کچھ دیکھ سکتے ہو اور بہت کچھ سمجھ سکتے ہو۔ تم پاکستانی سیاستدانوں کو شکار کرنے میں مہارت رکھتے ہو لیکن بعض اوقات ماہر شکاری کو بھی جنگل کے خونخوار بادشاہ سے بچنے کے لیے کسی غار میں پناہ لینی پڑتی ہے۔''

وہ میری باتوں سے قائل ہو رہا تھا، میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔''تاش کے کھیل میں غلام ہمیشہ بادشاہ سے مات کھاتا ہے۔ مات کھانے سے پہلے ہی فرار کا راستہ ڈھونڈ لو۔ اپنے اوپر والوں کے ہاتھ نہ آؤ، جتنی جلدی ہو ان کی گرفت سے پھسل جاؤ۔''

اس نے ایک ذرا ناگواری سے کہا۔''مجھ پر یہ آفت تمہاری وجہ سے آرہی ہے۔ پہلے تم نے میرے اہم ڈاکومینٹس چرائے اور اب بچاؤ کے راستے بتا رہے ہو۔ اگر بھلا چاہتے ہو تو پاشا کے ذریعے چوری کرائے گئے وہ کاغذات مجھے لوٹا دو۔ میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

میں نے کہا۔''تم اپنے آقاؤں کے ہتھکنڈے اچھی طرح سمجھتے ہو پھر بھی مجھے الزام دے رہے ہو۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ امریکا سی آئی اے والوں نے ہی تمہارے خفیہ چیمبر سے وہ تمام فائلیں اور مائیکرو فلمیں چرائی ہیں، جن کا مطالبہ وہ تم سے کر رہے ہیں۔''

وہ میری بات کا یقین نہیں کر رہا تھا۔''میں یقین نہیں کروں گا۔ امریکی سی آئی اے والے اپنی ہی چیزیں کیوں چرائیں گے، پھر پلٹ کر مجھ سے کیوں مطالبہ کریں گے؟ ایسی شاطرانہ چال تمہارے سوا اور کوئی نہیں چل سکتا، تم دھیان اپنی طرف سے بھٹکانے کے لیے دوسروں کو چور کا الزام دے رہے ہو۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''تم ہر بار اپنی ایک غلطی کو دہراتے ...... ہو اور نقصان اٹھاتے ہو۔ اور وہ غلطی یہ ہے کہ تم وقت گزرنے کے بعد میری بات کا یقین کرتے ہو اس وقت بھی یہی کر رہے ہو، سلامتی چاہتے ہو تو بحث کرنے کے بجائے

بچاؤ کا راستہ تلاش کرو۔ تمہارے پاس وقت کم سے کم رہا ہے۔''

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا صبح کے ...رہے تھے، ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد جونیئر آفیسر جوزف وہ اہم دستاویزات وصول کرنے اس کے پاس آنے ...اور اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اس کے آنے سے ...روپوش ہو جائے۔

...میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''اپنے فون کو ...برا بیج نہ رکھو۔ میں رابطہ ختم کر رہا ہوں۔ کوئی ہے جو تم ...کرنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ او کے، وش یو ...''

...میں نے ریسیور رکھ دیا، فون کا رابطہ ختم ہوگیا، لیکن ...کا رابطہ منقطع نہ ہوا۔ میں اس کی مٹھی میں تھا، ہتھیلی پر ...کی لکیروں کے جال کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جال اسے ...میں الجھا بھی سکتا تھا اور وہی جال محافظ کے طور پر ...بچاؤ کا ذریعہ بھی بن سکتا تھا۔

...فون بند کرنے کے بعد الجھ رہا تھا، میری یہ بات ...میں گونج رہی تھی کہ کوئی ہے جو اس سے بات کرنے ...بے چین ہے۔ وہ سوچ رہا تھا اور اندازہ لگانے کی ...کر رہا تھا کہ ابھی جو اسے فون پر مخاطب کرنے والا ہے ...ہو سکتا ہے؟

...بہت سوچنے کے بعد ایک ہی نام ذہن میں ابھر رہا تھا ...آکاش داموردار اس سے رابطہ کرنے والا ہے۔ کچھ دیر ...موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے اٹھا ...سی ایل آئی میں نمبر دیکھا۔ وہ نیا نمبر تھا۔ کوئی اجنبی اسے ...کر رہا تھا۔ اس نے ایک ذرا سوچنے کے بعد اسے آن ...کان سے لگایا پھر کہا۔''ہیلو!''

...دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔''ہیلو۔ ...مے آئی ٹو اسپیک ود مسٹر شہباز درانی۔''

...میں شہباز درانی بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟''

...دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔''میں ہندوستان ...جان عرف نانا بھائی بات کر رہا ہوں۔''

...دونوں ایک دوسرے کو غائبانہ طور پر جانتے تھے آج ...نانا بھائی نے اسے مخاطب کیا تھا، شہباز اس کا نام سن ...ذرا چونک گیا، ہر طرف سے بری بری خبریں سننے کو ...مل۔

...پریشان ہوکر سوچنے لگا۔''یہ ہندوستان میں ہے ...درانہ بھی وہیں ہے۔ کہیں اس نے اس کے بارے میں کوئی بری خبر سنانے کے لیے فون تو نہیں کیا ہے؟''

نانا بھائی کچھ دیر تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا''کیا بات ہے مسٹر شہباز! میرا نام سن کر آپ چپ کیوں ہوگئے ہیں؟''

وہ خیالات سے ایک ذرا چونک کر بولا۔''آں، ہاں میں سوچ رہا ہوں، ہندوستان کے مہان گینگسٹر نے آج مجھے کیوں مخاطب کیا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولا۔''مہان تو آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جو سپر پاور کے زیر اثر رہ کر ہر اعتبار سے سپر بن جاتے ہیں۔''

وہ ایک ذرا مایوسی سے سوچنے لگا۔ طاقت کا نشہ کسی حد تک ہرن ہوگیا تھا۔ اب تو بچاؤ کی تدبیر کرنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ سپر پاور جس نے اسے سپر بنایا تھا اب وہی اس کے لیے عذاب جان بننے والی تھی۔ اسے اس کی تمام صلاحیتوں اور وفاداری سمیت نگلنے والی تھی۔

نانا بھائی نے پوچھا۔''آپ کم بولتے ہیں؟''

اس نے مسکرا کر کہا۔''ہم میں اور آپ لوگوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ہم بولتے کم ہیں لیکن سوچتے زیادہ ہیں۔''

وہ بھی مسکرا کر بولا۔''ہم لوگوں میں یہ خاصیت بھی ہوتی ہے کہ آپ جیسے حضرات کو سوچنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔''

وہ بولا۔''آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ آپ مجھے ایسا موقع فراہم کیوں کر رہے ہیں؟''

''آپ جہاندیدہ ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ پیاسا کنویں کے پاس کیوں آتا ہے؟''

''یعنی آپ کو پیاس لگی ہے؟''

''جی ہاں، اسی لیے آپ کے کنویں پر آیا ہوں۔''

اس سے باتیں کرکے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دردانہ کے تعلق سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس نے کہا۔''آپ یہ تو جانتے ہوں گے کہ ہمارے کنویں کی گہرائی سے پانی نکالنا آسان نہیں ہے۔ اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے، والا معاملہ ہوتا ہے۔''

وہ بولا۔''انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا ہوں۔ ان اصولوں کو خوب جانتا ہوں، تالی دونوں ہاتھوں سے بجے گی۔''

''سنا ہے تم ہندوستانی انڈر ورلڈ والوں کے بھائی ہو، سب کے گرو؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اس پاکستانی بھائی سے کام

لینے آئے ہو؟''

''چاند پر رہنے والے کی حکومت صرف چاند پر ہی ہوسکتی ہے۔ شکار سورج پر ہو تو وہاں کے صاحبِ اقتدار سے رابطہ کرنا پڑتا ہے اور میں یہی کر رہا ہوں۔''

اس کا دھیان اپنی دردانہ کی طرف گیا۔ نانا بھائی چاند پر رہ کر سورج والے سے ساز باز کر رہا تھا، کسی معاملے میں اس کی مدد چاہتا تھا۔ وہ سمجھنے لگا کہ کیا میں اس کی مدد کرنے کے صلے میں اپنا الو سیدھا نہیں کرسکتا؟ ہاں اپنی دردانہ کو آکاش دامودر کی قید سے نکالنے کے سلسلے میں نانا بھائی سے سودا کیا جاسکتا ہے۔''

شہباز نے کہا۔''تم جو چاہو گے۔ وہ یہاں ہو جائے گا۔ لیکن میرا بھی ایک مسئلہ ہے، جسے تم حل کرسکتے ہو۔''

نانا بھائی نے کہا۔''چشم ماروشن دلِ ماشاد۔ پھر تو دونوں کی کشتی پار لگے گی۔ آپ اپنا مسئلہ بتائیں پھر میں اپنا مسئلہ پیش کروں گا۔''

اس نے کہا۔''میں تمہارے علاقے سے اپنی بہت ہی قیمتی چیز حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''سمجھیں کہ وہ آپ کے قدموں میں پہنچ گئی ہے۔''

شہباز نے کہا۔''سرحد کے اس طرف تمہارے اختیارات بے معنی ہوجاتے ہیں اور سرحد کے اس پار میری طاقت کسی حد تک کمزور ہوجاتی ہے، ہم ایک دوسرے کے تعاون سے اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔''

نانا بھائی نے کہا۔''ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ آپ پر تو سپر پاور کی چھپر چھایا ہے، آپ کے لیے کسی بھی ملک کی سرحد کوئی معنی نہیں رکھتی ہوگی۔ پھر مجھ سے تعاون حاصل کرنے کی وجہ کیا ہے؟''

شہباز نے کہا۔''دراصل بات یہ ہے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں پرسنل معاملات میں اپنے اوپر والوں کو نہیں الجھاتا۔''

وہ دونوں شیطانی سوچ رکھنے والے شاطر تھے۔ نانا بھائی اپنی بیٹی کی خوشیاں پوری کرنے کے لیے ایک باپ کے جگر گوشے کو اغوا کرانا چاہتا تھا اور دوسرا اپنی محبوبہ کی سلامتی اور اس کی بہ خیریت واپسی چاہتا تھا۔ اور اسے جس کی قید سے نکلوانا چاہتا تھا اس بے چارے کی محبوبہ کو اوپر بہت اوپر پہنچا چکا تھا۔

نیلماں دامودر کی واپسی ممکن نہیں تھی مگر دردانہ کو آکاش کی قید سے نکالنے کا راستہ نانا بھائی کی صورت میں مل رہا تھا۔ دونوں ہی بیٹھے بٹھائے اپنا مسئلہ حل کرنے والے تھے۔

مسائل یوں بیٹھے بٹھائے حل ہونے لگیں تو پھر کیا بات سراب نما خوشیاں زندگی میں اسی طرح دھوم مچاتی ہو[ئی] ہیں اور اس دھوم دھڑا کے میں پتا ہی نہیں چلتا کہ مصا[ئب] کیسے دبے قدموں زندگی میں گھسے چلے آتے ہیں؟

ان دونوں کے درمیان تمام معاملات طے ہوگئے کے باوجود ابھی انہیں بہت سے مرحلے طے کرنے تھے وہ عقل کی دہلیز پر تدبیر کے پاپڑ بیلنے والے تھے۔

رابطہ ختم ہوگیا تھا۔ شہباز موبائل فون آف کرکے آ[کاش] کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اب تک بڑی کامیابی [سے یہ] کہہ کر اسے بیوقوف بناتا آرہا تھا کہ اس کی نیلماں زند[ہ ہے] اور شاید کسی کی قید میں ہے۔

آکاش اس کی بازیابی کے بعد ہی دردانہ کو رہا کر[نے] والا تھا لیکن اب اسے دوسرا راستہ مل گیا تھا۔ اس دو[سرے] راستے سے اس کی دردانہ واپس آنے والی تھی۔

وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اپنے دستاویزات اور دوسرا ضروری سامان ایک بیگ میں [رکھ] رہا تھا۔ یہ طے کرچکا تھا کہ اسے ایک غیر معینہ مدت [کے] لیے کہیں روپوش ہوجانا ہے۔ میں ایسے وقت اس کے بگ[ڑتے] ہوئے مقدر پر نہ ہنسنا چاہتا تھا، نہ افسوس کرنا چاہتا تھا ہنسنے اور افسوس کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ خوشیوں کی دھام میں آخر دھما کا ہو ہی گیا۔

وہ پیکنگ میں مصروف تھا۔ ایسے ہی وقت میں مو[بائل] فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے اٹھا کر سی ایل آئی م[یں] دیکھا، آکاش کال کر رہا تھا۔ اس نے ایک ذرا سوچنے [کے] بعد بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔''ہیلو، آکاش!''

دوسری طرف سے خلافِ توقع دردانہ کی آواز [سنائی] دی۔ وہ روتے ہوئے بولی۔''شہباز! میں مرجاؤں [گی۔ یہ] لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔''ایسی کیا بات ہوگئی [ہے؟] کون لوگ تمہیں مار ڈالیں گے؟ آکاش سے تو میرا [سمجھوتا] ہوچکا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی نیلم[اں کا] سراغ لگاؤں گا، اسے کسی بھی طرح اس کے پاس پہ[نچاؤں] گا۔ اس نے بھی مجھ سے وعدہ کیا ہے، وہ تمہیں میری ا[مانت] سمجھ کر تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ کیا وہ وعدے سے [پھر گیا] ہے؟''

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔''ہاں، یہی بات [ہے۔] اچانک آکاش کے تیور بدل گئے ہیں۔ اس نے آخر[ی]

[ب]ات کرنے کے لیے اپنا یہ فون دیا ہے......

''فون اسے دو، میں اس سے بات کروں گا۔''

وہ اپنا فون کان سے لگائے انتظار کرنے لگا بڑی بے [چینی سے] ''ہیلو، ہیلو۔'' کہہ کر مخاطب کرنے لگا۔ دوسری [طرف س]ے دھیمی دھیمی سی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی [تھیں۔] الفاظ واضح نہیں تھے اس لیے باتیں سمجھ میں نہیں [آرہی] تھیں۔

[ب]ڑے کرب سے گزرنے کے بعد آکاش کی آواز سنائی [دی۔] ''تمہاری رکھیل درست کہہ رہی ہے، میرے تیور بدل [گئے ہی]ں۔ ہمارے درمیان جو سمجھوتا ہوا تھا اسے ختم سمجھو۔''

[ا]س نے پریشان ہوکر پوچھا۔''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا [تم اپنی] نیلماں کی واپسی نہیں چاہتے ہو؟ جب کہ میں تن من [دھن س]ے یہاں اس کا سراغ لگا رہا ہوں؟''

''تم بکواس کر رہے ہو۔ مجھے جھانسا دے رہے ہو۔ [اپنی رکھ]یل کو میری گرفت سے نکال لے جانے کے لیے کچھ [وقت ح]اصل کر رہے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم خواہ مخواہ مجھ پر شبہ کر رہے [ہو۔ می]ں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ یقین کرو، تمہاری [نیلماں ت]ک تقریباً پہنچ چکا ہوں۔''

''میں کیسے یقین کروں؟''

''میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟''

''بہت آسان ہے، میں تمہاری دردانہ کی آواز فون پر [سنا رہا ہ]وں، تم میری نیلماں کی آواز سنا سکتے ہو۔''

[وہ ب]وکھلا گیا، بات نہیں بن رہی تھی۔ آکاش کسی بہانے [سے ٹ]التا دکھائی نہیں دے رہا تھا اس نے کہا۔''وہ ابھی یہاں [ہوتی تو] میں تمہیں اس کی آواز سنا دیتا اس وقت وہ ایک [دوسرے] علاقے میں ہے۔ میرے آدمی کل تک اسے یہاں [لے آئی]ں گے۔''

[وہ] غرانے کے انداز میں بولا۔''اس وقت تم بول نہیں [رہے ہ]و۔ ایک خارش زدہ کتے کی طرح بھونک رہے ہو۔ [اب تمہاری] کوئی بات نہیں بنے گی، تمہارا کوئی جھوٹ کام نہیں [آئے گ]ا کیونکہ سچ مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ میری نیلماں اس [دنیا میں ن]ہیں رہی ہے۔''

[وہ] ہکلاتے ہوئے بولا۔''یہ...... یہ...... تم سے کس نے [کہا]؟ یہ جھوٹ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ......''

''[سچ یہ ہے] کہ تمہارے ایک دستِ راست اسد عزیزی نے [اسے مو]ت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

[دوسری طرف سے آکاش کی زبا]ن پر ایک درد بھری سرد آہ سنائی دی۔''آہ! نیلماں! میری جان! میں تیری آتما کو شانتی پہنچاؤں گا، تیرے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا۔''

پھر وہ غصے سے لرزتے ہوئے بولا۔''شہباز! تیری رکھیل بھی اسی طرح سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر اس دنیا سے جائے گی جیسے میری نیلماں گئی ہے۔ اپنے مقدر کو آواز دے کہ وہ آئے اور اسے بچالے......''

شہباز کے دیدے پھیل گئے تھے۔ اسے دن میں تارے نظر آرہے تھے اور میں یاد آرہا تھا۔

میں تو بس ایسا ہی ہوں، ایسے ہی وقت یاد آتا ہوں۔

میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
مقدر ہوں، میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

شہباز درانی عقلِ افلاطون لے کر پیدا ہوا تھا۔ چٹکی بجاتے ہی ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ لیتا تھا۔ پھر سپر پاور کی سرپرستی نے تو اسے خدائی دعوے دار بنا دیا تھا۔ مگر دردانہ بیگم کا معاملہ اس کے تخت کا تختہ کر رہا تھا۔ اس کے حوالے سے پیش آنے والے مسائل کا منہ بند کرتے کرتے اس کا اپنا منہ کھل گیا تھا، وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

ہر انسان کے اندر ایک حیوان چھپا ہوتا ہے۔ یہ حیوانیت وقتاً فوقتاً اپنا لوہا منواتی رہتی ہے، ایسے ہی حالات میں انسانیت پر حیوانیت حادی ہو جاتی ہے اس وقت وہ سپر پاور کی ٹھنڈی چھاؤں میں تھا۔ اس کے باوجود حالات کے لات جوتوں کی دھوپ اور گرمی میں جھلس رہا تھا، جانور بن گیا تھا، کتے کی طرح منہ کھول کر زبان نکال کر ہانپ رہا تھا۔

جانور کے پاس عقل نہیں ہوتی۔ اس وقت وہ بھی کچھ خالی خالی سا ہو گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، دردانہ کو ہندوستان بھیج کر اپنے بھیجے کا ستیاناس کر چکا ہے۔ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اپنی جانِ حیات کی رہائی کے سلسلے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

وہ تو شروع ہی سے کچھ نہ کچھ کرتا آ رہا تھا۔ آکاش کی کال سے پہلے اس نے دردانہ کی واپسی کا راستہ ہموار کر لیا تھا۔ ہندوستانی انڈر ورلڈ کے نامی گرامی یوسف جان عرف نانا بھائی سے یہ سودا کر چکا تھا کہ وہ اس کی دردانہ کو آکاش کی قید سے نکال لائے گا اور شہباز جاوید برقی کے بیٹے اشعر کو اغوا کر کے نانا بھائی کے حوالے کرے گا۔ یوں دردانہ کا معاملہ بڑی آسانی سے حل ہونے والا تھا۔

لیکن مقدر میں خرابی ہو تو انسان تدبیر کے راستے پر ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے وہ زمانے بھر کو اپنے سامنے جھکانے والا اب میری (مقدر) ٹھوکروں میں توازن کھو رہا تھا اور بار بار اوندھے منہ گر رہا تھا۔

میں جان بوجھ کر خواہ مخواہ کسی کو ٹھوکر نہیں مارتا۔ لوگ اپنے کرتوتوں کے باعث آپ ہی ٹھوکروں میں آ جاتے ہیں۔ پھر ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی خدا یاد آتا ہے۔ ہر موقع پر سپر پاور کو یاد کرنے والے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اسے اسی طرح لات جوتوں میں رکھا جائے۔ کبھی تو اسے بھی خدا یاد آئے گا۔

یہ سن کر اس کے اندر دھماکا سا ہوا تھا کہ آکاش دامودر کو نیلماں کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ دیدے پھیلائے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا یہ اطلاع اس تک کیسے پہنچ گئی؟ نیلماں کو تو بڑی رازداری سے ابدی نیند سلایا گیا تھ اطلاع کسی ذریعے سے بھی پہنچی ہو، لیکن اب اس کے بارے میں سوچنے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ سوچ کے گھوڑے ہڑبڑا کر ایک ہی سمت تھے کہ دردانہ کا کیا بنے گا؟ آکاش کھلے لفظوں میں کہ وہ اس کی رکھیل کو تڑپا تڑپا کر اس دنیا سے رخصت گا۔ وہ سپر پاور کی چھتر چھایا میں رہ کر بھی آکاش بگاڑ سکتا تھا۔

میں جب بھی اس سے رابطہ کرتا تھا۔ کوئی خبر ہی سناتا تھا۔ میرے معاملے میں وہ دوہری گزر رہا تھا۔ اسے میری ذات سے وحشت ہو بے چین کر دینے والی کشش بھی تھی کہ بے شک بری خبر سناتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی بچاؤ دکھاتا ہوں۔

فی الحال وہ تدبیر سے ہی اپنی بگڑی تقدیر بنا مجھ سے خود رابطہ کر کے، میری سامنے جھک کر کرنا چاہتا تھا کہ وقت اور حالات اس پہاڑ کو جھکا بدنصیبی اور ناکامی کے تھپیڑے اسے نہ معلوم چورا ریزہ ریزہ کر رہے ہیں۔

لاکھ جتن کے باوجود وہ بکھر رہا تھا۔ اور اس رکھنے والی اس سے بہت دور اپنی جان سے جا اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے زیر لب کہ میری جان! میں تمہیں جان سے نہیں جانے دوں گ کرو، میں جلد ہی کوئی تدبیر کروں گا، تمہیں آکاش سے یوں نکال لاؤں گا، جیسے مکھن سے بال نکالا جا وہ واقعی مکھن کا بال بن گئی تھی۔ بال کو چٹکی نکالنے کی جتنی کوشش کرو۔ وہ مکھن میں اتنا ہی ہے۔ وہ ہاتھ آتے آتے پھسل رہی تھی۔ اس کی ہو رہی تھی۔

وہ اپنے پرائیویٹ چیمبر میں تھا۔ ایسے ذہنی مبتلا تھا جیسے چیمبر میں نہیں، کسی کال کوٹھری میں نانا بھائی سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد اسے اطمینان حاصل ہوا تھا اور وہ امریکی سی آئی اے آفیسر جوزف مارٹن کی آمد سے پہلے کہیں روپوش تیاریاں کر رہا تھا۔

سی آئی اے والوں کے ہاتھ آنے کا مطلب وہ اپنی جان سے جاتا۔ وہ اہم دستاویزات جو اس

کے پھڑپھڑاتی ہوئی مچھلیوں کی طرح پھسل چکی تھیں، اس کے گلے کا پھندا بننے والی تھیں۔ دوسری صبح دس بجے آنے والے جونیئر آفیسر سے کترانا، اس سے منہ چھپانا یا کسی طرح باتیں بنا کر اسے ٹالنا ضروری ہو گیا تھا جبکہ وہ ٹلنے والا بندہ نہیں تھا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے بہت سی ضروریات بیک وقت سر پر مسلط ہو جاتی ہیں، پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس ضرورت کو پہلے اہمیت دی جائے اور کسے پسِ پشت ڈال دیا جائے؟ وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اپنے تحفظ کے ساتھ ساتھ دردانہ کا معاملہ بھی نمٹانا چاہتا تھا۔

اس نے ہاتھ میں تھامے ہوئے موبائل فون کو دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے رابطہ کرے؟ مدد کے لیے کس ناخدا کو پکارے؟ آکاش نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی دردانہ کے بچاؤ کے لیے مجھے یعنی اپنے مقدر کو آواز دے۔

مجھے اس کے بلاوے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو بن بلائے کسی جیب خرچ کے بغیر ہی سب کی زندگی میں گھسا چلا آتا ہوں۔ اس وقت بھی اس کے پاس تھا، اس کی ہتھیلی پر ہمہ وقت موجود رہتا تھا لیکن کچھ لوگ پچھتاوے کے وقت دونوں ہاتھ ملتے ہیں۔ اپنی ہتھیلیاں رگڑتے رگڑتے اپنے مقدر کو بھی پیس ڈالتے ہیں۔

وہ نانا بھائی سے رابطہ کرنا چاہتا تھا اور نئی صورتِ حال کے مطابق دردانہ کے معاملے کو ہنگامی طور پر حل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے آکاش سے اہم باتیں کرنی تھیں۔ موبائل فون کا ایک بٹن دباتے ہی رابطہ ہو سکتا تھا لیکن وہ پہلے سوچنے لگا، ہر پہلو پر غور کرنے لگا کہ دردانہ کی سلامتی کے لیے شطرنج کی بساط پر کس مہرے کو آگے بڑھائے؟ ایسی کون سی چال چلے کہ آکاش کی طرف سے کچھ مہلت مل جائے؟

اس نے ایک ذرا سوچنے کے بعد آکاش کے فون نمبر کو ڈائل کیا پھر اسے کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف بزر چیخ رہا تھا۔ آکاش نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھے پھر حقارت بھرے لہجے میں دردانہ سے کہا۔ ''کتے کی دم پر پاؤں پڑ جائے تو وہ تلملا کر چیخنے لگتا ہے، کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اس وقت تمہارے عاشقِ نامراد کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔''

وہ اس کے محبوب کو کتا کہہ رہا تھا، لیکن وہ مجبور تھی، اس کا منہ نہیں نوچ سکتی تھی۔ یہ سن کر بے چین ہو گئی تھی کہ شہباز کال کر رہا ہے۔ اس نے ایک ذرا بے بسی سے کہا۔ ''پلیز فون تو اٹینڈ کرو، اس سے باتیں کرو، نیلماں کے معاملے میں تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، وہ اسی کو دور کرنے کے لیے کال کر رہا ہوگا۔''

وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ ''میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔''

فون کا بزر چیختے چیختے یوں بند ہو گیا جیسے اپنی جانِ حیات کو پکارتے پکارتے شہباز کا حلق خشک ہو گیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر فون کو دیکھ رہی تھی پھر التجا آمیز لہجے میں بولی۔ ''تم کیسے دیوانے ہو، اپنی محبوبہ کے بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتے۔ ہو سکتا ہے، نیلماں زندہ ہو اور شمشیر خان اس کے بارے میں کچھ بتانے کے لیے کال کر رہا ہو۔''

آکاش نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''تم اپنے ذرائع کے مطابق نیلماں کو مردہ تسلیم کر رہے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہیں غلط انفارمیشن دی گئی ہو؟ تمہیں بھٹکایا جا رہا ہو۔ تمہارا کوئی دشمن نیلماں تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو؟''

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، ماتھے پر ایک انگلی سے یوں لکیریں کھینچ رہا تھا جیسے اپنی میموری میں کسی دشمن کا نام تلاش کر رہا ہو۔ خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کی باتوں سے کسی حد تک قائل ہو رہا ہے۔

لوہا گرم ہو رہا تھا اور وہ برابر ضربیں لگا رہی تھی۔ کہتی جا رہی تھی۔ ''میں نہیں جانتی، شمشیر خان سے میرا کیا تعلق ہے، لیکن اس کی چاہت مجھے سمجھا رہی ہے کہ وہ میرا دیوانہ ہے، اور مجھے حاصل کرنے کے لیے نیلماں کو تمہارے پاس لانے والا ہے مگر تمہاری ایک ذرا سی بے اعتمادی صرف ہمیں ہی نہیں تمہیں بھی نقصان پہنچائے گی۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''مجھے مار کر تمہیں کیا ملے گا؟ وہ انجانے دشمنوں سے تمہاری محبوبہ کو چھین کر لانے والا بپھر جائے گا۔ جب میں اسے نہیں ملوں گی تو وہ بھی نیلماں کو تم تک نہیں پہنچائے گا۔ میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن تم غور کرو، مجھے موت کے گھاٹ اتارنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور زندہ رکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟''

وہ سن رہا تھا اور قائل ہو رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اگر نیلماں زندہ ہے تو وہ دردانہ کو مار کر اس کی واپسی کا آخری راستہ بھی بند کر دے گا۔ فی الحال اسے یہی کرنا چاہیے۔ دردانہ کو اپنے قبضے میں رکھ کر شمشیر خان کی کمزوری

سے فائدہ اٹھانا چاہیے سرحد کے اس پار وہ دیوانہ اس کے کام آسکتا ہے۔

دوسری طرف شہباز جھنجلایا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ریڈائل کا بٹن دبایا۔ رابطہ ہونے پر آکاش کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو!''

وہ بولا۔ ''تم نے صرف اپنی باتیں کیں اور فون بند کردیا۔ میں رابطہ کررہا ہوں تو کوئی جواب نہیں دے رہے ہو مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع تو دینا چاہیے۔''

اس نے ایک نظر دردانہ پر ڈالی پھر کہا۔ ''موقع دینا چاہتا ہوں، اسی لیے فون ریسیو کررہا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''نیلماں کے بارے میں تمہیں غلط انفارمیشن ملی ہے نہ میرا کوئی دستِ راست ہے اور نہ میں نے تمہاری محبوبہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں ہوں پھر دشمنی کیوں کروں گا؟''

''یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ لہٰذا سمجھنے کے لیے ہی تمہارا یہ فون اٹینڈ کررہا ہو۔ فی الوقت یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں شائد کوئی انجانا دشمن، ہمیں الجھا کر اپنا کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

شہباز نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ بات بنتی دکھائی دے رہی تھی۔ ادھر دردانہ بھی خوش ہوکر آکاش کو دیکھ رہی تھی، تیر نشانے پر لگا تھا۔ شہباز نے کہا۔ ''تم ایک ذرا سی غلط فہمی میں مبتلا ہوکر بہت بڑا قدم اٹھانے جارہے تھے جب تک ہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کریں گے تب تک اپنے کسی انجانے دشمن کو سمجھ نہیں پائیں گے۔''

وہ بولا۔ ''اعتماد تو میں اپنے باپ پر بھی نہیں کرتا۔ تم پر بھی نہیں کروں گا۔ فی الحال سمجھوتا کررہا ہوں۔ ہمارے درمیان اِس ہاتھ لے، اُس ہاتھ دے والا سودا ہوگا۔ تمہیں ایک مقررہ وقت تک میری نیلماں کو یہاں پہنچانا ہوگا تاخیر کی صورت میں یہ سودا ختم ہوسکتا ہے۔''

اس کی ضرورت کے مطابق مہلت مل رہی تھی۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''تم فکر نہ کرو، بس یوں سمجھو کہ میں تقریباً تمہاری نیلماں تک پہنچ چکا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''تم نے کہا تھا کہ وہ وہاں کے ایک سرحدی علاقے میں ہے اور کل تک تمہارے پاس پہنچنے والی ہے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس کے پہنچتے ہی مجھے اس کی آواز فون پر سناؤ گے پھر یہاں تمہاری دردانہ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

چوبیس گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ اس عرصے م دنیا ادھر سے ادھر ہوجاتی ہے۔ دردانہ بھی ادھر سے ہوسکتی تھی۔ انڈیا سے پاکستان پہنچ سکتی تھی۔ شہباز نے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''''مجھے منظور ہے مقررہ مدت سے پہلے ہی نیلماں کی آواز تمہیں سناؤں گا۔''

اس کی ایک کشتی ساحل کی طرف بڑھتی دکھائی دے تھی۔ لیکن دوسری ابھی منجدھار میں تھی۔ وہ امریکی ی اے کا جونیئر آفیسر جوزف مارٹن آنے والا تھا، اے کنارے لگانا تھا۔

آکاش سے رابطہ ختم ہوگیا تھا۔ ایک بلا عارضی طور گئی تھی۔ اس نے اپنے بیگ کو دیکھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اس ضروری کاغذات بھر رہا تھا۔ اس جونیئر آفیسر کے آنے پہلے کہیں روپوش ہونے کی تیاریاں کررہا تھا۔

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، جو کچھ دستاویزات نظر آگئی تھیں، انہیں بیگ میں رکھ لیا پھر اس زپ بند کرنے کے بعد موبائل فون پر نانا بھائی سے کہا'' میں درانی بول رہا ہوں۔ کیا ابھی تم سے تفصیلی گفتگو ہے؟''

وہ بولا۔ ''ہاں ہاں بالکل ہوسکتی ہے۔ ہمارے در ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ ہوا ہے اور اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کو چاہیے۔''

''ہمارے درمیان جو معاملہ طے ہوا ہے اس پر تیزی سے عمل درآمد ہونا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں، کل آج اور آج کا کام ابھی ہوجائے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں بھی کسی کام میں پسند نہیں کرتا۔ آپ کے علاقے سے اپنی مطلوبہ چیز کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ جتنی تیزی آپ دکھائیں گے، اتنی ہی پھرتی میں بھی دکھاؤں گا۔ اس طرح تالی ہاتھوں سے بجے گی اور خوب بجے گی۔''

اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ ''میں چار گھنٹے اندر اس مطلوبہ بچے اشعر کو تمہارے حوالے کردوں گا۔''

''ادھر آپ اس بچے کو میرے مقررہ مقام پر پہنچائیں گے۔ ادھر میں آپ کی مطلوبہ خاتون کو آکاش کے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچادوں گا۔''

وہ دونوں معاملات طے کررہے تھے۔ اپنے طور دوسرے کو کامیابی کی بھرپور ضمانت دے رہے تھے۔ ایسے نفرت میں بھی ان کے درمیان تھا، دونوں کی ہتھیلیوں پر کھڑا کھیل رہا تھا، ہونے والا سودا انہیں سودائی بنانے والا تھا۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹکیے ہتھیلیوں کے کٹوروں میں منہ چھپائے، سر جھکائے گم صم سی اپنے کوارٹر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسے حالات سامنے آتے ہیں کہ انسان تنہائی میں بھی منہ چھپانے لگتا ہے پاشا کی جو دیوانگی اس کے لیے تھی، وہ اس کے لیے مسائل پیدا کرتی جارہی تھی۔ وہ فی الحال کہیں دور جاکر اس سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی

یہ سب ہی کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کا دیوانہ ہو۔ اسے ٹوٹ کر چاہنے والا ہو۔ عروج کے اندر بھی پاشا سے چاہے جانے کی خواہش مچلتی تھی اور وہ دیوانہ اس کی طلب سے زیادہ اس کی خواہش پوری کررہا تھا لیکن اس کے لیے ناقابل حل مسئلہ بھی بنتا جارہا تھا۔

وہ اپنے، عینی کے اور پاشا کے درمیان بننے والی مثلث میں جکڑ کر رہ گئی تھی۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ ایک طرف جان سے عزیز سہیلی تھی اور دوسری طرف منہ زور عاشق تھا۔

اس نے اسے جھوٹی محبت کا طعنہ دیا تھا۔ ''میں تمہیں خوب سمجھ گیا ہوا تم کبھی مجھ سے شادی نہیں کروگی، محبت کا جھوٹا فریب دیتی رہوں، جھوٹے وعدے کرتی رہوگی۔''

پاشا نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ مرجائے گا لیکن اس کی محبت سے باز نہیں آئے گا، عینی کو چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگتا رہے گا۔ اگر وہ چاہتی ہے کہ وہ اس کی سہیلی کو بھرپور محبت اور توجہ دیتا رہے، اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا رہے تو اسے بھی اس سے شادی کے لیے راضی ہونا پڑے گا۔

یہ بات ماننے سے وہ کترا رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ شادی سے پہلے ہی اس کا دیوانہ ہے، اسے چھوڑ کر عینی کے قریب نہیں جاتا ہے۔ جبراً اس کی طرف دھکیلا جاتا ہے تو اس بے چاری سے رسمی سی محبت کرتا ہے پھر فوراً ہی جان چھڑا کر اس کی طرف چلا آتا ہے۔ ایسے میں وہ اس کی شریک حیات بن جائے گی تو وہ اسی سے چپک کر رہ جائے گا۔ عینی کو بالکل ہی نظر انداز کردے گا۔

وہ اپنی سہیلی کی سوکن نہیں بننا چاہتی تھی، لیکن پاشا نے ایک نئی الجھن پیدا کردی تھی کہ جب تک وہ اس سے شادی نہیں کرے گی، تب تک وہ عینی کے ساتھ ایک رات بھی نہیں گزارے گا اور اگر وہ اپنی سہیلی کی خوشیاں چاہتی ہے تو دوسرے دن اس کے ساتھ کورٹ میرج کرتی ہوگی۔

ایک محبوب شوہر بن کر زندگی میں آنا چاہے تو لڑکی مسرتوں کی برسات میں بھیگنے لگتی ہے، جذبوں کی تکمیل کے مرحلے سے گزرنے کا سوچ سوچ کر شرماتی رہتی ہے لیکن وہ الجھ رہی تھی۔ پاشا نے کہا تھا۔ ''ہم چپ چاپ رازداری سے نکاح پڑھوالیں گے۔ تم میری شریک حیات بن کر رہوگی۔ ہم یہ رشتہ دنیا والوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔''

اس نے کہا تھا وہ صبح دس بجے اسے فون کرے گا۔ اس کا فیصلہ سنے گا۔ وہ شادی سے انکار کرے گی' آئندہ بھی اسے محبت کا فریب دینا چاہے گی تو وہ انتقاماً عینی کو دھوکا دیتا رہے گا۔ اسے ایک شوہر کی محبت کے لیے ترساتا رہے گا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ دل و دماغ پر پاشا حاوی تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے فون کو اٹھایا۔ سی ایل آئی پر میرا نمبر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو۔ مقدر بھائی! کیسے یاد کیا؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''بہنیں مشکل میں ہوں تو بھائیوں کو یاد کرتی ہیں۔ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا؟''

وہ ایک ذرا گڑبڑا گئی پھر بولی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

وہی جو تم چھپا رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ میں تمہارے اور عینی کے ہاتھوں کو پڑھ چکا ہوں۔ اور یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کے ایک اہم مسئلہ میں الجھی ہوئی ہو۔''

وہ خاموش رہی۔ میں ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''تم دونوں سہیلیاں ایک ہی سورج کے نیچے جل رہی ہو۔ ایک ہی سایہ دار درخت ہے، اس کی چھاؤں ایک کو نصیب ہوتی ہے تو دوسری دھوپ میں پہنچ جاتی ہے۔''

اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''مقدر بھائی! کسی کو خوشیاں دینا اتنا مشکل کیوں ہوتا ہے؟ میں عینی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دینا چاہتی ہوں مگر تقدیر ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

''تقدیر سے جنگ لڑنی ہو تو تدبیر کے ہتھیار کو خوب تیز کرنا پڑتا ہے۔''

''میری تدبیر کا ہر ہتھیار میرا ہی گلا کاٹ رہا ہے۔''

میں اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہا تھا پھر بھی انجان بنتے ہوئے بولا۔ ''لگتا ہے تم میری توقع سے کچھ زیادہ ہی پریشان

ہو؟ کیا اپنی الجھنوں میں مجھے شیئر کرنے دو گی؟ ہوسکتا ہے، میرا کوئی مناسب مشورہ تمہارے کام آجائے؟''

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولی۔ ''شکریہ مقدر بھائی! میں جانتی ہوں، آپ کے مشورے میری مشکل آسان کرسکیں گے۔''

اس کے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی تھی کہ اس کی زندگی میں کسی کی مدد، کسی کا سہارا کام نہیں آئے گا جیت ہو یا ہار۔ وہ اپنی جنگ خود لڑتی رہے گی۔ سہیلی کو خوشیاں دینے کے لیے اور اپنے دیوانے کو خود سے دور رکھنے کے لیے حد سے گزرتی رہے گی۔

میں نے کہا۔ ''تم بہت اچھی ہو۔ دوسروں کے لیے قربانیاں دینا چاہتی ہو لیکن مقدر سے خوشیاں مل رہی ہوں تو ان خوشیوں کو دوسروں پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''میرا مسئلہ یہی ہے۔ میں کچھ لینے کے لیے نہیں، دینے کے لیے اپنے آپ سے لڑ رہی ہوں، میری ناکامی ہی میری کامیابی ہوگی۔''

میں ذرا خاموش رہا پھر بولا۔ ''تم مضبوط قوتِ ارادی رکھتی ہو۔ اس کے باوجود بھی کسی لمحے میں کمزور پڑ جاتی ہو۔ اپنے ارادوں سے ہٹ کر مخالف سمت میں بہنے لگتی ہو۔ اپنا محاسبہ کرکے دیکھو! کیا تمہارا دل تمہارے ارادوں کے خلاف بہکتا نہیں ہے؟''

وہ میری بات سن کر ذرا ٹھٹک گئی۔ اسے وہ کمزور لمحات یاد آنے لگے جب وہ تڑپ کر پاشا کی دھڑکنوں سے لگ گئی تھی وہ صرف اس کا محبوب ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن عینی کے حوالے سے یہ سوچ آتی تھی کہ اس نے سہیلی کے شوہر کے سینے سے لگ کر، امانت میں خیانت کی ہے۔

وہ خاموشی سے اپنا محاسبہ کررہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تمہاری زندگی ایسے کمزور لمحات سے بھری پڑی ہے۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا ''کیا میں کسی کمزور لمحے پر قابو نہیں پاسکوں گی؟''

''مقدر کے لکھے کو بدلا جاسکتا ہے اپنی تقدیر سے جنگ لڑی جاسکتی ہے لیکن جنگ ہمیشہ جیتی نہیں جاتی، ہاری بھی جاتی ہے۔ تم جذباتی لمحات میں فرار کا راستہ بھول جاتی ہو۔''

اسے چپ سی لگ گئی اس نے خاموشی سے اپنی ایک کمزوری کا اعتراف کرلیا۔ میں خوب جانتا تھا کہ وہ کن حالات سے گزرنے والی ہے لیکن پیش گوئی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر میں اسے مشورہ دیتا کہ وہ پاشا کی بات مان لے اور اس سے چوری چھپے کورٹ میرج کرلے تو وہ راضی نہ ہ[illegible] اس کے مقدر میں پریشانیاں اور الجھنیں لکھی ہوئی تھیں ا[illegible] مقدر کا لکھا پورا کرنے والی تھی۔

میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''وقت اور حا[illegible] کے مطابق اپنے اصولوں میں، اپنے فیصلوں میں لچک کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ موجودہ حا[illegible] میں قربانی کا جذبہ تمہیں مہنگا پڑے گا۔''

وہ پریشان ہوکر بولی۔ ''آپ بھی خوب ہیں، کبھی ا[illegible] مشوروں سے حوصلے بڑھاتے ہیں اور کبھی ایک دم سے ما[illegible] کردیتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''تمہاری اور عینی کی زندگی اس جھو[illegible] طرح ہے جو ایک کو بلندی پر لے جاتا ہے تو دوسری لامحالہ [illegible] میں چلی جاتی ہے۔ تم ایک دوسرے سے مربوط ہونے [illegible] باوجود نہ ایک ساتھ چھاؤں میں رہ سکتی ہو اور نہ دھوپ [illegible] اسی لیے میرے مشورے کبھی حوصلہ بڑھاتے ہیں اور کبھی ما[illegible] کردیتے ہیں۔''

پھر میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''تم، عینی ا[illegible] پاشا ایک مثلث کے تین کونے ہو، ایک دوسرے سے جڑ[illegible] ہوئے ہو۔ کسی ایک کا غلط قدم باقی دو کو کسی کھائی میں گرا [illegible] تھا۔ آیندہ غلطی کس سے ہوگی؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا[illegible] گا۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال کرتی، میں نے راب[illegible] ختم کردیا۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اپنے فون کو دی[illegible] بات کتنی ہی اچھی ہو، سچی ہو، مگر وہ مقدر کی خرابی کے باعث [illegible] سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی عینی اور پاشا [illegible] درمیان الجھی ہوئی تھی۔ صبح کے دس بجنے والے تھے پاشا کی [illegible] وارننگ یاد آرہی تھی۔ وہ ٹھیک دس بجے اسے مخاطب کرنے والا تھا۔ شادی کے سلسلے میں اس کا آخری فیصلہ سننے والا تھا۔ ایسے وقت اس کا جی چاہا تھا، اپنے موبائل فون کو آف کر دے۔

لیکن ایسا کرنے سے وہ منہ زور عاشق طیش میں آکر نہ جانے کیا کر بیٹھتا؟ وہ سوچ رہی تھی، ہر پہلو پر غور کررہی تھی۔ اس دیوانے کو اپنی باتوں سے قائل کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ پھر بھی ایک امید تھی کہ شائد رات سے صبح ہونے تک اس کی سوچ میں کچھ تبدیلی آئی ہو۔ اس نے اپنے فیصلے میں کچھ لچک پیدا کی ہو۔

اس نے سر گھما کر اپنے ہینڈ بیگ کو دیکھا پھر اس کی زپ کھول کر موبائل فون کو اس کے اندر یوں رکھ دیا جیسے پاشا کی

کال سننا نہ چاہتی ہو۔ عینی اسپتال سے ڈسچارج ہوچکی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوسری صبح اس سے ملنے کوٹھی میں آئے گی۔ اس نے ایک نظر دیوار گیر گھڑی پر ڈالی۔ فون کو چھپا دینے کے باوجود دل باغی ہو رہا تھا، اس کی آواز سننے کے لیے مچل رہا تھا۔

دس بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اسے جانے کی تیاری کرنی تھی۔ شاور لینا تھا، لباس تبدیل کرنا تھا۔ اس نے الماری کو کھول کر ایک سوٹ نکالا پھر کن انکھیوں سے اپنے بیگ کو دیکھتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ لباس کو ایک کھونٹی پر لٹکانے لگی۔ ایسے لمحات میں وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنی ہوئی تھی۔ وجود واش روم میں تھا، دماغ عینی کی طرف بھٹک رہا تھا اور دل فون کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ تولیہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کمرے میں جانے کا ایک معقول بہانہ سجھائی دینے لگا، وہ فوراً ہی واش روم سے نکل کر کمرے میں آگئی گھڑی پر نظر پڑی دس بج کر پانچ منٹ ہوچکے تھے اس نے بے چین ہوکر اپنے بیگ کو دیکھا وہ یہی چاہتی تھی کہ پاشا رابطہ نہ کرے تو بہتر ہے لیکن اب فون کی خاموشی اسے الجھن میں مبتلا کررہی تھی۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھ کر بیگ کی زپ یوں کھول دی، جیسے اس کے لیے دل کے دروازے کھول رہی ہو جبکہ کوئی دستک کوئی آہٹ نہیں تھی۔ اور کیسے ہوتی؟ جسے آنا تھا وہ تو ازل سے اس کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

یکبارگی اس کے اندر دھماکا سا ہوا، موبائل ایسے چیخنے لگا، جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ سی ایل آئی پر پاشا کے نمبر سے پکار رہے تھے اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر فون کو بیگ سے نکالا پھر اسے آن کرکے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ 'ہیلو......!''

پاشا کی آواز سنائی دی۔ ''کیا فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں، پہلی ہی بیل پر اٹینڈ کرلیا؟''

وہ اس کے سوال پر گڑبڑا گئی۔ ''نن۔ نہیں۔ وہ بس......''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری چوری پکڑی گئی ہے تم مجھے چاہتی ہو، اس وقت بھی بے چینی سے میرے فون کا انتظار کررہی تھیں۔ تم اپنا سچ مجھ سے چھپانے لگی ہو۔''

وہ خاموش رہی وہ بڑی محبت سے بول رہا تھا۔ ''عروج! کیوں مجھ سے دور بھاگ رہی ہو؟ تم جو چاہتی تھیں وہ تو ہو چکا ہے، عینی میری منکوحہ بن چکی ہے۔ اب تمہارے پاس کوئی معقول بہانہ نہیں رہا ہے پھر کیوں ہمارے ذاتی معاملے کو طول دے رہی ہو؟''

وہ اس کا محبت بھرا لہجہ سن کر اندر ہی اندر لہرا گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''میں نہ بہانے بنا رہی ہوں، نہ تم سے دور بھاگ رہی ہوں۔ پلیز...... ہتھیلی پر سرسوں نہ جماؤ۔ آج تو کورٹ میرج ممکن نہیں ہے۔ میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

وہ ایک دم سے پھٹ پڑا گرجتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ہر لڑکی کے اندر کسی ایک کے لیے محبت کا جذبہ ہوتا ہے اور تمہارا وہ جذبہ عینی کے لیے ہے، کسی کے لیے دل و جان قربان کردینے کا ایک جنون ہوتا ہے اور وہ جنون عینی کے لیے ہے۔ میرے لیے کیا ہے؟ میرے لیے تمہارا جھوٹ ہے اور تمہارے جھوٹے بہلاوے ہیں۔''

وہ جیسے تھوکنے کے انداز میں ایک جھٹکے سے بولا۔ ''لعنت ہے تم پر! اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تم مجھے اپنی سہیلی کی زندگی میں پہنچانے کے لیے محبت کا یہ ناٹک کررہی تھیں لیکن میں فریب کھا کر چپ رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہارے دن رات کا سکون برباد کردوں گا۔''

''تم میرا گلا دبا کر مجھے مار ڈالو۔ میں تمہارے ہاتھوں مرجاؤں گی لیکن شادی فی الحال میرے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں، سول کورٹ کے سامنے دوپہر ایک بجے تک تمہارا انتظار کرتا رہوں گا اگر تم نہ آئیں تو......''

عروج کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ پتا نہیں وہ کیا کہنے والا ہے، کیا کرنے والا ہے؟ اس نے کہا۔ ''تو میں اسے ٹھکرا دوں گا جس کے لیے تم مجھے ٹھکرا رہی ہو۔''

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کردیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پاشا کا یہ چیلنج اس کے اندر دھماکے کرنے لگا۔ اس نے آج تک عینی کے لیے جتنی قربانیاں دی تھیں وہ پاشا کی ایک ٹھوکر سے خاک ہونے والی تھیں۔

اس نے فوراً ہی اس کے نمبر پنچ کیے لیکن رابطہ نہ ہوسکا۔ پاشا نے اپنا فون بند کردیا تھا۔ وہ پریشان ہوکر سوچنے لگی۔ ''پتا نہیں وہ عینی کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرے گا؟ خدا جانے وہ کیا کرنے والا ہے؟''

وہ غسل کرنا بھول گئی، فوراً ہی لباس تبدیل کرکے ہینڈ

بیگ اٹھاتی ہوئی کوارٹر سے باہر آئی وہ جلد سے جلد عینی کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ اسے اپنے موجودہ حالات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ پاشا کا رویہ اس کے لیے بدلنے والا ہے۔

وہ کوارٹر کے دروازے کو لاک کر کے اپنی کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر آ گئی اسپتال کے پارکنگ ایریا میں چند ٹیکسیوں کے درمیان پاشا کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھا اپنی جان حیات کو پریشان حال دیکھ رہا تھا۔ وہ جلد بازی میں تھی۔ بڑے اضطرابی عالم میں اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے جا رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی ٹیکسی اسٹارٹ کی پھر اسے پارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے اس کی کار سے بہت فاصلہ رکھتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا وہ آگے کار ڈرائیو کرتی ہوئی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''وہ دیوانہ سول کورٹ کے سامنے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کتنی بدنصیب ہوں، اس چاہنے والے کی قدر نہیں کر رہی ہوں۔''

دوسری طرف وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا ونڈ اسکرین کے پار دور جاتی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا۔ مقناطیس کے پیچھے لوہے کی طرح کھنچا جا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ ''یہ میری طرف کیوں کھنچی نہیں آتی؟ یہ راستہ سول کورٹ کی طرف نہیں جا رہا ہے۔ یہ میری طرف نہیں آ رہی ہے۔ یقیناً عینی سے ملنے جا رہی ہے۔''

وہ بڑے دکھ سے سوچ رہا تھا اور گہری سنجیدگی سے پلاننگ کر رہا تھا وہ دور جانے والی اس کی جان حیات تھی، وہ اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن کبھی کبھی علاج کے لیے سنگ دلی سے آپریشن کرنا ضروری ہو جاتا ہے' عینی کے معاملے میں وہ دیوانی تھی، اس دیوانے پن کو کسی حد تک کم کرنے کے لیے وہ کسی جراح کی طرح اسے ایک اذیت ناک منصوبے سے گزارنے والا تھا۔

اس کی کار عینی کی کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ذرا فاصلے پر اپنی ٹیکسی روک دی۔ وہ دور دور سے اپنے پیچھے لگائے رکھنے والی، نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

عروج کار سے اتر کر کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں ایسے ہی وقت دروازہ کھول کر باہر آ رہا تھا۔ اس نے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''سب ہی کہیں نہ کہیں جا رہے ہیں۔ لگتا ہے، ہر ایک کے مقدر میں گردش لکھی ہوئی ہے۔ تم اپنے مقدر کا لکھا پورا کرنے کے لیے یہاں چلی آئی ہو اور عینی کہیں اور جا رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں تو اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ کہاں جا رہی ہے؟''

میں نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''کبھی کبھی انسان اپنے ہاتھوں سے خود کو بھٹکانے کے راستے ہموار کرنے لگتا ہے وہ شاید یہی کرنے جا رہی ہے تم بھی یہی کر رہی ہو اور فی الوقت میں بھی یہی کرنے جا رہا ہوں۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا پھر کہا۔ ''ہم تو عام سے انسان ہیں، آپ کی طرح قابل نجومی نہیں ہیں۔ قیاس آرائیوں کے سہارے قدم بڑھاتے ہیں۔ آگے ہمارا نصیب کہ وہ قدم ہمیں کہاں لے جاتا ہے؟ لیکن آپ جان بوجھ کر بھٹکنے کیوں جا رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟''

میں نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی تو جان بوجھ کر بھٹک رہی ہو۔ میری پیش گوئی کے خلاف چل رہی ہو اور دیکھ رہی ہو، تمہاری بے وقوفی تمہیں کیسے حالات سے دوچار کر رہی ہے؟''

وہ نظریں چرانے لگی، مجھ سے کترا کر جانے لگی۔ میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''ایک آخری بات سمجھاتا ہوں، تم اپنی سی کوشش کرتی رہو، منہ زور طوفان کا رخ پھیرتی رہو۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا۔ وہ دیوانہ اسپرنگ کی طرح ہے۔ اسے جتنا دباؤ گی وہ اتنا ہی اچھلے گا۔''

میں اس کے قریب سے گزرتا ہوا اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا پھر اسے اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر آیا باہر ایک جانب دور ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی میں انجان بن کر آگے بڑھتا گیا عینی کوٹھی کے اندر تھی، عروج کوٹھی کے احاطے میں تھی اور پاشا احاطے کے باہر تھا۔

ان کا بھی خوب مگذم تھا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کے قریب بھی تھے اور دور دور بھی تھے، آپس کے معاملات میں الجھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو الجھا رہے تھے۔ آدمی دلدل میں پاؤں رکھ کر نکلنا چاہے تو اور زیادہ دھنستا چلا جاتا ہے'' تینوں اپنے دلدلی حالات میں ابھی اور زیادہ دھنسنے والے تھے۔

عروج کوٹھی کے اندرونی دروازے پر کھڑی میری باتوں پر اپنے حالات پر غور کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت چونک گئی، عینی کی آواز سنائی دی۔ وہ اشعر اور ماہم کے ہاتھ تھامے اندرونی دروازے سے باہر آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''عروج! تو کب آئی؟ میں تیرا ہی انتظار کر رہی تھی۔''

وہ دونوں بچوں سے ہاتھ چھڑا کر تیزی سے چلتی ہوئی

آ کر اس سے لپٹ گئی۔ اسے دونوں بازوؤں کی گرفت میں جکڑتے ہوئے بولی۔ ''اسپتال سے جانے کے بعد کیا مجھے بھول گئی تھی؟ فون پر بھی خیریت نہیں پوچھ سکتی تھی؟ میں رات بھر رابطہ کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن تیرا موبائل آف تھا۔ دوراب صبح سے انگیج جا رہا ہے مجھے آنکھیں مل گئی ہیں، پھر بھی مجھے تیری ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔''

عروج اس کے رخسار کو چومتے ہوئے بولی۔ ''تیری شکایت اپنی جگہ، مگر کوئی اپنی جان سے غافل رہ سکتا ہے؟ کبھی بھولے سے بھولنا بھی چاہوں گی تو تجھے بھول نہیں پاؤں گی رات ایمرجنسی وارڈ میں گزری تھی۔ آپریشن تھیٹر میں آنا جانا لگا ہوا تھا اسی لیے فون آف کر رکھا تھا۔''

وہ ایک دوسرے کے سینے سے لگی ہوئی تھیں، دونوں کے دل ساتھ ساتھ دھڑک رہے تھے لیکن کبھی کبھی ایک ساتھ ہونے کے باوجود جانے انجانے میں دوریاں قائم ہو جاتی ہیں۔ وہ اوپر سے مسکرانے والیاں اندر سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پاشا ان کے درمیان دیوار بنا ہوا تھا اور وہ اس دیوار سے سر پھوڑ رہی تھیں۔ ایک اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور دوسری اسے اپنی سہیلی کی طرف دھکیل رہی تھی۔

عروج نے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تو بتا۔ اسپتال سے آ کر بیڈ ریسٹ کرنے کے بجائے کہاں جا رہی ہے؟''

اس نے مسکرا کر بچوں کو دیکھا پھر انہیں اشارے سے اپنے پاس بلاتے ہوئے عروج سے کہا۔ ''انہیں پلے لینڈ لے جانا ہے پھر واپسی میں کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے تجھ سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا ہم ابھی تیرے کوارٹر جانے والے تھے۔ پھر وہاں سے آؤٹنگ کے لیے نکلتے۔ یہ اچھا ہوا کہ تو خود ہی آ گئی۔''

وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''باتیں باہر بھی ہو سکتی ہیں۔ میں کچھ دیر کھلی فضا میں رہنا چاہتی ہوں۔ بچے بھی ذرا بہل جائیں گے۔''

وہ عروج اور دونوں بچوں کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی کے پاس آ کر ڈرائیور سے بولی۔ ''عروج بی بی آ گئی ہیں، یہی ڈرائیو کریں گی۔ تم جاؤ۔''

ڈرائیور گاڑی سے اتر گیا۔ عینی اشعر اور ماہم کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر فرنٹ سیٹ پر آ گئی۔ عروج نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''آنکھوں کے اندھیرے ختم ہو گئے ہیں، ایک عرصے بعد دنیا کو دیکھ رہی ہے۔ کیسا لگ رہا ہے؟''

وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی بات سن کر ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی، گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''میں اندھیروں میں ہی رہتی تو اچھا تھا۔ یہ روشنی بڑی ظالم ہے، جب سے ملی ہے، اس کے دیدار کے لیے تڑپا رہی ہے۔''

وہ اس کا مایوس لہجہ سن کر مایوس ہوگئی۔ اسے خوشیاں دینے کی خاطر وہ اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی اور مستقل ناکام ہو رہی تھی۔ کامیاب ہوتی بھی کیسے؟ تالی تو دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا رہی تھی لیکن پاشا کے ہاتھ کے بغیر تالی بجانا ممکن نہ تھا۔ وہ ڈرائیو کر رہی تھی اور ونڈ اسکرین کے پار نہ جانے کہاں بھٹک رہی تھی؟

عینی بھی دوسری طرف منہ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ان لمحات میں وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کترا رہی تھیں پاشا نے ان کے درمیان ایسا ان دیکھا فاصلہ پیدا کر دیا تھا جو غیر محسوس طور پر انہیں ایک دوسرے سے دور کر رہا تھا۔

عینی نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''پاشا رات سے غائب ہے۔ نہ خود آ رہا ہے، نہ فون پر اپنی خیریت بتا رہا ہے۔ کیا اس نے تجھے فون کیا ہے؟''

وہ اس سوال پر گڑبڑا گئی، اسٹیرنگ بہک گیا، گاڑی ایک ذرا سی یوں لہرائی، جیسے پاشا کا نام سن کر دل کے چور جذبے لہرا گئے ہوں وہ فوراً ہی سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''نن۔ نہیں تو...... میں تو خود اس کے بارے میں تجھ سے پوچھنے والی تھی۔ تیرا میاں بھی عجیب ہے۔ اچانک ہی کہیں گم ہو جاتا ہے میں سمجھ رہی تھی وہ تیرے پاس ہوگا۔''

''اور میں سمجھ رہی تھی۔ وہ تیرے پاس ہوگا۔''

عروج نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی ایک طرف حالات اسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے دوسری طرف زندگی پکار رہی تھی کہ حادثات سے بچو۔

کوئی کیسے بچے؟ حادثہ تو پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا دور جاتی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا اور جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ ''عروج اس وقت میرے ساتھ، میری گاڑی میں ہوتی۔ اب تک ہم کورٹ میرج کے مرحلے سے گزر چکے ہوتے۔ یہ کتنی عجیب سی غصہ دلانے والی بات ہے کہ وہ اپنے سر سے دلہن کا گھونگٹ نوچ کر سہیلی کے ساتھ کہیں جا رہی ہے۔''

وہ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی فن فیئر پارک

کے احاطے میں آ کر رک گئیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ عروج ان تینوں کے ساتھ ہنستی بولتی ہوئی پارک میں جا رہی تھی۔

اشعر نے کہا۔ ''ممی! میں اسپیڈ کار چلاؤں گا۔''

عینی نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔ ''ہاں میری جان! میں ابھی ٹوکن لیتی ہوں۔''

وہ سب کاؤنٹر پر آئے۔ اشعر نے کہا۔ ''میں دیر تک کار چلاؤں گا۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''میں ایک نہیں چار ٹوکن لے رہی ہوں۔ خوب جی بھر کے گاڑی چلاتے رہو۔''

ماہم اس کی گود میں تھی۔ وہ بولی۔ ''ممی! پانی......!''

عروج نے کہا میں ابھی اسنیکس اور بوتلیں لے کر آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے پلٹ کر چلی گئی۔ عینی بچوں کو لے کر اسپیڈ کار کے پاس آئی۔ اشعر کی جیب میں تین ٹوکن رکھتے ہوئے بولی۔ ''انہیں ایک کے بعد ایک استعمال کرتے رہو۔ ہم وہاں بیٹھے رہیں گے۔''

اسی وقت ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بچہ اس کے پیچھے کھڑا رو رہا تھا۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے دیکھا پھر جھک کر پوچھا۔ ''کون ہو تم؟ کیوں رو رہے ہو؟''

وہ روتے ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ ''ممی۔ میری ممی......''

عینی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کہاں ہیں تمہاری ممی؟''

وہ کچھ بتا نہیں پا رہا تھا۔ وہ اشعر سے بولی۔ ''تم انجوائے کرو میں ابھی آتی ہوں۔''

اس نے ماہم کو گود میں اٹھایا پھر اس بچے کا ہاتھ تھام کر وہاں سے چلتی ہوئی کاؤنٹر کے پاس آئی کاؤنٹر کلرک سے بولی۔ ''یہ اپنی ماں کے لیے رو رہا ہے کیا آپ نے اس کے کسی سرپرست کو دیکھا ہے؟''

اس نے بچے کو دیکھا پھر کہا۔ ''یہ ایک خاتون کے ساتھ تھا۔ وہ خاتون پلے لینڈ کے باہر کسی دکان کی طرف گئی ہیں۔''

عینی نے سر گھما کر دور اشعر کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے مزے میں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے بچے کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ تمہاری ممی اِدھر کہیں ہوں گی۔''

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی پلے لینڈ سے باہر آئی۔ دکانوں کے درمیان ایک کوریڈور سے گزرنے لگی ایسے ہی وقت ایک شخص اچانک اس کے سامنے آ گیا وہ ایک دم سے ٹھٹک کر بولی۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

پیچھے سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''حرکت یہ ہے کہ تمہاری پشت سے ریوالور کی نال لگی ہوئی ہے۔''

عینی نے گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا۔ ایک شخص ہاتھ میں پستول تھامے کھڑا تھا۔ ماہم اور وہ اجنبی بچہ ان مسلح افراد کو دیکھ کر رونے لگے۔ آگے والے شخص نے کہا۔ ''اور یہ بچہ میرے نشانے پر ہے۔''

عینی نے دیکھا اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا، وہاں سے پستول کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ پیچھے والے نے کہا۔ ''اس کارنر والی دکان کی طرف دیکھو!''

اس نے سر گھما کر ادھر دیکھا۔ وہاں ایک شخص چادر میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے ایک ذرا سی چادر ہٹائی تو اس کے ہاتھ میں ایک شاٹ گن دکھائی دینے لگی۔ پیچھے والے شخص نے کہا۔ ''ہم اس بچے کو لے جا رہے ہیں۔ تم ذرا بھی شور مچاؤ گی تو بچے کے ساتھ اس بچی سمیت بے موت ماری جاؤ گی۔''

عینی بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ ماہم کی بھی فکر تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ''نہ جانے یہ بچہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ ہمارے لیے تو وبالِ جان بن گیا ہے۔''

ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر کہا۔ ''اپنی اور بچے کی سلامتی چاہتی ہو تو ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی رہو گی چالاکی نہ دکھاؤ چلو، جلدی کرو۔''

اس نے دیوار کی طرف منہ کیا۔ دل ہی دل میں آیۃ الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ ماہم اس کے سینے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ ان مسلح افراد کے بھاری بوٹوں کے ساتھ اس اجنبی بچے کے رونے کی آوازیں بھی دور ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی لیکن دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز یہ اطمینان دلا رہی تھی کہ موت کے فرشتے وہاں سے جا رہے ہیں اب اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

پتا نہیں وہ کب تک وہاں کھڑی رہتی؟ عروج کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ''تو یہ دیوار کی طرف منہ کیے کیا پڑھ رہی ہے؟''

عروج کی آواز سنتے ہی جیسے جان میں جان آ گئی۔ اس نے گھوم کر پہلے اسے دیکھا۔ وہ ہاتھوں میں اسنیکس کے پیکٹ اور شاپر میں بوتلیں لیے کھڑی تھی۔ پھر اس نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ وہ اسلحہ بردار غنڈے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ عروج نے پوچھا۔ ''تجھے ہوا کیا ہے؟ کیسے دیکھ رہی ہے؟ ماہم بھی پریشان لگ رہی ہے۔ آخر بات

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''یہاں ایک بچہ اپنی ماں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ بدمعاش اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اتنی بڑی واردات ہو گئی۔ تو شور کیوں نہیں مچایا؟''

''انہوں نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی، مجھے دیوار کی طرف منہ کرنے کو کہا تھا۔ اگر ذرا بھی منہ سے آواز نکالتی تو اس وقت میں تجھے زندہ نظر نہ آتی۔''

عروج نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر پوچھا۔ ''اشعر کہاں ہے؟''

''وہ پلے لینڈ میں ہے۔''

''کیا اسے وہاں چھوڑ کر یہاں آنا ضروری تھا؟''

وہ فوراً ہی پلے لینڈ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے کیا معلوم تھا، یہاں آ کر مصیبت میں پڑ جاؤں گی؟''

وہ دونوں تیزی سے چلتی ہوئی پلے لینڈ میں آئیں۔ دور ہی سے اسپیڈ کار کی طرف دیکھا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اشعر وہاں نہیں تھا۔

وہ دیوانہ وار اسے تلاش کرنے لگیں۔ ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اشعر کو بھی اس اجنبی بچے کی طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہ دونوں اس کا حلیہ بتا کر وہاں موجود افراد سے اس کے بارے میں دریافت کرنے لگیں۔ ہر طرف سے مایوسی ہو رہی تھی، عینی کا دماغ گھومنے لگا۔ مقدر میں چکر ہو تو انسان اسی طرح چکرا کر رہ جاتا ہے۔ وہ اسپیڈ کار چلانے والا بڑی اسپیڈ کے ساتھ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

بیگم آفتاب ڈرائنگ روم میں تھی۔ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی اور سر اٹھا اٹھا کر ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ دونوں میاں بیوی اس کمرے میں گئے تھے۔ بیٹے کے آتے ہی بہو نے اپنا سحر پھونک دیا تھا۔ وہ بہو کی بہت بڑی غلطی کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ محبت بھرے لمحات گزار رہا تھا۔

وہ غصے سے سوچ رہی تھی۔ ''پتا نہیں کیا جادو چلاتی ہے۔ وہ بڑے بڑے مجرموں کو اپنی انگلیوں پر نچانے والا اس کے اشاروں پر ناچتا رہتا ہے۔ نکاح ٹوٹ جانے کے اتنے اہم معاملے کو بھی اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ لیکن میں بھی اسماء کو سکون سے نہیں رہنے دوں گی۔ اسے اس گھر سے نکال کر رہوں گی۔''

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی، ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچتی ہوئی نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔

دوسری طرف ذیشان اپنے موبائل فون کو کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ''زبیری میرے لیے بہت اہم ہے۔ مجھے اس سے ملاقات کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔ معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لیے اس سے ملنا ضروری ہے۔ میں اس کا محاسبہ کر کے ہی شہباز درانی کی چالوں کو کمزور بنا سکتا ہوں۔''

وہ دونوں صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسما بھی اس کے چہرے کو سہلا رہی تھی اور کبھی بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ آنے والی کال کو شاید کوئی ریسیو کر لے۔

ذیشان نے اسے اشارے سے ریسیور اٹھانے کو کہا پھر باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اسے زبیری سے ملاقات کرنے کی بے چینی تھی اس کی جھوٹی گواہی کو کسی بھی طرح سچ بیانی میں بدلنا تھا۔

اسما نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو...!''

دوسری طرف سے ساس صاحبہ نے بہو کی آواز سن کر ناگواری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''ریسیور میرے بیٹے کو دو۔''

اس نے بھی جواباً ناگواری ظاہر کرتے ہوئے۔ ''کچھ دیر پہلے وہ آپ ہی کے پاس تھے۔ کیا زہر گھولنے سے جی نہیں بھرا؟''

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ میرے بیٹے کو بلاؤ۔''

اس نے پلٹ کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے مسکرا کر ریسیور کے ماؤتھ پیس کے بالکل قریب ہو کر دھیمی ہائے کے ساتھ کہا۔ ''یہ زلفِ گرہ گیر میں الجھے ہوئے ہیں۔ پلیز اپنی جوانی یاد کریں اور ہمارے رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں۔''

نیچے ڈرائنگ روم میں بیگم آفتاب جل بھن کر رہ گئی۔ غصے سے بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ میں اس کی آواز سن رہی ہوں۔ وہ کچھ کہہ رہا ہے۔''

''ساسو صاحبہ! سمجھا کریں بیٹے صاحب سدا بہار بہو کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ ایسے وقت کسی بھی ماں کی آواز کسی بھی بیٹے کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔''

''بکواس مت کرو۔ ریسیور ذیشان کو دو۔''

''توبہ کریں۔ کیا ایسے وقت بھی آپ کی ساس نے آپ

کوڈسٹرب کیا تھا؟''

''بہت چہک رہی ہو۔ مستی میں ناچنے والی مورنی کو جب اپنے بھدے پاؤں نظر آتے ہیں تو وہ پھر ناچنا بھول جاتی ہے۔ جب تمہارے خلاف فتویٰ حاصل ہوگا، تب میں دیکھوں گی کہ کس طرح چہکتی ہو؟''

اسے چپ لگ گئی۔ کسی عالم دین کا فتویٰ اسے عرش سے فرش پر پھینکنے والا تھا۔ اپنے ذیشان پر اسے مکمل اعتماد تھا کہ وہ کبھی اسکا ساتھ نہیں چھوڑے گا، لیکن دینی معاملات پر ہر مسلمان کو سر جھکا کر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اگر فتویٰ اس کے خلاف ہوگا تو ذیشان بھی رشتہ توڑنے اور ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

ساس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا ہوا اسما بیگم! چپ کیوں ہو؟ میں صرف دکھتی رگ پر انگلی ہی نہیں رکھتی، اس رگ کو ہی کاٹ کر پھینک دیتی ہو۔ بوریا بستر باندھو۔ تمہارے چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے۔''

وہ ساس کا چیلنج سن کر تڑپ گئی۔ ایک مٹھی بھینچ کر بولی۔ ''آپ کی یہ حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔ خدا میری نیت جانتا ہے۔ میں نے انجانے میں غلطی کی تھی۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی تلافی آپ کی سوچ کے مطابق ہی ہو۔''

باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود ذیشان کی توجہ اسما کی طرف تھی۔ کسی حد تک سمجھ میں آ گیا تھا کہ فون کے دوسری طرف کون ہے؟ ساس بہو میں تکرار ہو رہی تھی۔ اس نے رابطہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ ''اسما! لاؤ۔ ریسیور مجھے دو۔''

اس نے ریسیور میاں کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''کیا بات ہے ممی! میں ابھی آپ کو سمجھا کر آیا تھا کہ کسی عالم دین سے ملنے اور فتویٰ حاصل کرنے تک اس معاملے پر بحث نہ کی جائے پھر کیوں جھگڑا ہو رہا ہے؟''

وہ بولی۔ ''جھگڑا کرنے کی تو بات ہے۔ تمہاری عقل پر بیوی کی دیوانگی چھائی ہوئی ہے۔ اس کی محبت میں اندھے ہو کر گناہ ثواب کو بھول گئے ہو۔ اس کے ساتھ وقت گزار رہے ہو۔ ہم اس گھر کے بزرگ ہیں، یہاں ہونے والی اچھی بری بات پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں۔'' اسما نے ہاتھ بڑھا کر فون کا وائڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔ ذیشان نے کہا۔ ''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

''ماں ہونے کے ناتے تمہاری بھلائی چاہتی ہوں، تمہیں گناہوں سے بچانا چاہتی ہوں۔ تمہارا اسما کے ساتھ ایک کمرے میں، ایک چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں ہے۔ سراسر دینی احکامات کے خلاف ہے۔''

وہ بیزار ہو کر بولا۔ ''وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔ آپ تو ایک بات کو پکڑ کر بیٹھ گئی ہیں۔ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ میں کیسے مسائل میں الجھا ہوا ہوں؟ جیل کی آہنی سلاخوں سے باہر آیا ہوں پھر بھی سر پر تلوار لٹک رہی ہے۔ آپ کو میری فکر نہیں ہے۔ یہی بے چینی ہے کہ بہو کو اس گھر سے کتنی جلدی نکالا جا سکتا ہے؟''

اسما نے جل بھن کر کہا۔ ''پتا نہیں یہ آپ کی امی کیا ہیں؟ ایسی آزمائش کی گھڑیوں میں آپ کی پریشانیاں کم کرنے، حوصلہ بڑھانے اور آپ کو سلامتی کی دعائیں مانگنے کے بجائے مسائل بڑھا رہی ہیں پریشانیوں میں اضافہ کر رہی ہیں۔''

ادھر سے بیگم آفتاب نے چیخ کر کہا۔ ''دادی اماں بننے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اپنے بیٹے سے بات کرنے دو۔''

ذیشان نے جھنجلا کر کہا۔ ''میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس وقت بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ اس وقت میرے لیے کوئی دوسرا مسئلہ اہم نہیں ہے۔''

اس نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ انٹیلی جنس والے زبیری سے ملاقات کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ حشمت اور اس کی داشتہ کے قتل کے بارے میں زبیری سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ زبیری کا بیان تبدیل کرا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے ایک بار ملاقات ہو جائے اور وہ ملاقات کے سلسلے میں ناکام ہو رہا تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا، اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگا پھر اسماء سے بولا۔ ''مقدر حیات کہاں ہے؟''

وہ لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ ''پتا نہیں۔ صبح سامنا ہوا تھا۔ مجھ سے کہہ رہا تھا آج ایک بہت اہم معاملہ نمٹانا ہے، کسی کی ہسٹری معلوم کرنی ہے شاید وہ اسی سلسلے میں کہیں گیا ہے۔''

وہ ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر گیا پھر خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ ''مقدر بہترین مشیر ہے۔ وہی میرے لیے کچھ کر سکے گا۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ یہ آزماتا آیا تھا کہ میرے مشوروں پر چل کر وہ بہت سے معاملات میں کامیابیاں حاصل کرتا رہا ہے۔ اس وقت بھی اسے میری ضرورت تھی۔ لیکن میں کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

☆☆☆

زبیری آہنی سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے گہری سوچ ں ڈوبا ہوا تھا۔ چہرے سے الجھا الجھا، پریشان سا دکھائی ے رہا تھا۔ جیل کے ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا تھا اور اس ے پوچھا۔ ''تمہیں وہ میڈیکل رپورٹ کس گدھے ڈاکٹر نے دی کہ تم بلڈ کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو؟''

اس نے ایک ڈاکٹر کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ ''ایک ماہ لے ہی میں نے اپنا مکمل چیک اپ کرایا تھا اور یہ افسوسناک پورٹ ملی تھی۔''

''تم کسی فراڈ ڈاکٹر سے اپنا علاج کراتے رہے ہو۔ ں نے اچھی طرح تمہارا معائنہ کیا ہے۔ کسی دوسرے مستند ر تجربہ کار ڈاکٹر سے بھی معائنہ کروالو، سب یہی کہیں گے کہ بلڈ کینسر میں مبتلا نہیں ہو۔ کسی نے تم سے بھیانک مذاق کیا ہے یا کوئی دشمن تمہیں فکر مندی کے عذاب میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔''

جیل کے اس ڈاکٹر نے جو میڈیکل رپورٹ سنائی، اس نے زبیری کو چونکا دیا ایک طرف یہ خوشی بھی ہوئی کہ وہ بلڈ ینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ ج بھی ستانے لگی کہ پہلے ڈاکٹر نے اسے جھوٹی رپورٹ ے اندھیرے میں کیوں رکھا؟ ایسے اندھیرے میں جہاں گم کردہ ایک نہیں دو دو قتل کا مرتکب ہو گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا، اس جھوٹی رپورٹ کے ے اب تک کا حساب کرنے لگا۔ شہباز درانی کے دستِ ست اسد عزیزی نے ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کی ندگی کا نقشہ بدل دیا تھا۔ وہ ایس پی ذیشان کا وفادار ماتحت الے ایک قاتل بنا دیا گیا تھا۔ اس نے ذیشان جیسے مہربان محسن افسر سے غداری کی، اس پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ اس نے اپنے اسی اعلیٰ افسر کے حکم سے حشمت اور اس کی داشتہ کو ل کیا ہے۔ ایسی غلط بیانی کے باعث ذیشان کو معطل کر دیا یا تھا اور اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔

وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اسد عزیزی جس اکٹر سے اس کا علاج کراتا رہا تھا، اس ڈاکٹر نے خواہ مخواہ ے کینسر کا مریض کیوں ظاہر کیا تھا؟

اس جھوٹی رپورٹ کے بعد ہی اسد عزیزی نے اس سے ہا تھا۔ ''کینسر ایک لاعلاج مرض ہے تمہیں آج نہیں تو چند بعد مرنا ہی ہے مرنے کے بعد تمہارے ڈپارٹمنٹ والے ہارے گھر والوں کو پچیس یا پچاس ہزار روپے دیں گے کیا ں رقم سے تمہاری بیوی اور دو بچوں کی زندگی گزر جائے گی؟''

زبیری سوچ میں پڑ گیا۔ اسد عزیزی نے کہا۔ ''تم نے اپنے ڈپارٹمنٹ میں ایک جاسوس کی حیثیت سے کتنے ہی مجرموں کو زخمی بھی کیا ہے اور قتل بھی کیا ہے۔ تمہارے بعد اتنی جانفشانی کا معاوضہ کیا ملے گا، صرف پچاس ہزار روپے؟''

وہ سر جھکا کر بولا۔ ''کچھ تو ملے گا۔ میرے بچوں کا کچھ تو آسرا ہوگا۔''

''اگر میرے کہنے سے صرف دو قتل کرو گے تو تمہیں فی قتل کے دس لاکھ روپے ملیں گے۔''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''تم اپنے بعد بیوی بچوں کو مالا مال کر سکتے ہو۔ کینسر کے آخری اسٹیج پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے تو تمہارے بچے بھیک مانگیں گے ایسی موت سے پہلے دو قتل کرو گے تو وہی بیوی بچے ساری عمر تمہیں یاد کرتے رہیں گے، تمہیں دعائیں دیتے رہیں گے، تمہاری قبر پر پھول چڑھاتے رہیں گے۔''

وہ گہری سنجیدگی سے بیس لاکھ کی آفر کرنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ محبت کرنے والی بیوی اور دو پیارے پیارے بچوں کے بارے میں دور تک سوچ رہا تھا۔ وہی بولا۔ ''زیادہ نہ سوچو۔ تم نے قانون کی بالادستی کے لیے کئی مجرموں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کیا اپنی اولاد کی بہتری کے لیے صرف دو قتل نہیں کرو گے؟ جب کہ وہ قتل ہونے والے کوئی شریف لوگ نہیں ہیں۔''

''اگر وہ مجرم ہیں تو میں انہیں ضرور ٹھکانے لگاؤں گا۔ میرے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔''

''بہت بڑی بات ہوگی۔ اسی لیے ایک قتل کے دس لاکھ دیئے جائیں گے۔ ہم بیس لاکھ روپے یونہی تمہاری جھولی میں نہیں پھینکیں گے۔ اس واردات کے پیچھے ہمارا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔''

''آپ مجھ سے کھل کر بات کریں۔ کیا چاہتے ہیں؟''

''قتل کے بعد تم فرار ہونے کا ناٹک کرو گے لیکن گرفتار ہو جاؤ گے۔''

''اپنی گرفتاری کے بعد تم ہماری مرضی کے مطابق بیان دے سکو گے۔''

''آپ جو کہیں گے وہی بیان دوں گا لیکن گرفتاری کے بعد رہائی ممکن نہیں ہوگی۔''

وہ بے پروائی سے ہاتھ گھما کر بولا۔ ''تو کیا ہوا؟ ویسے بھی تمہیں کینسر سے مرنا ہے۔ کینسر سے ایک کنگال زبیری مرے گا اور قتل کی واردات کے بعد ایک لکھ پتی زبیری کی

موت ہوگی۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "میں تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ ایک مہلک مرض مجھے مار رہا ہے۔ مجھے تو ایسے بھی مرنا ہے اور ویسے بھی۔ تو پھر ایسی موت کیوں نہ مروں۔ جس کے بعد میرے بیوی بچے کسی کے محتاج نہ رہیں بلکہ لاکھوں میں کھیلتے رہیں۔ آپ بتائیں۔ مجھے کیا بیان دینا ہوگا؟"

"واردات کے بعد یہ بیان دو گے کہ تم نے وہ دو قتل اپنے اعلیٰ افسر ایس پی ذیشان کے حکم کے مطابق کیے ہیں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں ان کا ماتحت ہوں، وفادار ہوں۔"

"وفاداری بھول جاؤ۔ صرف اپنا مفاد دیکھو۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اب تو اسے اپنے بارے میں نہیں، اپنے پیچھے رہ جانے والے لہو کے رشتوں کے بارے میں سوچنا تھا۔ وہ ذیشان سے وفاداری کرے یا غداری۔ موت تو دونوں صورتوں میں آنے والی تھی۔ وہ اعلیٰ افسر نہ اسے موت کے منہ سے بچا سکتا تھا اور نہ ہی مرنے کے بعد لاکھوں کا فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

یہ مفاد پرستی ہی ہوتی ہے جو پہلے ذہن کو خراب کرتی ہے اور پھر عاقبت کو۔ وہ سوچنے والا ہر پہلو پر غور کرتا ہوا میدان عمل میں آ گیا۔ بیس لاکھ کی موٹی پٹی آنکھوں پر بندھی ہوئی تھی۔ انسانی جانوں کا بہتا ہوا لہو دکھائی نہیں دیا۔ اس نے اپنی عاقبت خراب کرنے کے ساتھ ساتھ ذیشان کا سکون بھی برباد کر ڈالا۔

اس سے کہا گیا تھا کہ قتل سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو دس لاکھ دیے جائیں گے پھر جب وہ گرفتار ہونے کے بعد ذیشان کے خلاف بیان دے گا تو باقی دس لاکھ کی بھی ادائیگی ہو جائے گی۔

پہلی بار تو دس لاکھ روپے اس کے ہاتھوں پر رکھے گئے تھے۔ دوسری بار جب اس نے ذیشان کے خلاف بیان درج کرایا تو ادائیگی جیل میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اسد عزیزی نے کہا۔ "باقی دس لاکھ تمہاری بیوی کو دیے جا چکے ہیں۔ انٹیلی جنس والے تمہاری سخت نگرانی کر رہے ہیں۔ تمہارے گھر والوں کو بھی تم سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ ورنہ تمہاری بیوی آ کر ہماری بے منت کی تصدیق کر دیتی۔"

زبیری کو یقین تھا کہ باقی رقم کی ادائیگی ہو چکی ہوگی لیکن اب اس کے اندر کھلبلی سی پیدا ہو گئی تھی۔ جب سے معلوم ہوا تھا کہ وہ کینسر کا مریض نہیں ہے اور آئندہ اپنی طبعی عمر تک جینے والا ہے تب سے بیوی بچوں کے ساتھ زندہ رہنے کی امنگیں مچل رہی تھیں۔

اب ایک ہی بات اس کے دماغ میں گونج رہی تھی جیل سے رہائی مل جائے۔ کسی طرح اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے لیکن ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ جائے واردات پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا موت ہر حال میں اس کا مقدر بن گئی تھی۔

ایسے وقت اسد عزیزی پر غصہ آ رہا تھا۔ یہ بات سمجھ آ رہی تھی کہ وہ فراڈ ڈاکٹر اور فراڈ میڈیکل رپورٹ کے ذریعے اسے اُلو بنا تا رہا ہے۔ پہلے اس نے اس رپورٹ کے اندھیرے میں اسے زندگی سے مایوس کیا پھر بیس لاکھ روپے کا لالچ دے کر قتل کرنے اور ذیشان کے خلاف بیان دینے کے لیے راضی کر لیا۔"

وہ غصے سے مٹھی بھینچ کر سوچنے لگا۔ "میں مرنے والا نہیں تھا۔ ایک طویل ہنستی کھیلتی زندگی گزارنے والا تھا، اس کی مکاری نے مجھے سزائے موت تک پہنچا دیا۔"

اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت...... اب آہنی سلاخوں سے سر پھوڑنے کے سوا اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب مقدر پھوٹ رہا ہو تو سر پھوڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ ویسے جس طرح زنجیر کی کڑی سے کڑی جڑی ہوتی ہے اسی طرح خدا نے ایک انسان کے مقدر کو دوسرے کے مقدر سے جوڑ رکھا ہے۔

ذیشان کا مقدر زبیری سے جڑا ہوا تھا۔ وہ پھانسی کے تختے پر پہنچنے والا ذیشان کی تقدیر سنوار سکتا تھا۔ اپنا ایک بیان دے کر اسے پھانسی کے پھندے سے بچا سکتا تھا۔ کیسے...... ؟

نہ ذیشان اسے سچ بولنے پر مائل کرنے کے لیے جیل کے اندر جا سکتا تھا اور نہ ہی وہ سچ بولنے والا تھا۔ اسے کیا پڑی تھی کہ وہ اپنا بیان بدلتا؟ ہاں۔ اگر سچ بولنے سے سزائے موت سے نجات ملنے کا یقین ہوتا تو وہ سچا مسلمان بن جاتا ہے لیکن رہائی کسی صورت ممکن نہیں تھی۔

چونکہ ذیشان کے مقدر میں ایک طویل زندگی لکھی تھی۔ اس لیے مجھے ایکشن میں آنا تھا۔ میں زبیری کے پاس پہنچ گیا۔

میں اس کے لیے اجنبی تھا مگر میرے لیے کوئی اجنبی نہیں ہوتا۔ میں اس کی ہسٹری سے اچھی طرح واقف تھا ماضی سے لے کر مستقبل تک کا حال جانتا تھا۔

اس نے آہنی سلاخوں کے پیچھے سے مجھے دیکھا میں نے ذرا سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہیلو مسٹر زبیری! نہیں جانتے لیکن میں تمہیں جانتا بھی ہوں اور پہچانتا بھی ہوں۔"

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ "سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "ہر شخص جانا پہچانا نہیں ہوتا۔ ملتے ہی جان پہچان ہوتی ہے۔ میرا نام مقدر حیات ہے۔ بتاؤ تو کل مقدر کو جان لیتے ہیں مگر جاننے کے بعد بھی پہچان نہیں پاتے۔"

وہ بولا۔ "آپ نام بتا رہے ہیں یا پہیلی بجھوا رہے ہیں؟"

"اپنی ہتھیلی دیکھو! اس پر تقدیر کی لکیریں ایک پہیلی کی طرح الجھی ہوئی ہیں۔ ہر شخص مقدر کے اس جال میں الجھا ہوا ہے تم بھی الجھے ہوئے ہو میں ایک نجومی ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ دکھاؤ تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم کہاں کہاں الجھے ہوئے ہو؟"

اس نے اپنی دائیں ہتھیلی کو دیکھا پھر مجھے دیکھا۔ میں نے پوچھا "کیا تم نہیں چاہو گے کہ تمہاری کوئی الجھن دور ہو جائے؟"

کون نہیں چاہتا کہ الجھن دور ہو جائے؟ اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ سلاخوں کے درمیان سے میری طرف بڑھا دیا مجھے دیکھنا ہی کیا تھا؟ میں تو سب ہی کی خط تقدیر پر چلتا رہتا ہوں۔ اسے تو محض یہ تاثر دینا تھا کہ میں ایک نجومی ہوں۔

میں اس کا ہاتھ تھام کر کبھی اس کی ہتھیلی کو اور کبھی اس کے منہ کو تکنے لگا۔ میرا انداز اسے تجسس میں مبتلا کر رہا تھا کہ میں ان لکیروں کے پیچھے کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا جان رہا ہوں؟ اور کیا کہنے والا ہوں؟

وہ بولا۔ "مسٹر مقدر! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ آپ کی خاموشی اور پریشان کر رہی ہے۔ کچھ تو بولیں۔"

میں نے افسوس ظاہر کرنے کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "تمہاری عمر بہت طویل تھی، مگر تم نے اسے نادانی سے مختصر کر دی۔ اپنے اعلیٰ آفسر سے غداری کی۔ تمہاری جو اچھائیاں تھیں انہیں تم خود ہی برائیوں میں بدلتے چلے گئے۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟" اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔"

"میں نے یہاں کے جیلر سے بہت کچھ معلوم کیا ہے اور اب ہاتھ کی یہ لکیریں کہہ رہی ہے کہ لوگ اپنی زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تم نے کینسر سے ہونے والی موت سے فائدہ اٹھانا چاہا تمہیں لاکھوں روپے ملنے والے تھے۔ لاکھوں روپے دینے والوں کی شرط یہ تھی کہ تم کینسر سے نہیں مرو گے، پھانسی کے تختے پر جان دو گے۔"

اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا، پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نہیں مانتا کہ ہاتھ کی لکیریں دماغ میں چھپے ہوئے راز بھی بتاتی ہیں۔ تمہارا تعلق یقیناً انٹیلی جنس والوں سے ہے۔ یہاں نجومی بن کر آئے ہو۔ میرے اندر کی کچھ اور باتیں اگلوانا چاہتے ہو۔"

"تمہارے اور اسد عزیزی کے درمیان جو لین دین رازداری سے ہوا ہے، اسے کوئی تیسرا شخص نہیں جانتا، پھر میں کیسے جانتا ہوں؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔ "میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ نہ ہی ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ تمہارا ہاتھ آگے اور جو کچھ کہہ رہا ہے، اسے تم نہیں جانتے کہ اپنی نادانی اور ناداننستگی کے باعث تم فی الوقت کتنا بڑا دھوکا کھا رہے ہو؟"

وہ مایوسی سے ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اب تو تختہ دار ہے اور موت ہے، اب دھوکا کھانے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟"

بیوی بچوں کو نہ بھولو، وہ دھوکا کھا رہے ہیں جس طرح اسد عزیزی نے جھوٹی میڈیکل رپورٹ کے ذریعے تمہیں دھوکا دیا، اسی طرح تمہاری بیوی بچوں سے بھی فراڈ کر رہا ہے۔"

وہ بے یقینی سے بولا "نہیں ہمارا لین دین تو ہو چکا ہے۔ میں نے اس کا کام کیا، اس نے میری تمام رقم ادا کر دی۔ اب وہ کیا فراڈ کرے گا؟"

"اس نے واردات سے پہلے دس لاکھ تمہیں دیے۔ اس کے بعد تم گرفتار ہو گئے ان آہنی سلاخوں کے باہر کیا ہو رہا ہے، تم نہیں جانتے۔ تمہارے بیوی بچے باقی دس لاکھ روپے کی ادائیگی سے اب تک محروم ہیں ادائیگی کے سلسلے میں تم سے جھوٹ کہا گیا ہے تم یہاں سے ان کے سچ اور جھوٹ کی تصدیق نہیں کر سکتے اور تمہاری بیوی یہاں آ کر فریاد نہیں کر سکتی کہ اسے دس لاکھ روپے تو کیا دس پیسے بھی نہیں دیے گئے ہیں۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر بولا۔ "نہیں...... وہ مجھ سے اتنا بڑا فراڈ نہیں کریں گے۔"

"جو اپنا کام نکالنے کے لیے ہمیں کینسر کا مریض بنا سکتے ہیں، وہ اپنے باقی دس لاکھ روپے بچانے کے لیے کیا تم سے ادائیگی کے سلسلے میں جھوٹ نہیں کہہ سکتے؟"

وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔ "اس سے آگے

اور بہت کچھ ہو رہا ہے۔ سنو گے تو دل دہل جائے گا۔"

وہ تڑپ کر بولا۔ "اور کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتاؤ اور کیا ہو رہا ہے؟"

"انٹیلی جنس والے شبہ کر رہے ہیں کہ تمہاری بیوی اچانک لکھ پتی کیسے بن گئی ہے؟ اسد عزیزی یہ نہیں چاہتا کہ انٹیلی جنس والوں کو حقیقت معلوم ہو۔ اس سے پہلے ہی وہ تمہاری بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔"

اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ بیوی بچوں کو لکھ پتی بنانے والا یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچنے کے بعد گھر والوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔ جو شخص بھاری رقم دے کر اس سے قتل کرا سکتا ہے، وہی بھاری رقم بچانے کے لیے وہ اس کے گھر والوں کو بھی قتل کرا سکتا ہے۔ جھوٹی میڈیکل رپورٹ نے اسے اسد عزیزی کی کمینگی کا یقین دلا دیا تھا۔

وہ جیل میں رہ کر اپنی بیوی اور بچوں کے تحفظ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ غصہ اور بے بسی سے لرز رہا تھا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "میرے بیوی بچے محفوظ تو ہیں نا؟"

"وہ اپنی سلامتی کے لیے چھپتے پھر رہے تھے۔ میں نے انہیں پناہ دی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ کو تھام کر بولا۔ "میں نہیں جانتا تم کس حد تک سچ بول رہے ہو، لیکن اسد عزیزی کی دوغلی چالوں کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ مجھے کسی طرح یقین دلاؤ کہ میرے بیوی بچے تمہارے پاس محفوظ ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اپنے لباس کے اندر سے ایک چھوٹا سا کیسٹ ریکارڈر نکالا، پھر اسے اس کے قریب کرتے ہوئے آن کیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی بیوی کی آواز ابھری۔ زبیری! میں تمہاری گھر والی کلثوم بول رہی ہوں۔ تمہیں اپنا اور بچوں کا حال کیا سناؤں؟ پتا نہیں، وہ کون دشمن ہے؟ ہمیں کیوں مار ڈالنا چاہتا ہے؟ اگر بھائی مقدر رعین وقت پر نہ آتے، ہمیں نہ بچاتے اور ہمیں پناہ نہ دیتے تو تم میری اور بچوں کی آواز کبھی سن نہ پاتے۔ لو پہلے بچوں کی باتیں سنو......"

اس ریکارڈر سے پہلے ایک بچے نے کچھ کہا پھر دوسرے نے کچھ پیار بھری باتیں کیں۔ زبیری سن رہا تھا اور رو رہا تھا۔ وہ سنگ دل قاتل تھا مگر اپنے لہو کی پکار سن کر تڑپ رہا تھا۔ زار و قطار رو رہا تھا۔ بچوں کے بعد پھر بیوی کی آواز سنائی دی۔ اس نے میری اس بات کی تصدیق کی کہ کسی اسد عزیزی نامی شخص نے باقی دس لاکھ روپے ادا نہیں کیے ہیں۔

آخر میں اس نے کہا۔ "میں اپنے ہاتھ سے ایک خ... رہی ہوں۔ تم میری تحریر پہچانتے ہو۔ بھائی مقدر یہ خط... پڑھیں گے۔ میں نے کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جنہیں ہم... ہم میاں بیوی ہی جانتے ہیں۔ اور زیادہ کیا بولوں؟ با... بہت ہیں، لیکن بھائی مقدر کہتے ہیں، جیل میں ملاقا... وقت کم ملتا ہے یہ کیسٹ تمہارے پاس نہیں رہ سکے گا، البتہ... چھپا کر رکھ سکو گے۔ میں تمہارے لیے دعا کرتی رہتی ہو... کرتی رہوں گی۔ اللہ حافظ۔"

میں نے اس سے کیسٹ ریکارڈر لے لیا پھر جیب... ایک بند لفافہ نکال کر اسے دیا۔ اس نے بڑی بے صبری... اسے لے کر چاک کیا، پھر خط نکال کر پڑھنے لگا۔ میں... خط اس کی بیوی کلثوم سے لکھوایا تھا تاکہ وہ اس کے ہا... تحریر بھی پڑھ لے۔ ریکارڈر کے ذریعے اس کی آواز بھ... لے یوں مکمل یقین ہو جائے کہ میں دشمن نہیں دوست... اور اس کے بیوی بچوں کا محافظ بھی ہوں۔

اس نے پڑھنے کے بعد بھیگی آنکھوں سے اور ا... مندی سے مجھے دیکھا، پھر کہا۔ "تمہارے احسانات کا... چکانے کے لیے میرے پاس زندگی نہیں رہی ہے۔ بس... سے پھانسی کے تختے تک زندگی کا سفر رہ گیا ہے۔ پھر بھ... دو۔ مجھ سے کوئی کام لے سکتے ہو تو ضرور لو۔"

"تم میرا ایک ہی کام کر سکتے ہو اور وہ کام یہ... بولو۔ تم نے اپنے محسن افسر کے خلاف جو جھوٹ کہا ہے، سچ میں بدل دو۔"

"یہ تو تم میرے دل کی، میرے ایمان کی بات کہہ... ہو۔ میں اپنے ایمان کو بھول گیا تھا، اندھا ہو گیا تھا۔ ذ... صاحب جیسے محسن افسر سے غداری کی انہیں جھوٹے الزا... پھنسا دیا۔ اب میں اپنی غلطی کی تلافی کروں گا اپنا بیان ذ... صاحب کے حق میں تبدیل کروں گا اور اس کی وضا... کروں گا کہ پہلے میں نے غلط بیان کیوں دیا تھا؟"

میں جو چاہتا تھا وہی وہ کرنے والا تھا۔ شہباز درا... چالیس ذیشان کے خلاف چل رہا تھا، انہیں میں کمزور... جا رہا تھا۔ اس نے دو قتل کے الزام میں اسے پھانسا... میں نے زبیری کے پاس پہنچ کر اسے ذیشان کا حامی ب... اس نے دردانہ کو انڈیا بھیج کر اس کے اغوا کا الزام بھی ذ... پر لگانا چاہا میں نے اس کے کھودے ہوئے گڑھے میں... ہی گرا دیا اس کی چہیتی سچ مچ اغوا ہو چکی تھی۔

اس کے مقدر میں خواری لکھی تھی۔ اس لیے د...

...کی آقاؤں کا اعتماد بھی کھو چکا تھا۔ پاکستان کی زمین اس ...لیے تنگ ہو چکی تھی۔ اب وہ یہاں سے فرار ہونے کے ...پر تول رہا تھا۔

☆☆☆

نمرہ، جبران اور مسز رانا کے ساتھ لندن سے واپس آ گئی ...انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال نمرہ کے گھر والوں کو ...آمد کی اطلاع نہیں دیں گے۔ جب تک جبران کا اعلاج ...نہیں ہوگا، تب تک یہ راز داری ضروری تھی۔ اسی لیے وہ ...اچی نہیں گئے، لاہور والی کوٹھی میں چپ چاپ رہائش ...اختیار کر لی۔

نمرہ ان سے بھرپور تعاون کر رہی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ ...کے گھر والوں کو معلوم ہوگا تو ان ماں بیٹے کے ساتھ رہنے ...طرح طرح کے اعتراض اٹھائے جائیں گے شادی سے ...سسرال میں رہے گی تو باتیں بنائی جائیں گی۔ اسے ...اچی بلا لیا جائے گا۔ ایسے میں جبران ذہنی انتشار میں مبتلا ...ہو جاتا۔ ایک طرف گھر والوں کی محبت اور کشش تھی، دوسری ...طرف انسانی ہمدردی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ جبران کو ...پاگل پن سے بچائے رکھنے کے لیے اس کے ساتھ رہنا ہی ...تھا۔ وہ ذرا دیر کے لیے بھی دور ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتا ...تھا۔ ایسی دیوانگی سے اسے ڈھونڈتا پھرتا تھا، جیسے زندگی کو ...تلاش کر رہا ہو۔ وہ اس کے لیے آکسیجن بن گئی تھی۔

فی الحال یہ بات تسلی بخش تھی کہ اب وہ نارمل زندگی ...گزار رہا تھا۔ اس روز وہ راوی کے کنارے آئے بوٹنگ کا ...شوق ہو رہا تھا۔ نمرہ نے کہا۔ "میں کشتی چلاؤں گی۔"

اس نے کہا۔ "دریا کی لہروں سے لڑنا اور چپو چلاتے ...رہنا آسان کام نہیں ہے۔"

"مخالف لہروں سے لڑنا ہی زندگی ہے۔ ہم یہاں سے ...شاہدرہ تک جائیں گے پھر وہاں کچھ وقت گزار کر واپس جائیں گے۔"

"سوچ لو...... تھک جاؤ گی۔"

"ایسا کچھ ہوا تو ملاح کشتی سنبھال لے گا۔"

وہ ایک کشتی پر آ کر بیٹھ گئے۔ جبران نے ملاح سے کہا۔ "چپو میری وائف کو دے دو۔ انہیں کشتی چلانے کا شوق ہے۔"

نمرہ نے اسے پیار سے گھور کر دیکھا۔ پھر انگریزی میں کہا۔ "تم نے مجھے وائف کیوں کہا؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اپنی چیز پر وقت سے پہلے ہی قبضہ ...جمانا اچھا لگتا ہے۔"

کشتی کنارے سے گہرے پانی میں آ گئی۔ لہریں منہ زور نہیں تھیں راوی کبھی ماں کی ممتا کی طرح مہربان ہوتا ہے اور کبھی سنگ دل باپ کی طرح غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اس وقت راوی کی موجیں مہربان تھیں۔ وہ آسانی سے کشتی کھینے لگی۔

جبران اسے بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ملاح کی موجودگی کے باعث پھر انگریزی میں بولی۔ "ایسی بے باکی سے کیوں دیکھ رہے ہو؟ کچھ تو سوچو ہمارے درمیان ایک اجنبی ہے۔"

"دیواریں تو درمیان آتی ہی رہتی ہیں۔ نظریں بچا کر دیکھنے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔"

"اس بوڑھے بابا نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوگا۔ تمہاری نظروں کا مفہوم سمجھ رہا ہوگا۔"

"یہ کیا سمجھے گا، ابھی تم بھی نہیں سمجھ رہی ہو کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا سوچ رہا ہوں؟"

"تم ایسا کیا سوچ رہے ہو؟"

"سوچ رہا ہوں، میں ایک کشتی کی طرح زندگی کے دریا میں ڈول رہا ہوں تم میری ناخدا ہو۔ میری مخالف لہروں سے لڑتی ہوئی مجھے کنارے کی طرف لے جا رہی ہو۔"

وہ اس کا فلسفہ سن کر مسکرانے لگی پھر بولی۔ "مجھ سے زیادہ تمہاری قوت مدافعت تمہیں نارمل بنا رہی ہے، تمہیں کنارے لگا رہی ہے۔"

"تمہاری مسیحائی نہ ہوتی تو میری قوت ارادی کسی کام نہ آتی۔ تم نے اپنی ہر سانس میرے نام کر دی، تم نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں اب تک اس دنیا سے اٹھ چکا ہوتا۔"

"پلیز...... مرنے کی باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ہی ساتھ رہوں گی۔ تمہیں چھوڑ کر جانا ہوتا تو یہاں پاکستان میں رہتے ہوئے بھی میں اپنے والدین سے دور کیوں رہتی؟"

اس نے اچانک محسوس کیا کہ کشتی آگے نہیں چل سکے گی، دونوں بازو دکھنے لگے تھے۔ چپو نہیں چلا سکے گی۔ لیکن اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "ہمارے درمیان... فی الحال کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی میں تمہیں اپنے ہر رشتے پر فوقیت دے رہی ہوں۔ کیا اس سے تمہیں اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو رہا ہے؟"

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہو رہا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں ایسا لگتا ہے، جیسے ہمارا یہ ساتھ عارضی ہے کسی

دن تم اچانک ہی کہیں گم ہو جاؤ گی۔"

ایسے ہی وقت کشتی ڈگمگانے لگی، وہ گھبرا کر بولا۔ "ذرا سنبھل کے......"

کشتی لہروں پر ذرا گھوم گئی تھی۔ ایسے وقت وہ چپو چلا کر لہروں کو نہ کاٹ سکی۔ کشتی اپنے قابو میں رہے تو دریا کی لہریں منہ زوری بھول جاتی ہیں۔ اگر کنارے لگانے والا ذرا بھی کمزور پڑ جائے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

ملاح نے فوراً ہی دوسرا چپو اٹھا کر لہروں کو کاٹنا شروع کیا جیسے منہ زور گھوڑا اپنے شہسوار سے مان جاتا ہے، اسی طرح کشتی مان گئی۔ دونوں نے اطمینان کی سانس لی بات سمجھو تو سمجھ میں آتی ہے۔ بیشک جبران ڈولتی ہوئی کشتی کی طرح تھا۔ نمرہ صرف چپو چلا کر اسے کنارے نہیں لگا سکتی تھی۔ ملاح کا تعاون لازمی ہوتا ہے۔ زندگی کی منہ زور لہروں کے آگے میں ......صرف میں ہی ناخدا بنتا ہوں۔

ان لمحات میں جبران کے ضمیر نے کہا۔ "یہ زندگی کی کشتی جھوٹ اور فریب کا بوجھ سنبھال نہیں پاتی۔ نمرہ ہم سے کتنی مخلص ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا واقعی میں اور میری ممی نیک نیت ہیں؟ اگر ہیں تو میری ایک بہت بڑی کمزوری اس سے کیوں چھپائی جا رہی ہے؟"

ایسے وقت ڈاکٹر کی یہ بات دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی کہ مسلسل الیکٹرک شاک نے صرف ذہن کو ہی نہیں اس کے پورے وجود کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ وہ ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ اگر وہ ماں بیٹا نیک نیت ہوتے تو نمرہ سے اتنی اہم بات کبھی نہ چھپاتے۔ لیکن وہ چھپا رہے تھے اور اس نیکی کرنے والی کو دھوکا دے رہے تھے۔

جبران گھر واپس آنے تک سوچتا رہا، غور کرتا رہا یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ ماں بیٹے کا جھوٹ اور اس کی کمزوری سامنے آئے گی تو نمرہ کا ردِعمل کیا ہوگا؟

اس نے گھر پہنچتے ہی اپنی ماں سے کہا۔ "ممی! آپ میری شادی کیوں نہیں کر رہی ہیں؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "یہ اچانک ہی شادی کی بات تمہارے دماغ میں کیوں آ گئی؟"

"نمرہ دن رات ہمارے ساتھ رہتی ہے، گھر کے ایک فرد کی طرح ہے۔ ہر معاملے میں ہم سے تعاون کرتی ہے، پھر بھی وہ ہماری کچھ نہیں لگتی۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہم اس کے گھر والوں سے چھپ کر یہاں رہتے ہیں۔ وہ اپنی ہوگی تو اپنی چیز پر دھونس جمائی جا سکے گی۔ یہ اندیشہ نہیں رہے گا کہ اس کے گھر والے جب چاہیں گے اسے ہم سے چھین کر لے جائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "یہ تو ہے۔ پھر بھ تمہارے معاملے میں مقدر کی پیش گوئی کو اہمیت دوں سب ہی مانتے ہیں کہ اس کی پیش گوئی ہمیشہ درست ہوتی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "کوئی ضروری نہیں کہ اس کی ہ درست ہو۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اکتیس دسمبر کی را بجے میری موت واقع ہوگی۔ میں یہ بات بھی نہیں مانتا مانتے ہوئے بھی اس لیے مان رہا ہوں کہ مجھے نمرہ کی م قربت حاصل ہو رہی ہے۔"

وہ غصے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہو

"موت کا وقت نہ کبھی ٹلتا ہے، نہ ٹالا جا سکتا ہے۔ صرف نمرہ کی خاطر اس کی پیش گوئیوں کو درست مان لیکن اس کا یہ مشورہ سراسر غلط ہے کہ مجھے اکتیس دسمبر گزرنے سے پہلے شادی نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولا "آپ نہیں سمجھ رہی ہیں مق دل میں کھوٹ ہے۔ وہ نمرہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ا ایسی الٹی سیدھی پیش گوئیاں کر رہا ہے۔"

"تم کچھ بھی کہہ لو۔ میں خدا کے بعد مقدر ہوں۔ اگر تم جذباتی نہ بنو اور موٹی عقل سے بھی سو عجلت میں شادی کرنا سراسر نادانی ہوگی۔ اکتیس دسمبر شادی کر دو گے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "قیامت آ سکتی ہے۔ وہ سلطان احمد رانا میرے خلاف کسی وقت کچھ بھی کر سک نمرہ تک یہ بات پہنچا سکتا ہے کہ میں شادی کے قا ہوں۔"

نمرہ ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔ جبران کی با ہی ٹھٹک گئی، ایک قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی آڑ م ہوئی۔ بات ایسی تھی کہ کان میں پڑتے ہی دل دھک گیا تھا، مسز رانا نے بڑی اداسی اور مایوسی سے کہا بخت سلطان رانا تمہاری یہ کمزوری جانتا ہے پاگل خا ڈاکٹر نے اسے بتا دیا تھا کہ مسلسل الیکٹرک شا تمہارے جسمانی نظام کو بری طرح مسمار کر دیا ہے۔ کرنے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہو۔"

وہ بول رہی تھی، جیسے دھماکے کر رہی تھی۔ نمرہ تھام لی، اعتماد کا شیش محل چکنا چور ہو گیا تھا۔ اسے نیک نیتی کے صلے میں فریب مل رہا تھا وہ دیوار تھا

ی، بے یقینی سے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ران نے کہا۔ "مگر ممی! اس میڈیکل رپورٹ کو ایک عرصہ زر چکا ہے اس دوران میں بہت کچھ بدل گیا ہے، بھرپور اج اور نمرہ کا ساتھ مجھے آسودگی بخش رہا ہے اور آپ دیکھ ی ہیں کہ میں نارمل ہوتا جا رہا ہوں۔"

"تمہارے کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے؟ تمہاری یہ یجڑی اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوگی۔ میں تمہاری ہر خواہش ری کر سکتی ہوں لیکن شادی کی بات نہ کرو۔ جب تک ڈاکٹر رٹیفائی نہیں کرے گا۔ میں اسے تمہاری دلہن نہیں بننے دوں ی۔"

وہ غم و غصے سے لرز رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رائنگ روم میں آئی تو دونوں ماں بیٹے کو چپ سی لگ گئی۔ وہ رنظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ نمرہ کی چبھتی ری نظریں کہہ رہی تھیں کہ چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ اس سے ظریں چرانے لگے۔ اس نے بڑے دکھ سے کہا۔ "میں نے پ دونوں کی خاطر اپنے گھر کو اور اپنے والدین کو چھوڑ دیا۔ پ کے بیٹے کو نارمل بنائے رکھنے کے لیے کیا اتنی بڑی ربانی کوئی لڑکی دے سکتی ہے؟"

ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ پھر مسز رانا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ...... بات یہ ہے بیٹی......!"

وہ تڑخ کر بولی۔ "پلیز۔ مجھے بیٹی نہ کہیں۔ آپ ماں بیٹی کے رشتے کا احترام کھو چکی ہیں۔"

"خدا گواہ ہے، میں تمہیں اپنی سگی بیٹی مانتی ہوں......"

"یہ محض لفاظی ہے۔ ورنہ سگا صرف وہی ہے جسے آپ نے کوکھ سے جنم دیا ہے۔ اس سگے کی ایک ننھی سی خوشی کے لیے آپ مجھے بیٹی بناتی رہیں گی اور مجھے کانٹوں میں گھسیٹتی رہیں گی۔"

"موجودہ حالات میں تمہاری ہر بات درست ہوگی۔ مجھے اپنی صفائی میں صرف اتنا کہنے دو کہ ہم ماں بیٹے نے جو بھی رازداری برتی ہے اس کے نتیجے میں نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ رہا ہے اور نہ کبھی پہنچے گا۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے کہ مجھ سے رازداری برتی گئی، مجھے غیر سمجھا گیا۔ اگر میں آپ کی باتیں نہ سنتی تو اب بھی اندھیرے میں ہی رہتی اور اسی اندھیرے میں اندھی بن کر آپ کی بہو اور آپ کے بیٹے کی بیوی بن جاتی۔ یوں اپنی زندگی تباہ کر لیتی۔"

"تم نے ہماری باتیں سنی ہیں تو یہ بھی سنا ہوگا کہ میں جبران کو شادی سے روک رہی ہوں۔"

"بے شک، روک رہی ہیں لیکن بیٹے کی ضد کے آگے آپ کی ممتا ہار جایا کرتی ہے۔ جب آپ اس کی خوشی کی خاطر میرے والدین سے مجھے دور کر سکتی ہیں تو آئندہ بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں۔"

جبران اس کی باتیں سن رہا تھا اور ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان گنگ ہو گئی تھی۔ مسز رانا نے کہا۔ "بیشک میں اس کی خاطر بہت کچھ کر سکتی ہوں، لیکن خدا کی قسم تمہاری زندگی کو کبھی داؤ پر نہیں لگاؤں گی۔ اس کا علاج ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے یقین سے کہا ہے کہ یہ جلد ہی نارمل زندگی گزارنے کے ساتھ ازدواجی زندگی بھی گزارنے کے قابل ہو جائے گا۔ بس! ذرا انتظار کرنا ہوگا۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں کتنے معاملات میں انتظار کروں؟ ایک طرف علاج ختم ہونے کا انتظار ہے، دوسری طرف مقدر کی پیش گوئی کے مطابق اکتیس دسمبر کی رات جبران کے لیے منحوس ہے۔ نئے سال کی ابتدا ان کی زندگی کی انتہا بننے والی ہے۔ یہ اپنی تدبیر سے آنے والی موت کو ٹال سکتے ہیں۔ تدبیر اور تقدیر کے درمیان ہونے والی جنگ کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ میں اس کا بھی انتظار کر رہی ہوں۔ ایسے میں ایک نیا مسئلہ سامنے آ گیا ہے۔ اب یہ مسئلہ کب حل ہوگا، اس کا انتظار بھی کرنا ہوگا۔"

مسز رانا نے افسردگی سے کہا۔ "اس ماں کے دل سے پوچھو۔ اپنے بیٹے کو مسائل میں گھرا دیکھ کر کیسے کڑھتی رہتی ہے؟ اندر ہی اندر مرتی رہتی ہے۔ میں ماں ہوں لیکن اس کی زندگی میں تمہاری اہمیت مجھ سے زیادہ ہے۔ اور جو چیز اہم ہو، عزیز ہو اس سے فریب نہیں کیا جاتا۔ ہم نے تم سے ایک بات چھپائی مگر یقین جانو۔ ہم تمہیں کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ڈرتے تھے کہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ جاؤ گی۔ میں دعائیں مانگتی رہتی تھی کہ تمہارا اعتماد کھونے سے پہلے جبران ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ مسز رانا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی! ہم ماں بیٹے نے مصلحتاً ایک بات چھپائی۔ تمہارے دل کو ٹھیس پہنچائی۔ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں لیکن خدا کے لیے ہمیں غلط نہ سمجھو۔"

"آپ کی طرح میں نے بھی غلطی کی۔ آپ پر اندھا اعتماد کیا۔ سب ہی اپنی اپنی غلطی کی تلافی کرتے ہیں۔ آپ بھی کر رہی ہیں۔ میں بھی کروں گی۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم کیا کرو گی؟"

"وہی، جو میرے اختیار میں ہے۔ میں اپنی مرضی سے

آپ کے پاس آئی تھی۔ اپنی مرضی سے واپس چلی جاؤں گی۔"

یہ سنتے ہی جبران ایک دم سے تڑپ گیا۔ مسز رانا نے پریشان ہوکر بیٹے کو دیکھا۔ وہ سر سے پاؤں تک بری طرح لرز رہا تھا۔ اس نے ڈگمگاتے، لڑکھڑاتے ہوئے نمرہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "نن...... نہیں، تم...... تم نہیں جاؤ گی، کک...... کہیں نہیں جاؤ گی۔ مم...... مجھے......"

ماں اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ میز سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔ شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح نمرہ کے قدموں میں آگیا۔ وہ فوراً ہی ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ اسے ہمدردی اور بے بسی سے دیکھنے لگی۔ وہ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "مم...... مجھے مار ڈالو پھر...... پھر چلی جاؤ۔"

ماں فرش پر جھک گئی۔ اس سے لپٹ کر کہنے لگی۔ "بیٹے خود کو کنٹرول کرو۔ میں اسے سمجھا رہی ہوں۔ یہ تمہیں چھوڑ کر نہیں جائے گی۔"

وہ بیٹے کو سنبھال رہی تھی، سمجھا رہی تھی اس کی حالت دیکھ کر صدمے سے ٹوٹ رہی تھی۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے سمجھانے اور سنبھالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کہتی جا رہی تھی۔

نمرہ پریشان ہوکر انہیں دیکھ رہی تھی۔ اندر ہی اندر الجھ رہی تھی، ایک طرف ہمدردی کا جذبہ حاوی ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس تڑپنے والے سے شکایتیں بھی تھیں۔ وہ ایک ہی وقت میں دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی۔ بعض اوقات حالات بری طرح الجھا دیتے ہیں۔ ایسے وقت عقل میں یہ بات آئی کہ اسے وقتی طور پر دلاسا دینا چاہیے۔ بیمار اگر تکلیف میں ہے تو مسیحا کو منہ پھیر کر نہیں جانا چاہیے۔ وہ بیمار کو آرام پہنچا کر، گہری نیند سلا کر جا سکتی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس کے قریب فرش پر بیٹھ کر بولی۔ "کنٹرول یور سیلف۔ تم نے وعدہ کیا تھا، آئندہ دماغی کمزوری کو خود پر حاوی نہیں ہونے دو گے۔ پھر یہ سب کیا ہے؟"

وہ لرزتے ہوئے بولا۔ "میں...... میں اپنے سر پر پہاڑ برداشت کر سکتا ہوں۔ میرے جسم سے کھال اتار لی جائے، میں اُف نہیں کروں گا، لیکن تم نظروں سے اوجھل ہوگی تو میں ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکوں گا۔"

وہ اسے خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسے وقت وہ ایک چھوٹا سا بچہ دکھائی دے رہا تھا جو ماں کے پہلو سے دور ہونے کی بات سنتے ہی تڑپ گیا تھا۔ وہ عجیب سی دوہری کیفیات سے دوچار ہو رہی تھی۔ اس کے لیے ممتا محسوس کر رہی تھی۔ آخر اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ "اچھی بات ہے، میں...... میں نہیں جاؤں گی۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔"

وہ جانا چاہتی تھی، نہ جا سکی۔ کیوں کہ میں نہیں چاہتا تھا مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا کہ وہ ایک نارمل زندگی گزارتا رہے اور مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا کہ نمرہ اسے چھوڑ کر کراچی جائے۔ لہٰذا اس بیمار کی حالت دیکھ کر وہ مصلحتاً پیچ گئی تھی ویسے یہ پھانس بڑی گہرائی تک چبھ گئی تھی کہ اس سے فرار جا رہا تھا۔ اور یہ کہ جبران کسی بھی وقت اپنی ضد منوا کر اس لیے پرابلم بن سکتا ہے۔

ایسے وقت وہ کشتی نہیں بن رہی تھی۔ ڈوبنے والے کے لیے محض تنکے کا سہارا بن رہی تھی۔ گرنے سے پہلے ہی کھائی نظر آ گئی تھی۔ آئندہ اسے محتاط رہنا تھا۔ خوب سوچ کر، کھائی کی سمت بدل کر کوئی محفوظ راستہ اختیار کرنا تھا۔

رات بڑی خاموشی سے گزرنے لگی۔ وہ تینوں اپنے کمرے میں تھے۔ نمرہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ بار دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے نیند اڑ تھی۔ اب اس چھت کے نیچے اسے نیند آنے والی نہیں تھی۔

رات کے ایک بجے اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ کوریڈور میں ویرانی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی اٹیچی اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ نیم تاریکی میں چلتی ہوئی دروازے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہاں بھی تاریکی تھی۔ باہر جانے کا دروازہ دوسری طرف تھا۔

اسے جبران سے لگاؤ تھا۔ وہ بڑے پیار سے ایک بن کر اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر کے اپنے سے آئی تھی۔ اب اسی فیصلے کے خلاف دوسرا فیصلہ اسے واپس گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔ فریب کھانے کے بعد عقل تھی کہ دور رہ کر بھی ہمدردی اور محبت سے مسیحائی کی جا سکتی ہے۔

وہ دبے قدموں ڈرائنگ روم کی نیم تاریکی سے گزر رہی تھی۔ کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ ایسے وقت تقدیر نے روک دیا کیوں کہ وہ تقدیر کی لکیر پر نہیں چل رہی تھی۔ اچانک ہی وہ نیم تاریک ڈرائنگ روم روشن ہوگیا۔ وہ ٹھٹک کر ٹھنک گئی۔ سر گھما کر سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا، وہاں مسز رانا سر جھکائے کھڑی تھی۔

اس معمر خاتون نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی بھیگی آنکھوں میں التجا بھی تھی اور شکایت بھی۔ نمرہ جھینپ گئی تھی۔ اس بار جھوٹ بول کر، دھوکا دے کر ساتھ چھوڑنے والی کی چوری پکڑی گئی تھی۔

شکست خوردہ ماں ایک قدم آگے بڑھ کر بولی۔ "میں تمہارے قدموں سے لپٹ کر بھی تمہیں نہیں روک سکوں گی۔ میں بیٹے کو سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔ تمہیں کیسے روکوں؟"

"تم نے بہت دور تک ساتھ دیا ہے۔ منزل اب دو چار قدم کے فاصلے پر رہ گئی ہے۔ ایسے وقت ساتھ چھوڑ کر اپنی نیکی ضائع نہ کرو۔ ڈاکٹر نے پورے یقین سے کہا ہے، ہمارا جبران مکمل طور پر صحت مند ہو جائے گا۔ پھر اس میں کوئی خامی نہیں رہے گی۔"

"میں یہی دعائیں مانگتی ہوئی جا رہی ہوں۔ جبران مکمل طور پر صحت مند ہوں گے تو میں رسم و رواج کے مطابق دلہن بن کر یہاں آؤں گی۔ یہی مناسب اور مہذب طریقہ ہے۔"

"بیشک۔ ہماری تہذیب یہی کہتی ہے، تمہیں اپنے گھر سے دلہن بن کر آنا چاہیے، لیکن تم محبت، ہمدردی اور مسیحائی کے جذبات سے سرشار ہوکر یہاں آئی تھیں۔ ہماری ایک غلطی کی سزا دینے کے لیے یوں ناراض ہوکر نہ جاؤ۔"

"میں کسی کو سزا نہیں دے رہی ہوں۔ عقل اور تہذیب کے تقاضے پورے کر رہی ہوں۔ یہ وعدہ کر کے جا رہی ہوں کہ روز آپ کے بیٹے سے ملوں گی۔ اور اس کی دل جوئی کرتی رہوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے منہ پھیر لیا۔ اپنے ضمیر کو سمجھاتی ہوئی جانے لگی وہ ایک ماں کا دل نہیں توڑ رہی ہے، ایک دانشمندانہ فیصلے پر عمل کر رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ سر جھکا ہوا تھا، لیکن ایک قدم آگے بڑھتے ہی پاؤں میں زنجیر پڑ گئی۔

جبران برآمدے کے زینے پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی طرح سر جھکائے اس کے قدموں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج مجھ پر دورہ پڑا تو تم نے مجھے تھپک تھپک کر دلاسا دیا۔ یہ وعدہ کیا کہ مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ گویا وہ طفل تسلیاں تھیں۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے، میں یہ وعدہ کر کے جا رہی ہوں کہ ہم روز ملیں گے۔ تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی تمہارے صحت مند ہونے کا انتظار کرتی رہوں گی۔"

"کوئی وعدہ نہ کرو۔ ہم سب نے ایک دوسرے کا اعتماد توڑا ہے۔ اب تو ایک ہی اٹل فیصلہ کرو، کیا ابھی میرا ساتھ چھوڑ رہی ہو؟"

یہ کہتے ہی اس نے لباس کے اندر سے ایک چاقو نکالا۔ وہ چاقو کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھل گیا بلب کی روشنی میں اس کا پھل موت کے اشارے کی طرح چمکنے لگا۔ وہ سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "کیا چاہتے ہو تم؟"

"زندگی یا موت۔ تمہارا ساتھ زندگی ہے اور تمہاری جدائی موت۔ میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا، مگر تم میری موت کا تماشہ دیکھ کر جاؤ گی۔"

وہ پریشان ہوکر اسے تک رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں ایک دم سے خود کو ختم نہیں کروں گا۔ اپنے وجود کے ایک ایک حصے کو موت دوں گا۔"

اس کے ایک ہاتھ کی گرفت میں چاقو تھا۔ دوسرا ہاتھ برآمدے کے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ اچانک ہی چاقو والا ہاتھ بلند ہوا، پھر اس کی نوک آ کر اس کی ہتھیلی میں پیوست ہوگئی۔

نمرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پیار مانگنے والی ہتھیلی سے لہو پھوٹ پڑا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بجلی کے جھٹکے مجھے ایسی اذیتیں پہنچاتے رہے ہیں کہ اب کوئی اذیت اذیت نہیں رہی۔ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں......"

چاقو دوسری بار فضا میں بلند ہوا، پھر اس کی نوک کلائی کے قریب گوشت میں پیوست ہوگئی۔ جب باہر آئی تو خون کا پتلا سا فوارہ ابل پڑا۔

جب بھی خنجر تلے ہم آئیں گے
کوئی بسمل کی طرح تڑپے گا

وہ ایک دم سے لرز گئی۔ ہاتھ سے اٹیچی چھوٹ گئی، چیخ کر بولی۔ "کیا پاگل ہو گئے ہو؟"

"پانی جب سر سے گزر جائے گا تو یاد آئے گا۔ یہ دیوانہ بہت......"

چاقو پھر فضا میں بلند ہوا، مگر اس سے پہلے کہ اس کی نوک وجود کے کسی حصے تک پہنچتی، وہ ایک دم سے آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ "نہیں جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی، مگر تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ نہیں جاؤں گی......"

وہ اس سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ اس بار اسے چھوڑ کر نہ جانے کی جو بات کہہ رہی تھی، اس میں صداقت تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک ماں اپنے بیٹے اور اپنی مسیحا بہو کو دیکھ رہی تھی اور دروازے سے لپٹ کر مسرتوں کے آنسوؤں میں بھیگ رہی تھی۔

☆☆☆

بیگم آفتاب کی ایک ہی دلی مراد تھی۔ اور وہ پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اس نامراد اسما سے پیچھا نہیں چھوٹ رہا تھا۔ ایک آس بندھی تھی کہ اسما نے اپنے شوہر کو بیٹا کہنے اور خود کو اپنے شوہر کی ماں کہنے کی جو فاش غلطی کی تھی۔ اس کے نتیجے میں نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔

نکاح ٹوٹنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آیندہ اسما اس گھر کی بہو نہیں رہے گی۔ اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر خاندان سے باہر پھینک دیا جائے گا۔ بیگم آفتاب کئی بار خیالوں کی دنیا میں پہنچ کر بہو کو دھکے دے کر گھر سے نکال چکی تھی۔ ذیشان کے سر پر پھر سے سہرا باندھا تھا اور اپنی پسند کی بہو لے کر آئی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ خیال ہی خیال میں کتنی ہی پوتیاں پوتے نئی بہو کے ذریعے پیدا کرا چکی تھی۔

اس بات کا انتظار تھا کہ بیٹا جیل سے رہا ہو کر آئے گا تو کسی عالم دین سے اسما کے خلاف فتویٰ حاصل کیا جائے گا لیکن بیٹا تو بہو کا دیوانہ تھا۔ اس کی اتنی بڑی غلطی کو اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اس کی جورو پرستی نے بیگم آفتاب کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

فلک آفتاب نے سمجھایا۔ ''کیوں انگاروں پر لوٹ رہی ہو؟ یہ بیٹے اور بہو کا معاملہ ہے۔ انہی پر چھوڑ دو۔''

''جب نکاح ٹوٹ چکا ہے تو دونوں کا ساتھ رہنا سراسر دینی اور دنیاوی اصول کے خلاف ہے۔''

''مانتا ہوں لیکن ذرا صبر کرو، بیٹے نے کہا ہے کہ کسی عالم دین سے رجوع کرے گا۔''

وہ اپنے میاں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''تو ٹھیک ہے، جب تک وہ کسی عالم دین سے فتویٰ حاصل کرے تب تک اسما کو ہمارے بیٹے سے دور رہنا چاہیے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو چکے ہیں۔ اسما کو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''ہم ابھی ذیشان سے اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتے۔ اس پر مصیبتیں آئی ہوئی ہیں۔ دشمنوں نے طرح طرح کے الزام عائد کر کے اسے سخت سے سخت سزائیں دلانے کی ٹھان لی ہے ہم پیچیدہ قانونی معاملات میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے لیکن اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اسے کسی نئے مسئلے میں نہ الجھائیں۔''

وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ ''میں تو دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہتی ہوں کہ میرے بچے پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں وہ جھوٹے ثابت ہو جائیں لیکن اس پر نحوست سوار رہے گی۔ دعاؤں سے بھلا نہیں ہوگا۔ جب سے یہ کم بخت بہو بن کر آئی ہے تب سے میرے [بیٹے پر] کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہی رہتی ہے۔ میں دعوے [سے کہتی] ہوں، منحوس میرے بیٹے کی زندگی سے نکل جائے گی تو تمام مصیبتیں خود بہ خود دور ہو جائیں گی۔ اس پر لگائے تمام الزامات جھوٹے پڑ جائیں گے۔''

''میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں ذیشان اپنے تمام مسائل سے نمٹے گا۔ اس کے بعد اس گھریلو [مسئلے پر] توجہ دے گا۔''

''وہ ادھر توجہ نہیں دے سکتا ہم تو دے سکتے۔ ہم [کسی عالم] دین سے ملاقات کر کے اس کے خلاف فتویٰ حاصل [کر سکتے] ہیں۔ جب ذیشان وہ تحریری فتویٰ پڑھے گا تو اس کی آ[نکھیں] کھل جائیں گی۔ اسما اس گھر کی دہلیز سے باہر جا[ئے گی۔] میرے بیٹے کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔''

''میں مانتا ہوں۔ تم درست کہہ رہی ہو لیکن [اس کے] شوہر ہے خود اسے جا کر فتویٰ حاصل کرنا چاہیے۔''

''کوئی ضروری نہیں ہے۔ جب وہ مسائل میں ا[لجھا ہوا] ہے اور اسے فرصت نہیں ہے تو یہ کام ہم بھی کر سکتے ہیں۔''

فلک آفتاب نے بے بسی سے ایک گہری سانس [لے کر] بیگم کو دیکھا پھر کہا۔ ''تم بہو کو اس گھر سے نکال کر ہی د[م لو گی۔] ٹھیک ہے۔ ہم آج شام کو کسی عالم دین کے پاس [چلیں] گے۔''

''شام کو کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟ کل کرے سو آج [کر،] آج کرے سو اب۔ اس لیے ہم ابھی جائیں گے۔''

وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں ابھی [تیار ہو] کے آتی ہوں۔''

ایسے ہی وقت دروازہ کھلا عینی روتی ہوئی اند[ر آئی۔] عروج ماہم کو گود میں لیے اس کے ساتھ تھی۔ بیگم اور [فلک آفتاب] نے اسے دیکھا۔ آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''[کیا ہوا] ہے بیٹی...؟ تم کیوں رو رہی ہو؟''

بیگم آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی [عینی] نے کہا۔ ''اشعر کہیں گم ہو گیا ہے۔''

دونوں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا؟ گم ہو گیا؟ [مگر] کیسے؟''

بیگم عینی کو تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے تھپکتے [ہوئے] بولی۔ ''بیٹی! حوصلہ کرو۔ ابھی ذیشان کو فون کرتے ہیں۔ [اس] کے ایک حکم سے شہر کے تمام پولیس والے اشعر کو تلاش [کریں] گے اور اسے یہاں لے آئیں گے۔''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''ذیشان اب پولیس کی [ملازمت] میں نہیں رہا ہے۔ ہم سب کو اشعر کی تلاش میں نکلنا ہوگا۔''

عینی نے روتے ہوئے کہا۔ ''میں نے بھائی جان کو فون [کیا تھا۔] بتایا ہے انہوں نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ [د]رج کرائی ہے اور کہا ہے کہ وہ خود اسے تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ ہم بھی اسے پچھلے چار گھنٹوں سے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

فلک آفتاب نے پوچھا۔ ''کیا اشعر کے باپ کو اطلاع [د]ی گئی ہے؟''

عروج نے کہا۔ ''میں تو اطلاع دینا چاہتی تھی۔ مگر عینی نے منع کیا ہے۔ یہ شرمندہ ہو رہی ہے۔ کہہ رہی ہے، جاوید [ص]احب کو کیا منہ دکھائے گی؟ یہ دونوں بچے یہاں امانت کے [ط]ور پر ہیں اور ایک امانت اس سے گم ہو گئی ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا۔ ''اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے؟ اس نے جان بوجھ کر اسے کہیں نہیں چھوڑا ہے.... [خدان]خواستہ وہ نہ ملا تو جاوید کو اطلاع دینی ہوگی۔ آخر یہ بات کب تک چھپائی جائے گی؟''

عروج نے زینے کے اوپری حصے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''بھابھی جان کہاں ہیں؟''

بیگم آفتاب نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اس کی [ب]ات ہی نہ کرو۔ اچھا ہے اس کی تو اب چھٹی ہونے والی ہے۔''

عروج نے حیرانی سے پوچھا۔ ''چھٹی ہونے والی ہے؟''

''ہاں اب میرے بیٹے ذیشان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے، نکاح ٹوٹ چکا ہے۔''

عروج اور عینی دونوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر عینی نے کہا۔ ''بڑی امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

فلک آفتاب نے بیزاری سے اپنی بیگم کو دیکھا وہ [بو]لی۔ ''بیٹی......! تم نہیں جانتیں۔ اس نے اپنے شوہر کو بیٹا کہا ہے۔ اور خود کو ذیشان کی ماں کہتی رہی ہے۔''

عینی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ بھابھی جان ابنارمل نہیں ہیں۔ وہ ایسی باتیں کیوں کریں گی؟''

''اس نے ایسی باتیں کی ہیں۔ اپنی ہونے والی سوکن سے صاف صاف کہہ رہی تھی کہ ذیشان اس کا بیٹا ہے اور وہ خود ذیشان کی ماں ہے۔ یہ باتیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے سنی ہیں۔''

''آنکھوں سے؟''

عینی اور عروج نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر عینی نے کہا۔ ''آپ کچھ ابنارمل سی لگ رہی ہیں۔''

وہ سنبھل کر بولی۔ ''بیٹی......! زبان پھسل گئی۔ میں نے آنکھوں سے نہیں کانوں سے سنا ہے۔''

عروج نے پوچھا۔ ''یہ ہونے والی سوکن کون ہے؟''

بیگم نے کہا۔ ''ذیشان نے کسی کو پسند کیا ہے۔ اس سے شادی کرنے والا ہے لیکن یہ یہاں سے ٹلے گی تو دوسری آئے گی۔ ہم کسی مفتی صاحب سے فتویٰ لینے جا رہے ہیں۔ اس نے جس زبان سے میرے بیٹے کے ساتھ نکاح قبول کیا تھا۔ اسی زبان سے اسے بیٹا کہا ہے اور خود کو ماں کہا ہے۔ اب تو یہ نکاح کسی صورت سے قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مفتی صاحب یہی فتویٰ دیں گے۔''

عینی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر غصے سے بولی۔ ''بس بہت ہو چکا بڑی امی......! آپ تو بھابھی جان کے پیچھے پڑ جاتی ہیں انہوں نے خود کو ماں اور بھائی جان کو بیٹا کہا ہے یا نہیں یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ اور اگر کہا ہے تو بھائی جان خود ان سے نمٹ لیں گے لیکن آپ بھی یہ بات زبان پر نہ لائیں کہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ بھابھی جان سے بھی نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔ وہ اس گھر میں سہاگن بن کر آئی ہیں۔ ہمیشہ سہاگن بن کر رہیں گی۔''

پھر وہ فلک آفتاب سے بولی۔ ''بڑے ابو۔! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہاں اشعر گم ہو گیا ہے۔ میں نے بہت بڑی ذمے داری اپنے سر لی تھی۔ میں جاوید کو کیا جواب دوں گی؟ اس کے بچے کو کہاں تلاش کروں؟ ان حالات میں آپ سب بھابھی جان کے خلاف فتویٰ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس گھر سے نکالنا چاہتے ہیں میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

فلک آفتاب نے قریب آ کر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے بیٹی! ٹھیک ہے۔ تم جو کہو گی وہی ہوگا۔ ہم اسما کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

بیگم آفتاب نے گھور کر بے بسی سے اپنے شوہر کو دیکھا وہ عینی کے سامنے اسما کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

ایسے ہی وقت اسما باہر سے آئی عینی نے اسے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھا تو دوڑتی ہوئی اس سے آ کر لپٹ گئی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تمہارے بھائی جان نے فون پر بتایا ہے کہ اشعر کہیں گم ہو گیا ہے حوصلہ کرو اور خدا پر بھروسا رکھو۔ تمہارے بھائی جان اسے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔ اب تو وہ پولیس افسر نہیں رہے پھر بھی ان کے تعلقات

ایسے ہیں کہ کتنے ہی پولیس افسران ان سے تعاون کر رہے ہیں تم اطمینان رکھو۔ اشعر کو بڑے پیمانے پر تلاش کیا جارہا ہے۔ وہ ہمیں ضرور ملے گا۔"

عروج نے کہا۔ "یہ اشعر کے لیے تو روتی ہی رہے گی لیکن اس وقت آپ کے لیے رو رہی ہے۔"

اسما نے حیرانی سے پوچھا۔ "میرے لیے؟"

"جی ہاں۔ ابھی پتا چلا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کے خلاف فتویٰ حاصل کیا جارہا ہے۔"

اسما نے اپنی ساس کو طنزیہ نظروں سے دیکھا، پھر کہا۔ "او...... سمجھ گئی......"

پھر وہ عینی کو تھپکتے ہوئے بولی۔ "یہ آنسو میرے لیے ہیں تو انہیں پونچھ لو۔ میں جب سے اس گھر میں آئی ہوں، مجھے یہاں سے نکالنے کی تدبیریں کی جارہی ہیں، لیکن میں موم کی بنی ہوئی بہو بیگم نہیں ہوں کہ ساس صاحبہ کی گرم آہوں سے پگھل کر بہتی ہوئی اس گھر سے نکل جاؤں گی۔"

بیگم آفتاب نے جل کر کہا۔ "شادی اور ازدواجی زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہوا کرتی۔ یہ کوئی ایسا ویسا معاملہ نہیں ہے، ٹھوس دینی مسئلہ ہے۔"

بیگم نے عینی کو مخاطب کیا۔ "بیٹی! ابھی تمہاری شادی ہوئی ہے۔ ابھی تم نے ازدواجی زندگی کی ابتدا کی ہے۔ تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہوگا کہ میاں بیوی کا رشتہ کتنا نازک ہوتا ہے۔ اس رشتے میں نکاح قبول کرنے والی زبان کی کتنی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ زبان بدل جائے تو رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ میں تو فتویٰ حاصل کر کے ہی رہوں گی۔"

وہ چیلنج کرنے کے انداز میں پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہاں تمام افراد اپنے اپنے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے۔ بیگم آفتاب کا ایک ہی مسئلہ رہ گیا تھا کہ کسی بھی طرح بہو کو گھر سے ذلیل کر کے نکال دے۔

اسما کے لیے یہ کوئی فکر میں مبتلا کرنے والا مسئلہ نہیں تھا وہ مطمئن تھی۔ اسے اپنے ذیشان پر مکمل اعتماد تھا کہ وہ کبھی اسے اپنی زندگی سے الگ نہیں کرے گا۔ اس کی پریشانی یہ تھی کہ ذیشان کو ایک نہیں دو دو قتل کے سنگین الزامات میں پھانسا جارہا تھا۔ اس کے سر کا تاج، اس کا مجازی خدا ان الزامات سے بچ پائے گا یا نہیں؟ یہ سوچ سوچ کر اس کی جان نکلتی رہتی تھی۔

میری پیش گوئی سے ان کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا تھا، ان کی زندگی میں مصیبتیں آئیں گی، وہ دونوں ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہیں گے، پھر رفتہ رفتہ ساری مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

عروج اپنے، عینی کے اور پاشا کے معاملے بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ آج وہ پاشا کے بلاوے پر سول کورٹ چلی جاتی تو اب تک اس کی دلہن بن چکی ہوتی۔ ایک جوان لڑکی کو ازدواجی زندگی کی جو مسرتیں ملتی ہیں، اس نے انہیں اپنی سہیلی کی خاطر ٹھکرا دیا تھا۔ دل کہہ رہا تھا، بہت بڑی نادانی کی ہے۔ اس نادانی کے نتیجے میں سہیلی کو بھی ازدواجی مسرتیں نصیب نہیں ہوں گی۔

وہ ان ہی معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے عینی کے پاس آئی تھی اور یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ پاشا ایک شوہر کی محبت اور توجہ اسے دے رہا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ سب کچھ معلوم ہونے سے پہلے ہی اشعر کی گمشدگی نے سب کو ایک نئے مسئلے میں الجھا دیا تھا۔

عینی کا بھی یہی مسئلہ تھا کہ پاشا اس سے کیوں کترا رہا ہے؟ وہ اس کی نئی نویلی دلہن ہے نہ تو وہ کوٹھی میں آ کر ازدواجی رشتہ قائم کر رہا ہے اور نہ ہی اسے اپنے کسی کرائے کے مکان میں لے جارہا ہے۔

وہ بے چاری دلہن اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسے وقت جاوید کی دی ہوئی امانت میں خیانت ہو گئی تھی۔ یہ پریشانی تھی کہ اشعر کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائے؟ اس کے باپ کو کیا منہ دکھائے؟ نہ جانے وہ بچہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟

میں اس کی ننھی سی ہتھیلی پر تھا، وہ جہاں تھا میں اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

ہمیشہ مقدر کی انگلی پکڑ کر نہیں چلنا چاہیے۔ یہ تکیہ کرنا کہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہی ہوتا ہے تو پھر وہی ہوتا ہے جو جدوجہد اور عمل نہ کرنے والوں کا انجام ہوا کرتا ہے، ناکامی، نامرادی اور ذلت بھری زندگی......

عمل سے زندگی بنتی ہے لیکن عمل منفی ہو اور ارادے شیطانی ہوں تو پھر زندگی کانٹوں کا بستر بن جاتی ہے۔

شہباز درانی کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ اس نے امریکی آقاؤں کے سائے میں رہ کر بڑی فرعونیت دکھائی تھی۔ اب وہی امریکی آقا اس کے دشمن ہو گئے تھے۔

وہ ایک وسیع و عریض محل نما کوٹھی میں رہتا تھا۔ پاکستانی کرنسی کے حساب سے لندن اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں اس کے کروڑوں روپے تھے۔ یوکے اور اسٹیٹس میں اس کے ذاتی بنگلوز تھے۔ جب وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر آتا جاتا تھا تو محافظ اس کے آگے پیچھے یوں رہتے تھے جیسے حکومت کی طرف سے اسے پروٹوکول دیا جارہا ہو۔ اب وہ ایسی شاہانہ زندگی

سے محروم ہو رہا تھا۔

وہ دردانہ کے ساتھ جس محل نما کوٹھی میں رہتا تھا، اسے چھوڑ چکا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کسی لمحے میں بھی سپر پاور کی طرف سے آنے والی گولی اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی۔ دردانہ بھی گئی، دولت اور جائداد بھی گئی اور سلامتی بھی خطرے میں پڑ گئی۔

سی آئی اے کے جونیئر آفیسر جوزف مارٹن نے کہا تھا کہ صبح دس بجے اس سے ملنے آئے گا اس نے چند اہم فائلوں اور مائیکروفلموں کا مطالبہ کیا تھا۔ جن کا تعلق پاکستان کی سیاست سے تھا۔ اگلے الیکشن سے پہلے ان اہم دستاویزات کی سخت ضرورت تھی۔ اور یہ تمام دستاویزات شہباز کے پرائیویٹ چیمبر سے چرالی گئی تھیں۔

اس کی یہ غفلت اور بے پروائی سپر پاور کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ کچھ ایسے پاکستانی سیاست دان تھے جو امریکا کے زیر اثر نہیں تھے۔ ایسے سیاستدانوں کو بلیک میل کرنے اور انہیں امریکا کے زیر اثر لانے کے لیے کچھ جھوٹی سچی تحریری دستاویزات اور کچھ تصویری مائیکروفلمیں تھیں۔ اس کی لیڈی سیکرٹری تہمینہ کے ذریعے ان تمام اہم چیزوں کو چرالیا گیا تھا۔ اس میں بھی امریکی سی آئی اے والوں کی چال تھی۔

وہ جانتا تھا کہ فوراً ہی روپوش نہ ہوا تو اسے معافی نہیں ملے گی۔ وہ ان کے بے شمار رازوں کا امین تھا۔ اس لیے اس کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہر حال میں موت اس کا مقدر بن گئی تھی۔

جب وہ آدھی رات کے بعد اپنی کوٹھی کے چور دروازے سے نکلا تو اس کا حلیہ بدلا ہوا تھا، چہرے پر داڑھی مونچھیں تھیں، ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے چہرہ تبدیل ہو گیا تھا۔ دوست ہو یا دشمن۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے وفادار ملازموں میں سے کسی کو بھی اپنا راز دار نہیں بنایا تھا۔ چپ چاپ وہاں سے نکل کر اپنی ایک خفیہ پناہ گاہ میں چلا آیا تھا۔

وہاں بھی وہ ایک رات سے زیادہ ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مکان وہ شہر، وہ ملک چھوڑ کر جانے میں ہی اس کی بہتری تھی۔ وہ اس پناہ گاہ میں تھوڑی دیر تک ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا رہا، کھڑکیوں سے جھانک کر باہر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے موبائل فون کو آن کر کے نمبر پنچ کیے رابطہ ہونے پر کہا۔ "میں درانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ "یس باس! ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ بچے کا کیا کیا جائے؟"

شہباز نے پوچھا۔ "کیا وہ پرابلم بن رہا ہے؟"

"ہاں۔ جب تک جاگتا رہا اپنی ماں کے پاس جانے کی ضد کرتا رہا۔ ہم نے اسے اچھی طرح کھلایا پلایا ہے مگر وہ ضد سے باز نہیں آ رہا تھا، سونا بھی نہیں چاہتا تھا تو ہم نے اسے نیند کی دوا کھلا دی ہے۔ اب وہ بے خبر سو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے کل تک اسی طرح قابو میں رکھو۔ پرابلم بننا چاہے تو اسی طرح نیند کی دوا کھلا کر سلا دیا کرو۔ کل کسی وقت کوئی خاتون اسے لینے آئے گی۔ تم اسے اس کے حوالے کر دو گے۔"

"میں اس خاتون کو کیسے پہچانوں گا؟"

"اس کا نام لبنیٰ پاشا ہے۔ وہ تمہارے پاس آ کر فون پر مجھ سے بات کرے گی۔ اور تم سے بھی بات کرائے گی۔ اس طرح تم اس عورت کو پہچانو گے اور بچے کو اس کے حوالے کر دو گے۔"

"آل رائٹ باس! میں یہی کروں گا۔"

وہ فون بند کر کے سوچنے لگا بچے کو دن کے وقت اغوا کیا گیا تھا۔ تب سے اسے چھپا کر رکھنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ شہباز خود سی آئی اے کے انجانے قاتلوں سے چھپنے کی فکر میں تھا۔ اس نے اس دوران میں تین بار نانا بھائی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس نے خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ کر رابطہ کیا تو نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ "ہاں...... میں بول رہا ہوں۔"

شہباز درانی نے کہا۔ "میں پچھلے بارہ گھنٹوں سے بول رہا ہوں لیکن میری آواز تم تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ تمہارا فون آف تھا۔"

"مجھے افسوس ہے، میرا فون عارضی طور پر ناکارہ ہو گیا تھا۔ کچھ دوسرے معاملات نے بھی الجھا رکھا تھا۔ بہر حال یہ بتائیں، کیا ہو رہا ہے؟"

"ہونا کیا ہے؟ میں زبان کا دھنی ہوں۔ جو کہتا ہوں، وہ کر گزرتا ہوں۔ بچہ اس وقت میری کسٹڈی میں ہے۔"

"کیا واقعی؟ آپ نے بچے کو حاصل کر لیا ہے؟"

"ہاں۔ میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ تم کیا کر رہے ہو؟"

"مجھے بھی کامیابی حاصل ہونے والی ہے۔ میں کل دن کے بارہ بجے تک خوشخبری سناؤں گا۔"

"صرف خوشخبری نہیں، میں اپنی دردانہ کی آواز بھی سننا چاہوں گا۔ اس سے باتیں کر کے یقین کرنا چاہوں گا کہ وہ آکاش کے چنگل سے نکل چکی ہے۔"

میں آپ کو ہر طرح سے مطمئن کروں گا۔ ابھی یہ چاہتا

ہوں کہ آپ میری سابقہ بیوی بی پاشا کو مطمئن کردیں۔ اسے بچے کے پاس پہنچادیں۔"

"سوری...... نانا بھائی ! یہ سراسر اصول کے خلاف ہوگا۔ لین دین وہی اچھا ہوتا ہے جس میں اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والا معاملہ ہوتا۔ اس طرح کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوتی۔ اور آیندہ بھی تعلقات مستحکم رہتے ہیں۔"

"میں بھی اصولوں کی پابندی کرتا ہوں۔ یہ بات بس یوں ہی کہہ دی تھی کہ بی پاشا کو اطمینان رہے۔ ویسے کوئی بات نہیں، ہمارے درمیان اصول کے مطابق لین دین ہوگا۔ میں کل بارہ بجے فون کروں گا۔ فی الحال خدا حافظ!"

رابطہ ختم ہوگیا۔ یہ یقین ہوگیا کہ کل دن کے بارہ بجے تک دردانہ آکاش کی قید سے رہائی پالے گی۔ اس نے اشعر کو اغوا کرکے نانا بھائی کو یقین دلا دیا تھا کہ لین دین میں کھرا ہے بچہ اس کے پاس اس کی امانت ہے۔ وہ اس ہاتھ دردانہ کو اس کے حوالے کرے اور اس ہاتھ بچے کو لے جائے۔

اس نے اپنی دردانہ کو خوش کرنے کے لیے ذیشان سے دشمنی مول لی تھی۔ اسے قتل کے سنگین الزام میں پھنسایا تھا۔ اور آیندہ بھی دردانہ کے اغوا کا جھوٹا الزام اس پر عائد کرنے والا تھا۔ لیکن خود ہی کئی طرح کے مسائل میں گرفتار ہوگیا تھا۔ جس کے اغوا کا الزام ذیشان پر لگانا چاہتا تھا وہ سچ مچ اغوا ہوکر آکاش کی گرفت میں آگئی تھی۔ اب اگر آکاش کو اس کی نیلماں نہ ملتی تو شہباز کو بھی دردانہ نہ ملتی۔

ذیشان ضمانت پر جیل سے رہا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس پر یہ الزام لگا سکتا تھا کہ اس نے جیل سے رہائی پاتے ہی دردانہ کو اغوا کرلیا ہے۔ اور اسے مجبور کررہا ہے کہ وہ ذیشان کو اپنے بیٹے کے قتل کے الزام میں ملوث نہ کرے۔ اس نے قتل کے سلسلے میں ذیشان پر جو مقدمہ دائر کیا ہے اسے واپس لے لے یا کمزور بنادے۔

وہ ذیشان کو دو قتل کے الزام میں سزائے موت تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اب سپر آقاؤں کی طرف سے آنے والی موت سے بچنے کے لیے خود روپوش ہوگیا تھا۔ دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ جس مکان میں چھپا ہوا ہے اس کے آس پاس دشمن اس کی تاک میں ہوسکتے ہیں اگر وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگیا ہے تو یہ کامیابی کب تک رہے گی؟

وہ بالکل ہی بے دست و پا نہیں ہوا تھا۔ امریکی سی آئی اے کے عتاب سے بچنے کے لیے ایک دوسرے زبردست آقا کی پناہ حاصل کررہا تھا، جرائم کی دنیا میں بہت ہی خطرناک تنظیم تھی۔ جس کا آشر وادا سے مل رہا تھا۔ جب وہ اس تنظیم کی گود میں پہنچ جائے گا تب میں اس تنظیم کا تفصیلی ذکر کروں گا۔

اس وقت میں نے فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ اپنے فون کا بزر سن کر ایک دم سے چونک گیا سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر غصے سے دانت پیسنے لگا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میں پھر کسی نئی مصیبت کی پیش گوئی کرنے والا ہوں اور اسے مزید الجھانے والا ہوں۔

وہ مجھ سے کتراتا تھا، فون پر بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا پھر سوچتا تھا، بات نہیں کرے گا آنے والی مصیبتوں کے بارے میں آگاہی حاصل نہیں کرے گا تو ایک اندھے کی طرح اندھی راہوں میں مارا جائے گا۔

اس نے فون آن کیا پھر اسے کان سے لگا کر جھنجلاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیوں اتنی رات کو نیند حرام کررہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پھر بھول رہے ہو۔ ہمارے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں۔ جو مجھ پر گزرتی ہے، وہی تم پر گزرتی ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ کچھ انجانے دشمن میرے تعاقب میں ہیں۔ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں اور میں چھپتا پھر رہا ہوں۔ میری آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی ہے۔ ایسے وقت میں نے سوچا کہ تمہارے ساتھ بھی یہی ہورہا ہوگا۔ جھوٹ مت بولو کہ میں نے تمہاری نیند حرام کی ہے ہم دونوں کے مقدر میں آج رت جگا ہے۔"

وہ میری باتوں سے قائل ہوکر سوچنے لگا کہ جب ہاتھ کی لکیریں یکساں ہیں، مقدر ایک جیسا ہے تو پھر میرے ساتھ بھی وہی ہورہا ہوگا جو اس کے ساتھ ہورہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ تمہارے بھی جانی دشمن ہیں اور تم ان سے چھپتے پھر رہے ہو۔ تم تو ایک پرامن شہری کی طرح زندگی گزار رہے ہو۔ بھلا تمہارا کون دشمن ہوگا؟"

"تم پھر بھول رہے ہو۔ میں سچی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ جسے سننے والے میری جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ خود اپنی مثال لو۔ میری سچی پیش گوئی سنتے سنتے تم مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے ہو۔ اگر کبھی موقع ملے تو تم مجھے گولی ماردو گے۔"

"تم درست سمجھ رہے ہو۔ تم نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ بری طرح الجھاتے رہتے ہو، میرا بس چلے تو میں ابھی اسی وقت تمہیں موت کے گھاٹ اتاردوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پھر بھول رہے ہو، ہمارے ہاتھوں کی لکیریں یکساں ہیں۔ میں مروں گا تو تم بھی مر جاؤ گے۔ کیا ابھی تمہاری عقل یہ نہیں سمجھا رہی ہے کہ ہم دونوں کا

دشمن ایک ہے۔ جو قاتلوں سے چھپتے پھر رہے ہیں؟"

میری باتیں ایسی ٹھوس ہوا کرتی تھیں کہ وہ قائل ہوجایا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم اپنے بچاؤ کے لیے کیا کررہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں جو تدبیر تم کرو وہی میں کروں گا اور جو میں کروں گا وہی تم کرو گے۔ میں نے اپنا زائچہ دیکھا ہے۔ گویا وہ زائچہ تمہارا بھی ہے میں... فی الحال اپنے بچاؤ کے لیے بارڈر پار کرنا چاہتا تھا، انڈیا جانا چاہتا تھا لیکن میرا مقدر کہہ رہا ہے کہ مجھے مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔"

شہباز نے پریشان ہوکر کہا۔ "میں بھی بالکل یہی سوچ رہا تھا۔ انڈیا جانا چاہتا تھا، وہاں اپنی دردانہ......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے خیال آیا کہ دردانہ کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی یہ بتانا چاہیے کہ وہ اس کی رہائی کے سلسلے میں کیا کررہا ہے؟ میں نے کہا۔ "ارے ہاں۔ یہ پوچھنا تو میں بھول ہی گیا، وہ دردانہ صاحبہ کہاں ہیں؟ اس سلسلے میں بھی ہمارا مقدر ایک ہے۔ میری محبوبہ کسی دوسرے کے پاس ہے۔ وہ اس کے ساتھ فرار ہوگئی تھی پھر پتا نہیں اب کہاں ہے؟ تمہاری دردانہ بھی شاید ابھی تمہارے پاس نہیں پہنچی ہوگی۔"

میں اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ رہا تھا۔ وہ بولا۔ "میں کبھی کبھی حیران ہوکر بے یقینی سے سوچتا ہوں کہ ہمارا مقدر بالکل ایک جیسا کیوں ہے؟ جو میرے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ، اور جو تمہارے ساتھ ہوتا ہے وہ میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے؟"

میں اس کی جھنجلاہٹ پر مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری دردانہ تم سے ابھی تک بچھڑی ہوئی ہے اور انڈیا میں ہے۔ تب ہی تم انڈیا جانے کی بات کررہے تھے۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "باتوں ہی باتوں میں اندر کا بھید لے لیتے ہو۔ میں تم سے زیادہ بولنا نہیں چاہتا۔ بس اتنا بتادو، کیا دشمن تم پر غالب آجائیں گے، تمہیں مار ڈالیں گے؟"

"یہ سوال اس لیے کررہے ہو کہ اگر دشمن مجھ پر غالب آجائیں گے، مجھے مار ڈالیں گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ ویسے میں یہ بتادوں ہم دونوں کو مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی ہمیں انڈیا نہیں جانا چاہیے۔ تم اپنی دردانہ کی طرف جاؤ گے تو نئی نئی مصیبتوں میں گرفتار ہوتے رہو گے۔"

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہا، سوچتا رہا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بولا۔ "میں ایسی بات سوچ رہا ہوں جو مجھے سوچنا نہیں چاہیے میں کبھی کسی کے آگے نہیں جھکتا لیکن اب حالات سے، مجبور ہوکر تمہارے معاملے میں جھکنا چاہتا ہوں۔"

"کھل کر بولو۔ کیا چاہتے ہو؟"

میں سوچ رہا ہوں، جب ہمارا مقدر ایک ہے ہمارے حالات ایک ہیں اور ہم ایک ہی کانٹوں بھرے راستے سے گزر رہے ہیں تو پھر کیوں نہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوجائیں۔ اس طرح میرے لیے آسانی یہ ہوگی کہ جب کوئی مصیبت آنے والی ہوگی تو تم فوراً ہی مجھے بتادیا کروگے۔"

"وہ تو میں فون پر بھی بتاتا رہتا ہوں۔ اگر ساتھ رہو گے اور زیادہ آسانی ہوگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میں اپنی بہتری اور بچاؤ کے لیے جو کرتا رہوں گا وہی تم بھی کروگے۔"

"یہ امریکی سی آئی اے والے موت کے ہرکارے ہیں۔ مجھے ہر طرف موت ہی موت نظر آرہی ہے۔ موجودہ حالات میں تو میں وہی کروں گا جو تم کرتے رہو گے۔"

میں نے کہا۔ "میرا ایک دشمن بزنس مین تھا۔ میں نے اسے مصیبت میں پھنسادیا تھا۔ اسے پانچ سو کروڑ کا نقصان پہنچانے والا تھا۔ ایسے وقت میرے ہاتھ کی لکیر نے سمجھایا کہ اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ اپنے دشمن بزنس مین کو نقصان نہیں پہنچانا ہوگا تب میں اپنے ارادے سے باز آگیا۔ آیندہ اسے میری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔"

وہ ذرا الجھتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں تو کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہوں۔"

جھوٹ مت بولو۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے تم نے ذیشان کو قتل کے جھوٹے مقدمے میں پھنسایا ہے۔ اسے سزائے موت تک پہنچانا چاہتے ہو۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو جس طرح میں نے اپنے دشمن کو نقصان نہیں، فائدہ پہنچایا ہے۔ اسی طرح تم بھی ذیشان کو نقصان نہیں فائدہ پہنچاؤ۔"

"ان لمحات میں میری عقل کہہ رہی ہے کہ تم میرے خلاف کوئی چال چل رہے ہو۔ ذیشان تمہارا رشتہ دار ہے۔ چچازاد ہے، تم اس کے بچاؤ کے لیے اور بہتری کے لیے مجھے مقدر کے جال میں الجھا رہے ہو۔"

"تم مقدر کے جال کو کیا سمجھو گے؟ ایک کا مقدر دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے جڑا ہوتا ہے میں اپنے دشمن بزنس مین سے دوستانہ رویہ اختیار کرچکا ہوں۔ اسے فائدہ پہنچا رہا ہوں تو آیندہ تم بھی ذیشان کو فائدہ

پہنچاتے رہو گے۔ اگر تم ابھی ایسا نہیں کرو گے تو آگے چل کر حالات تمہیں مجبور کر دیں گے۔ اور تم ذیشان پر چلنے والے مقدمے کو خود ہی کمزور بنا دو گے۔"

"میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"تمہارا باپ بھی کرے گا۔ کیوں کہ جب میں ایسا کر چکا ہوں اور ہمارا مقدر ایک ہے تو تم حالات سے مجبور ہو کر ایسا ضرور کرو گے۔ آزمائش شرط ہے۔ تم دیکھ لینا۔ آگے کیا ہوتا ہے؟"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے اپنے فون کو دیکھا پھر سوچا۔ "کیا میں مجبور ہو جاؤں گا؟ ذیشان کے خلاف مقدمہ کمزور پڑ جائے گا؟ لیکن کیسے؟"

حالات اسے سمجھانے لگے۔ ابھی اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس ملک میں رہ کر ذیشان پر دردانہ کے اغوا کا الزام لگا سکتا ہے اور دردانہ انڈیا سے پتا نہیں کتنے عرصے بعد واپس آ سکے گی؟ مقدمے کی سماعت جاری رہے گی۔ وہ مدعی کی حیثیت سے عدالت میں پیش نہیں ہو سکے گی تو مقدمہ خود بہ خود کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

اس نے قائل ہو کر سوچا۔ "مقدر کی ہر بات درست ہوتی ہے۔ اس نے میرے حالات کے مطابق صحیح پیش گوئی کی ہے ذیشان کے خلاف جو مقدمہ چلنے والا ہے وہ آپ ہی آپ کمزور ہوتا چلا جائے گا، میرے لیے بہتری یہ ہو گی کہ میں اس مقدمے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ کروں۔ اور جس طرح مقدر نے اپنے دشمن کو نقصان نہیں پہنچایا ہے اسی طرح میں بھی آیندہ ذیشان کو نقصان نہ پہنچاؤں۔"

اس نے کبھی کسی سے نیکی نہیں کی تھی۔ اس لیے ذیشان سے نیکی کرنے کے لیے دل راضی نہیں تھا، لیکن دماغ میں میری یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ اس کا اور میرا مقدر ایک ہے اگر میں نے اپنے کسی دشمن سے نیکی کی ہے اور اس طرح میری بلا ٹل رہی ہے تو وہ بھی نیکی کر کے اپنی بلاؤں کو ٹال سکتا ہے۔

وہ اسی تذبذب میں جاگتا رہا۔ ایسے وقت انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے لیکن وہ نہیں کرتا۔ کانٹوں کے بستر پر بے چین رہتا ہے۔ پھر بھی اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔

آخر وہ صبح تک کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد سو گیا۔

یوسف جان عرف نانا بھائی اگر چہ انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا تھا لیکن بہ ظاہر بہت ہی شریف اور پر امن شہری کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ صوبہ بہار کے شہر پٹنہ میں اس کی عالیشان کوٹھی تھی۔ وہ وہاں کا رئیس اعظم کہلاتا تھا۔ ہندو اور مسلمان سب ہی کے لیے فلاح و بہبود کے ایسے ایسے کام کرتا تھا کہ ہندو اسے دیوتا اور مسلمان فرشتہ کہنے لگے تھے۔

قومی اور صوبائی الیکشن کے وقت وہ جن امیدوار [illegible] ووٹ دیتا تھا۔ ہزاروں ہندو اور لاکھوں مسلمان بھی [illegible] ووٹ دیتے تھے۔

بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اس کے درواز[ے پر] آ کر ہاتھ جوڑتے تھے لیکن وہ پچھلے دس برسوں سے ای[ک] سیاسی پارٹی کی حمایت کر رہا تھا اور اسی کے حق میں ووٹ [دیتا] تھا۔ مختصر یہ کہ وہ صرف جرائم کی دنیا کا ہی نہیں سیاست [کی دنیا] کا بھی بے تاج بادشاہ تھا۔ جس کی طرف جاتا تھا وہی پارٹی اس صوبے سے کامیابی حاصل کرتی تھی۔

نانا بھائی نے شہباز درانی سے معاملہ طے کرنے [کے بعد] اپنے صوبے کے سیاسی لیڈر جگت نارائن سے ملاقات [کی۔] اس نے بڑی گرمجوشی سے نانا بھائی کا استقبال کرتے [ہوئے] کہا۔ "آپ نے یہاں آنے کا کشٹ کیا۔ مجھے حکم دیتے [تو میں] چلا آتا۔"

نانا بھائی نے کہا۔ پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا [ہے] اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ نانا بھائی! آپ اور پیاسے [یہ میں] نہیں مانتا پھر بھی میرے لیے بڑے فخر کی بات ہو گی اگر [میں] آپ کی پیاس بجھا سکوں۔ حکم کریں، کیا چاہتے ہیں؟"

نانا بھائی نے کہا۔ "اگلے الیکشن میں آپ کی پا[رٹی کا] ایک لیڈر کامیابی حاصل کرنے والا ہے۔ اس کا نام [پرکاش] دامودر ہے۔ اور آپ کی پارٹی آیندہ اسے مکھ منتری [بنائے] گی۔ کیا میری یہ معلومات درست ہے؟"

"آپ کی کیا بات ہے؟ آپ تو کسی کے بھی اندر [جا کر] اس کے بھید معلوم کر لیتے ہیں۔ ویسے یہ معلومات درست ہیں۔"

وہ بولا۔ "آپ کے اس پارٹی لیڈر پرکاش دا[مودر کا] ایک بھائی ہے۔ اس کا نام آکاش دامودر ہے۔ اس کے [پاس] میری ایک چیز ہے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

جگت نارائن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بس، اتنی سی [بات] ہے۔ میں ابھی فون کرتا ہوں۔ آپ جو چیز چاہتے [ہیں وہ] ابھی آپ کے چرنوں میں آ جائے گی۔"

نانا بھائی نے کہا۔ "وہ ایک عورت ہے۔"

جگت نارائن نے چونک کر پوچھا۔ "عورت؟"

"جی ہاں۔ وہ پاکستان سے آئی تھی۔ آکاش دا[مودر] نے اسے قیدی بنا لیا ہے۔ اس عورت کا نام دردانہ ہے۔"

"نام کچھ بھی ہو، آپ نے حکم دیا ہے تو وہ ابھی حاضر ہو جائے گی۔ اگر وہ کہیں دور ہے تو ہم جلد سے جلد اسے یہاں لے آئیں گے۔"

"آکاش دامودر ممبئی میں ہے اور وہ عورت بھی وہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ کل صبح تک میرے پاس پہنچ جائے۔ اگر کسی فلائٹ میں جگہ نہ ملے تو اس کے لیے طیارہ یا ہیلی کاپٹر چارٹرڈ کرایا جائے لیکن اسے ہر حال میں صبح میرے پاس پہنچنا چاہیے۔"

"میں آپ کی آگیا کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔ آپ گھر جائیں۔ کل صبح وہ عورت آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

نانا بھائی وہاں سے چلا آیا۔ جگت نارائن نے فوراً ہی راجدھانی میں پارٹی لیڈر سے رابطہ کیا۔ پھر اسے نانا بھائی کا مطالبہ سنایا۔ پارٹی لیڈر نے کہا۔ "یہ تو کوئی بڑا مطالبہ نہیں ہے۔ صبح تک مطلوبہ عورت اس کے پاس پہنچ جائے گی۔"

جگت نارائن نے کہا۔ "ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے لیڈر پرکاش دامودر جی کے بھائی آکاش دامودر انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آکاش نے کسی دردانہ نامی عورت کو قیدی بنا کر رکھا ہے تو اس کے پیچھے کوئی گہری بات ہو گی۔ اگر وہ عورت آکاش کے لیے اہم ہو گی تو کیا ہم اسے حاصل کر سکیں گے؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس پارٹی لیڈر نے پرکاش دامودر سے رابطہ کیا۔ اسے نانا بھائی کا مطالبہ سنایا پھر کہا۔ "آپ کے بھائی آکاش دامودر جی اس عورت کو ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کا کوئی پیچیدہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ یہ یاد رکھیں کہ ہم صوبہ بہار کی بڑی اور اہم سیٹیں نانا بھائی کی مدد سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے پیچھے لاکھوں ووٹرز ہیں۔ اگر ان کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو وہ اپنے لاکھوں ووٹرز کے ساتھ دوسری پارٹی کی جھولی میں چلے جائیں گے۔"

پرکاش نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ آکاش یہاں دہلی آیا ہوا ہے، میرے بنگلے میں ہی ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

وہ فون بند کر کے بیڈ روم سے ڈرائنگ روم میں آیا۔ آکاش وہاں اپنی بھابھی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ پرکاش نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارے انڈر ورلڈ کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن آج کل تم نے کسی عورت کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ اس کا نام دردانہ ہے۔"

آکاش نے حیرانی سے پوچھا۔ "بھیا! آپ یہ کیسے جانتے ہیں؟"

"ہمارے آیندہ الیکشن سے اس عورت کا گہرا تعلق ہے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میرا ایک مہرہ آپ کے کام آئے گا لیکن آپ اس عورت کو اپنی راج نیتی میں کیسے استعمال کریں گے؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ...... وہ عورت کہاں ہے؟"

"میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ وہ میرے لیے بھی بہت اہم ہے۔ میں نے اسے اپنے پرائیویٹ بنگلے میں رکھا ہے۔ میرے مسلح گارڈز اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔"

پرکاش نے فون کے ذریعے اپنے پرسنل سیکرٹری سے کہا۔ "پٹنہ جانے والی فلائٹ میں دو سیٹیں ابھی کنفرم کراؤ۔ ہمارے بھروسے کا کوئی آدمی دردانہ نامی عورت کو یہاں سے پٹنہ لے جائے گا اور اسے نانا بھائی کے پاس پہنچائے گا۔"

اس نے فون بند کیا۔ آکاش نے چونک کر پوچھا۔ "آپ دردانہ کو نانا بھائی کے پاس کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"وہ اس عورت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم تو جانتے ہو۔ صوبہ بہار کی سیٹیں ہم اسی کی مدد سے جیتتے آئے ہیں۔ اگلے الیکشن میں بھی اس کے لاکھوں ووٹرز ہمیں ہی ووٹ دیں گے۔ دیکھا جائے تو وہ ہمیں راج سنگھاسن پر بٹھاتا ہے۔ اس لیے ہم اس کے چھوٹے بڑے مطالبات پورے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ تو بہت ہی معمولی سا مطالبہ ہے۔"

آکاش نے کہا۔ "آپ کے لیے معمولی ہو گا۔ آپ نہیں جانتے ہیں۔ میری نیلماں اس شخص کے قبضے میں ہے جو دردانہ کا عاشق ہے۔ وہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے میری نیلماں کو میرے پاس پہنچائے گا تو میں اس کی دردانہ کو اس کے پاس پہنچاؤں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے، اس شخص نے میری نیلماں کو مار ڈالا ہے اس کے بدلے اپنی دردانہ کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس لیے نانا بھائی کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

پرکاش نے کہا۔ "اگر نانا بھائی اس آدمی کی مدد کر رہا ہے اس کے لیے دردانہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو کرنے دو۔ اگر نیلماں مر چکی ہے تو اسے بھول جاؤ۔ راج نیتی میں بڑی بڑی

قربانیاں دی جاتی ہیں۔

''راج نیتی کا شوق آپ کو ہے، مجھے نہیں ہے، میں دردانہ کو نانا بھائی کے پاس نہیں جانے دوں گا۔ آپ ان سے میری بات تو کرائیں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟''

پرکاش نے بہار کے سیاسی جگت نارائن سے رابطہ کیا پھر اس کے ذریعے نانا بھائی سے اپنے بھائی آکاش کے درمیان رابطہ کرایا۔ آکاش نے کہا۔ ''مسٹر نانا بھائی! آپ کا ہر مطالبہ ہمارے سیاسی لیڈر پورا کرتے آئے ہیں۔ اس بار آپ اس عورت کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں جو میری کسٹڈی میں ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے لیے کیوں ضروری ہے؟''

نانا بھائی نے کہا۔ ''میرے ذاتی معاملات بہت اہم ہوتے ہیں اور اسے میں دوسروں تک پہنچنے نہیں دیتا۔ بس ایک بات جانتا ہوں مجھے دردانہ کی ضرورت ہے اور اسے صبح تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ میں اس سے آگے کوئی بات نہیں کروں گا۔ کوئی بحث نہیں کروں گا سوسوری۔''

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ آکاش نے جھنجلا کر اپنے بھائی کو دیکھا پھر بولا۔ ''بھیا! میں دردانہ کو اس کے حوالے نہیں کروں گا وہ میرے قبضے سے نکلے گی تو میں اس کے عاشق سے نیلماں کا انتقام نہیں لے سکوں گا۔''

''انتقام کو بھول جاؤ، تم سیاسی کامیابیوں کو پیش نظر رکھو۔ جب ہم اقتدار میں ہوتے ہیں تو تمہارے لیے بھی کتنے فائدہ مند ہوتے ہے۔ انٹیلی جنس والے جانتے ہیں کہ تمہارا تعلق جرائم کی دنیا سے ہے لیکن وہ تمہیں گرفتار نہیں کرتے بلکہ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔''

''بھیا! جب آپ اقتدار میں نہیں تھے۔ آپ کی حکومت نہیں تھی تب بھی میں ان پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو تگنی کا ناچ نچایا کرتا تھا۔ میں آپ کی سیاست کا محتاج نہیں ہوں۔ آخری بات کہتا ہوں، دردانہ نانا بھائی کے حوالے نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد آپ کوئی بحث نہ کریں۔''

پرکاش داموودر بڑی گہری نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا پھر وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''ارے تو اتنا گرم کیوں ہوتا ہے؟ تجھے یہ منظور نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ دردانہ تیرے ہی پاس رہے گی۔ جا تو اپنی بھابھی کے ساتھ ہنستا بولتا اچھا لگتا ہے۔''

پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''رکمنی! اپنے دیور کا خیال رکھ، اس کا دماغ گرم ہو رہا ہے کوئی ٹھنڈی چیز پلا دے۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دور دروازے کے باہر دیکھا، پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد موبائل فون پر کسی کے نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ ''میں پرکاش داموودر بول رہا ہوں۔ تم ہمارا پرائیویٹ بنگلا جانتے ہو؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''لیس سر! جانتا ہوں۔''

''تو ابھی مسلح سپاہیوں کو لے کر وہاں جاؤ۔ اس بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ سیکورٹی گارڈز کو اپنے قابو میں کرو۔ وہاں ایک دردانہ نامی عورت ہے۔ اسے وہاں سے لے جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔''

اس نے فون بند کیا، پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد پرسنل سیکرٹری سے رابطہ کر کے پوچھا۔ ''کیا سیٹیں کنفرم ہو گئیں؟''

''جی ہاں۔ کنفرم ہو چکی ہیں۔''

''یہ بات میرے بھائی آکاش کو معلوم نہ ہو۔ اس سے یہ بات چھپائی جائے کہ دردانہ کو یہاں سے پٹنہ روانہ کیا جا رہا ہے۔''

''لیس سر! یہ بات راز میں رہے گی۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ سیاست میں یہی ہوتا ہے بھائی بھائی کو اور باپ بیٹے کو دھوکا دیتا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ پرکاش بھی اپنے بھائی آکاش کے ساتھ یہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

صبح پانچ بجے شہباز کی آنکھ لگی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ تین گھنٹے بعد ہی صبح آٹھ بجے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اسے ایسا لگا، جیسے اس پر فائرنگ کی جا رہی ہو۔ آنکھیں کھلنے کے بعد پتا چلا کہ فائرنگ کی آواز نہیں تھی اس کے فون کا بزر بول رہا تھا۔

اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ اسے اٹھا کر نمبر پڑھے۔ پھر آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو۔ نانا بھائی! میں بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے نانا بھائی نے کہا۔ ''میں نے کہا تھا، آج بارہ بجے تک تمہیں خوشخبری سناؤں گا۔ اب مقررہ وقت سے چار گھنٹے پہلے تمہیں خوشخبری بھی سنا رہا ہوں اور تمہاری دردانہ کی آواز بھی سنا رہا ہوں۔ لو، بات کرو......''

چند سیکنڈ کے بعد ہی اسے دردانہ کی آواز سنائی دی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔ ''کیا تم آکاش کے چنگل سے نکل آئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''ہاں...... خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ یہاں نانا بھائی کی پناہ میں ہوں۔ یہ بہت مہربان ہیں، بہت ہی نفیس انسان ہیں۔ تم نے ان سے جو معاملہ طے کیا ہے، پہلے اس کے بارے میں باتیں کر لو پھر میں تم سے بات کروں گی۔''

تھوڑی دیر بعد نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ ''میں ابھی اپنی ایکس وائف بی پاشا کو تمہارے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم کہاں ہوں اور بچہ کہاں ہے؟''

''میں یہ ایک ایڈریس اور فون نمبر بتا رہا ہوں۔ نوٹ کرو اور اپنی ایکس وائف کو وہاں بھیج دو۔ بچے کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

اس نے ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کرایا۔ نانا بھائی نے فون دردانہ کو دے دیا۔ وہ خوش ہو کر شہباز سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اسے اپنے موجودہ بدترین حالات کے بارے میں بتا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ بھی انڈیا آنا چاہتا ہے۔ آج شام تک کوئی حتمی فیصلہ کرے گا۔ اگر وہاں نہ آ سکا تو اس کے ساتھ مڈل ایسٹ کے کسی ملک میں جا کر اس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔

وہ دونوں تقریباً ایک گھنٹے تک فون پر باتیں کرتے رہے پھر نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ ''مسٹر شہباز! یہ کیا مذاق ہے؟ بی پاشا تمہارے بتائے ہوئے پتے پر پہنچی ہوئی ہے، وہاں اس نے اس بچے کو دیکھا ہے۔ وہ ہمارا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔''

شہباز نے حیرانی سے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں ایس پی ذیشان کی بہن عینی کے پاس جو بچہ ہے، اس کا نام اشعر ہے اور میرے آدمیوں نے اسی اشعر کو اغوا کیا ہے جسٹ اے منٹ۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ پہلے اپنے آدمیوں سے معلوم کرتا ہوں کہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟''

اس نے فون بند کیا پھر اپنے ان ماتحتوں سے رابطہ کیا جو بچے کو اپنی کسٹڈی میں رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''باس! یہ خاتون کہہ رہی ہیں کہ یہ ان کا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔''

شہباز نے پوچھا۔ ''کیا تم نے اس بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا؟''

''جی ہاں۔ میں نے پلے لینڈ میں اسی بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کی گود میں ایک چھوٹی بچی بھی تھی اور یہ بچہ عینی کی انگلی تھامے ہوئے تھا۔''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''تو اسے وہی مطلوبہ بچہ ہونا چاہیے۔ کیا اس کا نام اشعر نہیں ہے؟''

''ہم نے ایک آدھ بار اس کا نام پوچھا تھا۔ لیکن یہ روتا رہا تھا اور اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے مچلتا رہا تھا پھر ہم نے اسے نیند کی دوا پلا دی تھی۔ تب سے یہ سوتا رہا تھا۔''

شہباز نے اس سے رابطہ ختم کیا پھر نانا بھائی سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔ ''اس بچے کو اغوا کرنے کے سلسلے میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ پتا نہیں میرے آدمی کس بچے کو اٹھا کر لے آئے ہیں؟ حالانکہ غلطی ان کی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس بچے کو عینی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اور اسے اشعر سمجھ لیا تھا۔''

نانا بھائی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''گڑبڑ کچھ بھی ہوئی ہو، میرے مطالبے کے مطابق میری ایکس وائف کے پاس اشعر کو پہنچنا چاہیے تھا اور وہ نہیں پہنچا ہے۔ تم بھی اصول پسند ہو۔ میں بھی اصول پسند ہوں۔ ہمارے درمیان کھرا لین دین ہونا چاہیے۔ اگر وہ بچہ بی پاشا کے پاس نہ پہنچا تو تمہاری دردانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گی۔''

شہباز درانی کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کامیاب ہوتے ہوتے ناکام ہو رہا تھا۔ دردانہ آکاش داموودر کے چنگل سے نکل کر نانا بھائی کے شکنجے میں آ گئی تھی، ایک بار پھر آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ وہ تقدیر کے جال میں الجھتا جا رہا تھا۔

پلے لینڈ سے دو بچے اغوا کیے گئے تھے۔ اس اجنبی بچے کے علاوہ اشعر کو بھی کوئی اٹھا کر لے گیا تھا۔

کون لے گیا تھا؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ مقدر ہی کسی کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔

آخر میں کیا ہوں؟
میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں، مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں

ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، لیکن شہباز کے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے جس عورت کا ہاتھ تھا وہ اسے مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔

کہتے ہیں، عقل آتی ہے انسان کو ٹھوکریں کھانے کے بعد......

مگر وہ عجیب دیوانہ تھا۔ اپنی جانِ حیات کو حاصل کرنے کے لیے نہ جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ سنبھل رہا تھا لیکن ٹھوکروں بھرے راستے سے بچاؤ کا راستہ نہیں نکال پا رہا تھا۔

سچ ہے، یہ عورت جنت سے لے کر آخرت تک جب تک دنیا قائم ہے اپنے پیچھے دوڑاتی رہی تھی، رہی ہے اور رہے گی۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اندھا دھند دوڑ رہا تھا۔"

اندھا دھند دوڑنے کا انجام یہی ہوتا ہے۔ جو شہباز درانی کا ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ آتے آتے پھسل رہی تھی، ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ شہباز کے آسمان سے گر کر آکاش دامودر کے کھجور میں اٹک گئی تھی اور اب وہاں سے لڑھک کر نانا بھائی کی دلدل میں دھنس رہی تھی۔

شہباز نے اپنی دردانہ تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی کو وسیلہ بنایا تھا۔ وہ راہِ نجات بن سکتا تھا، لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا، چونکہ قدرت کو منظور نہیں تھا لہٰذا مجھے بھی منظور نہیں تھا۔ لکیروں کا مزاج بدل گیا تھا اور مجھے ان کے مطابق ہی چلنا تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی بازی پلٹ دی تھی۔

"تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا......"

وہ دردانہ کے عشق میں ناچ نہیں رہا تھا لیکن اس وقت اپنی خفیہ پناہ گاہ میں اِدھر سے اُدھر ایسے ٹہل رہا تھا، جیسے تھیا تھیا کر رہا ہو۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنی جانِ حیات کی آواز سن رہا تھا۔ بڑی رومانی گفتگو ہو رہی تھی، ایک دوسرے سے ملنے اور گلے ملنے کے دن آ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت وہ ہو گیا، جو اس کی زندگی میں نہیں ہونا تھا، لیکن مقدر سے ہونا ہی ہونا تھا۔

نانا بھائی نے یہ انکشاف کر کے اس کے ہوش اڑا دیے تھے کہ وہ اس کا مطلوبہ بچہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہے اگر اشعر اس کی ایکس وائف بی پاشا کے پاس نہ پہنچا تو اس کی دردانہ بھی اس کے پاس نہیں پہنچے گی۔

وہ تھکے ہوئے شہتیر کی طرح کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ ہاتھ پاؤں ایسے ڈھیلے پڑ گئے جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ وہ پہلے کی طرح وسیع ذرائع اور بے حساب اختیارات کا مالک نہیں رہا تھا۔ جس مکان میں چھپا ہوا تھا وہاں سے سوچے سمجھے بغیر فوراً باہر نکل کر اصل بچے کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ بڑی مجبوری تھی۔

صرف تین آلہ کار رہ گئے تھے، جنہوں نے غلط بچہ اغوا کیا تھا۔ وہ انہی سے کام لے سکتا تھا۔ اس نے فوراً انہیں عینی کی کوٹھی کی طرف جانے اور بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد ہی یہ چونکانے والی خبر ملی کہ وہ اشعر نامی بچہ واقعی اغوا ہوا ہے۔ ایک آلہ کار نے شہباز کو فون پر اطلاع دی۔ "سر! اس کوٹھی کے تمام لوگ پریشان ہیں۔ اغوا ہونے والے بچے کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر بچہ اغوا کیا گیا ہے تو اسے ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ اور وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہاں اس کوٹھی میں بھی نہیں۔ پھر کہاں ہے؟ اسے کون لے گیا ہے؟"

وہ سوچ رہا تھا، پریشان ہو رہا تھا، بچے کے اغوا اور دردانہ کی واپسی کا منصوبہ بڑی رازداری سے بنایا گیا تھا۔ کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی پھر وہ کون تھا جو بچے کو چھین کر اس سے دشمنی کر رہا تھا؟ وہ اپنی میموری کو کھنگالنے لگا، ذہن پر زور ڈالنے لگا لیکن موجودہ حالات میں اسے میرے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا، دیوار پر ایک زوردار مکا مارتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا مصیبت ہے، جو تدبیر کر رہا ہوں، الٹی ہو رہی ہے۔ میری دردانہ مجھ سے دور کیا گئی، میرا تو مقدر پھوٹ گیا ہے۔"

وہ سوچتے سوچتے ناگواری سے زیرِ لب بڑبڑایا۔ "مقدر......!"

اسے میری باتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے کہا تھا کہ وہ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو میں اس کے ساتھ رہوں گا، اس سے تعاون کروں گا، آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ ذیشان کے مقدمے کو کمزور بنا دے۔ میری یہ شرط سن کر وہ بھڑک گیا تھا۔ میں نے یہ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا تھا کہ حالات اسے مجبور کر دیں گے، وہ چاہنے کے باوجود ذیشان کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا۔

اور اب وہ دیکھ رہا تھا، اپنے حالات پر غور کر رہا تھا۔ ...اب کا دھارا اسے ذیشان کی مخالف سمت بہائے لیے ...رہا تھا۔ دردانہ کے جھمیلے سے نجات نہیں مل رہی تھی، دوسری ...ف امریکی سی آئی اے والوں سے چھپ کر رہنا بہت ...روری تھا۔ ایسے میں ذیشان کے خلاف محاذ آرائی مشکل ...رہی تھی۔

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے ...

...میں اس وقت ہائی وے سے گزر رہا تھا۔ زبیری بیان ...لنے پر راضی ہو گیا تھا۔ میں جیل میں ملاقات کرنے کے بعد ...ان کے بیوی بچوں کو اس کی خیریت بتانے کے لیے حیدر آباد ...لا گیا تھا۔ ذیشان کا معاملہ کافی حد تک سلجھتا دکھائی دے رہا ...تھا اور اب میں اسے یہ خبر سنانے کے لیے گھر کا رخ کر رہا ...تھا۔ ایسے ہی وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ میں نے فون ...کا نمبر پڑھے۔ شہباز کال کر رہا تھا۔

میں نے زیرِ لب مسکرا کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھا پھر ...ے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے......؟ یا حیرت! مجھ سے دور بھاگنے والا، میری کال پر جھنجلانے والا آج مجھے مخاطب کر رہا ہے؟"

اس نے ناگواری سے دل میں کہا۔ "وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔"

پھر وہ بولا۔ "جب ہماری لکیریں ایک ہیں، مقدر ایک ہے، تم جب چاہتے ہو مجھ سے رابطہ کر لیتے ہو تو پھر میں کیوں نہیں کر سکتا؟"

میں نے کار کی رفتار سست کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہیں؟ لیکن رابطے کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ میں کسی کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی نہیں چلاتا۔ اپنے مسائل اپنی ذہانت سے حل کرتا ہوں۔ جبکہ تمہاری فطرت ہے ہر مشکل وقت میں اپنے ناخداؤں کو یاد کرتے ہو۔"

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ "مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"تو ہمارے درمیان دشمنی کب تھی؟"

"دشمنی نہیں ہے، غلط فہمیاں ہیں۔ جنہیں دور کر کے ہم ایک... رے کے کام آ سکتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہر طرف سے سہمے بیٹھے ہو، بھلا تم کیا میرے کام آؤ گے؟ صاف کیوں نہیں کہتے، میرا تعاون چاہتے ہو۔"

"مردہ ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ فی الحال میں صاحبِ اقتدار نہیں ہوں، میرے تخت کا تختہ ہو گیا ہے لیکن روپوش رہ کر بھی میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔"

میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "اچھا......؟ وہ کیسے؟"

"ذیشان کے معاملے کو نہ بھولو۔ میرا تعاون اس کے مقدمے کو کمزور بنا سکتا ہے۔"

"اور اس کے صلے میں کیا چاہو گے؟"

"تمہارا ساتھ...... تم نے کہا تھا، جس طرح تم نے اپنے ایک دشمن کو معاف کیا ہے، اسی طرح میں بھی ذیشان کو معاف کر دوں، اس کا کیس کمزور بنا دوں تو تم میرے ساتھ رہو گے۔ اور مجھے آئندہ پیش آنے والے اچھے برے حالات سے آگاہ کرتے رہو گے۔ جب ہم ایک جیسے حالات سے گزرتے رہتے ہیں تو ہمیں ایک ہو جانا چاہیے۔"

حالات نے اسے مجبور اور بے بس بنا دیا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے خلاف جھک رہا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا ساتھ اسے کہاں کہاں اور کن کن حالات میں بھرپور فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

اس نے کہا۔ "میں اپنے برے حالات سے عارضی طور پر مات کھا رہا ہوں۔ ہمیشہ شہزور رہنے کا عادی ہوں۔ زیادہ عرصے تک کمزور بن کر نہیں رہوں گا۔ راستے نکال رہا ہوں، جلد ہی اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کر لوں گا۔ مسٹر مقدر! ہمارا ساتھ ہم دونوں کو ناقابلِ شکست بنا سکتا ہے۔"

میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مسٹر شہباز! مقدر ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتا۔ کبھی ساتھ دیتا ہے۔ کبھی اچانک ہی ہاتھ چھڑا لیتا ہے۔ جب میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا تھا، تب تم نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ وقت گزر چکا ہے۔ لکیروں کا مزاج بدل گیا ہے۔ لہٰذا اب انتظار کرو، ہمارے مقدر میں ایک ہونا ہو گا تو ہم قدرتی حالات کے مطابق ہی ایک ہوں گے۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ تقدیر کبھی ہم دونوں کو ایک کرے گی؟"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا...۔"

البتہ میری ایک لکیر کہہ رہی ہے کہ میں بہت جلد کسی ایسے شخص سے ملاقات کروں گا جو مجھے حوصلہ دے گا اور پہلے کی طرح میرے ذرائع اور اختیارات میں اضافہ کرے گا۔

اس نے فوراً ہی پوچھا۔ "تم کسی شخص سے ملنے والے ہو تو اس کا مطلب ہے، میں بھی کسی سے ملنے والا ہوں؟ میرے بھی ذرائع اور اختیارات میں اضافہ ہونے والا ہے؟"

"ہاں......" میں مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

وہ خوش ہوکر ہواؤں میں اڑنے لگا۔ میں نے کہا۔ ''لیکن ایک قباحت ہے۔''

کیسی قباحت......؟''

میں نے خواہ مخواہ اسے الجھانے کے لیے کہا۔ ''یہی کہ وہ شخص یا وہ وسیلہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو ملے گا۔ یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ کسے ملے گا؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ سپر پاور کے قہر سے بچ کر جہاں جانا چاہتا تھا۔ میں نے وہاں جانے سے پہلے ہی اسے الجھا دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی خفیہ تنظیم سے رابطہ کر رہا ہے اور بہت جلد اس کی پناہ میں جانے والا ہے۔ اس طرح اسے کھوئی ہوئی قوت حاصل ہونے والی ہے۔

وہ دردانہ کے معاملے میں مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کب تک اس سے دور رہے گی؟ اس نے بات گھما کر پوچھا۔ ''تمہاری محبوبہ کا کیا بنا؟''

اس کی بات سنتے ہی مجھے نمرہ یاد آنے لگی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''وہ میرے پاس آتے آتے رک گئی ہے۔ یہ رکاوٹیں وقتی ہیں، آخر اسے میرے ہی پاس آنا ہے۔''

میری اس بات سے اسے حوصلہ ملا۔ میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''لیکن تمہاری والی نہ جانے کب تک آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکی رہے گی؟''

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔ ''یہ کیا بات ہوئی؟ جب تمہاری محبوبہ تمہیں مل جائے گی تو لامحالہ میری دردانہ بھی مجھے ملے گی۔ تم مجھے الجھا کیوں رہے ہو؟''

''میں نہیں الجھا رہا ہوں، تمہاری تدبیریں تمہیں الجھا رہی ہیں۔ تم دوسروں پر تکیہ کرتے ہو اور میں ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں اور لکیریں کہہ رہی ہیں کہ ہماری محبوبائیں ملیں گی، مگر دیر سے......''

یہ ذرا اطمینان ہوا کہ دردانہ ملے گی، مگر یہ پریشانی تھی کہ کب ملے گی؟ میں نے کہا۔ ''یہ لکیریں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ اپنی ہی ڈگر پر چلاتی ہیں۔ میں ان کے مطابق ہی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ یہ کہہ رہی ہیں کہ ہمیں مشرق کی طرف سفر نہیں کرنا چاہیے۔

''یعنی تم مجھے انڈیا جانے سے روک رہے ہو؟''

''میں بھلا روکنے والا کون ہوتا ہوں؟ صرف اتنا سمجھا رہا ہوں کہ مقدر کے اور دریا کے بہاؤ کے خلاف تیرنا نہیں چاہیے۔ آگے تمہاری مرضی......''

اس نے کہا۔ ''تم کبھی الجھاتے ہو، کبھی راستہ بتانے والے رہبر بن جاتے ہو۔ کیا اپنے خاندان والوں کے ساتھ بھی یہی رویہ رکھتے ہو؟ سنا ہے تمہارے گھر سے ایک بچہ اغوا کر لیا گیا ہے؟ کیا اس کے سلسلے میں بھی اسی طرح انکھیلیاں کر رہے ہو؟''

''تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟''

''تمہیں تو وقت سے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔ مشرق کی طرف ہمارے لیے خطرہ ہے۔ تم وقت سے پہلے مجھے باخبر کر رہے ہو تو پھر اس بچے کو اغوا ہونے سے کیوں نہ بچا سکے؟ کیا اس کے معاملے میں تمہارے علم نے ساتھ چھوڑ دیا تھا؟''

''ہونی ہوکر رہتی ہے۔ اس کے مقدر میں اغوا ہونا لکھا تھا، سو لکھا ہوا پورا ہو گیا۔ میں کسی کو مشورے دیتا ہوں، کسی کو نہیں دیتا، جیسا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے سامنے بچے کے سلسلے میں نہ پیش گوئی کی نہ ہی انہیں کوئی مشورہ دیا۔ کیونکہ ہونی کو ہونا تھا اس لیے اشعر کہیں گم ہو گیا۔''

''تم بہت کچھ جانتے ہو۔ یہ بھی جانتے ہو...کہ وہ کہاں گم ہوا ہے۔ گھر والوں سے یہ بات چھپا رہے ہو۔ پلیز مجھ سے نہ چھپاؤ۔ مجھے بتا دو، وہ کہاں ہے؟''

''سوری، مجھے معلوم ہوتا تو اسے ابھی گھر لے آتا۔''

وہ کسی بھی طرح اشعر کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ میری خوشامدیں کرنے لگا۔ میں یہی سمجھاتا رہا کہ ہاتھ کی لکیریں جاسوسی نہیں کرتیں۔ گمشدہ چیزوں کا سراغ نہیں لگاتیں۔ میں اس معصوم بچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

وہ مایوس ہوکر بولا۔ ''تم بہت گہرے ہو۔ باتیں بناتے رہو گے، مگر سچ نہیں بولو گے۔''

''تمہیں اس بچے کی اتنی فکر کیوں ہے؟ میں سچ بولوں جھوٹ تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

وہ مجھ سے سچ نہیں بول سکتا تھا کہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے اشعر کا حصول کتنا ضروری ہے؟ وہ میرے سامنے بے بس تھا۔ مجھے دھن دولت کا لالچ نہیں دے سکتا تھا۔ شہ زوری کر کے، میری گردن دبوچ کر اشعر کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اس کے دماغ میں میری یہ پیش گوئی گردش کر رہی تھی کہ کوئی فائدہ پہنچانے والا شخص ہماری زندگی میں آنے والا ہے لیکن ہم میں سے کوئی ایک اس وسیلے تک پہنچ سکے گا اور وہ کون ہوگا؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

وہ خاموش تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے

کہا۔ ''سوری مسٹر شہباز! ایک اہم کال آنے والی ہے۔ میں اپنے فون کو زیادہ دیر تک انگیج نہیں رکھ سکتا۔ تم بھی نہ رکھو۔ کیونکہ جب کوئی مجھ سے رابطہ کرنے والا ہے تو تم سے بھی کوئی رابطہ کرنے کے لیے بے چین ہوگا۔''

میں نے اتنا کہا پھر کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا، غور کرتا رہا کہ وہ کون ہے جو ابھی اسے کال کرنے والا ہے؟ یہ تجسس زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ موبائل کا بزر بولنے لگا فون کی ننھی سی اسکرین پر جونیئر آفیسر جوزف مارٹن کے نمبر دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے پریشان ہوکر سوچا۔ ''او گاڈ! دردانہ کے معاملے میں الجھ کر مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اگر ذرا بھی یاد رہتا تو میں اپنا فون کچھ دیر کے لیے آف کر دیتا۔ عارضی طور پر سہی یہ بلا ٹل تو جاتی۔''

اس نے مجبوراً فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو......!''

دوسری طرف سے جوزف نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''میں یہاں تمہاری کوٹھی میں پہنچا ہوا ہوں۔ آج ہماری ملاقات ڈن تھی۔ لیکن یہاں آ کر پتا چل رہا ہے کہ تم نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے ہو؟ سیکورٹی گارڈز بھی لاعلمی ظاہر کر رہے ہیں۔ تمہاری پرسنل سیکریٹری تہمینہ سے رابطہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تمہاری ملازمت چھوڑ چکی ہے۔ آخر یہ سب کیا معاملہ ہے؟ تم ہم سے منہ کیوں چھپا رہے ہو؟''

''میں آپ لوگوں سے منہ نہیں چھپا رہا ہوں۔ حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ میرا ایک جانی دشمن ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اتنا زبردست ہے کہ میری کوٹھی میں گھس کر مجھے بے دست و پا بنا سکتا ہے۔''

''سیدھی سی بات کرو۔ مجھے وہ دشمن سمجھ رہے ہو۔ کیونکہ مطلوبہ دستاویزات نہ ملیں تو میں پلک جھپکتے ہی تمہیں بے دست و پا بنا سکتا ہوں۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم کن حالات سے گزر رہے ہو؟ ہیڈ کوارٹر سے جو مطالبہ کیا جا رہا ہے، اسے پورا کرو۔ میں تنہا نہیں ہوں۔ ہمارے اور تین ایجنٹس بھی تمہاری اس کوٹھی میں ہیں۔ ہم نے یہاں آتے ہی تمہارے پرائیویٹ چیمبر کی تلاشی لی ہے۔ ہماری مطلوبہ دستاویزات یہاں نہیں ہیں۔''

شہباز نے کہا۔ ''میں ان کی اہمیت سمجھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ کسی کے ہاتھ لگیں۔ لہٰذا میں انہیں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔

''تو پھر بتاؤ، تم کہاں ہو؟ جہاں بھی ہو، ہم وہاں آ کر وہ تمام چیزیں وصول کر لیں گے۔''

''میں کہہ چکا ہوں، میرا دشمن بہت زبردست ہے۔ وہ تمہارے پیچھے یہاں تک آ سکتا ہے۔ سوری تو سے! میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے گا تو میں اسے یہاں کا پتا نہیں بتاؤں گا۔''

''کیسے بتاؤ گے؟ جبکہ وہ تمام ڈاکومنٹس تمہارے پاس ہیں ہی نہیں۔ اب ہم تمہاری بہانے بازیوں میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن! وہ تمام دستاویزات بہت پہلے ہی ہمارے پاس پہنچ چکی ہیں۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''جو کبھی نہیں ہو سکتا، وہ ہماری سی آئی اے کے ایک اشارے پر ہو جاتا ہے۔ تہمینہ بظاہر تمہاری پرسنل سیکریٹری تھی لیکن درحقیقت ہمارے ادارے کی تربیت یافتہ ایجنٹ ہے۔ اس نے ہمارے حکم سے وہ تمام ڈاکومنٹس چرائی تھیں۔''

''اس کا مطلب ہے، تم لوگوں نے میرے ہی گھر میں چوری کروائی اور اس کی بازیابی کے سلسلے میں مجھے ہی پریشان کر رہے ہو؟''

''تہمینہ تمہارے خلاف بہت عرصے سے یہ رپورٹ دے رہی تھی کہ تم ایک عورت دردانہ کی خاطر اپنے اہم فرائض کو پس پشت ڈال رہے ہو۔ تمہاری غفلت کے باعث اس ملک کے ایک بہت بڑے سیاستدان جان محمد گبول کی چرائی ہوئی اہم دستاویزات تمہارے ہاتھوں سے نکل گئیں۔''

پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ ''یو بلڈی فول! ہم ان اہم دستاویزات کے ذریعے جان محمد گبول کو بلیک میل کر سکتے تھے۔ آئندہ الیکشن میں وہ ہمارے لیے ایک اہم مہرہ ثابت ہوتا۔ ہم وسیع ذرائع رکھنے کے باوجود اب تک یہ معلوم نہیں کر پائے کہ وہ دستاویزات کس کے ہاتھ لگ گئی ہیں؟ جان محمد گبول اب ہم سے نہیں، کسی دوسرے سے بلیک میل ہو رہا ہے۔''

اس کے لہجے میں بڑی ناگواری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم کبھی بڑے کام کے آدمی تھے۔ لیکن عشق نے تم کو نکما کر دیا۔ تمہیں بار بار وارننگ دی گئی کہ صرف ہمارے سیاسی مقاصد کے لیے کام کرتے رہو لیکن تم نے اس عورت کے عشق میں ایک نہایت ہی اہم دستاویزات سے ہمیں محروم کر دیا...اور اب بھی اسی عورت کی خاطر یہاں کے ایک ایس پی ذیشان سے مقدمہ بازی میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ اور اس گمشدہ

عورت کو حاصل کرنے کے لیے در بدر ہو رہے ہو۔"

شہباز اس کی باتیں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں یہ اعتراف کر رہا تھا کہ دردانہ کا عشق اسے اپنے اہم فرائض سے غافل بناتا رہا ہے۔ وہ اس قدر بے پروا ہو گیا تھا کہ اپنے ہی سی آئی اے والوں کو اپنے خلاف ہوتے نہ دیکھ سکا۔ نہ سمجھ سکا۔

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "میں مانتا ہوں، اپنے فرائض کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی کرتا رہا۔ بہر حال وہ تمام مطلوبہ ڈاکومنٹس تمہارے پاس پہنچی ہوئی ہیں۔ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری حاضری۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر ہیڈ کوارٹر میں حاضر ہو جاؤ۔"

"میں نے جان محمد گبول کے معاملے میں بہت بڑا سیاسی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں، میرے نام موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے۔ مجھے معافی کبھی نہیں ملے گی، صرف موت ملے گی۔ سوری! اب تم لوگ کبھی میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ پاؤ گے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ کتنی خوش فہمی ہے تمہیں؟ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم پلک جھپکتے ہی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ تم جہاں جاؤ گے، وہاں تم سے پہلے ہی ہماری بھیجی ہوئی موت پہنچ چکی ہوگی۔"

"موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ وقت میرے مقدر کے مطابق آئے گا۔"

وہ میری بات کر رہا تھا اور میں اس سے کہہ چکا تھا کہ میں صرف خدا پر بھروسا کرتا ہوں اور تم دوسروں پر تکیہ کرتے ہو۔ اب میری یہ بات اسے درست لگ رہی تھی۔ ایک تو وہ امریکی آقاؤں کے بھروسے پر خود کو بے تاج بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ دوسرا یہ کہ دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے......

اب نانا بھائی کی طرف سے بھی گرم ہوا چل رہی تھی۔ جب تک وہ اشعر کو کسی طرح حاصل نہ کرتا اور اسے بی پاشا کے حوالے نہ کرتا تب تک دردانہ کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے والے نہیں تھے۔

جونیئر آفیسر جوزف مارٹن نے کہا۔ "تم مقدر پر بھروسا کرو۔ ہمارا لائن آف ایکشن سانپ کو اس کے بل سے نکالنا جانتا ہے۔ جاؤ! روپوش رہو۔ اور انتظار کرو کہ کس طرح ہم تمہاری شہ رگ تک پہنچتے ہیں؟"

رابطہ ختم کر دیا گیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "وہ سپر پاور کہلاتے ہیں۔ آسمان کے چاند سے لے کر ہماری دنیا کی مٹی تک ان کے اختیار میں رہتی ہے۔ اسی لیے وہ جب چاہتے ہیں مٹی کو سونا اور سونے کو مٹی بنا ڈالتے ہیں۔ کسی کو زندگی دیتے ہیں اور کسی کو موت...... پتا نہیں وہ کس طرح میری موت کی پلاننگ کر رہے ہیں؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "وہ کسی بھی طرح میری اس خفیہ پناہ گاہ تک پہنچیں گے اور ضرور پہنچیں گے ان کے وسیع ذرائع کو سمجھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے مجھے اس مضبوط تنظیم کی پناہ میں چلے جانا چاہیے۔"

بین الاقوامی مافیا کی مختلف تنظیمیں ہماری دنیا میں سیاسی اور مالیاتی سازشوں میں مصروف رہتی ہیں۔ سپر پاور امریکا اور دوسرے بڑے ممالک کے لیے دردِ سر بنی رہتی ہیں۔ ان بڑے ممالک کی کمزوریاں حاصل کرتی ہیں اور انہیں بلیک میل کرتی رہتی ہیں۔

ان میں ایک انتہائی خطرناک صیہونی تنظیم۔ پی۔ ٹو ہے۔ یہ یہودیوں کی ایسی زبردست خفیہ تنظیم ہے کہ امریکا اور دوسرے بڑے ممالک کے ریکارڈز رومز میں بھی اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ یہ دنیا کے تمام اخبارات اور مشتہر کرنے والے تمام میڈیا کو ہر قیمت پر خرید لیتی ہے یا پھر ایسی احتیاطی تدابیر کرتی ہے کہ کوئی صحافی، کوئی جاسوس ان کے چھوٹے بڑے اجلاس تک پہنچ نہیں پاتا اور جو پہنچنا چاہتا ہے وہ بے موت مارا جاتا ہے۔

پی ٹو کے ریکارڈز روم میں بدنام زمانہ مجرموں، انتہائی چالاک اور خطرناک سیکرٹ ایجنٹس کی کارکردگی اور کارناموں کی ہسٹری موجود رہتی ہے۔ شہباز درانی کی ہسٹری بھی ان کے ریکارڈز میں موجود تھی۔ وہ اس کی خدمات حاصل کرنے کے لیے ایک بار اس سے رابطہ کر چکے تھے۔ اور یہ کہہ چکے تھے انکی تنظیم میں جسے خوش آمدید کہا جاتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ معاوضہ، مراعات اور مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔

شہباز درانی پچھلی رات اپنی محل نما کوٹھی چھوڑنے سے پہلے اس خفیہ نمبر پر رابطہ کر چکا تھا جو پی ٹو والوں نے اسے دیا تھا۔ اس نے انہیں اپنے مختصر سے حالات سنائے تھے۔ اور ان کی پناہ میں رہ کر ان کی خدمات انجام دینے کے لیے رضا مندی ظاہر کی تھی۔

جواباً کہا گیا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اسے تحفظ فراہم

کیا جائے گا۔ اور اس کے موجودہ مسائل بھی حل کیے جائیں گے۔ اس جواب سے اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی اور وہ اس سلسلے میں...... ان کے عملی اقدامات کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ مقدر کی خرابی سے ڈوبتے ڈوبتے پھر ابھرنے والا تھا۔ اگر ابھر جاتا تو پھر جرائم کے حوالے سے پہلے کی طرح بے تاج بادشاہ بن جاتا۔ اس کے بعد دردانہ کو حاصل کرنے کے لیے نانا بھائی کا بھی محتاج نہ رہتا۔ فی الوقت اس کے بدترین حالات سمجھا رہے تھے کہ نانا بھائی سے بنا کر رکھنا چاہیے۔ جب تک وہ اپنے قدم مضبوطی سے نہ جما لے، تب تک مصلحت اندیشی سے کام لیتا رہے۔

وہ نانا بھائی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ فی الحال تو ملا کی دوڑ مسجد تک تھی...... سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے موت کے ہرکارے اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ایسے وقت بھی دردانہ اس کے لیے اہم تھی وہ ذرا دیر کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہو رہا تھا۔ میرے سمجھانے کے باوجود اس کے معاملے میں جذباتی ہو رہا تھا۔

رابطہ ہونے پر نانا بھائی کی آواز سنائی دی۔ شہباز نے کہا۔ "میں نے مکمل معلومات حاصل کی ہیں۔ اس اشعر نامی بچے کو کسی اور نے اغوا کر لیا ہے۔ اس لیے میرے آدمی دھوکا کھا گئے۔"

نانا بھائی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "اچھا۔ کیا یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟"

"نہیں۔ فون تو میں نے یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ میں اغوا کرنے والوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جلد ہی مطلوبہ بچہ تمہاری ایکس وائف تک پہنچ جائے گا۔"

نانا بھائی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جب کامیابی حاصل ہو، تب فون کرنا۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ شہباز نے چونک کر فون کو دیکھا۔ وہ اسے مطمئن کر کے دردانہ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے اچانک ہی ایسے رابطہ ختم کر دیا تھا جیسے اس کے منہ پر تھوک رہا ہو۔ زبانِ بے زبانی سے طعنہ دے رہا ہو، وہ ایک بچے کو اغوا نہ کر سکا جبکہ وہ اپنا وعدہ پورا کر چکا ہے۔ ایک سالم عورت کو آکاش کے شکنجے سے ایسے نکال لایا جیسے مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔

وہ فون کو بستر پر پٹخ کر سوچنے لگا۔ "وہ بچہ میرے پاس نہیں ہے، عینی کے پاس نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟"

اس نے جس فون کو بستر پر پھینکا تھا وہ ایسے چیخنے لگا جیسے پھینکے جانے پر تکلیف سے تلملا رہا ہو۔ اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ اسکرین پر نمبر دیکھے۔ اس کا ایک آلہ کار کال کر رہا تھا۔

وہ فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہاں...... کیا بات ہے؟ اصل بچے کا پتا چلا۔؟"

"باس! اصل تو کیا، تم نقل سے بھی گئے۔ پولیس نے اس مکان پر چھاپا مارا تھا۔ ہماری قسمت اچھی تھی کہ ہم وہاں موجود نہیں تھے ورنہ پکڑے جاتے۔"

"پولیس وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"پتا نہیں باس! ہمارا خیال ہے، وہ جو بی پاشا نام کی عورت بچہ لینے آئی تھی۔ اسی نے ناکام ہو کر مخبری کی ہوگی۔"

"پولیس والوں سے دور رہو اور کسی بھی طرح اشعر کو تلاش کرو۔"

وہ فون بند کر کے سوچنے لگا۔ سوچ کے گھوڑے جس سمت دوڑائے جائیں وہ اسی سمت دوڑتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں اس کی کوئی ایک سمت نہیں رہی تھی۔ گھوڑے بے راہ روی سے دوڑ رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دولہا راجا کس گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی دلہن تک پہنچے گا......؟

☆☆☆

امانت میں زبردست خیانت ہوئی تھی۔ عینی کا رو رو کر برا حال تھا۔ دوپہر سے شام، شام سے رات اور اب رات سے صبح ہو گئی تھی لیکن اشعر کی اب تک کوئی خیر خبر نہیں ملی تھی۔ ذیشان فلک آفتاب، بابر اور عدنان سب ہی اس کی تلاش میں بھٹک رہے تھے۔ عروج اور عینی دوسری صبح اس فن لینڈ میں گئی تھیں جہاں اشعر لاپتا ہوا تھا۔ کافی دیر بھٹکنے کے بعد بھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔

اسما نے انہیں فون پر کہا۔ "تم دونوں کیوں خواہ مخواہ ہلکان ہو رہی ہو؟ گھر کے سارے مرد اشعر کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ انشا اللہ! وہ جلد ہی مل جائے گا۔ واپس آ جاؤ، گھر میں رہو۔"

عینی نے کہا۔ "نہیں بھابی جان! مجھے گھر میں سکون نہیں مل رہا ہے۔"

"تو کیا یوں بھٹکنے سے سکون مل جائے گا؟"

وہ دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "نہیں وہ تو اشعر کے ملنے سے ہی حاصل ہوگا۔ فی الحال تو یہ سوچ سوچ کر دل ڈوب رہا ہے کہ جاوید صاحب اچانک بچوں سے ملنے گھر

آ گئے تو کیا ہوگا؟"

اسما نے کہا۔ "اول تو دعا کرو، بات پھیلنے سے پہلے ہی اشعر مل جائے، اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو مجبوراً انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا پڑے گا۔ اپنی دے، تم دونوں گھر آ جاؤ۔"

وہ مزید کچھ دیر تک ادھر اُدھر بھٹکتی رہیں پھر گھر آ گئیں۔

اسما نے کھانے کی ٹرالی لاتے ہوئے کہا۔ "ہاتھ دھولو اور کھانا شروع کرو، ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

عینی نے پوچھا۔ "ماہم نظر نہیں آ رہی ہے؟"

"تمہارے کمرے میں ہے۔ کھانا کھا کر سو رہی ہے۔ جب تک جاگتی رہی اشعر کا نام لیتی رہی۔"

عروج نے کہا۔ "پتا نہیں وہ کون دشمن ہیں جو اس معصوم کو لے گئے ہیں؟"

"یہ بھی تو کنفرم نہیں ہے کہ اسے کوئی لے گیا ہے یا وہ خود ہی کہیں بھٹک گیا ہے۔"

اسما نے کہا۔ "اگر اغوا کا معاملہ ہوتا تو اب تک تاوان کا مطالبہ کیا جا چکا ہوتا۔"

فلک ناز نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ "تم نے نہ رات کھانا کھایا ہے۔ نہ صبح ناشتا کیا ہے۔ اب بھی کھانا سامنے رکھ کر باتیں کیے جا رہی ہو۔ کھانا تو شروع کرو۔"

عینی نے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔ عروج! تو کھا لے۔"

وہ بولی۔ "بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن تیری وجہ سے کھاؤں گی۔ رات سے اب تک تو نے کوئی دوا بھی نہیں لی ہے۔ چل تھوڑا سا کھا لے۔"

وہ مجبوراً کھانے لگی۔ دوسرا نوالہ توڑتے ہی اشعر کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ اس نے تڑپ کر کہا۔ "پتا نہیں، میرے بچے نے کھانا کھایا ہے یا نہیں؟"

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پہلی بار اشعر کو اپنا بچہ کہہ رہی تھی، لہجے میں ممتا کی تڑپ تھی۔ چہرے پر کرب کے ایسے تاثرات تھے جیسے واقعی ایک پیدا کرنے والی ماں سے اس کے بچے کو چھین لیا گیا ہو۔

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ماہم کے پاس جا رہی ہوں۔ اسے دیکھتی رہوں گی تو دل کو کسی حد تک بہلتا رہے گا۔"

عروج بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ ماہم بیڈ پر ہاتھ پاؤں پھیلائے سو رہی تھی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے کو تکنے لگی۔ ان لمحات میں عروج کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ان آنکھوں کے پیچھے سے رد جھانک رہی ہو، اپنے بچے کے لیے آنسو بہا رہی ہو۔

وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آنسو بہانے سے کبھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ دعا کر! اسے تلاش کرنے وا میں سے کوئی تو کامیاب لوٹے۔"

ایسے ہی وقت اسما دروازہ کھول کر اندر آتے ہو بولی۔ "مقدر حیات کل سے نہ جانے کہاں ہیں؟ اس و ان کی سخت ضرورت ہے۔ وہ ہوتے تو عینی کا ہاتھ دیکھ دیتے کہ اس کی یہ پریشانی عارضی ہے یا......"

میرا نام سنتے ہی عینی ایک دم سے چونک گئی۔ اس بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "ہاں وہ بتا سکیں گے کہ اس مع سے کون دشمنی کر رہا ہے؟ پلیز بھابی جان! مقدر بھائی موبائل پر رابطہ کریں۔ ان سے کہیں، جہاں بھی ہیں، فور چلے آئیں۔"

اسما ریسیور اٹھا کر میرے نمبر پنچ کرنے لگی۔ میں سے رابطہ ختم کرنے کے بعد کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے وقت موبائل کا بزر بولنے لگا۔ میں نے اسے آن کر کے سے لگایا۔ دوسری طرف سے ذیشان کی آواز سنائی دی۔ "مقدر میاں! کہاں ہو؟"

"ایک کام کے سلسلے میں حیدرآباد گیا تھا۔ اس وقت دے رہا ہوں۔ سوری! آپ نے جیل سے رہائی پائی او اب تک آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔ ویسے تمہارا نمبر کافی دیر سے کیوں جا رہا تھا؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "بات ذرا لمبی ہے۔ گھر بتاؤں گا۔ ویسے آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"ایک مسئلہ پوری طرح ختم نہیں ہوتا ہے، کہ دوسر ہو جاتا ہے۔ اشعر کو کسی نے اغوا کیا ہے۔ اسی کی تلا بھٹک رہا ہوں۔"

میں نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اوہ۔ وہ ہمارے پاس بطور امانت تھا۔ کیا اغوا کرنے والوں نے کیا ہے؟"

"ہم اسی انتظار میں ہیں کہ وہ تاوان کے طور پر رقم کے لیے رابطہ کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔" "ہم میں گھر جا رہا ہوں تم بھی پہنچو۔ وہیں اس مسئلے پر ہو گی۔"

اس سے رابطہ ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر پھر بو

میں نے اسے آن کر کے کان سے لگایا۔ اسما کی آواز سنائی دی۔ "کل سے کہاں غائب ہو؟ نہ گھر آ رہے ہو، نہ فون پر رابطہ ہو رہا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ اشعر......"

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جی...... مجھے اطلاع مل گئی ہے۔"

"اطلاع مل چکی ہے تو گھر کیوں نہیں آ رہے ہو؟"

"گھر ہی آ رہا ہوں۔ راستے میں ہوں۔ آپ فون بند کریں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ عینی نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ وہ آ رہے ہیں ناں؟"

"ہاں راستے میں ہیں۔"

ایسے ہی وقت عروج کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھے تو ایک دم سے گھبرا گئی۔ پاشا کال کر رہا تھا۔ عینی نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

وہ فوراً ہی کال ریجیکٹ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ۔ ہاسپٹل سے فون ہے۔ یقیناً مجھے بلایا جا رہا ہوگا لیکن میں تجھے ان حالات میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی موبائل کا بزر پھر بولنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سی ایل آئی میں نمبر دیکھا، وہی دیوانہ تھا۔ فون کے ذریعے پکار رہا تھا۔ سہیلی کا شوہر اپنی بیوی کے بجائے اسے کال کر رہا تھا۔ وہ چور سی بن گئی تھی۔ دوسری بار بھی کال ریجیکٹ کرتے ہوئے بولی۔ "میں ریسیو نہیں کروں گی تو یہ خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔"

عینی اور اسما اس کی گھبراہٹ کو نوٹ کر رہی تھیں اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ بزر ایک بار پھر بولنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ رابطہ منقطع کرتی، اسما نے لپک کر فون لیتے ہوئے کہا۔ "لاؤ میں بات کرتی ہوں۔ کہہ دوں گی کہ تم مصروف ہو۔"

فون جھپٹنے کی کارروائی ایسی آناً فاناً ہوئی تھی کہ عروج کوئی مزاحمت نہ کر سکی۔ پریشان ہو کر اسما کا منہ تکنے لگی۔ بھانڈا پھوٹنے والا تھا۔ دوسری طرف اسما پاشا کا نمبر دیکھ کر ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ شکایتی انداز میں عروج کو دیکھنے لگی پھر کچھ سوچ کر فون آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی۔ "ہیلو......!"

پاشا خلافِ توقع اسما کی آواز سن کر چونک گیا۔ فوراً ہی فون بند کر کے سوچنے لگا۔ "عروج مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کر رہی ہے۔ پہلے رابطہ ختم کرتی رہی اور اب فون اسما کو تھما دیا ہے۔ عینی کے سامنے مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی ہے۔ یعنی سہیلی کے جذبات کے سامنے میرے جذبات کو کچل رہی ہے۔ لیکن میں بھی اپنی اہمیت منوا کر رہوں گا۔"

وہ دوبارہ اس کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری طرف اسما نے فون عروج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے آف ہی کر دو تو بہتر ہے۔"

اس نے فوراً ہی فون کو آف کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ عینی کچھ سمجھے اور کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ کسی حد تک انداز ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

اسما کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "عروج! ذرا میرے ساتھ آؤ۔ اپنی دواؤں کے سلسلے میں کچھ کنسلٹ کرنا ہے۔"

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ عینی ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر عروج کے بیگ کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

اسما نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "عینی کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔ مانا کہ وہ تمہیں چاہتا ہے لیکن محبوبہ سے زیادہ بیوی کی اہمیت ہوتی ہے۔ کیا تم اسے سمجھا نہیں سکتیں؟"

وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کروں بھابی جان! جہاں تک میرے اختیار میں ہے میں عینی کو خوشیاں دینا چاہتی ہوں مگر اس دیوانے کو سمجھانا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ اسے تھپکنے لگی۔ عروج نے کہا۔ "کوئی نہیں جانتا، میں کن حالات سے گزر رہی ہوں۔ پاشا کو خود سے دور کرنے اور عینی کے قریب لانے کے لیے کیسے کیسے عذاب سہہ رہی ہوں۔"

وہ اسے ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ "تم بتاؤ گی تو ہمیں تمہارے حالات معلوم ہوں گے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "آپ پاشا کی دیوانگی سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ صبح اس نے مجھے وارننگ دی تھی کہ اگر میں نے آج اس کے ساتھ نکاح نہ پڑھوایا تو وہ میرے دن رات کا سکون برباد کر دے گا۔ عینی کو ہمیشہ ایک شوہر کی محبت اور توجہ کے لیے ترساتا رہے گا اور آپ دیکھ رہی ہیں، کل سے اب تک اس نے عینی سے کوئی رابطہ نہیں کیا

ہے۔"

اسما نے ناگواری سے کہا۔"پہلی شادی کو خوش اسلوبی سے نباہ نہیں پا رہا ہے۔ دوسری کی فکر ہے۔ عینی اس وقت کتنی پریشانیوں سے گزر رہی ہے ایسے وقت ہر بیوی کو اپنے شوہر کی محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن وہ جاہل اس کے احساسات کو نہیں سمجھ رہا ہے۔"

"میں عینی سے پاشا کے سلسلے میں باتیں کرنے آئی تھی مگر اشعر کا معاملہ ایسا ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ پر کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔"

عینی پہلے ہی اس کی بے اعتنائی پر دل گرفتہ ہے۔ ایسے میں اس کے ارادے سن کر بالکل ہی ٹوٹ جائے گی، حوصلہ ہار جائے گی۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ وہ اس پر سوکن لانا چاہتا ہے۔"

"میں عینی کو کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتی۔ اسی لیے اس کی سوکن نہیں بننا چاہتی لیکن پاشا مجھے الجھا رہا ہے۔"

دوسری طرف عینی سوچتی ہوئی نظروں سے عروج کے بیگ کو دیکھ رہی تھی پھر دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی بیڈ سے اترنے لگی۔

اسما نے کہا۔"فی الحال عینی سے اس مسئلے پر کوئی بات نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ تمہارے بھائی جان اور مقدر حیات پاشا کو سمجھائیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔"اگر وہ نہ سمجھا تو کیا ہوگا؟ اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک میں اس سے نکاح نہیں پڑھواؤں گی، اس کی شریکِ حیات نہیں بن جاؤں گی، تب تک وہ عینی سے دور رہے گی۔ اس کے لیے کرائے کے مکان کا بھی بندوبست نہیں کرے گا۔"

اسما نے ناگواری سے کہا۔"عجیب شخص ہے۔ نہ بیوی کے جذبات کو سمجھ رہا ہے اور نہ اپنی ذمے داریوں کو۔ محبت کے معاملے میں بھی سراسر خود غرضی دکھا رہا ہے۔ چاہت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن اس چاہت کی آڑ میں مسلسل تمہیں پریشان کر رہا ہے۔"

وہ سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسما اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔"سچ بتاؤ عروج! کیا پاشا کی ایسی دیوانگی تمہیں اچھی لگتی ہے؟ اگر عینی بیچ میں نہ ہوتی تو کیا تم ایسے چاہنے والے کی شریکِ حیات بننے کی تمنا نہ کرتیں؟"

دل نے ایک دم سے دھڑک کر کہا۔"کیوں نہیں......؟"

اس نے گھبرا کر اسما کو یوں دیکھا جیسے وہ اس کے دل کی آواز سن رہی ہو۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے کترانے لگی، نظریں چرانے لگی، خاموشی کی زبان میں اعتراف کرنے لگی۔ اسما نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔"ایک بیوی کے حوالے سے عینی کے جذبات کو اور محبوبہ کے حوالے سے تمہارے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔ وہ دیوانہ لاکھ الجھاتا رہے لیکن یہ الجھنیں بھی تمہیں اچھی لگتی ہوں گی۔"

وہ اس سے لپٹ کر بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔"نہیں بھابی جان! میں جذبات کی آندھیوں میں الجھ کر اپنی عینی سے ناانصافی نہیں کرنا چاہتی لیکن یہ پاشا......"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اسما تسلی دینے کے انداز میں اس کی پشت سہلانے لگی۔ وہ آنکھیں بند کئے اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے سے پاشا دکھائی دینے لگا۔ عروج نے بڑی حسرت سے اسے دیکھا پھر شکایت بھرے لہجے میں کہا۔"تم نے مجھے پیار کے بھنور میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔ اب ڈوب رہی ہوں تو دور کنارہ بن گئے ہو۔ کنارہ تو پھر کنارہ ہوتا ہے۔ ڈوبنے والوں کا تماشا دیکھا رہتا ہے۔"

وہ مسکرا رہا تھا، دونوں بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔"میں تو تمہاری منزل تھا۔ تم نے مجھے ایک کنارے کر دیا ہے۔ آؤ میری پناہ میں آجاؤ! میں زندگی بچانے والی ناؤ بن جاؤں گا۔"

وہ جیسے اس کے بلاوے کا انتظار کر رہی تھی، فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے بازوؤں کی پناہ میں جانے لگی۔ مگر جا نہ سکی۔ اچانک ہی میری آواز اسے تصور کی دنیا سے کھینچ کر حقیقی دنیا میں لے آئی۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔"یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

عروج فوراً ہی الگ ہو کر اپنے آنچل سے چہرے کو پونچھنے لگی۔ میں نے اسما کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔"سب کی الگ الگ کہانیاں ہیں۔ اس کی کہانی پر بھی بحث ہوگی۔ فی الحال عینی کے پاس چلو۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

میں ان دونوں کے ساتھ چلتا ہوا اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ دوسری طرف عینی محتاط نظروں سے بیرونی دروازے کو دیکھتی ہوئی اس بیگ کی طرف بڑھ رہی تھی جس میں عروج کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے نکالنا چاہتی تھی۔ ایسے ہی وقت ٹھٹک گئی۔

ہمارے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

وہ فوراً ہی بیگ سے دور ہوگئی، سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے جگ کو اٹھا کر ایک گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ میں اسما اور عروج کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف لپکتے ہوئے بولی۔"اوہ مقدر بھائی! آپ کہاں غائب تھے؟ پلیز اشعر کے بارے میں کچھ بتائیں، وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میرے پاس کب آئے گا؟"

میں اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔"میں غیب کا علم نہیں جانتا۔ لکیریں جو بتاتی ہیں۔ اسی کی روشنی میں پیش گوئیاں کرتا ہوں اس وقت اشعر کہاں ہے، اس کا پتا ٹھکانا تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ فی الحال تمہارے مقدر میں پریشانیاں لکھی ہوئی ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر اسما اور عروج کو دیکھا، پھر اپنی ہتھیلی میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔"پلیز بتائیں۔ میں کب تک ان پریشانیوں میں گھری رہوں گی؟ اشعر مجھے کب ملے گا؟"

میں نے کہا"امانت میں خیانت ہوئی ہے مقدر کا لکھا پورا ہو رہا ہے یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ بچے کی زیادہ فکر نہ کرو وہ جلد ہی تمہیں ملے گا۔"

اس نے ایک دم سے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ اسما اور عروج کو بھی میری بات سے حوصلہ ملا تھا۔ اسما نے کہا"تم کل ہی آجاتے تو اشعر کی واپسی کا اطمینان ہو جاتا۔"

عروج نے کہا۔"کچھ بھی ہو۔ ہمیں اس کی کوئی خیر خبر تو ملنی چاہیے۔ مقدر بھائی! کیا آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس سے دشمنی کی جا رہی ہے یا وہ کہیں بھٹک گیا ہے؟"

"اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یہ میں نہیں بتا سکتا۔ میں نے اس کا ہاتھ نہیں دیکھا ہے۔"

عینی نے کہا۔"میرے لیے یہ اطمینان ہی کافی ہے کہ وہ بہت جلد مجھے مل جائے گا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ عروج نے ایک دم سے گھبرا کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ دیوانہ موبائل سے رابطہ نہ ہونے کے باعث اب دوسرے فون پر اسے مخاطب کر رہا ہے۔ اسما فوراً ہی آگے بڑھ کر ریسیور اٹھانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی عینی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔"ہیلو......!"

اسما اور عروج چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ عینی دوسری طرف کی آواز سن کر ایک ذرا گھبرا گئی۔ پریشان ہو کر ہم تینوں کو دیکھنے لگی۔ پھر اٹکتے ہوئے لہجے میں بولی۔"جی۔ جا۔ جاوید صاحب! میں عینی بول رہی ہوں۔"

اسما اور عروج نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عینی نے بیڈ پر سوئی ہوئی ماہم کو دیکھ کر فون پر کہا۔"جی......جی ہاں۔ دونوں بچے یہاں بڑے مزے میں ہیں۔ مجھے بالکل پریشان نہیں کر رہے ہیں۔"

دوسری طرف بی پاشا اور صمد بیوپاری ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جاوید ریسیور کان سے لگائے دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ بی پاشا نے اپنے میاں کو ٹہوکا دیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔"اس سے کہیں، اشعر کے بارے میں پوچھے۔ اسے فون پر بلائے۔ ابھی ڈھول کا پول کھل جائے گا۔"

صمد نے بیٹے سے کہا۔"ماہم اور اشعر کو فون پر بلاؤ۔ میں اپنے پوتے پوتی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے گڑبڑا گئی، پریشان ہو کر ہمارا منہ تکنے لگی پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔"وہ بچوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں کیا کہوں؟"

اسما نے سرگوشی میں کہا۔"کہہ دو، وہ دونوں سو رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔"ان کے بچے کا معاملہ ہے۔ یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔ نہ جانے اشعر کی واپسی کب ہوگی؟ ہم کب تک جھوٹ بولتے رہیں گے؟"

عینی نے پریشان ہو کر کہا۔"کیا مطلب؟ کیا میں انہیں حقیقت سے آگاہ کر دوں؟"

دوسری طرف سے جاوید نے پوچھا۔"ہیلو مس عینی!"

وہ ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔"سوری! وہ، میں بچوں کو دیکھنے چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ کھیل رہے تھے۔ اب گہری نیند میں ہیں۔ آپ کہیں تو میں انہیں جگا دیتی ہوں۔"

جاوید نے بی پاشا کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر فون پر کہا۔"نہیں۔ انہیں سونے دیں۔ ہم کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کرلیں گے۔"

اس نے"خدا حافظ" کہہ کر ریسیور رکھا۔ بی پاشا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"بس، اب میری بات کا یقین آگیا؟ میں پہلے ہی جانتی تھی۔ ضرور کوئی بہانہ کر کے ہمیں ٹالا جائے گا اور وہی ہوا۔"

جاوید اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عینی کے لہجے کی گھبراہٹ اسے کسی حد تک سمجھا چکی تھی کہ وہاں ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ لیکن ذہن میں یہ سوال کلبلا رہا تھا کہ بی پاشا کو وہاں کے حالات کا کیسے علم ہوا؟ اس نے کہا۔ ''آپ تو کبھی اس کوٹھی میں میرے بچوں کا حال پوچھنے نہیں گئیں۔ ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھا پھر اشعر کے بارے میں آپ کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ اسے اغوا کرلیا گیا ہے؟''

وہ اس سوال پر گڑبڑا گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئی بولی۔'' وہ سوتیلے ہی سہی مگر میرے پوتے پوتی ہیں۔ ان کے جانے سے اس گھر میں سناٹا ہوگیا ہے تم نہ جانے کیا مطلب نکالو۔ اس لیے میں ان سے ملاقات نہیں کرتی لیکن دور ہی دور سے انہیں دیکھ کر اپنی تسلی کرتی رہتی ہوں۔''

صمد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کسی بھی ذریعے سے ملی ہو لیکن اس کی تصدیق کرو کہ یہ اطلاع غلط ہے یا صحیح؟ وہاں میرے پوتے پر مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم ان کا محاسبہ کرنے کے بجائے آپس میں الجھ رہے ہو۔ ابھی دوبارہ فون ملاؤ۔ میں ان سے بات کروں گا۔ اگر بی پاشا غلط بیانی سے کام لے رہی ہے تو اس کا بھی محاسبہ کیا جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''ہاں...... ہاں فون کرو۔ ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔ یہ تو سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے۔ اگر بچہ لاپتا ہوا ہے تو وہ اس کے سرپرست یعنی ہم سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کررہے ہیں؟ غلط بیانی سے کام کیوں لے رہے ہیں؟''

جاوید نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پلیز۔ آپ ذرا خاموش رہیں۔ اس کے معاملے میں زیادہ پریشانی ظاہر نہ کریں۔ وہ میرا بچہ ہے اور آپ سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔''

صمد نے کہا۔ ''فکر ہے تو ان سے رابطہ کرکے پوچھتے کیوں نہیں ہو؟ اور اگر کوئی قباحت محسوس کررہے ہو تو لاؤ فون مجھے دو۔ میں اپنے پوتے کے بارے میں خود ہی تفتیش کرتا ہوں۔ وہ میرا لہو ہے تمہارے بعد میری نسل کو آگے بڑھانے کا واحد سہارا ہے۔ اور تم اس کے معاملے میں نہ جانے کیوں غفلت برت رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''میں نادان نہیں ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ وہاں کچھ گڑبڑ ہے۔ اور یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ انہوں نے جان بوجھ کر اشعر کے معاملے میں غیر ذمے داری نہیں دکھائی ہوگی۔''

بی پاشا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''واہ بھئی واہ۔ کیسے باپ ہو؟ بیٹے کی فکر کرنے کے بجائے ان کی طرف سے صفائیاں پیش کررہے ہو۔ وہ اس خاندان کا تنہا وارث ہے۔ ایسی موٹی آسامی دیکھ کر کسی کے بھی منہ میں پانی آسکتا ہے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

وہ منہ بنا کر بولی۔ ''وہی جسے تم سمجھ کر بھی نہ جانے کیوں انجان بن رہے ہو؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ آپ ہر ایک کو اپنی طرح کیوں سمجھتی ہیں؟''

وہ غصّے سے تلملا کر بولی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا میں ان لوگوں کی طرح لالچی ہوں؟ کڈنیپر ہوں؟''

پھر وہ اپنے میاں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ چپ چاپ بیٹھے سن رہے ہیں۔ یہ مجھے ان گھٹیا لوگوں سے ملا رہا ہے۔ آپ کچھ کہتے کیوں نہیں؟''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''کیا کہوں؟ معاملہ کہیں سے شروع ہوکر کہیں پہنچ جاتا ہے۔ خدا کے لیے تم ہی یہاں سے چلی جاؤ۔ ہم باپ بیٹے کو باتیں کرنے دو۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

جاوید نے کہا۔ ''ڈیڈ! اشعر کے اغوا کا معاملہ اہم ہے لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ آپ کی وائف محترم کو اس معاملے کی خبر کیسے ہوئی؟''

وہ سوچنے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں...... یہ بات تو میرے حلق سے بھی نہیں اتر رہی ہے کہ بی پاشا کو تمہارے بچوں سے کوئی لگاوٹ ہوسکتی ہے۔ بہرحال تم عینی وغیرہ سے رابطہ کرکے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش تو کرو۔''

وہ بولا۔ ''میں فون کے بجائے خود ہی وہاں جاتا ہوں۔ تب ہی وہاں کے حالات کا صحیح علم ہوسکے گا۔''

صحیح علم تو کسی کو بھی نہیں تھا۔ سوائے میرے، وہ بچہ اچانک ہی کہاں غائب ہوگیا تھا اس کے بارے میں فی الحال کوئی انکشاف ہونے والا نہیں تھا۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ عینی کے مقدر میں لکھی ہوئی پریشانیاں اس بچے پر بھی اثر انداز ہو رہی تھیں اور اسے گھر سے بے گھر کیے ہوئے تھیں۔

☆☆☆

اس وقت میں ذیشان کے کمرے میں تھا۔ وہ مجھے اپنے بدترین حالات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ زبیری کے جھوٹے بیان کے باعث بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی

میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لیے مقدر میاں! مجھے بتاؤ، کیا زبیری سے میری ملاقات ہوسکے گی؟ کیا میں اپنے اوپر لگے ہوئے قتل کے جھوٹے الزام کو دھو پاؤں گا؟''

میں نے زیرلب مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر اس کی ہتھیلی کو بند کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ملاقات کی بات کررہے ہیں بلکہ میں اس کے ضمیر کو بیدار کرچکا ہوں آئندہ وہ سچ بولے گا۔''

اس نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا پھر اسے زبیری سے ہونے والی ملاقات کی تفصیل بتانے لگا وہ حیرت اور بے یقینی سے میری باتیں سن رہا تھا۔ پھر خوش ہوکر مجھ سے لپٹتے ہوئے بولا۔ ''اوہ مقدر! تم نے واقعی بھائی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ تمہاری محبت اور فرض شناسی سے مجھے نئی زندگی مل رہی ہے۔ میں تمہارا جتنا بھی احسان مانوں، کم ہے۔''

ایسے ہی وقت اسما دروازہ کھول کر اندر آئی، ہمیں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر قریب آتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیا ہورہا ہے؟''

ذیشان مجھ سے الگ ہوکر اسے دونوں بازوؤں سے تھامتے ہوئے بولا۔ ''ہمارے مقدر نے تو کمال کردیا ہے پلک جھپکتے ہی ایک بہت بڑا مسئلہ حل کردیا ہے۔ سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔''

وہ بولی۔ ''آپ کے ردِعمل سے اندازہ ہورہا ہے کہ مقدر میاں نے کوئی کمال کیا ہے۔''

وہ بولا۔ ''میرے جس ماتحت نے مجھ پر قتل کا جھوٹا الزام لگایا تھا مقدر میاں نے اسے سچا بیان دینے پر راضی کرلیا ہے۔ وہ عدالت کے سامنے اصل حقائق پیش کرنے والا ہے۔''

وہ بے یقینی سے چیخ پڑی۔ ''یعنی...... آ...... آپ......''

مسرتوں کی یلغار ایسی تھی کہ وہ اپنی بات بھی پوری نہ کر سکی، میری موجودگی کو نظر انداز کرتی ہوئی ذیشان سے لپٹ گئی اس کے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ ''مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے؟ شہباز اور دردانہ میرے لیے گڑھے کھودتے رہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھاتے رہے لیکن اب وہ خود ہی اپنے بچھائے ہوئے کانٹوں پر سے گزر رہے ہیں۔''

شوہر کو نئی زندگی کی نوید مل رہی تھی، میں ایسے وقت ایک بیوی کے جذبات کو سمجھ سکتا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔

اسما نے میرا ہاتھ تھام کر روکتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

پھر وہ ذیشان سے الگ ہوکر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''کبھی کبھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہمارے لیے کیا ہو؟ اس وقت تو تم ایسی مسرتوں بھری نئی زندگی دے رہے ہو جو صرف خدا سے یا خدا کی رضا سے ہی ملتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ ذیشان بھائی کے مقدر میں طویل زندگی لکھی ہوئی ہے۔ اور جو لوحِ مقدر پر لکھا ہو تو اسے شہباز جیسے فرعون بھی مٹا نہیں سکتے۔''

''کچھ بھی ہو لیکن ذیشان کے بچاؤ کا وسیلہ تو تم ہی ہو۔ ہم خدا کے بعد ہمیشہ تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

''خدا جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت کی پستیوں میں میں گرا دیتا ہے۔ آپ کو رسوا کرنے والا، آپ کا عہدہ چھیننے والا آج دربدر ہورہا ہے۔ اس کے تخت کا تختہ ہورہا ہے۔''

پھر میں اسے شہباز درانی کے حالات بتانے لگا۔ وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولا۔ ''یعنی وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہورہا ہے؟''

اسما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ لیں! یہ عورت ذات کتنی طاقتور ہوتی ہے؟ مرد کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ اسے چٹکیوں میں زیردست بنا دیتی ہے۔ آپ سنبھل کر رہیں۔ میں بھی ایک عورت ہوں۔''

ہم تینوں ہی اس کی بات پر ہنسنے لگے۔ پھر اسما نے بڑی سنجیدگی سے اپنی ہتھیلی میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''مقدر میاں! تم نے کہا تھا، ہمارے مقدر میں عارضی پریشانیاں لکھی ہوئی ہیں اور ہم دیکھ بھی رہے ہیں کہ پہاڑ جیسے مصائب سامنے آتے ہیں لیکن جلد یا بہ دیر ٹل جاتے ہیں جیسے ابھی ذیشان کو ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات مل رہی ہے۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی اور میں اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کے حالات سے بہ خوبی واقف تھا وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''محبت کرنے والے چاہے شادی کے مضبوط بندھن میں بندھ جائیں، پھر بھی دنیا والے انہیں ستانے سے باز نہیں آتے۔ ان کی زندگی میں زہر گھولنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔''

وہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔ میں اور ذیشان خاموشی سے سن رہے تھے اور یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وہ بات کا رخ کس طرف لے جانا چاہتی ہے؟ اس نے اچانک ہی سر اٹھا

کر مجھے دیکھا، آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ پھر ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مقدر! کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اور ذیشان کبھی جدا ہو جائیں گے؟ ہمارے رشتے کو توڑنے کی جو سازشیں کی جارہی ہیں وہ کامیاب رہیں گی؟''

میں نے اس کی ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رکھتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔ ''ہاں......''

ان دونوں نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ اسما نے پریشان ہو کر کہا۔ ''نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے یہ کب کہا کہ آپ جدا ہو جائیں گے؟''

انہوں نے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر ذیشان نے کہا۔ ''ابھی تو تم نے کہا ہے کہ سازشیں کرنے والے کامیاب رہیں گے۔''

''ہاں۔ سازشیں کرنے والے کامیاب رہیں گے لیکن آپ کے مقدر میں جدائی نہیں ہے۔''

اسما نے الجھ کر کہا۔ ''یہ کیسی پیش گوئی کر رہے ہو؟ جب دشمنوں کو کامیابی حاصل ہوگی تو لامحالہ ہمیں الگ کر دیا جائے گا۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ دشمن وقتی طور پر اپنی سازشوں میں کامیاب ہوں گے۔ جیسے ذیشان بھائی کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ شہباز ان پر سازشوں کے جال پھینکتا رہا اور یہ الجھتے رہے لیکن پھر کیا ہوا؟ دشمن اپنے ہی جال میں الجھ کر رہ گیا۔''

ان دونوں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر مجھے دیکھا۔ اسما نے کہا۔ ''ایسی الجھی ہوئی پیش گوئی کر رہے تھے کہ میرا تو خون ہی خشک ہو گیا تھا۔''

میں نے زیرلب مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ ''میری پیش گوئیاں حوصلے بڑھاتی ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ کبھی کبھی لکیروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔''

میں دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اسما نے سوچتی ہوئی نظروں سے ذیشان کو دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ ''مقدر! ٹھہرو، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ بات تو پوری کرو......''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہیں۔ جب میں نے کہہ دیا ہے کہ مصیبتیں آئیں گی مگر ٹلنے کے لیے تو پھر گھبرانا کیسا؟''

میں مسکراتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

آکاش دامودر بڑے اطمینان سے کار ڈرائیو کرتا ہو اپنے پرائیویٹ بنگلے میں پہنچا تو ذرا ٹھٹک گیا۔ وہاں اس کے سیکورٹی گارڈز دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ چوکیدار تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ آکاش نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ تمام گارڈز کہاں مر گئے؟''

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''سرکار! کیا آپ نہیں جانت ہیں؟ یہاں چھاپا پڑا تھا۔ فوجی آئے تھے۔ وہ اس مہیلا کو اور اس کے ساتھ ہمارے آدمیوں کو لے گئے ہیں۔''

اس بات نے اسے چونکا دیا کہ فوجی دردانہ کو لے گئے ہیں۔ وہ غصے سے غرا کر بولا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ فوجی یہاں کیوں آئیں گے؟''

وہ بولتا ہوا، تیزی سے چلتا ہوا بنگلے میں اندرونی حصور میں جانے لگا۔ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھنے لگا۔ چوکیدار اس کے پیچھے پیچھے تھا اور کہتا جارہا تھا۔ ''سرکار! آپ کھاماں کھاں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ وہ سب کو لے گئے ہیں۔''

''کیا وہ اس مہیلا سے کچھ کہہ رہے تھے؟''

''سرکار! آپ تو جانت ہیں، فوجی جیادہ بولتے نہیں ہیں۔ وہ مہیلا کو دبوک (بندوق) دکھا کر بولے۔ چپ چاپ چلو نہیں تو گولی سے اڑا دیں گے۔ وہ بے چاری ڈر کے مارے ان کے ساتھ چلی گئی۔''

وہ جھنجلا کر بولا۔ ''وہ سب کو لے گئے پھر تمہیں کیوں چھوڑ گئے؟''

''میں کا جانوں سرکار! ان کو میری جرورت نہیں تھی۔ میرے کو کچرا سمجھ کر چھوڑ گئے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ''بھیا، دردانہ کا مطالبہ کر رہے تھے میں نہیں مانا تو میرے ساتھ راج نیتک برتاؤ کر رہے ہیں۔''

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے پرکاش کی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ زیرلب بڑبڑانے لگا۔ ''بھیا! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

کچھ دیر بعد ہی وہ اس کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ کر اونچی آواز میں اسے پکارنے لگا۔ ''بھیا!...... بھیا! کہاں ہیں آپ؟''

اس کی بھابی رکمنی نے ایک کمرے سے نکلتے ہوئے

پوچھا۔ ''کیا بات ہے، اس طرح کیوں چلّا رہے ہو؟''

''بھیا کہاں ہیں؟''

وہ اس کے تیور دیکھ کر ذرا ٹھٹک گئی۔ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''وہ فون پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔ لیکن تمہیں کیا ہوا ہے؟ اتنے غصے میں کیوں ہو؟ ابھی تو یہاں سے ہنستے بولتے گئے تھے؟''

وہ غرا کر بولا۔ بھیا نے مجھے جنتا سمجھ لیا ہے۔ انہوں نے بہلا سلا کر میری آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے۔ آدمی سیاست میں آنے کے بعد کسی سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ بھائی، بھائی کو دھوکا دینے لگتا ہے۔''

پرکاش کی آواز سنائی دی۔ ''ارے کاہے کو چلّا رہا ہے؟''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ زینے کی بلندی پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر ایک ایک پائدان پر قدم رکھتا ہوا نیچے آتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ایک عورت کے لیے باؤلا ہو رہا ہے۔ عورت تو بہت مل جاتی ہیں لیکن راج گدی صرف ایک ہوتی ہے۔ ایک بار نیچے سے کھسک جائے تو پھر بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہے۔''

آکاش کو شبہ تھا کہ شاید پرکاش نے فی الحال اسے اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ اس نے پوچھا۔ دردانہ کہاں ہے؟''

''عورت اور راج نیتی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ آج تیرے پاس۔ تو کل کسی اور کسی پاس...... اور تو تو انڈر ورلڈ کا آدمی ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ تیرے قبضے سے ایک عورت نکل گئی۔''

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھر پوچھا۔ ''دردانہ کہاں ہے؟''

''ارے مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے؟ اپنے نکمے پہریداروں سے پوچھ کہ اسے کون لے گیا ہے؟''

''اسے کسی اور نے نہیں، آپ نے اٹھوایا ہے۔ فوجی ایکشن آپ کے سوا بھلا اور کون لے سکتا ہے؟''

پرکاش نے قریب آ کر اس کے گال پر ایک چپت لگاتے ہوئے کہا۔ ''ارے تو تو بڑا سیانا ہو گیا ہے۔ بڑے بھائی کی چالوں کو سمجھنے لگا ہے۔''

''بھیا! دردانہ کو میرے حوالے کر دو۔''

''یعنی ایک عورت کی وجہ سے میں الیکشن ہار جاؤں؟ نانا بھائی کو اس کی ضرورت تھی اور ہمیں صوبہ بہار کے لاکھوں ووٹوں کی ضرورت ہے۔ کیا تو نہیں جانتا، بہار میں نانا بھائی کا کیسا دبدبہ ہے؟ ایک عورت کے بدلے پورے صوبے کے ووٹ ہماری جھولی میں آنے والے ہیں۔''

''آپ اپنے سیاسی معاملات میں مجھے نہ گھسیٹیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں، وہ عورت میرے لیے کتنی اہم ہے۔ میں اس کے بدلے اپنی نیلماں کو حاصل کرنے والا ہوں۔''

''کبھی ہمری بدھی (عقل) سے بھی کام لیا کر، وہ چھوکری نیلماں ایک برس سے غائب ہے۔ ہمری یہ بات اپنی کھوپڑی میں لکھ لے، وہ مر چکی ہے۔ دوسرا جنم لے کے آسکتی ہے مگر اس جنم میں کبھی نہیں آئے گی۔''

''آپ اپنی بدھی اپنے پاس رکھیں۔ کسی سے یہ سودا ہو چکا ہے میں دردانہ کو اس کے حوالے کروں گا، وہ میری نیلماں کو میری پاس بھیج دے گا۔''

''کوئی تیرے کو الو بنا رہا ہے۔ پہلے اس کو بول کہ وہ فون پر نیلماں سے تیری بات کرائے۔ پہلے اس کی زندگی کا ثبوت اس سے مانگ......''

''میں نے اس کو چوبیس گھنٹے کا ٹائم دیا تھا۔ بیس گھنٹے بیت چکے ہیں۔ وہ ایک آدھ گھنٹے میں اس کی آواز بھی سنائے گا اور اسے میرے پاس بھی پہنچائے گا۔ اس سے دردانہ نہیں ہوگی تو تبادلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ وہ نیلماں کو مار ڈالے گا۔''

''جو مر چکی ہے، اسے اور کیا مارے گا؟ ارے مورکھ! تو نے کس چالباز سے سودا کیا ہے؟ وہ ادھر تیرے کو جھانسا دے رہا ہے ادھر نانا بھائی کے کندھے پر بیٹھ کر اپنی دردانہ کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہے۔ بالکل گھاٹے کا سودا کر رہا ہے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگا۔ بھائی نے کہا۔ ''میں وچن دیتا ہوں، اگر وہ فون پر نیلماں کی آواز سنا دے گا تو میں دردانہ کو یہاں واپس لے آؤں گا۔ چل ابھی اس کو فون کر......''

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔ کیا اسے نانا بھائی سے چھین کر الیکشن میں ہار جانا چاہیں گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ہاریں گے ہمرے دشمن۔ ہم نے تو نانا بھائی کا مطالبہ پورا کر دیا۔ وہ عورت اس کے پاس پہنچا دی۔ اب وہ اس عورت کو سنبھال کے نہ رکھے، کوئی اسے اٹھا کر لے جائے تو نانا بھائی کس منہ سے شکایت کرے گا؟ وہ ہم پر کبھی شبہ نہیں کرے گا کہ ہم نے اس عورت کو اٹھوایا ہے۔''

آکاش نے قائل ہو کر سر ہلایا، پھر اپنے موبائل فون پر شہباز کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ جلد ہی رابطہ ہو گیا۔ شہباز کی آواز

سنائی دی۔ ''ہیلو آکاش! میں شہباز بول رہا ہوں۔''

وہ بولا۔ ''صرف بولتے ہی رہو گے یا میری نیلماں کی آواز بھی سناؤ گے؟ میں نے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ اکیسواں گھنٹا گزر رہا ہے۔ میں اور کتنا انتظار کروں؟''

نانا بھائی فون پر شہباز کو دردانہ کی آواز سنا چکا تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تمہارے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اب ہم ایک دوسرے کو محبوباؤں کی رس بھری آوازیں سنوا سکتے ہیں۔ ابھی تم اپنی نیلماں کی آواز سنو گے۔ اس سے پہلے میں اپنی دردانہ کی آواز سنوں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔ پھر فون پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''وہ ابھی نیلماں کی آواز سنانے والا ہے۔ مگر پہلے دردانہ کی آواز سننا چاہتا ہے۔''

اس کا بھائی پرکاش بھی پریشان ہو گیا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے یقین نہیں آتا۔ اس سے بولو۔ پہلے وہ نیلماں کی آواز سنائے۔''

اس نے فون پر سے ہاتھ ہٹا کر شہباز سے کہا۔ ''تمہاری دردانہ واش روم میں ہے۔ اس کے آنے تک نیلماں سے بات کراؤ۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''عجیب اتفاق ہے، تمہاری نیلماں بھی واش روم میں ہے۔ ایسا کرو کہ ابھی فون بند کر دو۔ جب وہ واش روم سے آ جائے تو اس سے میری بات کراؤ۔ تب تک نیلماں بھی واش روم سے آ جائے گی۔''

شہباز نے فون بند کیا۔ آکاش جھنجلا گیا۔ پرکاش نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''ہونا کیا ہے؟ وہ بہت چالاک ہے۔ پہلے دردانہ کی آواز سننا چاہتا ہے۔ میں کیسے سناؤں؟ کیا آپ ابھی اسے نانا بھائی کے پاس سے لا سکتے ہیں؟ کسی طرح اس کی آواز اسے سنا سکتے ہیں؟''

پرکاش اپنے ٹیلی فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا پھر ریسیور اٹھا کر نانا بھائی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں رابطہ ہو گیا۔ وہ بولا۔ ''نانا بھائی! میں دہلی سے پرکاش دامودر بول رہا ہوں۔ آپ نے جس عورت کو ہم سے مانگا، ہم نے اسے آپ کے حوالے کر دیا۔ ابھی ایک ارچن (رکاوٹ) آ پڑی ہے۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟ حکم کریں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میں آپ کو ایک پاکستانی آدمی کا فون نمبر دیتا ہوں۔ آپ اس نمبر پر ابھی دردانہ سے اس کی بات کرا دیں۔ در
صرف اتنا کہہ دے کہ وہ یہاں خیریت سے ہے اور آکا
ابھی نیلماں کی آواز سنا دی جائے۔''

''یہ کون سا مشکل کام ہے؟ آپ نمبر بتائیں۔''

بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے شہباز کا نمبر پوچھ کر فون پر بتایا۔ نانا بھائی نے کہا۔ ''یہ نمبر تو میں جانتا ہوں۔ ا آدمی سے میرا سودا ہو چکا ہے۔ اس نے پاکستان میں ہمار خاندان کے ایک بچے کو اغوا کیا ہے۔ اس بچے کی واپ شرط یہ ہے کہ میں دردانہ کو اس کے حوالے کر دوں۔''

''یہ پاکستانی بہت ہی فراڈ ہوتے ہیں۔ اس نے میر بھائی کی محبوبہ کو بھی اغوا کیا ہے۔ اور اس کے بدلے دردا مطالبہ کر رہا ہے۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''پھر تو بات نہیں بنے گی۔ مجھے عورت کے بدلے اس بچے کو حاصل کرنا ہے۔ آپ ا بھائی کو سمجھائیں کہ وہ اپنی محبوبہ کو بھول جائے۔ ہمیں ا بچے جیسا دوسرا بچہ نہیں ملے گا۔ اسے محبوبہ جیسی درجنوں عو مل جائیں گی۔''

''نانا بھائی کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ میرے بھائی کا کام بن جائے۔ آپ اس آدمی کو ٹالنے کے لیے دردانہ اس کی بات کرا دیں۔ اس کے بدلے وہ نیلماں کی آ میرے بھائی کو سنائے گا۔''

''سوری مسٹر پرکاش! اسے یہ معلوم ہو گا کہ دردانہ کے بھائی کے پاس بخیریت ہے اور یہ میرے پاس نہیں۔ وہ ہمارے بچے کو واپس نہیں کرے گا۔ مجھے افسوس ہے، آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکوں گا۔''

نانا بھائی نے فون بند کر دیا۔

بڑے بھائی نے پریشان ہو کر چھوٹے بھائی کو د آکاش فون کے وائڈ اسپیکر سے نانا بھائی کی باتیں سن رہا جھنجلا کر بولا۔ ''یہ ہے آپ کی راج نیتی۔ پندرہ منٹ گزر ہیں۔ وہ جب تک دردانہ کی آواز نہیں سنے گا۔ نیلماں کی مجھے نہیں سنائے گا۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہو گا کہ اس کی عو میرے پاس نہیں ہے تو وہ میری عورت کو مار ڈالے گا۔''

''غصہ کرنے اور جھنجلانے سے بات نہیں بنے گی۔ ا نمبر بتاؤ میں بات کروں گا۔''

اس نے نمبر بتائے۔ پرکاش نے رابطہ کیا شہباز منتظ ہوا تھا۔ اس نے اپنے موبائل پر نئے نمبر پڑھے۔ پھر آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیلو۔ کون

''

ن کا وائڈ اسپیکر آن تھا۔ پرکاش نے کہا۔ ''میں آکاش ھائی پرکاش دامودر بول رہا ہوں۔ آکاش ابھی کچھ ا ہے۔ دردانہ سے تمہاری بات نہیں کرا سکے گا۔ کیا تم گھنٹے کا ٹائم دے سکتے ہو؟ یہ ٹائم پورا ہونے سے پہلے ش دردانہ سے تمہاری بات کرائے گا۔ تم ابھی نیلماں کرا دو۔''

ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ جب میں اپنی عورت کی آواز لیے بارہ گھنٹوں تک انتظار کروں گا تو اتنی دیر تک انگاروں پر لوٹنا چاہیے۔''

آکاش نے فون کے قریب آ کر چیختے ہوئے پلیز۔ میری مجبوری سمجھو۔ جب بھیا کہہ رہے ہیں تو ارہ گھنٹے کے بعد میرے پاس ہو گی اور تم سے بات گی۔ فار گاڈ سیک۔ ابھی میری نیلماں کی آواز مجھے سنا

تم یوں سمجھو کہ میری دردانہ کے ہونے سے سب کچھ ردہ تمہارے پاس نہیں ہے تو نیلماں بھی میرے پاس ہے۔ تمہارے فون سے اس کی آواز میرے پاس آئے ہی میرے فون سے نیلماں کی آواز تمہارے کانوں چے گی۔''

و پریشان ہو کر بولا۔ ''تم ابھی نیلماں کو فون دے کر یک ذرا سی آواز کیوں نہیں سنا سکتے؟ اتنی سی بات کے ل مجھے ٹال رہے ہو؟''

اس لیے کہ تم مجھ سے حقیقت چھپا رہے ہو۔ دردانہ ے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ یوسف جان عرف نانا بھائی ے کے سائے تک بھی تمہیں پہنچنے نہیں دے گا۔''

تم بھی مجھ سے یہ حقیقت چھپا رہے ہو کہ دردانہ کو شکنجے سے چھڑانے کے لیے تم نے نانا بھائی سے سودا کیا

چلو یہی سہی۔ سچائی دونوں کے سامنے آ گئی ہے اور ہے کہ مجھے دردانہ نانا بھائی کے ہاتھوں سے ملے گی تو ن کا مطلوبہ بچہ ملے گا۔ اور اگر وہ تمہارے ہاتھوں سے لے گی تو پھر تم اپنی نیلماں کو مجھ سے حاصل کر سکو گے۔''

تم خواہ مخواہ اس معاملے کو الجھا رہے ہو۔''

شہباز نے کہا۔ ''میں نہیں، ہمارا تمہارا مقدر الجھا رہا ہتر ہے، فون پر وقت ضائع نہ کرو۔ نانا بھائی سے دو دو اور دیکھو کہ مقدر میں کیا لکھا ہے؟ اسے بچہ ملے گا یا تمہیں نیلماں ملے گی......؟''

شہباز نے فون بند کر دیا۔ اس کے پاس نہ تو نیلماں تھی اور نہ ہی اشعر تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اسے بھی دردانہ ملے گی یا نہیں؟ آگے کیا ہونے والا تھا؟ یہ میں ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

کوٹھی کے بڑے سے کچن میں ایک بڑا سا سل بٹا تھا۔ جس کا وزن پندرہ کلو ضرور ہو گا۔ بیگم آفتاب کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر بہو کے سر پر دے مارے۔ وہ اس وزنی سل بٹے کو نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بہو کا قلع قمع کرنے کے لیے طلاق کا پہاڑ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے بوڑھے حسن کی سلوٹوں کو میک اپ سے یوں ڈھانپ رہی تھی جیسے کھردرے پہاڑوں کو سفید برف اپنے اجلے پن میں چھپا لیتی ہے۔ فلک آفتاب نے پیچھے سے آ کر اس کی خضاب لگی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ ''گھر کس کے جائیں گے جو وہ کرتے ہیں یوں سنگار......''

بیگم نے ایک ذرا شرما کر آئینے میں اس کے عکس کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''آج کس کی شامت آئی ہے؟ کس پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے؟''

وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے بولی۔ ''ساس کی سلطنت میں بہو کے علاوہ اور کس کی شامت آ سکتی ہے؟ اسی پر بجلی گرانے کا ارادہ ہے۔''

''کیوں اس کے پیچھے پڑی ہو؟ جب ایک بات طے ہو گئی ہے کہ وہ میاں بیوی اپنے معاملے سے خود ہی نمٹیں گے تو پھر تمہیں کیا بے چینی ہے؟''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں اس گھر میں دین کے خلاف چلنے والی کوئی بات کبھی برداشت نہیں کروں گی۔ ادھر بیٹے کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے۔ ادھر آپ بے حس بنے ہوئے ہیں۔ وہ ذیشان کو کھلم کھلا گناہ گار بنا رہی ہے۔ آپ نے تو آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن میں اندھی بن کر نہیں رہوں گی۔ جب تک وہ اس گھر سے نہیں نکلے گی، میں چین سے نہیں بیٹھوں گی۔''

وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہاں سے جانے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟''

وہ دروازے پر رک کر بولی۔ ''میں جانتی ہوں، آپ اس معاملے میں کچھ نہیں کریں گے۔ اس گھر سے نحوست کو بھگانے کے لیے مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔''

''مگر تم جا کہاں رہی ہو؟ کچھ تو بتا کر جاؤ۔''

وہ باہر آتے ہوئے بولی۔'' جس معاملے کو خواہ مخواہ طول دیا جا رہا ہے اس کا دو ٹوک فیصلہ حاصل کرنے جا رہی ہوں۔''

وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی سڑھیاں اترتی ہوئی کوٹھی کے بیرونی دروازے سے باہر چلی گئی۔ اسما ستون کی آڑ سے نکل کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی، پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ بات صاف طور پر سمجھ میں آ گئی تھی کہ ساس صاحبہ اسے اس گھر سے نکلوانے کا سٹیفکیٹ حاصل کرنے جا رہی ہیں۔ اسما کے کانوں میں میری پیش گوئی گونج رہی تھی۔'' سازش کرنے والے وقتی طور پر کامیاب ہوں گے۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں، آپ کے مقدر میں جدائی نہیں ہے لیکن کبھی کبھی لکیروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔''

وہ پریشان ہو کر اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگی۔ دوسری طرف بیگم آفتاب بہت خوش تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ بہت بڑی جنگ جیتنے جا رہی ہے۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی بہت آگے تک پلاننگ کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی ڈرائیور نے ایک مسجد اور دارالعلوم کی بڑی سی عمارت کے سامنے گاڑی روک دی۔

وہ چادر کو سر سے لپیٹتی ہوئی کار سے اتر کر عمارت کے ایک حصے میں آئی۔ دہاں انتظار گاہ میں پہلے چند خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔ اس انتظار میں بھی ایک عجیب سا لطف تھا۔ وہ خیالوں کی اڑان بھرتی ہوئی اسما کے روبرو پہنچ گئی۔ فتوے کا کاغذ اس کے منہ پر پھینکتے ہوئے بولی۔'' اس گھر میں تم ایک کاغذ کے بل بوتے پر آئی تھیں۔ اب دوسرے کاغذ کے بل پر اس گھر سے نکل جاؤ۔''

اسما نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔'' خدا کے لیے! یہ ظلم نہ کریں۔ میں مر جاؤں گی مگر اس گھر سے اور ذیشان کی زندگی سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''

'' کیسے نہیں جاؤ گی؟ اس فتوے کے مطابق طلاق ہو چکی ہے۔ شرعی اور قانونی طور پر تم میرے بیٹے کی زندگی سے خارج ہو چکی ہو۔ اب تو تمہیں اس گھر سے جانا ہی ہوگا۔''

تصور کی آنکھ سے بیٹا دکھائی دینے لگا۔ وہ بولا۔'' اسما! تمہیں اپنی غلطی کی سزا مل رہی ہے۔ اب بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سامان سمیٹو اور یہاں سے چلی جاؤ۔''

ماں نے خوش ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ اسما اس کے قدموں سے لپٹ کر گڑگڑانے لگی۔ بیگم نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے کہا۔'' سنا نہیں تم نے؟ سامان سمیٹو اور یہاں سے چلی جاؤ۔''

وہ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹاتے بولی۔'' نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

'' خود سے نہیں جاؤ گی تو دھکے دے کر نکالی جاؤ''

وہ اسے دھکے دینے لگی۔ پھر ایسے ہی وقت چو برابر بیٹھی ہوئی عورت اس کے دونوں بازو تھام کر تھی۔'' ارے! کیا پاگل ہو گئی ہو؟ ساری جگہ گھیر نے بھی مجھے دھکے دے رہی ہو؟''

وہ خیالوں سے چونک گئی تھی۔ بری طرح جھینپ عورت کو دیکھ رہی تھی پھر بولی۔'' معاف کرنا بہ دھیان کسی دوسری طرف چلا گیا تھا۔''

وہ عورت منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ بیگم آفتاب نے توقف کے بعد اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا'' سنو کس سلسلے میں آئی ہو؟''

وہ بولی۔'' ایک ذرا سی بات پر میری بیٹی کا گم والا ہے۔''

'' ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟''

عورت نے کہا۔'' ایک ڈاکٹر نے کہا تھا، میری ہو گئی ہے ... ابھی ابتدا ہے، علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن ساس نے اسے اپنے بیٹے سے الگ کر دیا ہے۔ بیٹے ہے، بیوی کو طلاق دے ورنہ اسے بھی تپ دق کا م ہو جائے گا۔ اب تم ہی بتاؤ بہن! یہ ساس بننے والیا بیٹیوں کو بہو بنا کر کیوں ظلم کرتی ہیں؟''

بیگم آفتاب نے کہا۔'' یہ ظلم تو نہ ہوا۔ ایک ماں کو بہو کے موذی مرض سے بچانا چاہتی ہے۔''

اس عورت نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔'' سمجھے بغیر میری بیٹی کے خلاف بول رہی ہو۔ کیا تم ساس ہو؟''

بیگم آفتاب نے منہ پھیر لیا۔ اس عورت نے کہا پہلے کبھی موذی اور جان لیوا مرض تھا۔ اب تو ڈاکٹر ا جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ میری بیٹی جڑ سے ختم ہو گیا ہے۔''

تو پھر مسئلہ کیا ہے؟''

'' مسئلہ یہ ہے کہ داماد نے اپنی ماں کے مجبور میری بیٹی کو اس طرح شرطیہ طلاق دی کہ اگر اس لاعلاج ہے تو میں طلاق دیتا ہوں۔ اگر قابلِ علاج یہ طلاق نہیں ہوگی۔''

م نے منہ بنا کر کہا۔'' یہ لو! ایک بار طلاق دے دی، تو دی۔ بہو کو بیٹے سے الگ کر دیا تو پھر سمجھو ہمیشہ کے لی ہو گئی۔ میری مانو بہن! اپنی بیٹی کو گھر لے آؤ۔ اب ا کا شوہر رہا ہے اور نہ تمہارا داماد......''

عورت نے جل کر کہا۔'' تم اپنی کالی زبان بند رکھو تو ورنہ ابھی منہ سے زبان کھینچ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔ ھ کر دوسروں کو فتویٰ دے رہی ہو۔ تو پھر اپنے لیے ے کیوں آئی ہو؟''

خاتون نے کہا۔'' کیوں آپس میں جھگڑ رہی ہو؟ تو میں کرنی ہے تو باہر چلی جاؤ۔'' دوسری خواتین بھی ر کر دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ یٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد اس خاتون کو طلب کیا گیا جو ی حمایت میں فتویٰ حاصل کرنے آئی تھی۔ وہ اپنی جگہ ر مفتی صاحب کے حجرے میں چلی گئی۔

لم آفتاب نے دوسری خاتون کی طرف جھک کر آہستگی '' دیکھ لینا! اس کی بیٹی کو طلاق ہو جائے گی۔''

خاتون نے گھور کر کہا۔'' کیا تم دماغی مریضہ ہو؟ کیا ی کا گھر اجاڑنا اچھا لگتا ہے؟''

لم آفتاب کھسیانی سی ہو کر ایک طرف سمٹ گئی۔ وہ جلد ہی حجرے سے باہر آ گئی۔ وہاں بیٹھی ہوئی ایک نے پوچھا۔'' کیا ہوا بہن؟''

عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' خدا کا شکر ہے، داماد نے شرطیہ طلاق دی تھی۔ میری بیٹی کا مرض قابلِ ا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند ہو چکی ہے اس لیے طلاق ی۔''

ر اس عورت نے بیگم آفتاب کو ناگواری سے دیکھتے کہا۔'' میری بیٹی کا گھر آباد رہے گا۔ خدا ایسی عورتوں کو رے۔ جو ساس بننے کے بعد چڑیل بن جاتی ہیں۔''

بیگم آفتاب کے پاس سے گزرتی ہوئی، حقارت سے ہتی ہوئی چلی گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد بیگم آفتاب کی ی آئی۔ اس نے حجرے میں آ کر مفتی صاحب کو سلام ان سے کچھ فاصلے پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ایک کاغذ بہو کا اعمال نامہ لکھ کر لائی تھی۔ اس نے بڑے ادب کاغذ پیش کیا۔ مفتی صاحب اسے لے کر پڑھنے لگے۔ اب نے لکھا تھا۔

محترم مفتی صاحب!

میں بصد احترام اسلامی قوانین کی روشنی میں ایک مسئلے کا حل چاہتی ہوں۔

مسئلہ یہ ہے کہ ذیشان اور اسما عرصہ چھ سال سے ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں اور تادمِ تحریر اولاد سے محروم ہیں ذیشان اولاد کی خاطر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسما اپنی ہونے والی سوکن کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بڑی رازداری سے فون پر ہونے والی سوکن سے گفتگو کی۔ اس سوکن سے جھوٹ کہا کہ وہ اس کی ہونے والی ساس یعنی ذیشان کی ماں ہے۔

ذیشان اسما کا شوہر ہے۔ جبکہ اسما نے فون پر خود کو ذیشان کی ماں کہہ دیا۔ یعنی دوسرے پہلو سے ذیشان کو بیٹا کہہ دیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اسما نے جس زبان سے ذیشان کے ساتھ نکاح قبول کیا تھا، اسی زبان سے اس نے شوہر کو بیٹا کہہ دیا اور خود کو اپنے شوہر کی ماں کہہ دیا۔ ایسا فون پر دو چار بار کہا گیا ہے۔

خاندان کے بزرگ معترض ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسما اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے۔ لیکن ذیشان اپنی بیوی کی اندھی حمایت میں کہتا ہے کہ بیوی نے دل سے اپنے شوہر کو بیٹا نہیں کہا تھا۔ وہ فون پر محض ٹوہ لینے کی غرض سے خود کو ماں اور شوہر کو بیٹا کہتی رہی تھی۔

کسی بات کا سراغ لگانے کے لیے عارضی طور پر بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دے تو کیا وہ اپنے شوہر کی بیوی رہے گی؟ یا اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی؟

کیا ہمارے دینِ اسلام میں اس بات کی گنجائش ہے کہ بیوی ایسی مذکورہ بالا غلطی کر بیٹھے اور بعد میں توبہ کرے اور معافی چاہے تو کیا اسے معافی مل جائے گی؟ کیا میاں بیوی کا رشتہ بحال رہے گا؟

اللہ تعالیٰ آپ کے دینی علوم میں اضافہ فرماتا رہے۔ آمین۔

آپ سے گزارش ہے کہ اسلامی قوانین کی روشنی میں مشورہ دیں۔ کیا اسما کی اتنی بڑی غلطی کو معاف کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے رحم کی گنجائش ہے؟ ویسے تو وہ توبہ کر رہی ہے اور اس سلسلے میں کفارہ ادا کرنا چاہتی ہے۔

ہم تو اس کی بھلائی چاہتے لیکن وہ اپنے لئے برائی کر چکی ہے۔ ہم آپ کا فیصلہ چاہتے ہیں۔

راقم الحروف

فلک آفتاب حیات

اور

بیگم آفتاب حیات"

اس عرضی کو پڑھنے کے بعد مفتی صاحب نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے بیگم آفتاب کو دیکھا۔ وہ سر کا آنچل درست کرتے ہوئے ایسی طمانیت محسوس کرنے لگی، جیسے مفتی صاحب اس کی دلی مراد پوری کرنے والے ہوں۔ عینک کے پیچھے سے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا ہی لگا، جیسے اسما کی غلطی انہیں بھی گراں گزری ہو۔

پھر وہ قلم اٹھا کر اس عرضی کے پیچھے لکھنے لگے۔

"محترمہ نیز محترم!

سوال مذکورہ میں جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے، اس میں مسمات اسما نے جس زبان سے نکاح قبول کیا تھا اسی زبان سے اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دیا۔ اور خاندان والے کہتے ہیں کہ اسما ذیشان کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے۔

جبکہ یہ درست نہیں ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں اگر چہ عورت نے جھوٹ کہا تاہم وہ اپنے شوہر ذیشان کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔

مسئلہ مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ طلاق عورت کی جانب سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے کہنے پر اس کا شوہر بھی اس کا بیٹا نہیں بن سکتا۔

ویسے جھوٹ پھر جھوٹ ہے اور گناہ ہے۔ اسما کو اپنے جھوٹ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور آئندہ ایسی غلطی سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

مفتی صاحب نے اپنی اس تحریر کے نیچے دستخط کیے اپنے نام کی مہر لگائی پھر اسے بیگم آفتاب کے حوالے کیا۔ وہ بے چینی سے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے لپک کر اس کاغذ کو لیا پھر اسے جلدی جلدی پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے پڑھتی گئی، مایوس ہوتی گئی۔

اس نے شکایت بھری نظروں سے انہیں دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انسان کی زبان کی اہمیت ہوتی ہے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور عبادت کی جاتی ہے۔"

انہوں نے فرمایا "زبان محض ایک وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا نام دل سے لیا جاتا ہے اور دل سے عبادت کی جاتی ہے۔"

"لیکن جو زبان تین بار نکاح قبول کرتی ہے، وہی زبان شوہر کو بیٹا کہہ دے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ اسما نے یہ بات زبان سے کہی۔ دل سے نہیں کہی۔ اور ایسا کہتے وقت اس کی نیت شوہر سے رشتہ بدلنے کی نہیں تھی۔ اس سے محض ایک غلطی ہوئی ہے، معافی چاہتی ہے۔"

انہوں نے عینک درست کرتے ہوئے کہا۔ "اہم بات یہ ہے کہ عورت کی زبان اس کی عقل کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لیے عورت کی جانب سے کبھی طلاق نہیں ہوتی۔ اگر یہی بات شوہر کہتا اور رشتہ بدلتا تو طلاق اب آپ جائیں۔ دوسرے اپنی باری کے منتظر ہیں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو حضرات سے رجوع کریں۔"

بیگم نے ناگواری سے منہ بنایا پھر وہاں سے چپ اٹھ کر چلی آئی۔ چلتے وقت قدم من من بھر کے لگ ر جو جواب اس نے سوچا بھی نہیں تھا، وہ جوتے کی طر پڑا تھا۔ اس کے اندر اسما قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کے قہ باعث بیگم کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ ہارے ہو کی طرح رک رک کر تھم تھم کر چل رہی تھی۔

وہ اس دارالعلوم کی عمارت سے کیسے باہر آئی، کار تک پہنچی یہ وہی جانتی تھی۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں وہاں آ کر ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "چلیں گی؟"

وہ کمزور سی آواز میں بولی۔ "ذرا رک جا کولڈ ڈرنک لے آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ کار ائیر کنڈیشنڈ تھی، لیکن وجود ہوا چل رہی تھی۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے تھے اور شکست خوردگی دماغ میں کانٹے چبھو رہی تھی کر توہین کے احساس سے مری جا رہی تھی کہ بہو کا منہ سے کرے گی؟

ایک ضد پیدا ہونے لگی کہ گھر نہیں جائے گی۔ گی مگر بہو کی نظروں سے نہیں گرے گی۔ بقول شا یہ سوچ رہی تھی کہ مر جائے گی، مر کے بھی چین نہ پا جائے گی؟

اسما ہر معاملے میں سبقت لے جاتی تھی۔ اس دل اور دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے شکست چاہیے۔ ہاری ہوئی بازی جبراً جیتی نہ جا سکے تو فریب سے جیتی جا سکتی ہے۔"

مگر کیسے؟ ایسی کیا تدبیر کرے کہ دینی قانو

کا فیصلہ بدل جائے؟

ڈرائیور کولڈ ڈرنک لے آیا۔ وہ اسے لے کر گھونٹ پینے لگی۔ حلق سے کلیجے تک ٹھنڈک پہنچنے لگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔ ذہن میں ایک تدبیر چمکنے لگی۔ اس نے واپس کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "چلو......؟"

وہ دکاندار کو بوتل دے کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ اسٹارٹ کرنے لگا۔ وہ موبائل فون پر ایک نمبر پنچ کرنے کار دھیمی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ رابطہ ہونے پر "ہائے شیریں! کہاں ہو؟ کیا کر رہی ہو؟"

اس کی سہیلی شیریں کی آواز سنائی دی۔ "میں تو گھر میں تم کہاں اڑی پھر رہی ہو ابھی گھر میں فون کیا تو ہارے میاں نے کہا، کہیں بن سنور کر بجلی گرانے گئی ہو۔"

"میرے میاں کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ تم گھر ہو تو میں ابھی آ رہی ہوں۔ تم سے ایک ضروری کام

"یو آر موسٹ ویلکم......"

وہ فون بند کر کے ڈرائیور سے بولی۔ "میڈم شیریں کے گھر چلو۔"

شیریں گل اس زمانے سے اس کی سہیلی تھی جب وہ دونوں لندن میں جونیئر کیمبرج کی اسٹوڈنٹ تھیں۔ دونوں اپنے کھلے ڈلے افیئرز ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں۔ شادی کے معاملے میں ان کا مقدر ایک تھا۔ دلہن بننے کے بعد لندن کے رنگین ماحول سے نکل کر پاکستان آنا پڑا۔

یہاں بھی وہ ہائی سوسائٹی مینٹین کرتی تھیں۔ آج پاکستان وومنز آرگنائزیشن اور وومنز کلب میں بظاہر خواتین کی فلاح و بہبود کا چرچا کرتی تھیں۔ لیکن اپنی فطرت کے مطابق کم حیثیت کی خواتین کو تنقید کا نشانہ بناتی تھیں۔ رمی کھیلتی تھیں۔ بڑی بڑی رقمیں کبھی جیتتی تھیں، کبھی ہارتی تھیں۔ یوں اپنی اونچی حیثیت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

شیریں گل نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر کہا۔ "ہائے سوئٹی! ہم نے تمہارے انتظار میں لنچ نہیں کیا ہے کم آن ہم ڈائننگ ٹیبل پر ٹاک کریں گے۔"

"واٹس رانگ ود یو؟"

اس کے ساتھ جو رانگ ہو رہا تھا، وہ اس کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ شیریں نے اس کی روداد سننے کے بعد کہا۔ "تم کہاں دین مذہب کے چکر میں پڑ گئی ہو؟ یہ فتویٰ دینے والے اس بہو کو گھر سے نکلنے نہیں دیں گے۔ اسے تمہارے سر پر مسلط رکھنے کی باتیں کرتے رہیں گے۔"

"پھر میں کیا کروں؟ ہم کس ملک میں آ پھنسیں ہیں؟ یہاں تو ہر بات دین اسلام کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ مفتی صاحب نے تو میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں کہ ان کا فیصلہ مان لیا جائے۔ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلی سے نکال لیا جاتا ہے رانگ از ناٹ آل ویز رانگ۔ سم ٹائمز اٹ بی کمس رائٹ......"

بیگم آفتاب نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "تم رانگ کو رائٹ کرنا جانتی ہو۔ اسی لیے آئی ہوں۔ تم نے اپنے میاں کے دماغ میں اپنی سوکن کے خلاف زہر بھر دیا تھا۔ سوکن کی مخصوص تحریر میں ایک ایسا جعلی خط لکھوایا تھا جسے پڑھتے ہی میاں صاحب نے اسے طلاق دے دی تھی۔"

وہ شیریں کی طرف ذرا جھک کر بولی۔ "کیا میں جعلی فتویٰ حاصل نہیں کر سکتی؟"

دونوں سہیلیاں مکاری سے مسکرانے لگیں۔ دونوں کے دل، دماغ، ارادے اور نیتیں ایک ہوا کرتی تھیں۔ بیگم آفتاب نے پوچھا۔ "تم نے وہ جعلی خط کس سے لکھوایا تھا؟"

وہ اپنے پرس سے مفتی صاحب کا دیا ہوا کاغذ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولی۔ "کیا وہ ہو بہو مفتی صاحب کی تحریر کی نقل کر سکے گا؟"

شیریں گل نے اس کاغذ کی تحریر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بڑا جعلساز ہے۔ فراڈ کے کیس میں جیل بھی جا چکا ہے۔ وہ صرف تحریر کی ہی نقل نہیں کرے گا، اس عالم دین مفتی کے نام کی اور اس دارالعلوم کی ایسی ہی ہو بہو مہر بھی تیار کر دے گا۔ کوئی اس جعلی فتوے کو عدالت میں بھی چیلنج نہیں کر سکے گا۔"

بیگم آفتاب نے اطمینان کی اتنی گہری اور لمبی سانس لی جیسے پیدا ہونے کے بعد پہلی بار سانس لے رہی ہو۔ یہ مشرقی معاشرے کا چلن ہے۔ بہو کی لاش پر کھڑے ہونے سے ہی ساس کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

☆☆☆

لی پاشا ایک صوفے پر بیٹھی پریشان ہو کر اپنی بیٹی شکیلہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ موبائل فون کان سے لگائے اپنے باپ نانا بھائی سے رابطہ کرنے کی بار بار کوششیں کر رہی تھی اور رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر بولی۔ "پتا نہیں پاپا دن رات کہاں مصروف رہتے ہیں۔ بیٹی سے باتیں کرنے کا وقت بھی نہیں نکال سکتے۔"

بی پاشا نے بڑے پیار سے کہا۔ ''تم اپنے پاپا کی مصروفیات کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔ ان کا فون اکثر انگیج رہتا ہے۔ کوشش کرتی رہو، رابطہ ہو جائے گا۔''

پھر وہ زیرِ لب بڑبڑانے لگی۔ ''پتا نہیں وہ کم بخت اشعر کہاں مر گیا ہے؟ کس کی قبر میں جا کے گھس گیا ہے؟ نہ اغوا کرنے والوں کے پاس ہے نہ ہی اپنے گھر میں ہے۔ اللہ کرے کہیں مر ہی گیا ہو۔''

''ممی! سوچ سمجھ کر بددعا دیں۔ وہ مر جائے گا تو آپ کسے اغوا کرائیں گی؟ اس خودسر جاوید کو کیسے بلیک میل کریں گی اور اسے کس طرح میرے قدموں میں گرائیں گی؟''

''میں تو جھنجلا کر اس کے مرنے کی بات کر رہی ہوں۔ ورنہ وہ بچہ خزانے کی کنجی ہے۔ ہمارے لیے سب سے اہم ہے۔''

شکیلہ باتیں کرنے کے دوران وقفے وقفے سے ری ڈائل کا بٹن دبا رہی تھی۔ پھر خوش ہو کر بولی۔ ''ممی! بیل جا رہی ہے۔''

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی نانا بھائی کی شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ''میری بیٹی! میری جان! خیریت سے ہو؟''

وہ روٹھنے کے انداز میں بولی ''میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ میں خیریت سے ہوں یا نہیں آپ کو کیا پروا ہے؟''

''اوہو میری بیٹی ناراض ہو گئی ہے۔ میری جان! تم سمجھدار ہو گئی ہو۔ یہ جانتی ہو کہ میں جرائم کی دنیا میں کیسے کیسے خطرناک گیمز کھیلتا ہوں۔ مجھے سانس لینے کی ذرا بھی فرصت ملتی ہے تو میں فوراً ہی تمہیں کال کرتا ہوں۔''

''آپ خطرات سے کھیلتے ہیں۔ لیکن میرے لیے ایک معمولی سا گیم نہیں جیت رہے ہیں۔ پتا نہیں کس ناکارہ شخص سے کام لے رہے ہیں؟ اسے آم چرانے کو کہا تھا اور امرود چرا کر لے آیا تھا۔''

''ایسے معاملات میں بڑے بڑوں سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ تم ذرا صبر کرو۔ تمہارا باپ اس بچے کو پاتال سے بھی نکال کر لے آئے گا۔''

ایک ملازمہ نے کمرے میں آ کر بی پاشا سے کہا۔ ''صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''تم باتیں کرو، میں آتی ہوں۔''

وہ وہاں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ صمد بیوپاری ایک صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس نے آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ بی پاشا نے پوچھا۔ ''کیا جاوید بیٹے کو دیکھنے وہاں گیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''وہ اپنے کمرے میں گیا ہے۔ چینج کرنے کے بعد ابھی جائے گا۔''

وہ ناگواری سے بولی۔ ''اونہہ، بچے کو ہاتھ سے ہاتھ کر دیا اس اندھی کو اپنی بیوی کی آنکھیں بھی دیں اور بچہ بھی دے دیئے۔ خود اندھا بن کر بیٹھ گیا ہے۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ اس بچے کو کہیں لے جا کر پھینک دیا گیا۔ جاوید کو دوڑتے ہوئے وہاں جانا چاہیے۔ ان کا محاسبہ کرنا چاہیے۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''میں کہہ چکا ہوں، وہ ابھی جائے گا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اشعر کی گمشدگی کے بارے میں کس سے خبر ملی؟''

''آپ کا بیٹا اور پوتے پوتی میرے سوتیلے ہیں مگر میں ان کے لیے سوتیلی نہیں ہوں۔ وہ یہاں سے چلے گئے، پھر بھی ان کی خبر رکھتی ہوں۔ عینی کی کوٹھی میں جو ملازمہ ہے، اسے کچھ دیتی دلاتی رہتی ہوں۔ اسی نے مجھے یہ خبر دی ہے۔''

صمد بیوپاری نے مطمئن ہو کر اسے دیکھا۔ ایسے ہی وقت جاوید اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آیا۔ بی پاشا کو دیکھ کر رک گیا۔ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آپ کو بڑی بے چینی ہے کہ میں عینی کے گھر حقیقت معلوم کرنے کیوں نہیں جا رہا ہوں؟ یور کائنڈ انفارمیشن، مجھے عینی پر بھروسا ہے۔ وہ میرے بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔ پھر بھی......''

اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈیڈی کے حکم سے وہاں جا رہا ہوں۔ میں نے ابھی آپ کی باتیں سنی ہیں۔ وہاں جا کر یہ ضرور معلوم کروں گا کہ آپ کے لیے جاسوسی کرنے والی وہ ملازمہ کون ہے؟''

بی پاشا نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ جاوید کے وہاں جانے سے بھانڈا پھوٹنے والا تھا۔ وہاں اس کے لیے جاسوسی کرنے والی کوئی ملازمہ نہیں تھی۔ وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ ''تمہارے سامنے کوئی ملازمہ یہ نہیں اگلے گی کہ عینی سے غداری کرتی ہے اور میری تابعداری کرتی ہے۔ کوئی اپنی اصلیت بتا کر ملازمت سے نہیں جائے گی۔''

پھر وہ صمد بیوپاری سے بولی۔ ''آپ اسے سمجھائیں وہاں جا کر خواہ مخواہ کسی غریب کے پیٹ پر لات نہ مارے

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''سوتیلوں کے درمیان یہی تو تُو تُو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ میں روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ پلیز جاوید! میرے پوتے کے پاس جاؤ۔''

وہ بی پاشا کو نفرت سے دیکھتا ہوا جانے لگا۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اس نے دروازے کو کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے پر ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اس نے کہا۔ سوری فار ڈسٹربنگ یو۔ ایک بچے کو اغوا کیا گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔''

جاوید نے چونک کر کہا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ ہم اپنے بچے کے لیے بہت پریشان ہیں۔ آئیں تشریف لائیں۔''

وہ ایک سپاہی کے ساتھ اندر آیا۔ باقی باہر کھڑے رہے۔ صمد بیوپاری پولیس انسپکٹر کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ جاوید نے اپنے باپ سے کہا۔ ''یہ اشعر کے اغوا کے سلسلے میں آئے ہیں۔''

صمد بیوپاری نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔ ''کہاں ہے میرا پوتا؟''

انسپکٹر نے بی پاشا پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ''بچے کو اغوا کر کے ایک مکان میں چھپایا گیا تھا۔ اس کوٹھی سے ایک خاتون اس بچے کے پاس گئی تھیں۔''

دوسری طرف بی پاشا کو یکلخت یوں محسوس ہوا جیسے بدن کا تمام خون خشک ہو گیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر کبھی جاوید کو اور کبھی اپنے بوڑھے شوہر کو دیکھنے لگی۔ جاوید نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اس گھر سے ایک خاتون......؟ اس بچے سے ملنے گئی تھیں؟''

صمد بیوپاری نے بی پاشا کو دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔ ''یہاں سے کون جا سکتی ہے؟''

جاوید نے انسپکٹر سے پوچھا۔ ''کیا آپ اس خاتون کو پہچانتے ہیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''میں اسے نہیں پہچانتا لیکن وہ جس کار میں بیٹھ کر وہاں گئی تھی اس کا نمبر KA4301 ہے۔ اور اس نمبر کی کار یہاں کوٹھی کے پورچ میں کھڑی ہوئی ہے۔''

جاوید اور صمد بیوپاری نے چونک کر بی پاشا کو دیکھا۔ پھر صمد بیوپاری نے کہا۔ ''یہ کار تو تمہاری ہے۔ کیا تم اشعر سے ملنے کہیں گئی تھیں؟''

جاوید نے غصے سے سوتیلی ماں کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے بیٹے کو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟ تم نے اسے اغوا کرایا ہے اور یہاں آ کر عینی کے خلاف بکواس کر رہی ہو؟''

وہ دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچتے ہوئے بولا۔ ''کہاں ہے میرا بیٹا......؟''

صمد بیوپاری نے بی پاشا کو اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے! غصہ نہ کرو۔ سہولت سے پوچھو، ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

جاوید اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ بی پاشا گلے پر ہاتھ رکھ کر کھنکارتی ہوئی بولی۔ ''کل میں ڈرائنگ روم میں تنہا تھی، کسی نے فون پر کہا۔ تمہارے گھر کے بچے کو اغوا کیا گیا ہے۔ اسے زندہ سلامت لے جانا چاہتی ہو تو ایک لاکھ روپے لے کر آ جاؤ۔ میں وہ رقم لے کر اس کے بتائے ہوئے پتے پر گئی تھی۔ لیکن اس مکان میں جس بچے کو اغوا کر کے رکھا تھا وہ ہمارا اشعر نہیں تھا۔ میں وہاں سے چپ چاپ چلی آئی۔''

صمد بیوپاری نے پوچھا۔ ''کسی نے فون پر اشعر کے اغوا ہونے کی اطلاع تمہیں دی اور تم جھوٹ بول رہی تھیں کہ عینی کی کسی ملازمہ نے تمہیں خبر کی تھی۔''

وہ پریشان ہو کر جواب سوچنے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اچانک کہیں سے پولیس والے آ جائیں گے۔ اور بھید یوں کھلنے لگے گا۔ وہ تدبیر کرتے وقت بھول گئی تھی کہ مقدر بھی اپنی من مانی کرتا رہتا ہے۔

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''تمہیں اشعر کے اغوا ہونے کی اطلاع فون پر ملی اور تم اتنی بڑی بات کل سے چھپا رہی ہو۔ تم ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟''

جاوید نے غصے اور نفرت سے کہا۔ ''یہ پوچھیں، ان کے ارادے کیا ہیں؟ ان کی نیت کیا ہے؟''

بی پاشا مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ ''میں اپنی شکیلہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میری کوئی بری نیت نہیں ہے۔ میں چاہتی تھی، پہلے چپکے چپکے اشعر کو تلاش کروں گی پھر آپ کو یہ بات بتاؤں گی۔''

جاوید نے گرج کر کہا۔ ''بکواس کر رہی ہو تم...... میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، تم آستین کا سانپ ہو۔ اسی لیے بچوں کو عینی کے حوالے کیا تھا۔ لیکن تم وہاں بھی انہیں ڈس رہی ہو۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں، میرے بیٹے کو تم نے اغوا کرایا ہے۔''

انسپکٹر نے کہا۔ ''جسٹ اے منٹ۔ یہ کہہ رہی ہیں وہ اغوا ہونے والا بچہ اشعر نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ بھی اس

بچے کو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے، ان محترمہ کا بیان غلط ہو۔"

پھر اس نے سپاہی سے کہا۔ "جاؤ بچے کو لے آؤ۔"

سپاہی چلا گیا۔ انسپکٹر نے کہا۔ "وہ بچہ ہماری گاڑی میں ہے۔ بہت سہما ہوا ہے۔ خدا کرے کہ وہ آپ ہی کا ہو۔"

سپاہی اس بچے کو لے آیا۔ جاوید اور صمد بیوپاری اسے دیکھ کر مایوس ہو گئے۔ جاوید نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "یہ میرا بیٹا اشعر نہیں ہے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "تعجب ہے، اس بچے کے والدین یا سرپرستوں نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ کسی تھانے میں درج نہیں کرائی۔ آپ حضرات تعلیم یافتہ ہیں، آپ نے بھی یہی کیا ہے۔ پولیس کی مدد کے بغیر گمشدہ بچے کو تلاش کر رہے ہیں۔ کیا اسے اغوا کرنے والے نے کسی طرح کی دھمکی دی ہے؟"

صمد بیوپاری نے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری...... وائف نے اس کی گمشدگی کی بات چھیڑی تھی۔"

جاوید نے کہا۔ "میں ابھی وہاں حقیقت معلوم کرنے جا رہا تھا جہاں میرے بچوں کو امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ میں وہاں جاؤں گا تو اصل معاملے کا پتا چلے گا۔"

انسپکٹر نے بی پاشا کو دیکھا پھر جاوید سے کہا۔ "آپ نے خاتون سے جو جارحانہ سلوک ابھی کیا تھا، اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ محترمہ ناقابلِ اعتماد ہیں۔ انہیں تھانے چل کر بیان دینا ہو گا کہ یہ ایسی جگہ کیوں گئی تھیں، جہاں ایک بچے کو چھپا کر رکھا گیا تھا؟ میرا تجربہ کہتا ہے، اغوا کنندگان سے ان کا کوئی تعلق ہے۔"

بی پاشا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں...... نہیں...... میرا کسی مجرم سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر شبہ نہ کریں۔"

انسپکٹر نے بچے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "اس عورت کو پہچانتے ہو؟ یہ وہاں ان بدمعاشوں کے پاس آئی تھی؟"

وہ بچہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "آئی تھی......"

وہ جلدی سے بولی۔ "میں کہہ تو رہی ہوں، وہاں اپنے اشعر کو لینے گئی تھی، پھر اس بچے کو دیکھ کر، اپنے اشعر کو نہ پا کر وہاں سے آ گئی۔"

"سوری، آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔ ہم وہاں اچھے اچھوں سے سچ اگلوانا جانتے ہیں۔"

بی پاشا نے صمد بیوپاری کے پاس آ کر کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ آپ یہیں بیان لینے پر انہیں راضی کریں۔"

جاوید نے کہا۔ "نجات اسی وقت ملے گی، جب سچ بولو گی تو پھر یہیں سچ بول دو۔"

وہ عاجزی سے بولی۔ "میں اپنی شکیلہ کی قسم کھا کر کہتی......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ انسپکٹر کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ میں ہاتھوں کی لکیروں کا لکھا ہوا پورا کرتا ہوں، اس وقت بی پاشا کی ہتھیلی پر چل رہا تھا۔ انسپکٹر فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے۔ اسے فوراً یہاں لے آؤ۔"

اس نے فون بند کر کے طنزیہ انداز میں بی پاشا کو دیکھا پھر کہا۔ "تم ان تین بدمعاشوں سے ملنے گئی تھیں۔ ان میں سے ایک گرفتار ہو گیا ہے۔"

بی پاشا کا خون پھر خشک ہونے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اسے یہاں لایا جا رہا ہے۔ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اس کے آنے سے پہلے سچ بول دو۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہارا بھی کچا چٹھا بیان کرنے والا ہے۔"

وہ بری طرح پھنس رہی تھی۔ کوئی اسے مصیبت سے نکالنے والا نہیں تھا۔ ایسے وقت بوڑھا شوہر بھی اس کا ساتھ نہ دیتا کیونکہ وہ اس کے پوتے کو نقصان پہنچانے والا کام کر رہی تھی۔

ایسے وقت یہی بات سمجھ میں آئی کہ اپنے سابقہ شوہر نانا بھائی سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ وہ بولی۔ "میں نہیں جانتی، کس بدمعاش کو گرفتار کر کے یہاں لایا جا رہا ہے؟ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ مجھ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

پھر وہ اپنے شوہر سے بولی۔ "میں واش روم جا رہی ہوں۔ ابھی آ جاؤں گی۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتی تھی۔ انسپکٹر نے کہا۔ "جسٹ اے منٹ۔ یہ سپاہی ساتھ جائے گا۔ واش روم کے باہر کھڑا رہے گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میرا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔ آپ مجھ پر ایسی پابندی کیوں لگا رہے ہیں؟"

وہ خشک لہجے میں بولا۔ "میں بحث نہیں کرتا۔ اپنی ڈیوٹی کرتا ہوں......"

اس نے منہ پھیر لیا۔ واش روم نہیں گئی۔ شکیلہ ڈرائنگ روم کے باہر دروازے کی آڑ میں کھڑی ہوئی تمام باتیں سن رہی تھی۔ اپنی ماں کو قانون کی گرفت میں آتے دیکھ رہی تھی۔

وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ اس وقت جو ماں نہیں کر سکتی تھی، بیٹی بہ آسانی کر سکتی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد دو سپاہی ایک بدمعاش کو ہتھکڑیاں پہنا کر وہاں لائے۔ بی پاشا نے دور ہی سے اسے پہچان لیا۔ اس سے منہ چھپانے کے لیے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

ایک سپاہی نے انسپکٹر سے کہا۔ "سر! جہاں بچے کو چھپایا گیا تھا، وہاں کے ایک پڑوسی نے اس کی نشاندہی کی تھی۔ ہم اسے جوئے کے ایک اڈے سے پکڑ کر لا رہے ہیں۔"

انسپکٹر نے اس مجرم سے پوچھا۔ "تم کس کے لیے کام کر رہے تھے؟ بچے کو وہاں کیوں لے گئے تھے؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے بی پاشا کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا میں نے اسے اغوا کرنے کو کہا تھا؟"

انسپکٹر نے اس بدمعاش کی طرف تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اگر جھوٹ بولو گے، کوئی بات چھپاؤ گے تو جانتے ہو۔ تھانے میں کس طرح ڈنڈے برسیں گے؟"

وہ بولا۔ "حضور! ایک بہت ہی زبردست اور دولت مند آدمی ہے۔ ہم جیسوں سے کام لینے کے لیے پیسا پانی کی طرح بہاتا ہے۔ کبھی ہمارے سامنے نہیں آتا۔ میں اسے صورت سے نہیں پہچانتا۔ وہ فون پر حکم دیتا ہے۔ ہم تابعداری کرتے ہیں۔"

انسپکٹر نے بی پاشا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اسے تو پہچانتے ہو۔ یہ تمہارے پاس آئی تھی۔"

"جی حضور! اس آدمی نے حکم دیا تھا، بچے کو اغوا کرنے کے بعد اسے اس عورت کے حوالے کر دیا جائے۔"

بی پاشا نے جلدی سے کہا۔ "میں اس بچے کو اشعر سمجھ کر گئی تھی۔ پہلے بھی کہہ چکی......"

انسپکٹر نے ڈانٹ کر کہا۔ "یو شٹ اپ۔ جب تک کچھ پوچھا نہ جائے۔ تم خاموش رہو گی۔"

پھر اس نے اس مجرم سے پوچھا۔ "کیا اس نے اس آدمی سے فون پر یہ کہا تھا کہ وہ بچہ اشعر نہیں ہے؟ اور کیا یہ ایک لاکھ روپے لے کر آئی تھی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "وہاں رقم کا کوئی لین دین نہیں تھا۔ اس نے اپنے فون سے انڈیا میں کسی آدمی سے بات کی تھی۔ اس سے شکایت کر رہی تھی کہ ہم اسے غلط بچہ دے رہے ہیں۔"

بی پاشا کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ بات اس طرح کھلتی چلی جائے گی۔

جاوید اور صمد بیوپاری اسے گھور کر دیکھ رہے تھے۔ صمد نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیسی کمینگی دکھا رہی ہو؟ ابھی کہہ رہی تھیں، اشعر کو لانے کے لیے یہاں سے ایک لاکھ روپے لے کر گئی تھیں۔ جبکہ وہاں رقم کا کوئی لین دین نہیں تھا۔ تم ان تمام معاملات کو ہم سے چھپاتی رہیں لیکن کسی انڈیا والے سے اشعر کے معاملے میں بولتی رہیں۔ وہاں کون تمہارا سگا بیٹھا ہے؟"

جاوید نے کہا۔ "ڈیڈ! اس سے کیا پوچھتے ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے، وہاں اس کا سابقہ شوہر یوسف جان ہے۔ اسے نانا بھائی بھی کہتے ہیں۔"

صمد نے بھولی ہوئی باتیں یاد کرنے کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اوہ خدایا! اس نے بتایا تھا۔ وہ نانا بھائی وہاں مجرمانہ زندگی گزارتا ہے۔ کیا تم یہاں بیٹھ کر بارڈر پار اس سے ساز باز کرتی رہتی ہو؟ میرے پوتے کو اغوا کرانے کے لیے اپنے سابقہ شوہر سے کام لے رہی ہو؟"

جاوید غصے کے مارے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "ڈیڈ! آپ نے اس ذلیل عورت سے شادی کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اپنے ساتھ بیٹے کی اور پوتے پوتی کی زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ اگر آپ میری اور آئندہ نسل کی بہتری چاہتے ہیں تو اسے ابھی لات مار کر پولیس کے حوالے کریں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "یہ یہاں آدھا بولے گی۔ آدھا پیٹ میں رکھے گی۔ حوالات میں بدترین سلوک کیا جائے گا تو یہ سارا سچ اگل دے گی۔"

صمد بیوپاری نے حقارت سے کہا۔ "بے شک، آپ اسے لے جائیں۔ سارا سچ سامنے آتے ہی میں اسے طلاق دے دوں گا۔"

بی پاشا نے التجا آمیز لہجے میں۔ "فار گاڈ سیک۔ میرے خلاف کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں تنہائی میں کچھ بولنے اور سننے والا رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ پلیز۔ انسپکٹر! آپ اپنا فرض پورا کریں۔"

ایسے ہی وقت شکیلہ ہاتھ میں فون لیے صمد بیوپاری کے پاس آئی پھر فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

بولی۔ ''میرے پاپا آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پلیز، ان کی بھی کچھ سن لیں۔''

صمد نے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ پھر شکیلہ کو دھتکارنے کے انداز میں کہا۔ ''جاؤ یہاں سے۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔''

بی پاشا نے فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''آپ کو اپنے پوتے پوتی کا واسطہ۔ ایک بار ان سے بات کر لیں۔''

اس نے گھور کر بی پاشا کو دیکھا پھر چھیننے کے انداز میں شکیلہ سے فون لے کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھونکو۔ کیا بھونکنا چاہتے ہو؟''

دوسری طرف سے نانا بھائی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ابھی ایک منٹ کے بعد تو بھونکے گا۔ تیرے بیٹے کا پلّا میری کسٹڈی میں پیاؤں پیاؤں کرر ہا ہے۔ اگر اپنے پوتے کی زندگی چاہتا ہے تو بی پاشا کو پولیس کے حوالے کرنے کی بھول نہ کرنا۔''

صمد بیوپاری نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے ڈیڈ؟''

وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا اشعر اس کے پاس ہے۔''

جاوید نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس فون کو باپ سے لیا پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا میرا بیٹا تمہارے پاس ہے؟''

''یقیناً تم جاوید بول رہے ہو۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ اپنے بیٹے کو پورے شہر میں پورے پاکستان میں ڈھونڈ لو۔ وہ نہ ملے تو جواب مل جائے گا کہ میرے پاس ہے۔''

''یہ تم سب ہم سے کیوں دشمنی کرر ہے ہو؟ میں اپنے بیٹے کی آواز سننا چاہتا ہوں۔''

نانا بھائی نے کہا۔ ''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ آواز بھی سنو گے، اسے گلے بھی لگاؤ گے لیکن پہلے بی پاشا کو پولیس والوں سے نجات دلاؤ۔ وہ گھر کی چار دیواری میں پہلے کی طرح عزت سے رہے گی۔ اگر اسے حوالات میں پہنچاؤ گے تو میں اشعر کو بہت اوپر پہنچا دوں گا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ فون بی پاشا کو دو۔''

جاوید نے فون بی پاشا کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کان سے لگا کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔

وقفے وقفے سے، ہاں ہاں۔ ہوں ہوں، کہنے لگی۔ پھر خوش ہو کر بولی۔ ''او یوسف جان! یو آر ونڈر فل۔ آئی ریلی لو یو۔ میں ہر ایک گھنٹے بعد اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہوں گی۔''

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر فون کو بند کرد[ا] فاتحانہ انداز میں ان باپ بیٹے کو دیکھنے لگی۔ اس کی نظر[و] میں چیلنج تھا۔ ''کرو۔ اب کیا کرتے ہو؟ بگاڑو میرا کیا بگاڑ[...] ہو......؟''

مقدر میں جو لکھا تھا، اس کے مطابق بی پاشا کو اس[...] برے اعمال کی سزا ملنی چاہیے لیکن وہ ہر بار سزا کی دلدل [...] دھنستے دھنستے پھر نکل آتی تھی۔

پہلی بار اس پر شبہ ہوا کہ وہ اشعر کے اغوا کے متعلق [...] جانتی ہے۔ اس وقت اس کی مکاری ظاہر ہو سکتی تھی لیکن بات بنا کر نکل گئی۔ دوسری بار پولیس والوں نے آ کر بتایا [...] وہ اغوا کرنے والے تین بدمعاشوں سے ملنے گئی تھی۔ ا[...] وقت اس محلے کے یا پڑوس کے کسی شخص نے اس کی کار کا [...] نوٹ کیا تھا۔ اس طرح پولیس والے اس کا محاسبہ کرنے وہا[ں] پہنچ گئے تھے۔ اس وقت بھی بھید کھل سکتا تھا۔ اس اغوا ہو[نے] والے دوسرے بچے نے بھی اس کی شناخت کی تھی لیکن ا[...] نے بڑی چالاکی سے خود پر الزام نہیں آنے دیا تھا۔

تیسری بار اغوا کرنے والوں میں سے ایک بدمعاش گرفتار کر کے وہاں لایا گیا تھا۔ اس نے پوری طرح بھید کھو[ل] دیا کہ وہ اشعر کے اغوا کے سلسلے میں کسی ہندوستانی شخص [سے] فون پر باتیں کرتی رہی تھی۔

اب تو پوری طرح جرم ثابت ہو گیا تھا کہ وہ اشعر کو [اغوا] کرانے کی سازشیں کرتی رہی ہے۔ اب وہ گھر سے تھانے [...] تھانے سے عدالت اور عدالت سے جیل کی آہنی سلاخوں [کے] پیچھے جانے والی تھی۔

مکافاتِ عمل کے مطابق سزا پانے والے بڑی ذہا[نت] سے مکاری سے اور طرح طرح کی تدابیر سے تقدیر کا لکھا بدل دیتے ہیں۔ مقدر کو ٹھینگا دکھاتے ہیں اور مدبر کہلا[تے] ہیں۔

میں اسے سزا کی طرف لا رہا تھا اور وہ جزا کی طر[ف] جا رہی تھی۔ جرم ثابت ہونے کے باوجود سزا سے بچنے کا را[ستہ] نکال چکی تھی۔ نانا بھائی قانون کے مکھن سے ایک بال [کی] طرح اسے نکال رہا تھا۔

ان باپ بیٹے نے شکست خوردہ انداز میں بی پاشا [کو] دیکھا۔ پھر صمد بیوپاری نے انسپکٹر سے کہا۔ ''آپ اس معا[ملے] کو یہیں ختم کر دیں۔ ہمارا بچہ کہیں گم ہوا ہے یہ ہمارے گھر [کا] معاملہ ہے، ہم آپس میں نمٹ لیں گے۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یہ آپ کے [...]ر کا معاملہ نہیں ہے بیگم صاحبہ واردات کرنے والے [...]وں سے ملنے جاتی ہیں۔ اغوا کے سلسلے میں فون پر کسی [...]لسر سے باتیں کرتی ہیں۔ ہم حوالات میں ان سے اور [...] کچھ اگلوا سکتے ہیں۔''

پھر وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''آپ ہی بتائیں، اتنا [...]یدہ معاملہ کس طرح رفع دفع ہو سکتا ہے؟ ہمیں بھی اوپر [...] دینا پڑتا ہے۔ آپ ہماری مشکل آسان کریں گے تو ہم [...]پ کی مشکل آسان کریں گے۔''

صمد بیوپاری اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ [...] نے کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

وہ دونوں وہاں سے بیڈ روم کی طرف گئے۔ جب انسپکٹر [...]اں سے واپس آیا تو جیب گرم ہو چکی تھی اور کیس ٹھنڈا پڑ چکا [...]۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔

صمد بیوپاری نے بی پاشا سے کہا۔ ''میں اپنے پوتے کی [...]طر تمہیں تھانے، پولیس کی ذلتوں سے بچا رہا ہوں۔ تمہاری [...]صلیت سامنے آ چکی ہے۔ تم اشعر کو ہمارے حوالے کرو اور [...]ں کو لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

بی پاشا نے مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی شکیلہ کو دیکھا پھر کہا۔ ''اس کے پاپا بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے اگلے فون کا [ا]نتظار کریں۔ لین دین کے سلسلے میں کچھ معاملات طے ہوں گے۔ اس کے بعد اشعر یہاں آئے گا۔''

شکیلہ نے بڑے غرور سے کہا۔ ''اور لین دین کے وہ معاملات میرے اور جاوید کے درمیان طے ہوں گے۔''

وہ جاوید کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''منظور ہے تو میرے پیچھے چلے آؤ۔''

وہ ایک ادائے ناز سے لچکتی ہوئی پلٹ گئی اور وہاں سے جانے لگی۔ جاوید بڑی بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اپنے گمشدہ بیٹے کو جلد سے جلد حاصل کرنا تھا۔ بعض اوقات حالات مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ جسے منہ نہیں لگانا چاہتا تھا۔ اب اس کے پیچھے جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ سر جھکائے وہاں سے چلتا ہوا شکیلہ کے بیڈ روم میں آیا۔ وہ ایک بڑے سے کیسٹ ریکارڈر کے پاس کھڑی ہوئی تھی، اپنے بدن سے ڈوپٹے کو نوچ کر پھینکتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک رات تمہارے بیڈ روم میں آئی تھی۔ تم نے مجھے دھتکار دیا تھا۔ بیٹے کی واپسی چاہتے ہو تو دروازہ بند کرو۔ اور تھوکی ہوئی چیز کو چاٹو۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟''

وہ ایک انگلی انکار کے انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔ ''غصے سے نہیں، پیار سے بولو۔ مجھ سے محبت کے بھرپور مکالمے بولو۔ تمہاری ایک ایک بات یہاں کیسٹ میں ریکارڈ ہوتی رہے گی۔''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''کیا اس طرح تم میرا دل جیت لو گی؟''

وہ ایک آہ بھرتی ہوئی بولی۔ ''میں نے تمہیں جیتنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن تم نے مجھے پیار کے قابل نہیں سمجھا۔ میں ایک بہت خطرناک باپ کی بیٹی ہوں۔ ہارنا نہیں جانتی، جسے جیت نہیں سکتی اسے چھین لیتی ہوں۔ ممی تمہاری دولت اور جائداد میں سے آدھا حصہ چاہتی ہیں۔ مجھے یہ لالچ نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں جھکانا چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ چند راتیں گزار کر اپنے پاپا کے پاس انڈیا چلی جاؤں گی۔''

وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ''تم بہت اچھی ہو، خوبصورت ہو اگر میں نے تم سے فاصلہ رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم پیار کے قابل نہیں ہو۔ میں تو......''

''پیار کے قابل ہوں تو آ جاؤ۔ آگے کچھ نہ بولو۔ بس چلے آؤ۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا، تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ ایک آخری بات کہتا ہوں میرے بیٹے کی واپسی کی شرط پر میری جان لے لو، مگر مجھ سے گناہ نہ کراؤ۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''دوسرے لفظوں میں یہ کہہ رہے ہو کہ بیٹا تمہیں واپس نہ ملے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''میں اپنے بیٹے کو خدا پر چھوڑتا ہوں......''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ شکیلہ نے شدید حیرانی سے اسے دیکھا پھر اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم سمجھتے ہو۔ اشعر تمہیں زندہ سلامت ملے گا؟''

''میں صرف اتنا سمجھتا ہوں کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ ماں بیٹی نے بڑی تدبیریں کیں۔ بڑا میدان مارا۔ اب مجھے (مقدر) بھی کچھ کرنا تھا۔ جاوید فون کے پاس رک گیا۔ اس نے پیچھے آتی ہوئی شکیلہ کو دیکھا، پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو۔ کون؟''

دوسری طرف سے ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ ''میں مسٹر جاوید سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی، میں جاوید بول رہا ہوں۔ فرمائیے؟''

''میں نے آپ کی ایک بہت بڑی پریشانی دور کرنے کے لیے فون کیا ہے۔ آپ کا بیٹا میرے پاس ایک امانت کے طور پر خیریت سے ہے۔''

جاوید نے چونک کر سامنے کھڑی ہوئی شکیلہ کو دیکھا، پھر فون پر پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟ کیا نانا بھائی ہیں؟''

''سوری، میں کسی نانا بھائی کو نہیں جانتا۔ آپ کو یہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ اشعر میرے پاس پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ اپنے بیٹے سے بات کریں۔''

چند سکینڈ کے بعد ہی اشعر کی معصوم سی ننھی سی آواز سنائی دی۔ ''ڈے۔ ڈی۔! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ یہ انکل کہتے ہیں، آپ میرے پاس آئیں گے۔ میں آپ کے ساتھ ممی کے پاس جاؤں گا۔''

''ہاں بیٹے! میں ابھی تمہارے پاس آؤں گا۔ تمہیں ممی کے پاس لے جاؤں گا۔ فون انکل کو دو۔''

وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ شکیلہ پریشانی سے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ فون پر اسی اجنبی کی آواز سنائی دی۔ ''کیا یقین ہو گیا کہ اشعر میرے پاس ہے؟''

وہ بڑے جذبے سے بولا ''خدا آپ کو نیکی اور سلامتی دے۔ مجھے فوراً اپنا پتا بتائیں میں ابھی آرہا ہوں۔''

''آپ ذرا صبر کریں۔ میں نے آپ کو اشعر کی خیر خیریت کا پورا یقین دلایا ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ اسے جلد ہی آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔ فی الوقت آپ کا بیٹا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ مجھے اپنا بھائی سمجھ کر اسے ابھی میرے پاس رہنے دیں۔''

''میں حیران ہوں کہ میرا بیٹا آپ کے لیے ضروری کیوں ہے؟ آپ اسے اپنے پاس کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟''

''میں وضاحت کروں گا تو یہ ایک لمبی کہانی ہو جائے گی۔ فی الحال اتنا ہی کہوں گا کہ پہلے خدا پر بھروسا کریں، پھر میری شرافت کو سمجھیں کہ میں نے اشعر کے تحفظ اور سلامتی کا یقین دلا کر آپ کی پریشانی کم کی ہے۔''

اس نے شکیلہ کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا، پھر پوچھا۔ ''ایک بات سچ بتائیں، کیا میرے بیٹے کے ذریعے کسی طرح کا مالی منافع حاصل کرانے والے ہیں؟''

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ سے لاکھوں روپے کا مطالبہ کرتا۔ میرے پاس ایمان اور سچائی کی دولت ہے۔ پلیز، مجھ سے اور کوئی سوال نہ کریں۔ یہ سمجھ لیں کہ آپ حالات سے مجبور ہیں اور آپ کو ہر حال میں مجھ پر بھروسا کرنا ہی ہوگا۔ آپ کی طرح اشعر کی ماں بھی بہت پریشان ہوگی، اسے بھی مطمئن کریں۔''

جاوید نے غرانے کے انداز میں شکیلہ کو دیکھا۔ یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ اجنبی کوئی بھی ہے لیکن اس کا باپ نانا بھائی نہیں ہے۔ اس نے ریسیور رکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ''اچھا...... تو میرا بچہ تمہارے باپ کے پاس انڈیا میں ہے؟''

وہ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گئی۔ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''ہاں...... ہا...... نن...... نہیں۔''

بوکھلاہٹ ایسی تھی کہ زبان خشک ہوئی جارہی تھی۔ اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔ وہ ایک دم سے پلٹ کر وہاں سے بھاگتے ہوئے، روتے ہوئے چیخنے لگی۔ ''ممی...... ممی......!''

صمد بیوپاری نے وہاں آکر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

اس نے باپ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

وہ اسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ باپ نے پوچھا۔ ''بات کیا ہے؟ مجھے کہاں لے جارہے ہو؟''

وہ اسے بی پاشا کے بیڈروم میں لے آیا۔ وہاں بیٹی ماں کو حقیقت بتا رہی تھی۔ وہ باپ بیٹے کو دیکھ کر چونک گئیں۔ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ جاوید نے باپ سے کہا۔ ''یہ جس ذلیل عورت کو آپ عزت سے شریکِ حیات بنا کر لائے ہیں۔ یہ اپنی بیٹی کے ساتھ لات جوتے کھانے کے قابل ہے۔ اس کا یار بارڈر پار بیٹھا ہمیں الو بنا رہا تھا، ہمارا اشعر ان کے پاس نہیں ہے۔''

صمد بیوپاری نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ڈیڈ! میں نے ابھی اپنے بیٹے کی آواز فون پر سنی ہے۔ وہ کسی نیک اور شریف آدمی کے پاس خیریت سے ہے۔ میں نے پوری طرح اطمینان کیا ہے۔ اشعر غلط ہاتھوں میں نہیں ہے۔ ہم اس کی بات بعد میں کریں گے۔ پہلے آپ ان دونوں کو دھکے مار کر یہاں سے نکالیں۔''

بی پاشا بیٹی کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''ہم کچھ کہنا سننا نہیں چاہتیں۔ ابھی یہاں سے جارہی ہیں۔''

صمد بیوپاری نے کہا۔ ''ایک گھنٹے کے اندر جتنا سامان ۔۔۔ کر جاسکتی ہو چلی جاؤ۔ میں نے تمہیں طلاق دی...... ۔۔۔ نے تمہیں طلاق دی...... میں نے تمہیں طلاق دی......''

وہ باپ بیٹے ڈرائنگ روم میں آگئے جاوید مختصر طور پر ۔۔۔ اجنبی فون کرنے والے کی باتیں بتانے لگا۔ پھر ریسیور ۔۔۔ ر نمبر پنچ کرنے لگا۔

عینی، اسما اور فلک ناز کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ۔۔۔ تھی۔ عروج سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بیڈروم میں جارہی ۔۔۔ عینی نے سر اٹھا کر کہا۔ ''تم جاتی ہو تو گھنٹوں شاور لیتی ۔۔۔ ہو۔ ذرا جلدی آجانا۔''

''میں آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی۔''

وہ کہتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ۔۔۔ نے ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگایا پھر جاوید کی آواز سنتے ۔۔۔ کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ''ہیلو! میں جاوید بول رہا ہوں۔ ۔۔۔ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسما اور فلک ناز ۔۔۔ کہا۔ ''جاوید ہیں۔''

اسما نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''کب تک بھاگتی رہو گی؟ ۔۔۔ منا تو کرنا ہی ہوگا۔ بات کرو۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''جی میں۔ میں بول رہی ۔۔۔ ں۔''

جاوید نے کہا۔ ''میں نے تم پر اندھا اعتماد کیا، بچوں کو ۔۔۔ شہ کے لیے تمہارے پاس چھوڑ دیا ہے۔ دکھ سکھ تو ہر ایک کی ۔۔۔ رگی میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اگر میرے بچوں کو کوئی ۔۔۔ پہنچے گا یا وہ کسی مصیبت میں ہوں گے تو کیا تم مجھ سے ۔۔۔ یقت چھپاؤ گی؟ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ گی؟''

وہ ندامت سے بولی۔ ''میں...... میں آپ کو یہ بتانے ۔۔۔ والی تھی کہ......''

''بتانے کا وقت گزر چکا ہے۔ مجھے تمہاری ندامت اور ۔۔۔ یشانیوں کا اندازہ ہے۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ ہمارا اشعر جہاں ۔۔۔ ی ہے۔ خیریت سے ہے۔''

وہ چونک کر بولی۔ ''کہاں ہے میرا بیٹا؟ کیا آپ کے ۔۔۔ ں ہے؟ میں ابھی آرہی ہوں۔''

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔ ایک اجنبی نے فون پر مجھے ۔۔۔ ں کی آواز سنائی ہے، میں نے اس سے بات کی ہے۔''

''کیا آپ نے معلوم کیا ہے، وہ اجنبی کون ہے؟ کہاں ہے؟ ہم ابھی وہاں جائیں گے۔''

''میں نہیں جانتا، وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ہمیں اشعر کی طرف سے اطمینان رکھنا چاہیے۔ اس اجنبی نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کیا ہے کہ اشعر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ آج کل میں اسے ہمارے پاس پہنچا دے گا۔''

وہ بے چین ہو کر بولی۔ ''آج کل کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟''

''میں اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ ہم مجبور ہیں۔ اس پر بھروسا کرنا ہی ہوگا۔ میں نے تمہاری پریشانی کم کرنے کے لیے فون کیا ہے۔ پھر ایک آدھ گھنٹے میں رابطہ کروں گا۔ ابھی اپنے ایک گھریلو معاملے میں مصروف ہوں۔ پریشان ہونا چھوڑ دو۔ او کے، سو فار......''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اسما اور فلک ناز وائڈ اسپیکر کے ذریعے وہ تمام باتیں سنتی رہی تھیں۔ فلک ناز نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ آدھا بچہ مل گیا ہے۔''

دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ ''میرا مطلب ہے، خیر خیریت کا خط آتا ہے تو کہتے ہیں، آدھی ملاقات ہو گئی۔ اشعر کی خیریت معلوم ہو چکی ہے۔ اللہ اسے سلامتی سے یہاں لے آئے۔''

اسما نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ وہ اجنبی دشمن نہیں ہے، کسی بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کر رہا ہے، خدا کو حاضر و ناظر جان کر اسے ہماری امانت کہہ رہا ہے تو پھر اسے ہمارے پاس کیوں نہیں پہنچا رہا ہے؟''

ابھی یہ بات کسی کو سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔ میں عروج کی ہتھیلی پر آگیا۔ اسی وقت موبائل کا بزر بولنے لگا۔ ہر آہٹ پر، ہر آواز پر اسی کا گمان ہوتا تھا۔

اس نے فوراً ہی فون کو اٹھا کر نمبر پڑھے۔ وہی نمبر تھے۔ جنہیں عینی کے سامنے پڑھتے ہی فون بند کرتی رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ تنہائی تھی۔ اس نے بٹن کو دبا کر اسے کان سے لگایا پھر دھڑکنوں کے شور میں کہا۔ ''میں بول رہی ہوں۔''

''جب میں بولتا ہوں تو نہیں بولتیں۔ فون بند کر دیتی ہو۔ میری بھگوڑی دلہن! کہاں تک بھاگتی رہو گی؟''

''تمہاری دلہن عینی ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کل سے نہ اس کے پاس آرہے ہو، نہ اسے اپنے پاس بلا رہے ہو۔ تمہیں اس کے دکھ درد کا احساس ہونا چاہیے۔ وہ کل سے رو رو کر بے حال ہو رہی ہے۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا وہ میرے لیے رو رہی ہے؟''

''اور کس کے لیے روئے گی؟''

''جھوٹ مت بولو۔ وہ میرے لیے نہیں۔ کسی اور کے لیے پریشان ہے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ اشعر کہیں گم ہو گیا ہے؟''

''کیوں نہیں؟ وہ میری بیوی ہے۔ تمہاری ضد نے مجھے اس سے دور کر دیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے اس گھر میں ہونے والی ٹریجڈی کا علم ہے۔''

''معلوم ہوتے ہوئے بھی تم اس کی دل جوئی کے لیے نہیں آئے۔''

وہ بولا۔ ''تم نے فرمائش کی تھی کہ میں اس کا دل نہ دکھاؤں۔ اسے اپنی ذات سے محروم نہ رہنے دوں اور تم دیکھ رہی ہو کہ میری دوری کے باوجود اسے اپنی محرومی کا شدت سے احساس نہیں ہے۔ اس کی ساری توجہ اور سارے جذبات اس بچے کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔ یوں سمجھو کہ میں نے تمہاری فرمائش پوری کی ہے۔ اسے اپنی ذات سے محرومی کے احساس میں مبتلا نہیں ہونے دے رہا ہوں۔''

پاشا کان سے فون لگائے بول رہا تھا اور کھڑکی سے کمرے کے اندر دیکھ رہا تھا۔ اشعر فرش پر بیٹھا ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے ایک چھوٹی سی کار کو چلا رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

پاشا نے کھڑکی کی طرف سے پلٹ کر فون پر کہا۔ ''عروج! میری جان! میں ثابت کر رہا ہوں عینی کے جذبات بچے کے لیے ہوں یا کسی کے لیے ہوں۔ وہ بدل سکتے ہیں۔ لیکن میرے جذبات صرف تمہارے لیے ہیں اور تمہارے لیے ہی رہیں گے۔''

وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''جب تک تم دلہن بننے کے لیے میرے پاس نہیں آؤ گی تب تک تمہاری وہ دلہن سہیلی ایک بچے کے معاملے میں الجھی رہے گی۔ اگر سہیلی سے محبت ہے اور چاہتی ہو کہ اس کی الجھن ختم ہو جائے تو دلہن بن کر میری زندگی میں آ جاؤ۔ بچہ اسے مل جائے گا۔''

وہ ایک دم سے چونک کر بولی ''یہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا اشعر تمہارے پاس ہے؟''

''ہاں۔ اگر یہ بات کسی سے کہو گی تو میں اغوا کرنے والا مجرم کہلاؤں گا۔ اگر چاہتی ہو کہ مجرم کہلاؤں تو ابھی سب سے کہہ دو۔ اور اگر یہ چاہتی ہو کہ میری بدنامی نہ ہو اور بچہ عینی کو مل جائے تو کل صبح دس بجے میری دلہن بننے کے لیے سول کورٹ کے سامنے پہنچ جاؤ۔ نو مور آرگومنٹس۔ دیٹ آل......''

پاشا نے فون بند کرنے کے لیے اس کا بٹن یوں د[بایا] جیسے عروج کی آواز دبا رہا ہو۔

☆☆☆

آکاش کے پاؤں تلے جیسے انگارے بچھ گئے تھے۔ ایک جگہ ٹھہر نہیں پا رہا تھا۔ شہباز کی یہ یقین دہانی اسے تڑپا ر[ہی] تھی کہ نیلماں بارڈر کے اس پار زندہ ہے اور شمشیر خان (شہباز) کی کسٹڈی میں ہے۔

جب آکاش کا پلڑا بھاری تھا تب وہ شہباز کو دردانہ [کی] آواز نہیں سناتا تھا، اسے ترساتا تھا۔ تڑپاتا تھا۔ اب شہباز [کا] پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔ وہ آکاش کو اس کی نیلماں کی آواز نہیں سنا رہا تھا۔ اسے ترسا رہا تھا، تڑپا رہا تھا۔

اس نے غصے سے ایک گلدان اٹھا کر کھڑکی کے شیشے [پر] دے مارا۔ شہباز کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ کتے کا بچہ اس[ے] ایک ذرا سی آواز سنا دیتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا؟ مجھے ایک [نئی] زندگی مل جاتی۔ پورا یقین ہو جاتا کہ وہ اس دنیا میں ہے او[ر] میرے لیے سانسیں لے رہی ہے۔''

شیشے کے ٹوٹنے کی آواز دور تک گئی تھی۔ بڑا بھا[ئی] پرکاش تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ کھڑکی کے ٹو[ٹے] ہوئے شیشے کو اور بھائی کے بگڑے ہوئے تیور کو دیکھ [کر] بولا۔ ''کیا پاگل ہو گیا ہے؟ کیا اس طرح نیلماں تجھے [مل] جائیگی؟''

وہ چیخ کر بولا۔ ''پھر کیسے ملے گی؟ اسے فون پر کہا [گیا] ہے کہ ہم بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ کی آواز سنائیں گے [اور] سات گھنٹے گزر چکے ہیں۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ادھر سے ادھر جاتے ہو[ئے] بول رہا تھا۔ ''اگلے پانچ گھنٹوں کے اندر میں نے اس کتیا ک[ی] آواز اسے نہ سنائی تو وہ میری نیلماں کے ساتھ بہت [برا] سلوک کرے گا۔ اس کی عزت سے اور اس کی زندگی سے کھیل سکتا ہے۔''

پرکاش پریشان ہو کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس [نے] کہا۔ ''پرابلم یہ ہے کہ تو نیلماں کو زندہ سمجھ رہا ہے۔ اور د[وسرا] دشمن اس کی زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دے رہا ہے۔ تجھے الو [بنا] رہا ہے اور تو بن رہا ہے۔''

''مجھے وہ نہیں، آپ الو بنا رہے ہو۔ آپ نے کہا تھا بارہ گھنٹے کے اندر دردانہ میرے پاس آ جائے گی۔ کہاں [ہے]......؟''

''ہمارے آدمی اسے لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نانا [بھائی] بہار صوبے کا بپھرا ہوا شیر ہے۔ شیر کے منہ سے لقمہ چھین [کر] لانا آسان نہیں ہوتا۔ تھوڑا بہت سمے تو لگے گا۔''

''میں پوچھتا ہوں، اسے واپس لانے میں ناکامی ہوئی [تو ک]یا ہوگا؟''

پرکاش فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ [کر]تے ہوئے بولا۔ ''نانا بھائی کے سامنے یہاں کے غنڈوں [اور] موالیوں کی نہیں چلے گی۔ مجھے وہاں کے پولیس والوں کو [ر]ازداری سے کام میں لانا ہوگا۔''

وہ صوبہ بہار کے ایسے پولیس والوں سے رابطہ کرنے لگا [جو پس] پردہ غیر قانونی طور پر اس کے کام آتے تھے اور اس کی [ماہ]انہ ضرورتیں پوری کرتے تھے۔

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ نانا بھائی نے سی ایل آئی پر [شہ]باز درانی کے نمبر پڑھے پھر برا سا منہ بنا کر اسے کان سے [لگا]تے ہوئے کہا۔ ''ہاں...... بولو! کیا میرا کام ہو گیا؟''

''کام کرنے یا کرانے کے لیے ذرا صبر سے کسی کی کال [سننا] چاہیے۔ پچھلی بار تم نے مجھے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا اور [فون] بند کر دیا۔''

''میں دوٹوک بات کرنے کا عادی ہوں۔ کام ہوا یا [نہیں]......؟ اگر نہیں ہوا تو میں وقت ضائع نہیں کرتا۔''

''ہونے اور نہ ہونے کے درمیان بھی کچھ اہم باتیں [ہوتی] ہیں۔''

[''ا]گر کوئی اہم بات ہے تو بولو؟''

''آکاش اور اس کے بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ [بارہ] گھنٹے کے اندر اپنے گھر سے دردانہ کی آواز مجھے سنائیں [گے]۔ ایک ذرا عقل سے سوچو! وہ ایسا کرنے کے لیے دردانہ کو [تم] سے چھین لانے کی سازشیں کر رہے ہوں گے۔ میں نہیں [چاہ]تا کہ تم غفلت میں دھوکا کھا جاؤ۔''

''مجھے ان کی سازشوں سے آگاہ کرنے کا شکریہ۔ کوئی [میرے] خفیہ اڈے سے ایک تنکا بھی لے جانے کی جرأت نہیں [کرسک]تا۔ تم دردانہ کی فکر نہ کرو۔ میں نے زبان دی ہے۔ اسے [تمہ]ارے پاس پہنچاؤں گا۔ تم اپنی زبان کا پاس رکھو۔ بچہ کب [میر]ے حوالے کر رہے ہو؟''

شہباز نے کہا۔ ''وہ بچہ میرے لیے اور اپنے گھر والوں [کے] لیے بھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ [اسے] کس نے اغوا کیا ہے؟ اپنی ایکس وائف کو سمجھاؤ کہ موجودہ حالات میں ذرا صبر کرے۔ بچہ اسے ضرور ملے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں اسے سمجھاؤں گا۔ وہ صبر کرے گی مگر یہ عورت میرے پاس تمہاری امانت ہے۔ میں اس امانت کا بوجھ اٹھاتا نہیں پھروں گا۔ جتنی جلدی ہو سکے لین دین کا یہ معاملہ ختم کرو۔''

اس نے فون بند کر دیا۔ شہباز پریشان ہو کر اپنے فون کو تکنے لگا۔ اس وقت ایک ہی فکر لاحق تھی کہ دردانہ نانا بھائی کی پناہ سے نکل کر پھر آکاش کے شکنجے میں چلی جائے گی تو کیا ہوگا؟

وہ رات کانٹوں میں بسر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی دانست میں ایک محفوظ جگہ پر تھا۔ پورے یقین کے ساتھ وہاں کچھ وقت گزارنے آیا تھا کہ کوئی دشمن اس کے سائے تک بھی نہیں پہنچ پائے گا۔ اس یقین کے باوجود اس کی آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ سوئے گا تو بدترین حالات اسے ہمیشہ کے لیے سلا دیں گے۔ چھٹی حس ہمیشہ درست کہتی ہے۔ اچانک ہی اس کا موبائل فون چیخنے لگا۔ اس نے سی ایل آئی میں نمبر دیکھے فون کی ننھی سی اسکرین پر نئے نمبر دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی پہلی بار اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگا کر پوچھا۔ ''ہیلو! کون؟''

ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''میں سی آئی اے کا ایک مقامی ایجنٹ بول رہا ہوں۔ ہیڈ کوارٹر نے تمہاری زندگی کی بقیہ سانسوں کو میرے نام کر دیا ہے۔ اس لمحے سے تمہاری کوئی بھی سانس آخر سانس ہو سکتی ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''ڈرامائی مکالمے بڑے اچھے انداز میں بول لیتے ہو۔ اینی وے، میں جہاں ہوں۔ وہاں تم اپنی آخری سانس تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔''

''ہم موت کے ہرکارے تقریباً پہنچ چکے ہیں۔ تم اس وقت شہر کے ایک پسماندہ علاقے سرجانی ٹاؤن میں ہو۔''

شہباز کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ فوراً ہی ایک ہاتھ سے ریوالور نکال کر تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اس کے ایک پٹ کو ذرا سا کھول کر رات کی تاریکی میں حدِ نظر تک دیکھنے لگا۔

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ ''چپ کیوں ہو؟ کیا ہوش اڑ گئے؟''

وہ بولا۔ ''بڑی خوش فہمی ہے تم لوگوں کو، جہاں تم کہہ رہے ہو۔ میں اس علاقے میں نہیں ہوں۔''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”کھڑکی بند کردو گولیاں چلنے والی ہیں۔“

اس نے ایک دم سے گھبرا کر زور دار آواز کے ساتھ کھڑکی بند کر دی۔ فون سے آواز ابھری۔ ”شاباش! اچھے بچوں کی طرح بات مان لیتے ہو۔ اب دوسری بات مانو۔ دروازہ کھولو اور باہر نکل آؤ۔ چار دیواری کے اندر مرو گے تو گھٹن سی ہوگی۔“

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ رات کے سناٹے میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ دروازے کو جیسے دھچکا سا لگا۔ وہاں گولی آکر لگی تھی۔ فون سے آواز ابھر رہی تھی۔ ”آؤ۔ آجاؤ...... آخری بار کھلی فضا میں ایک سانس لے لو۔ چلو ہم تمہیں باہر نکلتے ہی بھاگنے کا موقع دیں گے۔ اس آخری موقع سے فائدہ اٹھا لو۔ آؤ باہر آجاؤ......“

وہ فون کو بند کر کے اسے جیب میں رکھتے ہوئے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں دوڑتا ہوا آیا یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ پچھلے دروازے سے فرار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ادھر پہنچتے ہی متواتر تین چار گولیاں چلیں۔ چند سیکنڈ تک پچھلا دروازہ لرزتا رہا۔ اسے یقین ہو گیا کہ مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔

وہ جیسے پنجرے میں بند ہو گیا تھا۔ یقین ہونے لگا کہ آخری وقت آگیا ہے نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن......

وہ نہیں جانتا تھا کہ دشمن کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ دروازہ کھول کر بھاگتا تو اندھی گولیاں آکر اس کی زندگی کو چاٹ جاتیں۔ وہاں چار دیواری میں رہتا، تب بھی مارا جاتا۔ بس اتنا ہوتا کہ اندر رہ کر کچھ دیر تک جوابی فائرنگ کرتا رہتا۔ کچھ دیر تک جی لیتا۔ انجام آخر کار موت تو تھی ہی تھی۔

وہ مکان کی اندرونی سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر آگیا۔ وہاں پہنچتے ہی دو سمتوں میں دو فائر کیے۔ جواباً آگے پیچھے دائیں بائیں سے گولیاں چلنے لگیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا کہ منظم حملہ ہو رہا ہے۔ اس کے پاس محدود تعداد میں گولیاں تھیں۔ یہ گولیاں چند منٹوں میں ختم ہونے والی تھیں۔ اس کے بعد کیا ہوتا؟

وہی ہوتا جو ایسے وقت میں ہوتا ہے۔ وہ موت کا یقین ہونے کے باوجود زندگی کے لیے لڑ رہا تھا۔ یہ امید تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر علاقے کے تھانے والے مدد کو آسکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسے منظم حملے کے وقت تھانے والوں کو بھی خرید لیا جاتا ہے۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر فائر کر رہا تھا تاکہ دشمن مکان کے قریب نہ آسکیں۔ ایسے وقت اسے اپنی ایک بہت بڑی غلطی سمجھ آرہی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ سی آئی اے والے محکمہ مواصلاتی اور الیکٹرانک آلات کے ذریعے فون پر ہونے والی گفتگو کیچ کر کے ریکارڈ کر لیتے ہیں۔

بظاہر یہ بات ناقابلِ یقین لگتی ہے کہ جاسوسی آلات کے ذریعے موبائل فون سے ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی جاتی ہے۔ لیکن، یہ موجودہ دور کی ناقابلِ انکار سائنسی حقیقت ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ موبائل فون میں جی ایس ایم ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے۔ سی آئی اے نے تمام موبائل فون ٹیکنالوجی کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے موبائل فون ہر سیٹ میں ایسے باریک آلات نصب کرائے ہیں جن کے ذریعے کسی بھی جی ایس ایم موبائل فون پر ہونے والی گفتگو سی آئی اے کے ریکارڈ روم میں سنی جاسکتی ہے اور ریکارڈ کی جاسکتی ہے۔

فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بہت بڑی غلطی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور جواباً فائر کر رہا تھا۔ اسے یہ باتیں یاد آرہی تھیں کہ فون سے ہونے والی گفتگو کس طرح ریکارڈ کی جاتی ہے؟ ایک اور اہم آلے کا نام ٹی ایکس (TX) ہے۔ اس چھوٹے سے آلے کو مطلوبہ ٹیلی فون کے تار سے کہیں بھی نزدیک منسلک کر دیا جاتا ہے۔ اس ننھے سے آلے کے ذریعے اس کمرے میں ہونے والی کسی کی بھی گفتگو سنی جاسکتی ہے، جہاں وہ ٹیلی فون رکھا ہوتا ہے۔

امریکا کی جانب سے بے شمار ایسے مصنوعی سیارے خلا میں بھیجے گئے ہیں جن میں سماعتی آلات نصب کیے گئے ہیں۔ ان سیاروں کے ذریعے دنیا کے کسی حصے سے بھی فون پر ہونے والی گفتگو کو باآسانی مطلوبہ ریکارڈ روم تک پہنچایا جاتا ہے۔ اب تو اتنی آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں کہ جس مقام سے موبائل فون کے ذریعے گفتگو کی جاتی ہے اس مقام کا سراغ مل جاتا ہے۔

اسی طرح سی آئی اے والوں کو شہباز درانی کی خفیہ پناہ گاہ کا سراغ مل گیا تھا۔ دشمنوں کو اس طرح اپنے دروازے تک پہنچانے میں شہباز کی اپنی غلطی تھی۔ نہ وہ دروانہ کے گھر میں آکاش اور نانا بھائی سے فون پر گفتگو کرتا اور نہ سی آئی اے والوں کو اس کی شہ رگ تک پہنچنے میں اتنی آسانی ہوتی۔

ایک فائر کی آواز گونجی، ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اس کے بازو کے گوشت میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئی۔

...حلق سے ایک کراہ نکلی۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر چھت کی ...منڈیر سے ٹکراتا ہوا نیچے چلا گیا۔

وہ ریوالور ایسے چھوٹ گیا جیسے وفا کا فریب کرنے والے ...ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اب مقابلہ کر کے تھوڑی دیر ...زندگی حاصل کرتے رہنے کی امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ ...نے والوں سے پہلے ہی امید نہیں تھی۔ علاقے کے لوگ ...سلسل فائرنگ سے دہشت زدہ ہو کر اپنے اپنے گھروں میں ...بکے ہوئے تھے۔

آخری وقت کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔ نگاہوں کے ...نے دروانہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہی اس کی زندگی کی اول ...اور وہی آخر تھی۔ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ کہہ رہی ...۔ ”آؤ! میرے زانو پر سر رکھو۔ آسانی سے دم نکل جائے ...“

اس نے منڈیر سے ذرا سر اٹھا کر دیکھا مسلح دشمن محتاط ...از میں مکان کی طرف آرہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ...ین پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر کہا۔ ”یہ اس کا ہتھیار ...۔ وہ نہتا ہو چکا ہے۔“

دوسرے نے کہا۔ ”اب ہم اندر جاسکتے ہیں۔“

تیسرے نے کہا۔ ”نہیں...... پہلے اسے باہر بلاؤ۔ نہیں ...ے گا تو اندر جا کر گولی ماریں گے۔“

پھر ایک نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر آواز دی۔ ”ابے ...نی کتے! اب تو تجھے باہر آنا ہی ہوگا۔ نہیں آئے گا تو......“

اس نے اپنی گن کا رخ چھت کی طرف کرتے ہوئے ...لی چلائی۔ اس کے ساتھ ہی رات کی تاریکی میں دوسری ...لی آئی چھت کی طرف فائر کرنے والے کے حلق سے ایک ...نکلی وہ اچھل کر زمین پر گرا پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

اس کے تمام ساتھی بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ موت ...ا ہے تو سانس لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ اچانک ہی کئی ...راف سے تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ مکان ...کے آس پاس کھڑے ہوئے دشمن چیخنے لگے۔ کچھ گولی کھا کر ...رنے لگے۔ کچھ اپنی سلامتی کے لیے بھاگنے لگے۔

شہباز کبھی کبھی منڈیر کے پیچھے سے سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ ...انی سے سوچ رہا تھا کہ اتنے سارے مددگار کون ہیں؟ ...اچانک کہاں سے آگئے ہیں؟

وہ اپنے زخم کی تکلیف بھول گیا تھا۔ وہ آنے والے جو ...ا تھے۔ اس کے دشمنوں کے دشمن تھے۔ اس کی موت بن کر آنے والوں کی موت بن رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان صاف ہو گیا۔ مکان کے اطراف پانچ چھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ باقی حملہ آور دم دبا کر بھاگ گئے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے فائرنگ کی جس قدر آوازیں گونجتی رہی تھیں اب اسی قدر سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ منڈیر سے سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ دور تک تاریکی، خاموشی اور ویرانی تھی۔ نہ کوئی بندہ تھا، نہ بندے دی ذات تھی۔ اس کی مدد کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، فرشتوں نے آسمان سے فائرنگ کرتے ہوئے اس کے دشمنوں کو بھگا دیا ہے۔

پھر آسمان کی بلندی سے آواز گونجنے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک ہیلی کاپٹر کی سگنل لائٹ جلتی بجھتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اوپر سے ایک سرچ لائٹ روشن ہو گئی۔ گردش کرتے ہوئے پنکھے سے دور تک آندھی طوفان کی طرح ہوائیں چلنے لگیں۔

مکان کے قریب ایک کھلا میدان تھا، ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ وہاں اتر رہا تھا۔ موبائل فون کا بزر چیخنے لگا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا، چھوٹی سی اسکرین پر نمبر پڑھے، وہ یہودیوں کی خطرناک تنظیم پی ٹو کے خفیہ نمبر تھے۔

وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر خوشی سے چیخ پڑا۔ ”آئی ہیو دن......“

اس نے فون کو کان سے لگایا۔ وہاں سے ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ ”مسٹر شہباز درانی! وی آر فرام دی گریٹ پی ٹو۔ کم آن، ہری اپ......“

اس کے اندر جیسے بجلی بھر گئی تھی۔ خوشی کے مارے سیڑھیاں اترنا بھول گیا۔ وہیں چھت کی منڈیر سے چھلانگ لگا کر نیچے آیا پھر دوڑتا ہوا ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔

وہ اپنے مقدر کی لکیر پر دوڑتا جا رہا تھا۔ میں کیا ہوں؟

اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں۔ میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں

وہ شخص دھوپ سے بچاتا ہے
اپنے سائے میں پھر جلاتا ہے

عروج اس شخص کی دیوانگی میں جل رہی تھی۔ اس دیوانے کی دھوپ ایسی تھی کہ دور دور تک سایہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ عینی کو اس کی خوشیاں اس کے حقوق دینے کے لیے اس منہ زور لہر کا رخ سہیلی کی طرف پھیرتی رہتی تھی۔

دروازے اور کھڑکیاں بند کر دینے سے ہوا رکتی نہیں ہے' اور دیوانی ہو کر بند دروازوں اور دریچوں کو جھنجوڑتی رہتی ہے۔ رکاوٹوں سے سر ٹکرانے لگتی ہے۔ وہ بھی عروج کی طرف سے مسلسل نظر انداز کیے جانے پر بپھر گیا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ عینی عروج کی دکھتی رگ ہے۔ اس پر ایک انگلی بھی رکھے گا تو عروج تڑپ جائے گی اور اس نے یہی کیا تھا۔ عینی کو اشعر کے معاملے میں الجھا دیا تھا۔

عروج سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ دیوانہ ایسی جارحیت پر بھی اتر سکتا ہے۔ اس وقت وہ موبائل فون ہاتھ میں لیے گم صم کھڑی تھی۔ کانوں میں ابھی تک پاشا کی آواز ابھر رہی تھی۔

''جب تک تم دلہن بننے کے لیے میرے پاس نہیں آؤ گی' تب تک تمہاری سہیلی کو اشعر کی جدائی کچوکے لگاتی رہے گی۔ اگر سہیلی کو اس عذاب سے نجات دلانا چاہتی ہو' اس کی تمام الجھنیں ختم کرنا چاہتی ہو تو دلہن بن کر میری زندگی میں آ جاؤ۔ بچہ اسے مل جائے گا.....''

محبوب کتنے غلط طریقے سے لیکن کتنی دیوانگی اور پیار کی سچائی سے اپنے پاس بلا رہا تھا؟ وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ محبوب کی بانہوں میں جانا چاہتی تھی مگر عینی کی خاطر اپنا من مار رہی تھی۔ آئندہ اپنے آپ کو بھی مار سکتی تھی سب کچھ ہار کر بھی سہیلی کا حق نہیں مارنا چاہتی تھی۔ یہ بھی کیسی ناکامی تھی کہ ایسی قربانیوں کے بعد بھی وہ عینی کو ایک سہاگن کی بھرپور خوشیاں نہیں دے پا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ فون کا رابطہ بڑی دیر پہلے ختم ہو چکا تھا لیکن پاشا کی آواز رہ رہ کر کانوں میں گونج رہی تھی۔ ''اشعر میرے پاس ہے۔ اگر یہ بات کسی سے کہو گی تو میں اغوا کرنے والا مجرم کہلاؤں گا۔ اگر چاہتی ہو کہ مجرم کہلاؤں تو ابھی سب سے کہہ دو اور اگر یہ چاہتی ہو کہ میری بدنامی نہ ہو اور بچہ عینی کو مل جائے تو کل صبح دس بجے میری دلہن بننے کے لیے سول کورٹ کے سامنے پہنچ جاؤ۔ ٹومورو آر گو منتھس۔ دیٹس آل.....''

اس نے ایکدم سے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنانے لگی۔ دماغ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

جب سے عینی کی شادی ہوئی تھی' وہ پاشا کو خود سے دور کر کے لیے سو جتن کر چکی تھی۔ اس وقت بھی اس سے کہیں جانے کے لیے فرار کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ کے رویے نے سمجھا دیا تھا کہ چت بھی اسی کی ہے اور پٹ اسی کی.....

اگر وہ اس کے مطالبے کے مطابق کل صبح دس بجے کورٹ نہ پہنچتی تو عینی کو نہ اشعر ملتا اور نہ ہی شوہر ملتا۔ اگر وہ کی خوشیوں کی خاطر اس کا مطالبہ پورا بھی کر دیتی تو مطلب یہ ہوتا کہ عینی کو بچہ تو مل جاتا لیکن وہ اس کی سوکن جاتی۔ اور وہ مرتے دم تک ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے چھین لینے کا الزام اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ کوئی مجبوری سی تھی۔ پاشا نے جس طرح اسے الجھایا تھا اس کا حل صرف صرف شادی تھا۔

اس نے موبائل فون اٹھا کر پاشا کے نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی ''بولو.....''

اس نے بڑی افسردگی سے کہا۔ ''کیا بولوں؟ تم مجھے کچھ کہنے سننے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔ کیا میرے نہیں سکتے؟''

''کیا تم عینی کے بغیر نہیں جی سکتیں؟''

عروج کوئی جواب نہ دے سکی۔ وہ بولا۔ ''کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ لیکن میں مر جاؤں گا اور سوچو۔ جب میں نہ رہوں گا تو اپنی سہیلی کو کیسے خوشیاں دو گی؟ اس کی خوشیاں سے منسوب ہیں اور میری تم سے..... ہم مثلث کے تین ہیں۔ ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ جدا نہیں ہو سکتے۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔ ''تم مجھے کیوں الجھا رہے ہو؟''

''الجھنیں چٹکی بجاتے ہی دور ہو جائیں گی۔ تم عینی سے محبت کرو۔ میں نے کی۔ تم نے کہا اس کے ازدواجی زندگی گزارو۔ میں نے گزاری۔ مگر تم رکاوٹ بن رہی ہو۔ تمہاری ایک ہاں سے سہیلی کو اس کا گم شدہ شوہر ا مل سکتا ہے۔''

''محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور بلیک میلنگ کر رہے ہو؟''

''مجھے یہ سب کرنے پر کس نے مجبور کیا ہے؟ اس بازی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم چاہو تو سہیلی کو خوشیاں دے ہو۔ تم چاہو تو مجھے مجرم ٹھہرا سکتی ہو۔ تم چاہو تو ہم تینوں خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔''

''مجھے کٹھ پتلی بنا کر ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ کر کہہ رہے

میرے ہاتھ میں ہے؟'' پھر ذرا توقف سے بولی۔ ''میرے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں ہے پاشا.....!''

وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ''کیوں خالی ہاتھ رہنا چاہتی ہو؟ جب تک میرے نام سے منسوب نہیں ہو گی۔ تمہاری قربانی کسی کام نہیں آئے گی۔ سہیلی اپنی زندگی گزار رہی ہے تمہیں بھی اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔''

''اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''یہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔ تم بھی اپنے لیے جی رہی ہو۔ اپنے طور پر فیصلے کرتی رہتی ہو۔ سہیلی کی حمایت میں سوچتی رہتی ہو۔ میں پوچھتا ہوں' کیا اس کا شوہر بنا دینے سے تمہارے دل سے میری محبت ختم ہو گئی ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ بولا۔ ''دیکھو عروج! مجھے عینی سے نفرت نہیں ہے۔ وہ اچھی ہے۔ میری بیوی ہے۔ میں تم سے کیا ہوا وعدہ نبھاؤں گا۔ اسے محبتیں دیتا رہوں گا بشرطیکہ تم میری ہو جاؤ۔''

''میں تمہاری بات مانوں گی' مگر تم نے مجھے اپنانے کے لیے بہت ہی غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔ جنگ میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ پلیز اشعر کو عینی کے پاس پہنچا دو۔''

''یہ دیکھ رہی ہو کہ میں نے ایک بچے کو اغوا کیا ہے۔ یہ نہیں سوچ رہی ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں کس کی وجہ سے ایسی مجرمانہ حرکت کر رہا ہوں؟ کسے پانے کے لیے ایسے راستے پر چل رہا ہوں؟''

''وہ سب ٹھیک ہے۔ مگر.......''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ ایک بات کہہ چکا ہوں۔ تم میری زندگی میں آؤ گی تو میں عینی کی زندگی میں جاؤں گا۔ ورنہ اسی طرح اسے بھٹکاتا رہوں گا۔ ایک شوہر کی محبت' اپنائیت اور توجہ کے لیے تڑپاتا رہوں گا۔''

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔ وہ بولا۔ ''کل صبح ہماری شادی ہونے والی ہے۔ ہمیں اچھی باتیں کرنی چاہئیں۔ تمہارا سہاگ کا سرخ جوڑا اس وقت میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس کا شوخ رنگ تمہاری زندگی میں شوخیاں بھر سکتا ہے۔ خود کو ایک سہاگن کی خوشیوں سے محروم نہ کرو۔ عروج!''

وہ ایسے بول رہا تھا کہ سیدھا دل میں اتر رہا تھا۔ ان لمحوں میں وہ تھوڑی دیر کے لیے عینی کو بھول گئی۔ ''سہاگ۔ سہاگنا۔ ازدواجی خوشیاں.....'' دل جذبوں کے ہجوم میں ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''ایک بے جان تصویر بھی تکمیل کے مرحلوں سے گزر کر شاہکار بنتی ہے۔ تمہاری تکمیل میں کروں گا..... میں.....''

وہ آنکھیں بند کیے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ تصور میں کتنے ہی پھول کھلنے لگے تھے۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے تو ہوتے ہی ہیں۔ اسے جیسے کسی کانٹے نے چھو لیا۔ اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ گہری گہری سانسوں کے درمیان کہنے لگی۔ ''پلیز پاشا! مجھے مت بہکاؤ.......''

اس نے کہا۔ ''جب تک بہکاؤں گا نہیں۔ تم سیدھے راستے پر نہیں چلو گی۔ میری جان! خوشیاں بانٹو لیکن ایسے کہ اپنا دامن بھی خالی نہ رہے۔ میں تمہیں مسرتیں دوں گا اور تمہارے توسط سے عینی کو بھی ایک شوہر کی بھرپور محبت ملتی رہے گی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''میں جانتی ہوں' تم میرے ہو کر سب کچھ بھول جاؤ گے۔''

''ایسا نہیں ہو گا.....''

وہ آگے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک ہونے لگی۔ عینی کی آواز سنائی دی۔ ''عروج...! عروج! دروازہ کھول.....''

وہ ایسے گڑبڑا گئی۔ جیسے سہیلی نے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ پاشا کو کوئی جواب دیے بغیر فون آف کر کے اسے بیگ میں رکھتے ہوئے زور سے بولی۔ ''ہاں۔ آ رہی ہوں۔ ابھی دروازہ کھولتی ہوں۔''

اس نے فوراً ہی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے بالوں کو ہلکا سا گیلا کیا پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ عینی کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''آدھے گھنٹے کا کہہ کر گئی تھی۔ ایک گھنٹا لگا دیا اور یہ تیرے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ کیا بات ہے؟''

وہ فوراً اس کی طرف سے پلٹ کر تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''وہ۔ کچھ نہیں۔ ہاں۔ وہ میں اپنی گولڈ رنگ کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں۔ اسے ہی ڈھونڈ رہی تھی۔''

اس کے ہاتھ تولیے کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً ہی اپنی انگوٹھی اتار کر مٹھی میں دبا لی۔ عینی نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''اوہو۔ سونے کا گم ہونا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر نہیں اتاری تھی تو یہاں سے کہاں جائے گی؟ یاد کر۔ تو نے پہنی بھی تھی یا نہیں؟''

وہ بولتی جا رہی تھی اور واش روم کے اندر آ کر اسے تلاش کر رہی تھی۔ عروج نے اس سے آنکھ بچا کر انگوٹھی کو واش بیسن پر رکھ دیا۔ پھر تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''اتنی پریشان نہ ہو۔ وہ ابھی نہ سہی' بعد میں مل جائے گی۔ میں تجھ سے

لے لوں گی۔"

عینی مسکراتے ہوئے بولی۔"اور اگر میری نیت بدل گئی تو......؟"

اس نے اسے بڑی محبت سے دیکھ کر کہا۔"تو وہ تیری انگلی میں سج جائے گی۔"

عینی ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی۔اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی۔"ایسا نہیں ہوتا۔پرائی چیز پرائی ہی رہتی ہے۔ اب دیکھ ناں۔تیرا محبوب میرا شوہر بن گیا ہے۔مگر میری زندگی میں فٹ نہیں ہو رہا ہے۔کیسا اَن فٹ شوہر ملا ہے۔"

عروج نے بڑے صدمے سے اسے دیکھا۔ایسے ہی وقت وہ واش بیسن کی طرف دیکھ کر بولی۔"مل گئی......"

وہ آگے بڑھ کر انگوٹھی اٹھا کر عروج کی انگلی میں پہناتے ہوئے بولی۔"کبھی کبھی چیزیں بھی آنکھ مچولی کھیلتی ہیں۔نظر کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتیں۔میرا شوہر بھی مجھ سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔"

عروج اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔"کب تک کھیلے گا؟وہ پتنگ کی طرح ہے۔تیری ڈور سے بندھا ہے۔ تیرے پاس ہی آئے گا۔"

عینی نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔پھر کہا۔ "ڈور کٹ جائے تو پتنگ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔لگتا ہے میرے ہاتھ کی ڈور کٹنے ہی والی ہے۔"

وہ سہیلی سے نظریں چرانے لگی۔عینی تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس کے ساتھ واش روم سے باہر آتے ہوئے بولی۔"پاشا کی بے مروتی تو روٹین بن گئی ہے۔میں تجھے یہ بتانے آئی تھی کہ نیچے جاوید صاحب آئے ہوئے ہیں۔"

عروج نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا پھر پریشانی سے کہا۔"جاوید صاحب.....؟ کیا وہ اشعر سے ملنے آئے ہیں؟ کہیں انہیں شبہ تو نہیں ہوگیا ہے کہ اشعر.....؟"

"انہیں شبہ نہیں یقین ہے کہ اشعر کل سے غائب ہے۔"

وہ چونک کر بولی۔"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"پتا ہے۔اشعر کو اغوا کرنے والے نے یہاں کوئی فون نہیں کیا۔جبکہ یہاں کرنا چاہیے۔اس نے جاوید صاحب کو فون پر کہا ہے کہ اشعر اس کے پاس محفوظ ہے۔اس نے اشعر کی جاوید صاحب سے بات بھی کرائی ہے۔"

عینی اور بھی بہت کچھ بتاتی رہی لیکن عروج تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔خیالوں ہی خیالوں میں پاشا کے پاس پہنچ گئی تھی۔بے شک وہ اس کی سہیلی کو پریشانیوں میں مبتلا کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی مطمئن بھی کر رہا تھا۔عینی کے چہرے کا سکون بتا رہا تھا کہ اسے اشعر کی طرف سے اطمینان حاصل ہ ہے۔

عروج نے بڑے پیار سے سوچا۔"وہ دل کا بہت ا ہے میری وجہ سے برا بن گیا ہے۔"

پھر اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔"چلو ا حد تک تو اطمینان ہوا۔ورنہ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ک جاوید صاحب کا سامنا کیسے کریں گے؟"

عینی افسردگی سے بولی۔"پتا نہیں۔پاشا میرا سامنا ک کرے گا؟کب تک مجھ سے دور بھاگتا رہے گا؟ لڑکی آنکھوں میں شادی کے خواب سجاتی ہیں تو ہمہ وقت ایک گھ شوہر کے ساتھ خود کو دیکھتی رہتی ہیں مگر میں کیسی سہاگن ہ شادی کے بعد بھی اپنے گھر اپنے شوہر سے محروم ہوں۔"

عروج اس سے نظریں چرا کر آئینے کے سامنے بناتے ہوئے بولی۔"وہ مجھ سے بھی رابطہ نہیں کر رہا ہے۔ا میں ہی اسے سمجھاتی۔"

"نکاح نامہ زندگی بھر کا ایگریمنٹ ہوتا ہے۔یعنی دلہن عمر بھر ایک ساتھ رہنے اور زندگی کے ہر موڑ پر ہر فیصلے ایک دوسرے کو اہمیت دینے کا عہد کرتے ہیں۔میں اچھی ط سمجھ رہی ہوں۔پاشا کا یہ عہد صرف تحریری طور پر تھا۔دا مجھے دل سے قبول نہیں کریں گے۔"

وہ جلدی سے بولی۔"تو ایسا نہ سوچا کر۔"

"میں سوچ نہیں رہی ہوں۔شکایت کر رہی ہوں۔ بتا!مجھ میں کیا کمی ہے؟میں کس پہلو سے کمزور ہوں؟ایک وہ بھی دور ہوگئی۔اندھیرے چھٹ چکے ہیں۔مگر پاشا ا مجھے اندھیروں میں رکھنا چاہتے ہیں۔میں بیوی ہوں۔ش کرنے کا بھی حق رکھتی ہوں اور لڑنے کا بھی......"

عروج الجھ کر بولی۔"یہ پاشا پتا نہیں کب اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے گا؟"

"ذمہ داریاں صرف سمجھی نہیں جاتیں' سنبھالی بھی جاتی ہیں۔تو نہیں سمجھ سکتی عروج!جب کسی ایک کی وجہ سے دو نظروں سے گرایا جاتا ہے تو دل پر کیسی چوٹ لگتی ہے؟یہ میں ہی سمجھتی ہوں۔"

عروج نے ایکدم سے سر گھما کر اسے دیکھا۔اس اس کی باتیں سمجھا رہی تھیں کہ اب وہ صرف سہیلی نہیں ہے کی بیوی بھی ہے۔ان لمحات میں جیسے اس کے اندر کی بول رہی تھی۔اس نے صاف طور سے نہیں کہا' پھر بھی کہ اب وہ عروج جیسی ہمدرد سہیلی کو اپنے اور پاشا کے معا برداشت نہیں کر رہی ہے۔

وہ اس کے جذبات سمجھ رہی تھی۔اس نے ایک گہری سانس لے کر بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔"اشعر کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا ہے۔اب مجھے جانا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے۔لیکن کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں۔مجھے بھوک نہیں ہے۔یوں بھی اسپتال سے بار بار فون آ رہا ہے۔"

عینی نے کہا۔"پہلے اشعر کے معاملے میں الجھی رہی۔ پھر میرے ساتھ پریشان ہوتی رہی۔اب اسپتال جا کر ڈیوٹی دے گی۔سوری......میں نے تجھے تھکا دیا۔"

"سوری......؟یہ میرے تیرے درمیان سوری کا لفظ کہاں سے آ گیا؟"

عینی نے بات بدلتے ہوئے کہا۔"ابھی اشعر کا معاملہ نمٹا نہیں ہے۔سمجھ میں آ رہا ہے۔میں پاشا کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہوں۔تیرے جانے کے بعد تنہا رہوں گی۔اپنے حالات پر غور کروں گی۔شاید اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر سکوں۔"

عروج اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی،پھر اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔"سوچنا تو مجھے بھی بہت کچھ ہے۔"

وہ تینوں اپنی اپنی تقدیر میں الجھے ہوئے تھے۔ایک دوسرے سے منسوب تھے۔اس لیے ایک دوسرے کی تقدیر پر اثر انداز ہو رہے تھے۔

☆☆☆

یہ بہت ہی گھسی پٹی کہاوت ہے کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے۔بہو کو گھر سے نکالنے کا راستہ ہموار ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔اس کی تقدیر میں آبادی تھی لیکن بیگم آفتاب اپنی تدبیر سے اس آبادی کو بربادی میں بدلنے والی تھی۔

اس کی سہیلی شیریں گل اسے ایک جعل ساز کے پاس لے گئی۔وہ تحریر کا ماہر نقال تھا۔لیکن جب بیگم آفتاب کا مسئلہ سامنے آیا تو اس نے گھبرا کر کہا۔"او گاڈ!آپ فتویٰ بدلوانے آئی ہیں۔میں نے اپنی پوری زندگی میں آج تک کبھی کسی دینی معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالا۔"

بیگم آفتاب نے شیریں گل کو دیکھا پھر اس شخص سے کہا۔"میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔"

وہ بولا۔"دیکھیے بیگم صاحبہ!یہ دینی اور شرعی معاملات بہت حساس ہوتے ہیں۔یہ مانا کہ میں ماہر جعل ساز ہوں۔ زبردست نقال ہوں۔کسی کے بھی تخت کا تختہ کر سکتا ہوں۔ لکھاوٹ بدل کر کسی کو کوٹھی میں اور کسی کو فٹ پاتھ پر لا سکتا ہوں۔مگر فتویٰ بدلنا......"

بیگم آفتاب نے منہ بنا کر شیریں گل سے کہا۔"یہ تم مجھے کس کے پاس لے آئی ہو؟میں پرس میں ایک بھاری رقم کا چیک لیے پھر رہی ہوں۔یہ نہ سہی کوئی اور سہی۔چلو اٹھو۔"

شیریں گل نے اس شخص کو دیکھتے ہوئے کہا۔"کیوں دروازے پر آئی روزی کو لات مار رہے ہو؟وصیت ہو یا فتویٰ۔ تمہیں تو اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے۔"

وہ بولا۔"آپ کسی بھی جعل ساز کے پاس جائیں گی۔ اگر اس کا ضمیر زندہ ہوگا تو وہ مسلمان ہونے کے ناتے ضرور گھبرائے گا۔"

بیگم آفتاب نے ذرا تن کر کہا۔"تم مجھے نہیں جانتے لیکن ایس پی ذیشان کو تو جانتے ہوگے؟"

وہ ایس پی ذیشان کا نام سن کر چونک گیا۔سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔وہ بولی۔"وہ میرا بیٹا ہے۔"

وہ ایک دم سے گڑبڑا کر بولا۔"کیا.....؟"

"ہاں۔تم میرا کام نہیں کرو گے تو میں تمہارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گی۔میرے بیٹے کے ایک اشارے پر تم جیل کی ہوا کھا رہے ہوگے۔دوسروں کے تخت کا تختہ کرتے ہو۔میرا ساتھ دو ورنہ میں تمہارا تختہ کر دوں گی۔"

وہ گھبرا کر بولا۔"میں نے کچھ کیا نہیں ہے اور نہ کر کے پھنسنے والا ہوں۔"

"اب تو حالات یہ ہیں کہ نہ کر کے پھنسو گے اور کر کے بچو گے۔"

شیریں گل نے اس سے کہا۔"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں یہاں سے مایوس نہ جانے دو۔"

وہ ہتھیار ڈالنے کے انداز میں بولا۔"ٹھیک ہے۔میں ان کا کام کر دوں گا لیکن کوشش کریں کہ میرے دیے ہوئے فتوے کو کوئی چیلنج نہ کرے۔ورنہ کسی نے اسے پڑھ کر بال کی کھال نکالی تو میں بری طرح مارا جاؤں گا"

بیگم آفتاب نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔"اسے کوئی چیلنج نہیں کرے گا۔تم بے فکر ہو کر اپنا کام دکھاؤ۔"

کبھی کبھی تقدیر اتنا ظلم نہیں ڈھاتی جتنا انسانی تدبیر ڈھاتی ہے۔دو گھنٹے کے اندر اندر اس جعل ساز نے بڑی مہارت کے ساتھ جعلی فتویٰ تیار کر کے بیگم آفتاب کے ہاتھ میں تھما دیا۔اس کے مطابق اسما اور ذیشان کا ازدواجی رشتہ ختم ہو چکا تھا۔بیگم آفتاب نے اس جعلی فتوے کو بڑے پیار سے اپنے پرس میں رکھ لیا اور اصلی فتوے کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔دل بہو کو دھکے دینے کے لیے مچلنے لگا تھا۔وہ ہواؤں میں اڑتی ہوئی اپنی کوٹھی میں چلی آئی۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر بڑے فاتحانہ انداز میں ذیشان کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ فلک آفتاب بھی وہاں چلا آیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اور اطمینان کو دیکھ کر کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ وہ ساس اور بہو کی جنگ میں میدان مار کر آئی ہے۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے بولی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

وہ دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے چہرے کا اطمینان دیکھ رہا ہوں۔ لگتا ہے' بہو کے قدم اکھاڑنے کے تمام ہتھیار تیز کر کے لائی ہو۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''بہو......؟ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ بہو کا رشتہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ اسے مٹی میں ملنا تھا' وہ مل چکی ہے۔ میں تو آج فاتحہ پڑھانے آئی ہوں۔''

وہ اپنے پرس سے اس جعلی فتوے کی فوٹو کاپی نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی۔ ''لو۔ اسے پڑھو۔''

وہ اسے لے کر پڑھنے لگا۔ وہ بولی۔ ''آج کل کی نوجوان نسل بزرگوں کے تجربوں کو نہیں سمجھتی ہے۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' یہ رشتہ ختم ہو چکا ہے لیکن میری کوئی نہیں مان رہا تھا۔ اب سب سنیں گے اور سب مانیں گے۔''

وہ اس فتوے کو پڑھنے کے بعد بولا۔ ''تعجب ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا' یہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا تو تم آتے ہی واویلا مچاؤ گی۔ اسما کو ایک منٹ کے لیے بھی اس گھر میں ٹکنے نہیں دو گی۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں' تم بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہو؟''

وہ اے سی کی ٹھنڈک کو سانسوں میں جذب کرتے ہوئے بولی۔ ''بہو کا پہاڑ اتر رہا ہے۔ میری ساری بے چینی ختم ہو گئی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے آفتاب! میں اس وقت خود کو کتنا ہلکا پھلکا اور پُرسکون محسوس کر رہی ہوں؟''

''بیگم! میرا خیال ہے' ہمیں ذیشان کو بلا کر بات کرنی چاہیے۔''

''کیا وہ گھر میں ہے؟''

''ہاں۔ اشعر کے معاملے میں سب ہی پریشان تھے لیکن اب کسی حد تک سکون ہو گیا ہے۔''

وہ اسے جاوید برنی کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ فلک ناز نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ ''بھا۔بی! آپ کہاں تھیں؟ دوپہر کے کھانے پر بھی انتظار کروایا۔''

وہ بالوں میں بڑے اسٹائل سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ہماری اسما بیگم بڑی اونچی اڑانیں اڑ رہی تھیں۔ ان کے پر کاٹنے گئی تھی۔''

اس نے فلک آفتاب سے وہ فتویٰ لے کر فلک ناز کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد بھا۔بی اور بھائی کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ فلک آفتاب نے اپنی بیگم سے کہا۔ ''ذیشان کو خبر کر دینی چاہیے۔ ابھی وہ اسما کے ساتھ کمرے میں ہے۔ اب ان کا ایک ساتھ رہنا سراسر بے جا ہے۔''

فلک ناز نے کہا۔ ''ذیشان میاں اپنے کمرے میں ہیں۔ اسما کو تو میں نے مقدر کے ساتھ کہیں باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

بیگم آفتاب نے پوچھا۔ ''وہ کہاں جا سکتی ہے اور وہ بھی مقدر حیات کے ساتھ....؟''

فلک آفتاب نے کہا۔ ''وہ نہیں ہے تو کیا ہوا؟ ہمارے لیے ہمارا بیٹا اہم ہے۔ اس کو بلاؤ۔''

ذیشان کو بلایا گیا۔ وہ ان کے درمیان آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''امی! آپ کہاں تھیں؟ میں آپ کو ایک بہت بڑی خوشخبری سنانے کے لیے بے چین تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میرے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ہٹ چکی ہے۔ اصل قاتل اپنا جرم قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کا سچا بیان مجھے پھانسی کے پھندے سے بچا رہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا فلک! اس کاغذ نے نحوست کے سائے ختم کر دیے ہیں۔''

ذیشان نے کاغذ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے.....؟''

فلک ناز نے وہ فتویٰ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے لگا۔ بیگم آفتاب نے کہا۔ ''تم اپنی ماں کی باتوں کا یقین نہیں کر رہے تھے۔ دیکھو! مفتی صاحب نے کیا لکھا ہے؟''

وہ تحریر پڑھ کر ذیشان جیسے ٹوٹ سا گیا۔ اسما خواب کی طرح ٹوٹتی سی نظر آنے لگی۔ اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''

بیگم آفتاب نے ناگواری سے کہا۔ ''کیوں نہیں ہو سکتا؟ مفتی صاحب نے دینی اور شرعی احکامات کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا ہے۔ کیا تم بیوی کی محبت میں اسے جھٹلانا چاہتے ہو؟''

اس تحریر کے نیچے مفتی صاحب کی مہر اور دستخط دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تصدیق شدہ کاغذ تھا۔ ذیشان اسے جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اس کے دماغ میں جیسے دھواں سا بھر گیا تھا۔

اس نے بڑی افسردگی سے سوچا۔ ''اسما کی ایک غلطی نے یہ کیا کر دیا؟ کیا میاں بیوی کا رشتہ اس قدر نازک ہوتا ہے؟ ہمارے دین میں تو بڑی لچک ہے۔ نیک نیتی ہو تو توبہ اور معافی کے در کھل جاتے ہیں۔ خدا تو اپنے بندوں کی بڑی سے بڑی غلطی معاف کر دیتا ہے۔ کیا ایک عالم صاحب اسما کی ایک چھوٹی سی غلطی کو معاف نہیں کر سکتے؟''

بیگم آفتاب نے بیٹے کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ''میں اس فتوے کو جھٹلا تو نہیں سکتا۔ مگر پتا نہیں کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''ایسا ہوتا ہے بیٹے! جب رشتے ٹوٹتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔''

وہ بولا۔ ''آپ تو بہت خوش ہوں گی؟ بہو کا کانٹا نکل رہا ہے۔''

''کیوں نہیں ہوں گی؟ سب ہی اپنی اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اور تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہاں اسما سے رشتہ ختم ہوا' وہاں تمہاری ساری مشکلیں حل ہو گئیں۔''

فلک ناز نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ یہ تو ہے۔''

فلک آفتاب نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم مانو یا نہ مانو یہ رشتہ ٹوٹتے ہی تمہاری مشکلیں آسان ہو رہی ہیں۔ تمہیں اب تمہارا عہدہ بھی واپس ملنے والا ہے اور نیک نامی بھی........''

وہ بولا۔ ''جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

ماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''تم ان سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ کیا اس فتوے کو غلط سمجھ رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''صحیح اور غلط کا فیصلہ تو وہ کر چکے ہیں۔ میں تو ان سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

بیگم آفتاب تنک کر بولیں۔ ''فضول باتیں نہ کرو۔ پہلے اسما کا بوریا بستر گول کرو۔ پھر مفتی صاحب سے بھی مل لینا۔''

وہ بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' جب اسما اپنی غلطی کی معافی مانگ چکی ہے تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے تم اپنی ماں پر شبہ کر رہے ہو؟''

''میں کسی پر شبہ نہیں کر رہا ہوں۔ ایک سیدھی سی بات کہہ رہا ہوں۔ ہماری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیا گیا ہے۔ میں ان مفتی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اور بس.....''

بیگم آفتاب نے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے کہا ناں.... ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ تم پہلے اسما کو نکالنے کی بات کرو۔''

''اس فتوے کے مطابق اسے تو جانا ہی ہے۔''

عینی نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے ذیشان بھائی........!''

بیگم آفتاب نے جلدی سے عینی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آؤ۔ بیٹی! آؤ۔ تم ہی اسے سمجھا سکتی ہو۔''

وہ دونوں ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔ عینی نے پوچھا۔ ''آخر معاملہ کیا ہے؟''

بیگم آفتاب نے وہ کاغذ ذیشان سے لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک مفتی صاحب کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اس کے مطابق اسما اور ذیشان کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔''

عینی نے ایکدم چونک کر تمام افراد کو دیکھا۔ پھر بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

وہ کاغذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نہیں کہہ رہی ہوں' مفتی صاحب کا فیصلہ کہہ رہا ہے لیکن اپنے بیٹے کا کیا کروں؟ بیوی کی محبت میں ایسا اندھا ہو رہا ہے کہ دینی احکامات کو بھی نظر انداز کر رہا ہے۔''

ذیشان نے الجھ کر کہا۔ ''امی! بات کا بتنگڑ نہ بنائیں۔ میں اسے غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ صرف ان مفتی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ کیوں کترا رہی ہیں؟''

عینی اس تحریر کو پڑھنے کے بعد بولی۔ ''یا خدایا! یہ تو بھا۔بی جان کے ساتھ بہت برا ہوا۔ ایک چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا......؟''

پھر وہ ذیشان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے بولی۔ ''بھائی جان! یہ کیا ہو گیا؟ اب کیا بھا۔بی جان ہم سب کی زندگی سے دور چلی جائیں گی؟''

وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک نہیں کئی علمائے کرام سے ملوں گا۔ شاید وہ دینی احکامات کی روشنی میں مزید کوئی مشورہ دے سکیں۔''

بیگم آفتاب نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر میاں سے کہا۔ ''سن رہے ہیں آپ...! بیوی کی محبت کیسے سر چڑھ کر بول رہی ہے؟''

فلک ناز نے کہا۔ ''ہم سب ہی جانتے ہیں' ذیشان میاں اسما کو بہت چاہتے ہیں۔ اسی لیے...''

بیگم آفتاب نے چڑ کر کہا۔ ''تم تو چپ رہو۔ رشتہ ختم ہو گیا۔ چاہت بھی ختم ہو جانی چاہیے۔''

ذیشان نے کہا۔ ''آپ سے بحث کرنا ہی فضول ہے۔

یہاں مہر پر مفتی صاحب کا نام اور ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ میں خود ہی جا کر ان سے ملاقات کرلوں گا۔"

بیگم آفتاب گھبرا کر رونے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

اس نے روتے ہوئے کہا۔ "بیٹا ماں کا اعتبار نہ کرے تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ یہ صاف طور پر نہیں کہہ رہا ہے مگر میں سمجھ رہی ہوں۔ یہ مجھ پر شبہ کررہا ہے۔ اپنی ماں پر....."

عینی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان ایسا کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔"

وہ بولی۔ "یہ بیٹا ہو کر ضد کررہا ہے تو میں بھی ایک بات کہہ دیتی ہوں۔ پہلے اسما کو اس گھر سے نکالا جائے گا پھر یہ مفتی صاحب سے ملنے جائے گا۔"

ایسے ہی وقت اسما میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل .... ہوتے ہوئے بولی۔ "مجھے میرے گھر سے کون نکال سکتا ہے؟"

سب نے چونک کر ہمیں دیکھا۔ عینی نے فوراً اسما کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "بھا۔ بی جان! یہ.... یہ بڑی امی.... ابھی مفتی صاحب سے فتویٰ لے کر آئی ہیں۔ اس کے مطابق۔"

وہ اس سے آگے کچھ نہ بول سکی۔ اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ اسما اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ "اس گھر میں میری جڑیں بہت مضبوط ہیں۔"

بیگم آفتاب نے تن کر کہا۔ "کس خوش فہمی میں ہو بی بی! تمہاری ہی غلطی تمہاری جڑیں کاٹ چکی ہے۔"

اسما عینی کو الگ کر کے بیگم آفتاب کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "کہاں ہے آپ کا فتویٰ.....؟"

ذیشان نے خاموشی سے وہ کاغذ اسما کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد بولی۔ "اوہو.... اس کے مطابق تو واقعی میرا ذیشان سے اور اس گھر سے رشتہ ختم ہو چکا ہے۔"

بیگم آفتاب اسے فاتحانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ اسما نے اپنے بیگ سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کا فتویٰ سچ ہے تو پھر یہ کیا ہے؟"

سب نے سوالیہ نظروں سے اس دوسرے کاغذ کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ذیشان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "ذرا اس فتوے کو بھی پڑھ لیں...."

بیگم آفتاب پریشانی سے بہو کو دیکھ رہی تھی۔ بیٹا اس کا لایا ہوا فتویٰ پڑھ رہا تھا اور ماں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ جسم کے روم روم سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ بیٹے نے وہ تحریر پڑھ کر باپ کی طرف بڑھا دی۔ بیگم آفتاب ایسی بوکھلائی ہوئی تھی کہ میاں کے ہاتھ سے اس تحریر کو چھین کر بولی۔ "مجھے بھی تو دکھائیں..... ایسا کیا لکھا ہے اس میں.....؟"

ذیشان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اسما نے اپنی غلطی کی معافی مانگ لی۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اس معبود کا لاکھ لاکھ شکر ہے' یہ آج بھی سہاگن ہے۔"

بیگم آفتاب ایکدم سے گھبرا گئی پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ "خوب اندھی حمایت کرتے ہو۔ یہ اپنی مرضی کا فتویٰ کسی سے بنوا کر لے آئی اور تم نے یقین کرلیا؟"

اسما نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "یہ شبہ تو میں آپ پر بھی کر سکتی ہوں۔ آپ بھی تو مجھے اس گھر سے نکالنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے اپنی مرضی کا فتویٰ لے آئی ہیں۔"

بیگم آفتاب کی گھبراہٹ کو سب ہی نوٹ کررہے تھے۔ فلک آفتاب اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فلک ناز نے کہا۔ "بیٹا ذیشان! یوں آپس میں الجھتے رہنے سے بہتر ہے کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالو۔"

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر ایک ایک چہرے کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا۔ "یہ دو مختلف فتوے الجھن میں مبتلا کررہے ہیں۔ ان کی تصدیق کرائی جائے گی۔"

ماں نے بیٹے کو بازو سے تھام کر کہا۔ "تم مجھ پر شبہ کررہے ہو؟"

ذیشان نے الجھ کر کہا۔ "نہیں۔ میں کسی پر شبہ نہیں کررہا ہوں۔ کہیں کوئی غلطی بھی تو ہو سکتی ہے۔ اس کو درست کرایا جا سکتا ہے۔"

عینی چبھتی ہوئی نظروں سے بیگم آفتاب کو دیکھ رہی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "بڑی امی! اگر آپ سچی ہیں اور آپ کا فتویٰ بھی سچا ہے تو اس قدر گھبرا کیوں رہی ہیں؟"

وہ ایکدم سے سنبھل کر بولی۔ "نن۔ نہیں۔ میں کیوں گھبرانے لگی؟"

اسما نے کہا۔ "تو پھر ٹھیک ہے۔ پہلے امی کے مفتی صاحب کے پاس چلتے ہیں پھر میں آپ سب کو ان کے پاس لے جاؤں گی' جنھوں نے میرے سہاگ کو قائم رکھنے کا فیصلہ سنایا ہے۔"

بیگم آفتاب کو چکر آنے لگے تھے۔ اس نے دینی اور شرعی معاملات میں مداخلت کی تھی۔ بلکہ دینی احکامات کی نفی کی تھی۔ بہو کو گھر سے نکالنے کے لیے ناقابلِ معافی جرم کیا تھا۔ اس کے کانوں میں اس جعل ساز کی آواز گونج رہی تھی۔ "پلیز۔ کوشش کریں کہ میرے بنائے ہوئے فتوے کو کوئی چیلنج نہ کرے۔"

جھوٹ تو کھلنا ہی تھا۔ گھر سے باہر کھلتا تو بڑی سبکی ہوتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ "باہر جا کر بدنام اور رسوا ہونے سے بہتر ہے' گھر کی بات گھر ہی میں ختم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ مفتی صاحب مجھ پر کیس کردیں۔ اخبارات میں میری خبریں شائع ہوں گی۔ میڈیا کے ذریعے بھی اس بات کو اچھالا جائے گا کہ ایک ساس نے اپنی بہو سے نجات حاصل کرنے کے لیے دینی احکامات کو اپنے طور پر بدلنے کی بدترین مجرمانہ کوشش کی ہے۔"

وہ ایکدم سے تڑپ کر بیٹے کے قدموں پر گرتے ہوئے بولی۔ "بیٹا! مجھے معاف کردو۔ مجھے معاف کردو....."

تمام افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان دو قدم پیچھے ہٹ کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ "یہ آپ کیا کررہی ہیں؟"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معاف کردو۔ یہ ممتا کا جذبہ بڑا اندھا ہوتا ہے۔ میں تم پر چھائی ہوئی نحوست کے سائے دور کرنے کے لیے اندھی ہو گئی تھی۔ اسی لیے......"

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ذیشان نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "اسی لیے کیا.....؟"

وہ روتے ہوئے۔ گڑگڑاتے ہوئے بولی۔ "اسی لیے .....اسی لیے میں نے یہ۔ یہ......"

وہ بیٹے کے بازو کو مضبوطی سے تھام کر بولی۔ "خدا کے لیے بیٹا! اپنی ماں کی عزت رکھ لو۔ میرے لائے ہوئے اس کاغذ کو چیلنج نہ کرو۔"

تمام افراد نے چونک کر بے یقینی سے بیگم آفتاب کو دیکھا۔ بیٹے نے ان کے ہاتھ کو جھٹک کر بڑی ناگواری سے کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اسما سے نفرت کرتے کرتے اس حد تک پستی میں گر سکتی ہیں۔"

فلک آفتاب غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بیگم کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم نے صرف بہو کی ہی نہیں دینی احکامات کی بھی نفی کی ہے۔ جانتی ہو۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو اپنی مرضی سے موڑنے توڑنے والا کافر کہلاتا ہے اور بدترین سزا کا مستحق ہوتا ہے۔"

فلک ناز نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "یہ دین خدا اور اس کے رسول ﷺ کو کیا جانیں؟ لندن کی پیداوار ہیں۔"

فلک آفتاب نے گرج کر کہا۔ "مسلمان تو ہے۔"

عینی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بڑی امی! بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ سن کر ہمارا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ اگر بھا۔ بی جان نے اپنے طور پر سچا فتویٰ حاصل نہ کیا ہوتا تو کیا ہوتا؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں تم سب سے معافی مانگتی ہوں۔"

اسما نے تیز لہجے میں کہا۔ "معافی.....؟ یاد کریں وہ دن ...میں نے بھی جھوٹ بولا تھا اور اپنی غلطی کی معافی مانگی تھی۔ کیا آپ نے مجھے معاف کیا تھا؟ میرے ارادے نیک تھے۔ لیکن آپ..... آپ ایک بسی بسائی سہاگن کو اجاڑنا چاہتی ہیں۔"

ذیشان نے ماں کی طرف سے منہ پھیر کر تیز لہجے میں کہا۔ "یہ آپ کو اتنی ہی بری لگتی ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اسے آپ کی زندگی سے دور کردیتا ہوں۔ ہم الگ گھر میں رہیں گے۔"

عینی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں! آپ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ اگر کسی کو جانا ہوگا تو وہ بڑی امی جائیں گی کیونکہ میں دین کا مذاق اڑانے والوں کو اپنے گھر میں جگہ نہیں دوں گی۔"

وہ کچھ دیر پہلے فاتح بن کر آنے والی ایسی مات کھا رہی تھی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے تھے۔ وہ بہو کو گھر سے نکالنے کے چکر میں نہ گھر کی رہی تھی' نہ گھاٹ کی۔

وہ فوراً ہی عینی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "بیٹی! مجھے معاف کردو۔"

فلک آفتاب نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ "تم معافی کے لائق نہیں ہو بیگم! میں اس عمر میں تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔ اپنی زندگی سے کاٹ کر الگ نہیں کرسکتا۔ اس لیے چپ چاپ اوپر چلو اور اپنا سامان باندھو۔ تمہاری غلطی کی سزا مجھے بھی ملے گی۔ میں اب ان بچوں کا سامنا نہیں کرسکتا۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے جائیں گے۔"

وہ گھبرا کر بولی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے؟ آپ عینی کو منائیں۔"

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "میں نے کہا ......اپنا سامان باندھو......"

پھر وہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا اوپر لے جانے لگا۔ اسما کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ دامن جیسے خوشیوں سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف سے..... ہر پہلو سے کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اس سارے جھمیلے کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی؟ کیوں ہوئی؟ گل خانم ہماری زندگی

میں کیوں آئی؟

اس کے اندر جواب سنائی دیا۔ ''میرے ماں نہ بننے کی وجہ سے..... کیا یہ وجہ۔ کیا یہ محرومی ختم ہو سکتی ہے؟''

دماغ نے کہا۔ ''ہاں۔ ذیشان تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم وہ شاخ ہو جس پر کبھی کوئی پھول نہیں کھلے گا پھر بھی وہ تمہیں اپنے آنگن میں سجائے رکھنے کے لیے دنیا والوں سے لڑتا رہتا ہے۔ اس کی چاہت کا یہی ثبوت ہے کہ تم بانجھ ہونے کے باوجود اب تک سہاگن ہو۔ تم پر کوئی سوکن نہیں لائی گئی ہے۔ کیا ذیشان کی محبت کا ایک ذرا سا حق ادا کر سکتی ہو؟ اس کی بنیادی ضرورت کو کسی بھی طرح سے..... کسی بھی راستے سے پورا کر سکتی ہو؟''

اس کے دل و دماغ میں گل خانم کا نام گونجنے لگا۔ وہ بڑے عزم سے ذیشان کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''خدا مجھ سے راضی ہے۔ میرا گھر اجڑتے اجڑتے اور شوہر بچھڑتے بچھڑتے مل گیا ہے۔ اتنی ڈھیر ساری خوشیاں مل رہی ہیں کہ دامن چھوٹا پڑ رہا ہے۔ میں اپنی خوشیاں آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ بہت سے جھمیلوں اور جھگڑوں سے گزرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ اولاد جیسی بنیادی ضرورت صرف دوسروں کے لیے ہی نہیں۔ آپ کے لیے بھی ضروری ہے۔ بلکہ حق ہے۔ میں آپ کو اولاد کی خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔''

ذیشان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ ''آپ کا انتخاب مجھے منظور ہے۔ میں گل خانم کو سوکن کی حیثیت سے قبول کرتی ہوں۔''

تمام افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے کہا۔ ''دیکھو اسما! یہ بہت بڑا اور اہم فیصلہ ہے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔''

''میں آپ کو اور آپ کی محبت کو سمجھتی ہوں اور کچھ سمجھنا نہیں چاہتی۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ذیشان بھائی! آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں' بھا۔ بی جان شاید اس دنیا کی پہلی عورت ہیں جو اتنی محبت سے میاں کو دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہیں۔''

فلک ناز نے کہا۔ ''اسما نے یہ فیصلہ کر کے سمجھداری کا ثبوت دیا ہے۔ اس گھر اور اس خاندان کو ایک وارث کی ضرورت ہے۔ بابر تو نہ جانے کب شادی کرے گا؟ کرے گا بھی یا ایسے ہی گل چھرے اڑاتا پھرے گا۔''

عینی سوچتی ہوئی نظروں سے اسما کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ''گل خانم بھا۔ بی جان کی کوئی عزیزہ نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اپنی مرضی سے اسے سوکن بنانے کا فیصلہ کر رہی ہیں۔ شوہر کی خوشی پوری کرنے کے لیے سوکن کو قبول کر رہی ہیں۔ وہ گل خانم کو نہیں جانتیں لیکن میں تو عروج کو بچپن سے جانتی ہوں۔ کیا پاشا کی خوشی پوری کرنے کے لیے اسے اپنی سوکن نہیں بنا سکتی؟''

دل نے ایکدم سے دھڑک کر کہا۔ ''نہیں۔ بھا۔ بی جان اپنی ایک بہت بڑی کمزوری کی وجہ سے جھک رہی ہیں۔ میرے اندر کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں سوکن کے رشتے کو اپنے اوپر مسلط کیوں کروں؟ یہ مانا کہ اس نے اپنا محبوب مجھے دیا ہے لیکن میں اپنا شوہر اسے نہیں دے سکتی۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ''عروج! میں تجھ سے نفرت نہیں کر رہی ہوں۔ کر بھی نہیں سکتی۔ تو آج بھی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن کیا کروں؟ یہ بیوی کا رشتہ بڑا خود غرض ہوتا ہے۔''

وہ سوچوں میں الجھی ہوئی تھی لیکن ان الجھنوں کا کوئی حل نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی۔ ذیشان اور اسما کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ میں ان کے درمیان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اپنی پیاری نمرہ سے دور ہوتے ہوئے بھی دور نہیں تھا۔ اس کی لکیروں پر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

چار ماہ پہلے میں نے جبران کے لیے ایک پیش گوئی کی تھی کہ پانچ ماہ کے بعد اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے پرانے اور نئے سال کے سنگم پر موت اسے اپنے شکنجے میں لے لے گی۔ میری ایسی پیش گوئی سن کر وہ ماں بیٹا دونوں ہی سہم گئے تھے پھر میں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جبران موت سے بچ بھی سکتا ہے۔ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے جو ہونی ہے اسے انہونی بنا سکتا ہے۔

مسز رانا نے تڑپ کر پوچھا تھا۔ ''بیٹے! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟''

میں نے وہ پیش گوئی اسی لیے کی تھی کہ وقت مقررہ سے پہلے تدبیر کی جا سکے۔ تقدیر اور تدبیر کی جنگ میں کبھی جیت تقدیر کی ہوتی ہے اور کبھی تدبیر کی...... میں نے چار ماہ پہلے جبران کو جو تدبیر بتائی تھی۔ اب اس پر عمل کرنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ دسمبر کی تیس تاریخ کو نمرہ کے ساتھ لندن میں ہو گا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ اپنے چچا کی وجہ سے واپس پاکستان آ گیا تھا۔ نمرہ اور مسز رانا کے ساتھ شہر لاہور میں رہائش پذیر تھا۔

اس وقت وہ موت سے بچنے کے لیے دوبارہ لندن جانے کی تیاری کرر ہا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ تم مغرب کی طرف سفر کرتے رہو گے تو ایک ایک گھنٹا کم ہوتا چلا جائے گا۔ جب لندن میں رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے تو اس وقت نیو یارک میں شام کے چھ بج رہے ہوں گے۔ اس طرح وہ وقت سے چھ گھنٹے پیچھے چلا جائے گا۔ پھر مغرب کی طرف سفر کرتا ہوا جاپان پہنچے گا تو اس وقت نئے سال کی پہلی تاریخ شروع ہو چکی ہو گی۔ یعنی جس ملک میں بھی اکتیس دسمبر کی رات کے بارہ بجیں گے۔ وہ وہاں نہیں ہو گا۔ اس طرح وہ دنیا کا ایک گول چکر کاٹ کر جاپان پہنچے گا اور اس کی زندگی کی وہ منحوس رات مغرب کی طرف آگے بڑھتے بڑھتے ایک سو اسی طول بلد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔''

وہ ماں بیٹا میری تدبیر سن کر کسی حد تک الجھ گئے تھے۔ میں نے کہا تھا۔ ''اگر میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو دنیا کا نقشہ سامنے رکھیں۔ گرینچ GREENWICH ٹائم کے مطابق ایک سو اسی ڈگری طول بلد LONGITUDE پر اکتیس دسمبر کی رات گزر جائے گی۔ یوں یہ رات جبران تک کبھی نہیں پہنچے گی۔''

ایسی تدبیر سن کر اور سمجھ کر انہیں بڑا حوصلہ ملا تھا۔ جبران موت کو مات دینے کے لیے بے چین تھا لیکن ایک ماں کا دل مطمئن ہونے کے باوجود کسی حد تک سہا ہوا تھا۔ میرے مشورے کے مطابق یہ بات نمرہ سے چھپائی گئی تھی۔ وہ آنے والے وقت اور حالات سے بے خبر تھی۔

اس نے جبران سے پوچھا۔ ''ہم ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں۔ لیکن تمہارا پلان کچھ عجیب سا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیوں سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟''

''بھئی! کوئی بھی کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے تو وہاں کچھ وقت گزارتا ہے۔ لیکن تم تو کسی ملک میں چھ گھنٹے کسی میں دو گھنٹے اور کسی میں تو صرف ایک گھنٹا گزارنے کی بات کر رہے ہو۔ یعنی ہم ائیر پورٹ سے ہی کسی دوسری فلائٹ سے کسی دوسرے ملک میں فلائی کر جائیں گے؟''

''وقت کم ہو اور مقابلہ سخت تو یہی ہوتا ہے۔''

''یہ کیا بات کہی تم نے؟ ہمارے پاس وقت کی کیا کمی ہے؟''

وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''وقت کی کمی کو دور کرنے کے لیے ہی تو میں مقدر حیات کی تدبیر پر عمل کرنے جا رہا ہوں اور آئندہ ہر سال کرتا رہوں گا۔ نمرہ! میں تمہارے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے کے لیے ہر سال کی اکتیس دسمبر کی رات موت سے لڑتا رہوں گا۔''

وہ اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔ ''کہاں پہنچ گئے؟ آنٹی کی طبیعت ٹھیک رہتی تو ہم انہیں بھی لے چلتے۔ ویسے یوں لگ رہا ہے' جیسے ہم تفریح کے لیے نہیں جا رہے بلکہ سفر کرنے جا رہے ہیں۔ میں تو تمہارا ساتھ دے سکوں گی مگر وہ بے چاری تھک جائیں گی۔''

''اسی لیے میں انہیں ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں۔''

مسز رانا نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کیا میٹنگ ہو رہی ہے؟''

نمرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آنٹی! ہمارا ورلڈ ٹور ایسا نہیں لگ رہا' جیسے کوئی جانی دشمن ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور ہم اس سے دور بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف دوڑتے جا رہے ہیں؟''

وہ ماں بیٹا ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ بے خبری میں سچی بات کہہ رہی تھی۔ موت سے بڑا اور زبردست دشمن اور کون ہو سکتا ہے لیکن بچانے والا اس سے بھی زبردست ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو مقدر کا لکھا بدل دیتا ہے اور نہ چاہے تو انسان کی بڑی سے بڑی تدبیر دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

جبران میری پیش گوئی اور تدبیر کی روشنی میں قدم اٹھانے والا تھا مگر میں بھی تو عجیب ہوں۔ اچانک ہی کسی کا بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ فی الحال اس کے ساتھ تھا اور شاید ساتھ چھوڑ بھی سکتا تھا۔

تیس دسمبر کی رات گزر رہی تھی۔ دوسرے روز شام سات بجے کی فلائٹ سے وہ دونوں پاکستان سے لندن کے لیے روانہ ہونے والے تھے۔ جبران بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ماں اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

وہ بولا۔ ''ماما! میں آپ کا بہادر بیٹا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ جنگ جیت کر ہی آؤں گا۔''

مسز رانا کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ ڈوپٹے کے آنچل سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ ''بیٹا! مجھے ایک ایک پل کی خبر دیتے رہنا۔ میں تمہاری طرف سے بہت بے چین رہوں گی۔''

''میں صرف دورانِ پرواز ہی مجبور رہوں گا۔ ویسے تو فون کے ذریعے آپ سے رابطہ ہوتا رہے گا۔''

وہ بڑی شفقت سے اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ ''کاش میں بھی لندن اور یورپ کا موسم برداشت کر پاتی پھر اپنے بیٹے کے ساتھ ضرور جاتی۔''

"آپ مجھے جان سے زیادہ چاہتی ہیں۔آپ کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتی۔لیکن نمرہ بھی مجھے بہت چاہتی ہے۔آپ کو مطمئن رہنا چاہیے۔"

ہاں۔نمرہ کا احسان ہے کہ وہ ہم سے تعاون کر رہی ہے۔"

ایسے ہی وقت نمرہ دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولی۔"ارے آنٹی! آپ رو رہی ہیں؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔"تم دونوں کے جانے کے بعد یہ گھر ویران ہو جائے گا۔تنہائی کا سوچ کر دحشت ہو رہی ہے۔"

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔"وہ کام کرنے والی ماسی بہت باتونی ہے۔ہمارے جانے کے بعد آپ کا دل بہلاتی رہے گی۔"

مسز رانا تو بس بیٹے کو نظر بھر بھر کر دیکھ رہی تھی۔جب تک وہ رخصت نہ ہوتا۔اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتی تھی۔تیس دسمبر کی رات اور اکتیس دسمبر کا دن آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر گیا۔جبران ایک ایک پل کا حساب کر رہا تھا۔لاہور میں شام کے سات بجنے والے تھے۔اس حساب سے لندن میں اکتیس دسمبر کی دوپہر کے دو بجنے والے تھے۔

چار گھنٹے بعد پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق لاہور میں رات کے بارہ بجنے والے تھے۔یعنی چار گھنٹے بعد موت اسے اپنی آغوش میں لینے والی تھی۔

اس سے پہلے ہی وہ نمرہ کے ساتھ شام سات بجے کی فلائٹ سے لندن کے لیے روانہ ہو گیا۔بیٹے کو رخصت کرتے وقت اس کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔

وہ اپنے دل کو بہلا رہی تھی۔یہ سوچ سوچ کر خود کو مطمئن کر رہی تھی کہ مقدر حیات کی پیش گوئی کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی تھی۔مسلمان ہونے کے ناتے یہ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھی کہ صحیح اور غلط کا فیصلہ تو صرف خدا کی ذات کرتی ہے۔اس معبود کی رضا سے ہی بیٹا کامیاب یا ناکام لوٹنے والا تھا۔

☆☆☆

خدا گنہگاروں کی اور ظالموں کی رسی ہمیشہ دراز رکھتا ہے۔شہباز درانی کی رسی بھی دراز تھی۔جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے....؟

وہ بہت پہلے ہی اپنے بچاؤ کے راستے ہموار کر چکا تھا۔یہودیوں کی وہ خفیہ تنظیم پی ٹو ایسی زبردست تھی کہ شہباز درانی کو سپر پاور کا شکار بننے سے پہلے ہی ان کے درمیان سے اڑا کر لے گئی تھی۔چاروں طرف سے موت کا یقین ہو جانے کے بعد اچانک ہی شہباز درانی کو اس تنظیم کی طرف سے نئی زندگی کی نوید ملی تھی۔وہ اتنی بڑی خوشخبری مجھے سنانے کے لیے بے چین تھا۔مجھ سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔میں تو یوں بھی ہر ایک کے رابطے میں رہتا ہوں۔میرے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔فون کی ننھی سی اسکرین پر نیا نمبر شہباز کو ملنے والی نئی زندگی کی طرح جگمگا رہا تھا۔

میں نے اسے کان سے لگا کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔"ہیلو! کون......؟"

وہ بڑے ہی فاتحانہ انداز میں بولا۔"کیا مجھے آواز سے پہچان رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔"محفوظ پناہ گاہ میں چھپنے کے بعد چوہا بھی شیر ہو جاتا ہے۔لگتا ہے تمہیں کوئی فولادی قلعہ مل گیا ہے۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔"میں شیر ہوں۔شیروں کی طرح ہی جیتا ہوں۔کبھی کبھی وقت اور حالات پچھاڑ دیتے ہیں۔لیکن جو زبردست ہوتے ہیں وہ زیادہ دیر تک زیردست نہیں رہتے اور تم سمجھ سکتے ہو کہ سپر پاور کے قہر سے بچنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔"شیطان کی عمر بہت طویل ہوتی ہے۔وہ موت کے ہاتھ آتے آتے گیلے صابن کی طرح پھسل جاتا ہے۔تم سپر پاور کے عذاب سے بچ گئے۔واقعی خوش نصیب ہو

"میں تو پار لگ گیا۔اپنی سناؤ......؟"

"کیا سننا چاہتے ہو؟"

"تم نے پیش گوئی کی تھی کہ ایک شخص ہے' جو راہِ نجات بن کر ہمیں ہماری مشکلات سے نجات دلا سکتا ہے؟"

"میں اپنی پیش گوئی کبھی نہیں بھولتا۔"

"پھر تو یہ بھی یاد ہو گا' بقول تمہارے وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک ہی کو فائدہ پہنچائے گا اور تم دیکھ رہے ہو۔مجھے نئی زندگی مل رہی ہے۔"

میں نے پوچھا۔"کیا تمہیں یقین ہے؟"

"کیا تمہیں کوئی شبہ ہے؟"

"میری زندگی تو میری محبوبہ ہے۔کیا تمہاری محبوبہ تمہاری زندگی نہیں ہے؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ ابھی تمہاری زندگی تم سے دور ہے۔بے چاری انڈیا میں قیدی بنی ہوئی ہے۔کیا اسے حاصل کر چکے ہو؟"

"کیا تمہیں تمہاری محبوبہ مل گئی ہے؟"

"ملنے والی ہے۔فی الحال اس کے مقدر میں سفر لکھا ہوا ہے۔لیکن وہ جہاں بھی جائے گی واپس میرے پاس ہی آئے گی۔"

"جب تمہاری محبوبہ تمہارے پاس آئے گی تو میری بھی میرے پاس آ جائے گی۔کیونکہ ہمارا مقدر ایک ہے۔"

"ہاں۔ہماری تقدیر ایک ہے۔لیکن ہماری تدبیریں مختلف ہوتی ہیں۔اک ذرا سی غفلت تمہاری محبوبہ کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔"

"اگر میری محبوبہ بھٹکے گی تو لامحالہ تمہاری محبوبہ بھی بھٹکے گی۔"

"نہیں۔کیونکہ تمہاری والی دشمنوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔جبکہ میری والی اپنوں کے درمیان محبت کی زنجیروں سے بندھی ہوئی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔"کبھی کبھی تم پکے فراڈیے لگتے ہو۔بات کو گھمانا خوب جانتے ہو۔"

"اگر میں فراڈ ہوں تو میرا خیال ہے' ہمیں رابطہ ختم کر دینا چاہیے؟"

"ہاں۔بالکل کیونکہ اب مجھے اپنی جانِ حیات سے رابطہ کرنا ہے۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اس سے رابطہ ہو سکے گا؟ کیونکہ میں اپنی محبوبہ سے رابطہ نہیں کر سکتا۔اس کی آواز نہیں سن سکتا۔"

"لیکن میں سنوں گا اور اسے دشمنوں کے شکنجے سے بھی نکال لاؤں گا۔"

"کیوں خوش فہمی میں مبتلا ہو؟ جب میں اپنی والی کی آواز نہیں سن سکتا تو تم کیسے سن سکتے ہو؟"

"تم مجھے الجھاتے رہتے ہو۔مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے معاملے میں تم نے دوہری پیش گوئی کی تھی۔اب میں دردانہ کے معاملے میں تم پر یقین نہیں کروں گا۔"

میں نے شانے اچکا کر ایک ذرا بے پروائی سے کہا۔"میں کسی پر دھونس نہیں جماتا۔آنے والا وقت اور حالات سمجھاتے رہتے ہیں کہ میری پیش گوئیاں کہاں تک درست ہوتی ہیں۔تم بھی سمجھتے ہو۔بہر حال اپنی جانِ حیات سے رابطہ کرو۔اس کی آواز سنو اور میری پیش گوئی کو جھٹلا دو۔ایسا نہ ہو کہ تیر کمان سے نکل جائے۔وہ جہاں ہے' ہمیشہ وہاں نہیں رہے گی۔اس کی زندگی کا سفر شروع ہو رہا ہے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔وہ الجھ کر اپنے فون کو دیکھنے لگا۔میری پیش گوئی پر یقین نہ کرنے کے باوجود اسے ماننا پڑتا تھا کہ میں جو کہتا ہوں۔جیسا کہتا ہوں۔ویسا ہی ہوتا ہے۔

وہ نانا بھائی کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگا۔تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔"ہیلو؟"

شہباز درانی نے کہا۔"ہاں۔میں بول رہا ہوں۔"

"اچھا تو تم ہو؟ بڑے دنوں بعد یاد کر رہے ہو؟"

"میری امانت تمہارے پاس ہے۔"

"ہاں۔وہ تو ہے۔کیونکہ میں زبان کا کھرا ہوں جو کہتا ہوں۔اس بات پر قائم رہتا ہوں۔بائی داوے۔تم نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ زبان کے دھنی ہو۔مجھے کیا معلوم تھا کہ تم بھگوڑے ہو؟"

"برے حالات تو جنگل کے بادشاہ پر بھی آتے ہیں۔وہ بھی اپنے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی پناہ گاہ میں جاتا ہے۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی بادشاہت اور شہنشاہیت ختم ہو جاتی ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔"باتیں بہت بناتے ہو۔یہ کیسی بادشاہت ہے کہ ایک چھوٹے سے بچے کو اغوا نہ کر سکے؟"

"مگر اپنی دردانہ کو حاصل کر کے رہوں گا۔تمہیں اسی لیے فون کیا ہے۔"

"کیا بچہ تمہارے پاس ہے؟"

شہباز درانی نے کہا۔"میں وہ سودا ختم کر رہا ہوں۔"

"مرد کی ایک زبان ہوتی ہے اور جب سودا ہی ختم ہو گیا تو پھر نہ میں بچے کا تقاضا کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنی عورت کا......"

شہباز نے پریشان ہو کر کہا۔"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ جب سودا نہیں تو رابطہ نہیں ... کوئی تقاضا نہیں......"

"میری امانت ابھی تمہارے پاس ہے۔میں نہ تم سے رابطہ ختم کر سکتا ہوں اور نہ معاملات۔ہمارے درمیان کوئی نئی ڈیل ہو سکتی ہے۔"

"سوری۔میں آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانے کے نادانی نہیں کرتا۔وہ عورت میرے پاس تمہاری نہیں آکاش دامودر کی امانت ہے اور میں جلد ہی اسے لوٹانے والا ہوں۔اب تمہارے معاملات پرکاش اور آکاش کے ساتھ رہیں گے۔"

وہ رابطہ ختم کرنا چاہتا تھا۔شہباز نے پوچھا۔"کیا اس وقت دردانہ تمہارے پاس نہیں ہے؟"

"فی الحال تو میرے پاس ہے۔لیکن کچھ دیر کی مہمان ہے۔اگلے چند گھنٹوں کے بعد یہ آکاش کے شکنجے میں ہوگی۔"

شہباز درانی غصے سے بولا۔"تم مجھ سے دشمنی مول لے کر بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ایک عورت کے بدلے میں

تمہارے وارے نیارے کرسکتا ہوں۔مجھ سے سودا کرو۔"

"تم نے دیر کردی دوست!اس عورت کے معاملے میں میرا اور آکاش کا سودا ڈن ہو چکا ہے۔چونکہ زبان کا دھنی ہوں۔اس لیے اب تم سے کوئی ڈیل نہیں کرسکتا۔"

نانا بھائی نے رابطہ ختم کردیا۔شہباز اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔اسے میری باتیں یاد آرہی تھیں۔میں نے کہا تھا کہ میری محبوبہ کہیں جارہی ہے۔مگر وہ جہاں بھی جائے گی لوٹ کر میرے ہی پاس آئے گی۔میری اس بات سے اسے بہت اطمینان ہوا تھا۔لیکن دوسری بات نے پریشان کردیا تھا کہ شہباز کی ایک ذرا سی غفلت اس کی دردانہ کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔

اب نانا بھائی سے رابطہ کرنے کے بعد اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ فٹ بال کی طرح لڑھکنے والی دردانہ پہلے آکاش اور پرکاش کے ہاتھوں میں تھی۔پھر وہاں سے لڑھکتی ہوئی نانا بھائی کی طرف آگئی تھی۔اب دوبارہ ان بھائیوں کے شکنجے میں جارہی تھی۔میری یہ پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی تھی کہ شہباز اپنی دردانہ کی آواز نہیں سن سکے گا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے سوچنے لگا۔"یہ کم بخت مقدر کچھ زیادہ ہی سچی پیش گوئیاں کرتا ہے۔میں اپنی دردانہ کی آواز نہ سن سکا،مگر اسے حاصل کرکے رہوں گا۔"

وہ فون اٹھا کر اپنے کسی نئے ناخدا کے نمبر پنچ کرنے لگا۔وہ دنیا کی ایسی خطرناک تنظیم میں پہنچا ہوا تھا جہاں سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔لیکن جب تک مقدر میں نہ لکھا ہو۔ممکن نا ممکن ہی رہتا ہے۔وہ خواب ہوجانے والی دردانہ ایک نہ ایک دن تعبیر بن کر اس کے پاس پہنچنے والی تھی۔میری نمرہ بھی میرے لیے خواب بن کر رہ گئی تھی۔میں جانتا تھا کہ وہ آنے والی ہے۔میں جانتا تھا کہ دردانہ بھی شہباز کو ملنے والی ہے۔لیکن کب.....؟

اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرسکتا تھا۔

☆☆☆

عینی اپنے کمرے میں تھی۔کچھ بے چین سی تھی۔کبھی بیٹھ رہی تھی۔کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی تھی۔دل ودماغ میں یہ سوال چبھ رہا تھا کہ آخر پاشا اس سے رابطہ کیوں نہیں کررہا ہے؟

اس کے اندر ایک ہی جواب گونج رہا تھا۔وہ عروج کی وجہ سے اسے نظر انداز کرتا رہتا ہے۔عینی کی اپنی کوئی اہمیت...کوئی حیثیت نہیں ہے۔پاشا کی زندگی میں اگر کسی کی اہمیت ہے تو صرف عروج کی........

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔سوچتی ہوئی نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھنے لگی۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس سے رابطہ کرے؟اس نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھایا پھر ایک ایک نمبر پنچ کرنے لگی۔"زیرو تھری زیرو زیرو......"

وہ نمبر پنچ کرتے کرتے رک گئی۔پاشا اور عروج کا نمبر اس کوڈ کے بعد ہی شروع ہوتا تھا۔وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کس سے رابطہ کرے؟دل شوہر کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔دھڑک دھڑک کر پوچھ رہا تھا کہ کیا پاشا سے بات ہوسکے گی؟کیا اس کا فون آن ہوگا؟اگر آن ہوگا تو کیا وہ اس کی کال ریسیو کرے گا؟

وہ اس کا شوہر تھا لیکن اس سے بات کرنے کے لیے یا اسے اپنے پاس بلانے کے لیے ہمیشہ عروج کی سفارش کی ضرورت پڑتی تھی۔اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔سہیلی کی محبت اپنی جگہ لیکن ایک بیوی کے جذبات اس کے اندر بولتے تھے کہ وہ اپنے شوہر کی محبت پانے کے لیے دوسری عورت کی محتاج ہے۔دنیا کی کوئی بیوی اپنے اور شوہر کے رشتے کے درمیان کسی بھی عورت کو برداشت نہیں کرتی لیکن ان تینوں کا تو معاملہ ہی کچھ عجیب تھا۔

پاشا ایک کا شوہر تھا تو دوسری کا محبوب تھا۔بیوی اسے اپنی طرف کھینچتی تھی اور وہ محبوبہ کو پانے کے لیے اس سے دور بھاگتا رہتا تھا۔اب یہ بھاگ دوڑ تینوں کے لیے ہی ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔وہ کچھ دیر تک ٹہلتی رہی،سوچتی رہی۔پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

رابطہ ہونے پر بولی۔"ہیلو۔عروج....!میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے عروج کی آواز سنائی دی۔"ہاں۔بول کیا بات ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔"وہ۔وہ میں نے اس لیے فون کیا ہے....."

وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی۔عروج نے پوچھا۔"کیا بات ہے؟"

"وہ اسما بھابی اور بھائی جان کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ایک مفتی صاحب کے فتوے کے مطابق ان کا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے۔"

عروج خوش ہوکر بولی۔"یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔بے چاری اسما بھابی سولی پر لٹک رہی تھیں۔اب وہاں کی صورتحال کیا ہے؟"

"صورتحال تو بہت بگڑی ہوئی تھی بلکہ مزید بگڑنے والی تھی۔اگر بھابی جان عقل مندی سے کام نہ لیتیں تو رائی کا پہاڑ

...جاتا۔"

وہ اسے بیگم آفتاب کی حرکت کے بارے میں تفصیل سے ...نے لگی۔اس کی باتیں سننے کے بعد عروج نے کہا۔"یہ تو بہت ...سوس کا مقام ہے۔یقین نہیں آتا کہ کوئی کسی سے اتنی شدید ...کرسکتا ہے کہ اپنے ہی دین کا مذاق اڑانے لگے؟"

عینی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔"نفرت اور محبت ...ں ہی عجیب سے جذبے ہیں۔پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ ...ے اندر کب کیسے اپنی جڑیں مضبوط کرتے چلے جاتے ...؟جب ان کی شدت ظاہر ہوتی ہے تب احساس ہوتا ہے کہ ...تک ہمارے اندر نفرت کا لاوا پکتا رہا ہے یا محبت کے پھول ...رہے ہیں۔"

"فلسفہ بول رہی ہے؟"

"کچھ لوگ تنہا رہتے ہیں تو شاعری کرتے ہیں اور کچھ ...کو تنہائی فلسفہ سکھا دیتی ہے۔میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ...ہے۔"

عروج اس کے لہجے سے اس کے اندر کی محرومی کو سمجھ رہی ...عینی نے پوچھا۔"پاشا سے رابطہ ہوا؟"

وہ اک ذرا گڑبڑا گئی پھر سنبھل کر بولی۔"یہ سوال تو مجھے ...ا چاہیے؟وہ تیرا میاں ہے۔تیرے رابطے میں ہوگا۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔"ہائے۔ایسا خوشیوں بھرا ...نہ جانے کب آئے گا؟آئے گا بھی یا نہیں.....شاید میں ...مقدر میں محرومیاں لکھوا کر آئی ہوں۔"

وہ تڑپ کر بولی۔"خدا کے لیے....ایسی مایوسی کی باتیں ...کر۔"

"اور کیا کروں؟پہلے آنکھوں کے اجالوں کے لیے ترستی ...تھی۔اب شوہر کی محبت اور توجہ کے لیے ترستی رہتی ہوں۔"

"...وہ کھونٹے سے بندھا ہے۔کب تک دور بھاگتا رہے ..."

"میں تو یہ سوچتی ہوں کہ وہ کب میرے پاس آئے گا؟"

عروج کو ایسا لگا،جیسے عینی اس سے پوچھ رہی ہو کہ وہ کب ...کر اس کی طرف بھیجے گی؟عروج نے ہچکچاتے ہوئے ...ا۔"اس کا مطلب۔پاشا نے اب تک تجھ سے رابطہ نہیں کیا ...؟"

"میں نے یہی پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔وہ مجھ سے ...تجھ سے ضرور رابطہ کرے گا۔"

وہ ایک دم سے چور سی ہوکر بولی۔"مجھ ...؟نن۔نہیں ابھی تک تو کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

"اس نے نہیں کیا تو تو کرلے۔"

"مم...میں کیوں کروں؟تو خود اس سے بات کر۔"

عینی نے کہا۔"ڈرتی ہوں،کہیں وہ میرا نمبر پڑھ کر کال ریجیکٹ نہ کردے۔یا اس کا فون آف ہوا تو بڑی مایوسی ہوگی۔سچی بات تو یہ ہے کہ وہ شوہر تو میرا ہے۔مگر اس تک پہنچنے اور بات کرنے کے لیے مجھے تیری سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

عروج تذبذب میں پڑ گئی۔عینی نے کہا۔"میں فون بند کر رہی ہوں۔تو پاشا سے رابطہ کرکے یہ کہہ دے کہ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔پھر میرے نمبر پر مجھے مطلع کردے۔میں اسے فون کرلوں گی یا وہ مجھے فون کرلے گا۔"

عروج کچھ کہنا چاہتی تھی۔اس سے پہلے ہی عینی نے رابطہ ختم کردیا۔وہ اپنے فون کو دیکھ کر سوچنے لگی۔یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ رابطہ ہوتے ہی وہ دیوانہ صرف اپنی ہی دیوانگی ظاہر کرتا رہے گا۔

عروج نے سوچا۔"میں عینی کو فون کرکے یہ کہہ دیتی ہوں کہ پاشا کا نمبر آف ہے۔"

وہ عینی سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔پھر رک گئی۔یہ خیال آیا،اگر عینی نے پاشا سے خود ہی رابطہ کرلیا اور اس کا نمبر آن ملا تو وہ جھوٹی پڑ جائے گی۔اس نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد مجبوراً پاشا کے نمبر پنچ کیے۔دوسری طرف بیل جارہی تھی۔اس کا فون آن تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔"ہیلو میری جان!"

عروج نے کہا۔"خدا کا شکر ہے۔تمہارا فون آن ہے۔"

"صرف تمہارے لیے ہے۔ابھی بڑی زوروں کی ہچکیاں آرہی تھیں۔میں سمجھ گیا۔تم رابطہ کرنے والی ہو۔"

"عینی تمہارے لیے پریشان ہے۔وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"مگر میں تو تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ابھی تمہیں یاد کر رہا تھا۔"

وہ سخت لہجے میں بولی۔"کبھی اپنی بیوی کو بھی یاد کرلیا کرو۔"

"تم سے فرصت ملے تو کسی اور کو یاد کروں۔"

وہ اس دیوانے کو قائل کرنے کے لیے ایک ذرا عاجزی سے بولی۔"پلیز پاشا!وہ تمہاری بیوی ہے۔اسے تمہاری خیر خیریت معلوم ہونی چاہیے۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ میری بیوی ہے۔مگر جو ہونے والی ہوتی ہے۔اس میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔بے شک۔دنیا کے

کسی بھی شخص سے پوچھ لو۔"

عروج سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ بولا۔ "کل صبح دس بجے سول کورٹ پہنچنا ہے۔ یاد ہے ناں؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "میں اس وقت اپنی نہیں۔ عینی کی بات کر رہی ہوں۔ میری طرف سے تمہیں کسی حد تک اطمینان ہو گیا ہو گا۔ عینی کے پاس جانا نہیں چاہتے۔ کم از کم اس سے فون پر تو بات کر سکتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بہت پریشان ہے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بہت خوب..... وہ اشعر کی طرف سے مطمئن ہو گئی ہے۔ اس لیے اب شوہر یاد آ رہا ہے۔"

"کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو؟ وہ بچہ امانت ہے۔ اس کی گمشدگی پریشان کن تھی لیکن ایسے وقت بھی عینی تمہاری کمی محسوس کرتی رہی تھی۔"

"تم اس کی حمایت سے باز نہیں آؤ گی۔"

"یہی سمجھ لو..... لیکن پلیز۔ اس سے بات کر لو۔"

"شوہر کی اتنی ہی پروا ہے تو اس نے مجھے خود فون کیوں نہیں کیا؟ کیا اس کے پاس میرا نمبر نہیں ہے؟"

"وہ تم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ڈر رہی تھی کہ کہیں تم اس کا نمبر دیکھ کر کال ریجیکٹ نہ کر دو۔ اس لیے میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ اس سے بات کر لو۔"

"اوہو۔ یعنی تم اس کی سفارش کر رہی ہو؟"

"یہ تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ وہ بیوی ہو کر اپنے شوہر سے بات کرنے کے لیے میرا سہارا تلاش کرتی ہے۔"

"وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تم سے رابطہ کرتی ہے اور تم اپنی سہیلی کو خوشیاں دینے کے لیے مجھ سے بات کرتی ہو۔ تم دونوں سہیلیاں ایک دوسرے کے لیے جی رہی ہو۔ جب ایسے ہی جینا تھا تو میری زندگی کیوں برباد کی...؟"

"پلیز۔ میں ابھی اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی۔ ایک بات کہتی ہوں۔ ابھی عینی سے رابطہ کرو۔"

"تم جانتی ہو۔ میں تمہاری ہر بات مانتا آیا ہوں۔ لیکن جب تک میرا مطالبہ پورا نہیں ہو گا۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس سے رابطہ نہیں کرو گے؟"

وہ ذرا دیر کے بعد بولا۔ "بیوی کو اپنے شوہر کی خیر خیریت معلوم ہونی چاہیے۔ وہ جب بھی رابطہ کرے گی میں اس کی کال ریسیو کروں گا۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "تھینک یو پاشا! میں ابھی عینی کو بتاتی ہوں۔"

اس نے فوراً ہی اس سے رابطہ ختم کر کے عینی کے نمبر پنچ کیے۔ دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو عروج! کہاں رہ گئی تھی؟ کافی دیر سے ٹرائی کر رہی تھی۔ تیرا نمبر مسلسل بزی جا رہا تھا۔"

"تو میرے نمبر کو چھوڑ۔ پاشا کا نمبر آن ہے۔ اس پر رابطہ کر۔"

عینی نے یہ سنتے ہی اس سے رابطہ ختم کر کے پاشا کے نمبر پنچ کیے۔ اس کا فون آن تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ ادھر عینی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو.....!"

اتنی ڈھیر ساری باتیں تھیں۔ اتنے ڈھیر سارے سوال تھے جو پاشا سے پوچھنے تھے لیکن ان لمحات میں عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے اور کیا نہ کہے؟

پاشا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "ہیلو۔ عینی....! یہ تم ہو ناں...؟"

"ہاں۔ میں ہی بول رہی ہوں۔"

"ابھی عروج کا فون آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم مجھ سے بات کرنا چاہتی ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟ کوئی رابطہ بھی نہیں کر رہے ہو؟ میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔"

"ہاں۔ عروج نے مجھے بتایا ہے۔ تمہیں میری طرف سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں خیریت سے ہوں۔"

وہ ہر بات کے جواب میں عروج کا حوالہ دے رہا تھا۔ ایک بیوی کے دل پر چوٹ لگ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "میرے پاس کب آؤ گے؟"

"جب عروج چاہے گی۔"

وہ چڑ کر بولی۔ "کیا مطلب.....؟ عروج کیا چاہے گی؟ ہمارے درمیان اتنے دنوں کے بعد رابطہ ہو رہا ہے اور تم عروج عروج کیے جا رہے ہو۔ تم نے مجھ سے نکاح پڑھوایا ہے یا عروج سے.....؟ یہ مانا کہ وہ میری جان سے عزیز سہیلی ہے۔ لیکن میں اپنے شوہر کے منہ سے اپنا ذکر سننا چاہتی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی میرا حال پوچھا؟ میں کیسے جی رہی ہوں؟ تمہاری غیر موجودگی میں کیسے کیسے حالات سے گزر رہی ہوں؟"

"میں تمہاری طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔ ایک ایک پل کی خبر ملتی رہی ہے۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تمہیں میری خبر کون پہنچاتا رہا ہے؟"

"دیکھو عینی! میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہوں۔"

"چلو۔ تمہاری ہی بات کرتی ہوں۔ تم کن مسائل میں الجھے ہوئے ہو جنہیں اپنی بیوی سے شیئر نہیں کر سکتے؟"

"میرا مسئلہ تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "سمجھ گئی۔ کرائے کے مکان کے لیے پریشان پھر رہے ہو۔"

"مجھے تمہارا یہ طنز کرنے کا انداز بہت ہی برا لگا ہے۔ اس لیے صاف اور سیدھی بات کہتا ہوں' میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ عروج ہے۔"

"تو پھر تمہاری زندگی میں میری کیا حیثیت ہے؟ سنا تھا' بیوی سب کچھ ہوتی ہے۔ محبوبہ کچھ نہیں ہوتی۔"

"یہ سوچو کہ تمہیں بیوی کا رشتہ کس کے توسط سے ملا؟ کیا عروج کے احسان کو بھول رہی ہو؟ اس نے اپنا پیار تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔"

"کیسا احسان....؟ بھول تو تم رہے ہو۔ یاد کرو۔ ہمارا نکاح کہاں ہوا تھا؟ کس نے کرایا تھا؟ کیا اس وقت عروج موجود تھی؟ مجھے تو دردانہ بیگم کا احسان مند ہونا چاہیے۔ لیکن تمہارے سمیت سب ہی عروج کے گن گاتے ہیں۔ جبکہ دیکھا جائے تو اس نے کوئی قربانی نہیں دی ہے۔"

وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ عروج کے خلاف بول رہی ہو؟ جس کے خلاف کبھی کسی کی زبان سے کچھ سن نہیں سکتی تھیں؟"

"وہ تو میں آج بھی نہیں سن سکتی۔ لیکن اس وقت میرے اندر ایک بیوی بول رہی ہے۔ وہ اپنا حق مانگتی ہے۔"

"تمہارے اندر بیوی کا جذبہ بولتا ہے تو سوچو.... اس کے اندر محبوبہ کا جذبہ بولتا ہو گا۔ تم اپنا حق مانگ رہی ہو۔ وہ اپنا محبوب مانگتی ہو گی۔ وہ اپنے جذبوں کا گلا تمہاری خوشیوں کے لیے گھونٹ رہی ہے اور تم کہتی ہو کہ وہ کوئی احسان نہیں کر رہی ہے؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو پاشا! ہماری شادی کے معاملے میں اس کا کوئی احسان نہیں ہے۔"

"بکواس نہ کرو۔ وہ ایک اشارہ کرے تو میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال سکتا ہوں۔ لیکن وہ تمہاری محبت میں اندھی ہے۔ تمہارا گھر اجاڑنا تو دور کی بات.... وہ تمہاری سوکن بھی بننا نہیں چاہتی اور تم اس کے بارے میں اتنے غلط انداز سے سوچنے لگی ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "تو پھر تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں؟ تم سے شادی کر کے میں صرف تم سے ہی نہیں اپنی عروج سے بھی دور ہوتی جا رہی ہوں۔"

"اس کا ایک ہی حل ہے۔"

عینی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔ "وہ کیا.....؟"

"اسے اپنی سوکن بننے پر راضی کر لو۔ اس سے شادی کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں۔ سارے فاصلے مٹ جائیں گے۔ وہ میری نہیں سنتی۔ لیکن تمہاری بات ضرور مانے گی۔"

اس نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ "ایک بیوی سے کہہ رہے ہو کہ اپنی سوکن کے لیے راستہ ہموار کرو؟"

"کوئی بات نہیں۔ وہ بھی تو مجھے تمہارے قریب لانے کے لیے راستے نکالتی رہتی ہے۔ کیا تم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں؟"

"مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔"

"دیکھو عینی! نہ میں تم سے نفرت کر سکتا ہوں اور نہ عروج کو بھول سکتا ہوں۔ جس طرح میں تمہارے لیے ضروری ہوں۔ اسی طرح عروج میرے لیے ضروری ہے۔ ہم میاں بیوی ہیں۔ ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔"

وہ چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میرا یہ نمبر آن رہے گا۔ سوچتی سمجھتی رہو اور مجھ سے مشورہ کرتی رہو۔ بلکہ اس دوران میں عروج سے بھی رابطہ رکھو۔ اسے قائل کرتی رہو۔ ہو سکتا ہے' تمہاری رضامندی سے اسے بھی حوصلہ ملے۔"

عینی کا سر چکرانے لگا تھا۔ اسے اسما یاد آ رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی سوکن کو لانے کا راستہ خود ہموار کیا تھا۔ لیکن اس کے اندر تو خامی تھی۔ اسی لیے وہ سوکن کے رشتے کو برداشت کرنے والی تھی۔

وہ فون بند کر کے سوچ میں پڑ گئی۔ "اگر عروج میری جگہ ہوتی تو کیا وہ مجھے سوکن کے روپ میں قبول کرتی؟ اسے پاشا کی زندگی میں لانے کا مطلب تو یہ ہو گا کہ مجھے ہمیشہ شوہر کی محبت بطور خیرات ملتی رہے گی۔ وہ آج اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ کل بھی اسی کے پیچھے بھاگتا رہے گا اور مجھے اپنے پیچھے دوڑاتا رہے گا۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ پاشا کی یہ بات دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ عروج اک اشارہ کرے تو وہ عینی کو اپنی زندگی سے نکال سکتا ہے۔

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے فون کو دیکھنے لگی۔ پھر ریسیور اٹھا کر عروج کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی

دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو عینی! کیا ہوا؟ پاشا سے بات ہوئی.....؟"

وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ "ہاں۔ ہوئی ہے۔ سوچتی ہوں، نہ ہوتی تو اچھا ہوتا۔ بیٹھے بٹھائے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا ہے۔ وہ تیرا دیوانہ ہے عروج! تیرا ہی رہے گا۔"

"تو کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہی ہے؟"

"پاشا نے ابھی مجھ سے کہا ہے کہ میں تجھے..... میں تجھے اس سے شادی کے لیے قائل کروں۔"

"وہ تو پاگل ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ تیرے لیے پاگل ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ میری محبت یکطرفہ ہے۔"

"ازدواجی زندگی کی شروعات میں ایسے مسائل پیدا ہوتے ہی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ میاں بیوی ایک دوسرے سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ اجنبیت دور ہونے لگتی ہے۔ وہ تیرا شوہر ہے تیری طرف ہی جھکے گا اور میں اسے جھکاؤں گی۔"

جو جھکنا نہیں جانتے وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

عروج اور پاشا کے درمیان دل کا معاملہ تھا۔ وہ دونوں ہی اپنے اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ نہ عروج اس کی بات ماننا چاہتی تھی اور نہ ہی پاشا اس کی بات ماننے پر تیار تھا۔

خدا جانے کس کا دل ٹوٹنے والا تھا؟

☆☆☆

میری ایک بات شہباز کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ میں نے دردانہ کے حوالے سے کہا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں اک ذرا سی غفلت دکھائے گا تو وہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔

شہباز درانی نے مجھ سے رابطہ ختم کرنے کے بعد نانا بھائی سے بات کی تھی اور یہ پتا چلا تھا کہ نانا بھائی دردانہ کو آکاش کے حوالے کر رہا ہے۔ تب سے شہباز درانی پی ٹو تنظیم کے ایک افسر سے رابطہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن دوسری طرف سے مسلسل یہی جواب آ رہا تھا کہ پی ٹو تنظیم کے تمام اعلیٰ افسران اور عہدے دار ایک بہت اہم میٹنگ میں مصروف ہیں۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اس افسر سے رابطہ ہوا تو اس نے کہا۔ "سر! میں بہت پریشان ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا، مجھے اور میری فیملی کو بھرپور تحفظ دیا جائے گا۔"

اس افسر نے کہا۔ "ہم اپنے وعدے کبھی نہیں بھولتے۔ ابھی تمہارے ہی سلسلے میں یہاں میٹنگ ہو رہی تھی۔ پی ٹو تنظیم میں تمہاری شمولیت کی تمام کارروائیاں مکمل ہو چکی ہیں۔ مبارک ہو۔ تم اب ہمارے کنفرم ممبر بن چکے ہو۔"

شہباز نے کہا۔ "شکریہ.....! لیکن اس وقت میں ... الجھا ہوا ہوں۔ یہ الجھن دور ہو جائے گی تو میری خوشیاں ... ہو جائیں گی۔"

"ہاں ہاں۔ کہو! کیا مسئلہ ہے؟"

وہ اسے دردانہ کے بارے میں تفصیل سے بتا... لگا۔ اس افسر نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے ... ابھی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اس عورت کو فوراً ہی تم... فراہم کیا جائے گا۔ تم ہمیں نانا بھائی کا نمبر بتاؤ۔"

شہباز نے نانا بھائی کے ساتھ ساتھ آکاش اور ... دامودر کے نمبر بھی نوٹ کروائے۔ پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ... صوفے پر نیم دراز ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس ... سے بات کرنے کے بعد بڑی آسودگی مل رہی تھی۔

لیکن دوسری طرف دردانہ بیگم پریشان تھی۔ اسے ... گھنٹے بعد ایک فلائٹ کے ذریعے آکاش دامودر کے پاس ... جا رہا تھا اور اب تک شہباز کی طرف سے کوئی حوصلہ ... کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ نانا بھائی کی اس اطلاع نے اسے ... پریشان کر دیا تھا کہ اس کا مجنوں اپنا ملک چھوڑ کر کہیں فرار ... ہے۔ اسے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ایسے م... اپنی لیلیٰ کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔

دردانہ سوچ رہی تھی۔ "آکاش کو بڑی حد تک یقین ... ہے کہ اس کی نیلماں اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ شہباز اس سے جھوٹ بولتا آ رہا ہے۔ اسی نے اس کی نیلماں ... ہے اور وہ بدلے کے طور پر ضرور مجھے موت کے گھاٹ اتا... گا۔"

دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔ ... کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ بات صاف طور ... میں آ رہی تھی کہ وہ دشمنوں کے درمیان بری طرح پھنس... ہے۔

شہباز درانی نے پی ٹو تنظیم میں پہنچنے کے بعد نانا بھائی ... رابطہ کیا تھا۔ لیکن اس نے یہ بات دردانہ کو نہیں بتائی تھی کہ ... دیوانہ اس سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔

دردانہ کو شہباز کی کوئی خیر خبر نہیں مل رہی تھی۔ وہ ... ہو کر سوچنے لگی۔ "نہ جانے میرے ساتھ کیا ہو... ہے؟ شہباز سے بھی بات نہیں ہو رہی ہے۔ پتا نہیں وہ ... چھوڑ کر کہاں گیا ہے؟ میرے بچاؤ کے لیے کیا کر رہا ... کر بھی رہا ہے یا اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا ہے؟"

دوسری طرف نانا بھائی اپنے کمرے میں تھا۔ موبا... کے ذریعے آکاش دامودر سے بات کر رہا تھا۔ ان کے ...

... کے سلسلے میں معاملات طے ہو رہے تھے۔

نانا بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس فراڈیے کا فون آیا تھا۔ ... محبوبہ سے بات کرنے کے لیے بڑا بے چین ہے۔ لیکن ... نے اسے اس کی آواز نہیں سنائی ہے۔"

آکاش نے کہا۔ "میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک ... ہے۔ ذرا اس عورت کو میرے شکنجے میں آنے دو۔ گن گن ... لے لوں گا۔ شہباز نے پہلے شمشیر خان بن کر مجھے دھوکا ... ایک بچے کے معاملے میں تم سے فراڈ کیا۔ اس کی حرکتوں ... یقین ہو گیا ہے کہ اسی نے میری نیلماں کا مرڈر کیا ... اب میں اس کی عورت کو تڑپا تڑپا کر موت کے گھاٹ ... ں گا۔"

"شہباز تو اب بھی فون پر ڈینگیں مار رہا تھا۔ مجھ سے سودا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ وہ اپنی عورت کو ... درمیان سے اڑا لے جانے کی باتیں کر رہا تھا۔ رسی جل ... بل نہیں گئے۔ وہ سرپرست کی چھتر چھایا سے محروم ہو چکا ... بے یار و مددگار ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہے۔"

آکاش نے کہا۔ "پھر بھی ہمیں اس عورت کے معاملے ... ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہاری امانت میں خیانت نہیں ... ہونے دوں گا۔ یہاں سیکورٹی کے بہت سخت انتظامات کیے ... ہیں۔ طیارے میں ہمارا ایک بندہ اس کے ساتھ ساتھ ... گا۔ پٹنہ ایئرپورٹ پر اترتے ہی وہ تمہاری ذمہ داری بن ... جائے گی۔"

"یہاں بھی اسے ریسیو کرنے کی تمام تیاریاں مکمل ... وہاں اس کے سوار ہوتے ہی مجھے فون پر اطلاع دو۔"

"آدھے گھنٹے بعد فلائٹ ہے۔ ہم اسے پندرہ منٹ کے ... یہاں سے لے جائیں گے۔ تاکہ ایئرپورٹ پر اسے زیادہ ... نہ گزارنا پڑے۔ وہاں سیکورٹی کی پریشانی ہو سکتی ... بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے بعد وہ بالکل محفوظ ہو ... جائے گی۔"

ان کے درمیان رابطہ ختم ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دردانہ کو مسلح ... گارڈز کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچایا گیا۔ وہاں فلائٹ کی روانگی کی ... اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ دردانہ کے ساتھ جو شخص سفر کرنے والا ... اس نے فوراً ہی بورڈنگ کارڈز حاصل کیے۔ کچھ دیر کے ... وہ طیارے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آئے تو ... دروازے پر کھڑی ہوئی ایئرہوسٹس نے ان کے بورڈنگ کارڈز ... چیک کرتے ہوئے دردانہ کو گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر مسکرا ... کر انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔

دردانہ اس شخص کے ساتھ چلتی ہوئی اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ طیارے میں سفر کے دوران بڑے بڑے افراد بھی بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔ اس شخص کے پاس نہ تو کوئی اسلحہ تھا اور نہ ہی وہ فون کے ذریعے کسی سے رابطہ کر سکتا تھا۔ پھر بھی وہ مطمئن تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دورانِ سفر دردانہ اس کے ہاتھ سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے ہدایت کے مطابق اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ طیارہ رن وے پر دوڑتا ہوا آہستہ آہستہ بلند ہوتا چلا گیا۔ ان لمحات میں دردانہ کو ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ واقعی دنیا سے دور ہو رہی ہے۔ آکاش کے پاس نہیں جا رہی ہے، بلکہ اپنی موت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے جہاز کی چھوٹی سی کھڑکی سے باہر اڑتے پھرتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔

ایسے ہی وقت ایک ایئرہوسٹس کی آواز سنائی دی۔ "ایکسکیوز می پلیز....."

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ وہی ایئرہوسٹس تھی جس نے انہیں دروازے پر ریسیو کیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک سے بھرے ہوئے گلاسوں کی ایک ٹرے تھی۔ وہ ان میں سے ایک گلاس اٹھا کر اس شخص کو دے رہی تھی۔ پھر دردانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ لیں گی.....؟"

دردانہ نے تائید میں سر ہلا کر اس سے ایک گلاس لے لیا۔ ایسے وقت وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس ایئرہوسٹس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔ وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی اور اسے دیکھنے لگی۔ وہ ان کی طرف سے پلٹ کر دوسرے مسافروں کو اٹینڈ کر رہی تھی۔ پھر وہاں سے چلتی ہوئی طیارے کے اندرونی حصے کی طرف جانے لگی۔ لیکن دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ سر گھما کر دردانہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا پھر وہ پردے کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

دردانہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اس طرف دیکھتی رہی پھر کولڈ ڈرنک ختم کر کے سیٹ پر نیم دراز ہو گئی۔ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے بولی۔ "ہم کتنی دیر میں پہنچیں گے؟"

اس شخص کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے سر گھما کر اسے دیکھا تو وہ جیسے گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ دردانہ بڑی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ پھر اس کے شانے کو ہلاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "سنو.....! سو گئے کیا.....؟"

وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ دردانہ نے فوراً ہی

ایرہوسٹس کو بلانے کے لیے جہاز کی چھت پر لگے ہوئے ایک بٹن کو پریس کیا۔ کچھ دیر بعد وہی ایرہوسٹس پردے کے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب آ کر بولی۔ ”جی میڈم......!“

پھر اس سے پہلے کہ دردانہ کچھ کہتی اس ایرہوسٹس نے ایک تہ شدہ کاغذ اس کی گود میں ڈال دیا۔ دردانہ نے اس کاغذ کو اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایرہوسٹس نے آہستگی سے کہا۔ ”ریڈاٹ....“

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ دردانہ اس کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگی۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ ”گھبراؤ نہیں۔ اسے سونے دو۔ یہ سوئے گا اور تمہیں کھوئے گا۔ میں اپنا تعارف پیش نہیں کروں گی۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے اطمینان کے لیے شہباز درانی کا نام ہی کافی ہے۔“

وہ پڑھتے پڑھتے ایکدم سے چونک گئی۔ سر اٹھا کر خوشی سے اس پردے کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کے پیچھے وہ ایرہوسٹس گئی تھی۔ پھر دوبارہ اس تحریر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”میری طرف سے مطمئن ہو تو ایرہوسٹس کال کا بٹن پریس کرو۔ میں تمہارے پاس آؤں گی تو تم اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باتھ روم کی طرف جاؤ گی۔ باقی باتیں وہاں ہوں گی۔“

تحریر ختم ہو گئی۔ دردانہ نے سر اٹھا کر کال بٹن کی طرف دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اسے پریس کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایرہوسٹس پردے کے پیچھے سے مسکراتی ہوئی نمودار ہوئی۔ اس کے پاس آ کر بولی۔ ”جی میڈم!“

دردانہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”مجھے واش روم جانا ہے۔ آپ کی ذرا سی ہیلپ چاہیے۔“

وہ بدستور مسکراتی ہوئی آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ”آیئے میڈم!“

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی واش روم کے قریب آ گئیں۔ دردانہ نے پوچھا۔ ”تم نے بیگ لانے کا مشورہ کیوں دیا ہے؟“

ایرہوسٹس نے ایک طرف بنے ہوئے کیبنٹ میں سے ایک پیکٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”اس میں سوٹ ہے۔ آپ چینج کر لیں۔ تمام مسافر یہی سمجھیں گے کہ آپ اپنے بیگ میں سوٹ رکھ کر لائی تھیں اور اب چینج کر کے واپس آئی ہیں۔“

وہ بولی۔ ”مجھے شہباز کے بارے میں بتاؤ۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟ کیا اس سے ابھی رابطہ ہو سکتا ہے؟“

اس نے کہا۔ ”سوری میڈم! مجھے جو احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ میں صرف ان کی پابند ہوں۔ اس سے زیادہ نہ کچھ جانتی ہوں اور نہ آپ سے بات کر سکتی ہوں۔“

دردانہ وہ پیکٹ لے کر واش روم کے اندر جانے لگی۔ [ایر]ہوسٹس نے کہا۔ ”بیس منٹ بعد طیارہ لینڈ کرنے [والا] ہے۔ جب تک میں نہ کہوں آپ طیارے سے نہیں اتریں گی۔“

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ وہ واش روم میں جا کر [لباس] تبدیل کرنے لگی۔ پھر واپس اپنی سیٹ پر آ گئی۔ وہ شخص [ابھی] تک بے ہوش تھا۔ کچھ دیر بعد اناؤنسمنٹ ہونے لگی کہ [طیارہ] لینڈ کرنے والا ہے۔ مسافر حضرات اپنی سیٹ بیلٹ با[ندھ] لیں۔

دردانہ نے پہلے اپنے برابر بے ہوش پڑے ہوئے شخص [کی] بیلٹ باندھی۔ پھر اپنی حفاظتی بیلٹ باندھنے کے بعد بے[چینی] سے طیارے کے اترنے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کبھی کبھی [اس] بے ہوش پڑے ہوئے شخص کو بھی دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جہاز رن وے پر دوڑتا ہوا اپنی مخصوص جگہ [پر جا] کر رک گیا۔ مسافر ایک ایک کر کے بیرونی دروازے سے [باہر] جانے لگے۔ وہی ایرہوسٹس اپنی ایک ساتھی کے ساتھ مسافروں کو رخصت کر رہی تھی۔ کبھی کبھی مسکرا کر دردانہ [کی] طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

دھیرے دھیرے طیارہ مسافروں سے خالی ہو[گیا۔] ایرہوسٹس نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ”آپ میرے [ساتھ] آ ئیں۔“

دردانہ نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس شخص کی طرف [اشارہ] کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اس کا کیا ہو گا؟“

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ”اسے چھوڑ دیں۔ یہ [کوئی] مسئلہ نہیں ہے۔“

دردانہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی طیارے کی سیڑھیاں [اتر کر] نیچے آئی تو وہاں وہ گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس میں ایرہو[سٹس کو] جہاز کے دوسرے عملے کو لایا اور لے جایا جاتا ہے۔ دردانہ ایرہوسٹس کے ساتھ اندر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ گاڑی اسٹار[ٹ ہو] کر ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف جانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس ایرہوسٹس کے ساتھ ایک [کمرے] میں آ گئی۔ دردانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”شہباز یہاں ہیں؟“

اس نے کہا۔ ”پلیز۔ آپ بیٹھیں میں ابھی آتی ہوں۔“

پھر وہ دروازہ کھولتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ [دردانہ] پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے امید تھی کہ ہو[ائی اڈے] پہنچتے ہی شہباز سے سامنا ہو گا۔ لیکن ابھی تک صورتحال طور پر سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ایرہوسٹس اندر آتے ہوئے [بولی]۔ ”پلیز میڈم! اپنا پاسپورٹ مجھے دیں۔“

”تم میرا پاسپورٹ کیوں مانگ رہی ہو؟“

”پلیز میڈم! کوئی سوال نہ کریں۔ مجھے آرڈر کے مطابق کام کرنے دیں۔“

”میں تمہاری خاموشی سے الجھ رہی ہوں۔ آخر کچھ تو [بتاؤ] تم کون ہو؟ شہباز کہاں ہے؟“

”پلیز۔ وقت ضائع نہ کریں۔ اپنا پاسپورٹ مجھے دیں۔ [یہ سب] جو ہو رہا ہے آپ کے بھلے کے لیے ہی ہو رہا ہے۔ ابھی [تھوڑی] دیر میں آپ کو تمام سوالوں کے جواب بھی مل جائیں [گے۔] پلیز۔ مجھ پر بھروسا کریں۔“

دردانہ نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اپنا [پاس]پورٹ نکال کر اسے تھما دیا۔ وہ فوراً ہی اسے لے کر کمرے [سے] باہر چلی گئی۔ دردانہ سوچنے لگی۔ ”شہباز! یہ تم میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے ہو؟“

وہ سوچ رہی تھی اور کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی [تھی]۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب شہباز اس ایرہوسٹس کو [ہدای]ت دے رہا ہے تو اپنی دردانہ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا [ہے]؟

تقریباً بیس منٹ گزرنے کے بعد وہ ایرہوسٹس کمرے [میں] آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں پاسپورٹ اور ویزا دکھائی دے [رہا] تھا اور دوسرے ہاتھ میں موبائل فون تھا۔ وہ ویزا اور [پاس]پورٹ دردانہ کو دیتے ہوئے بولی۔ ”ایک گھنٹے بعد آپ کی [فلائ]ٹ ہے۔ آپ روس جا رہی ہیں۔“

اس نے چونک کر پوچھا۔ ”روس....؟“

وہ ایرہوسٹس موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے [بولی]۔ ”یہ لیں۔ آپ کی کال آنے والی ہے۔ میں ایک گھنٹے [بعد] آؤں گی اور آپ کو آپ کی مطلوبہ فلائٹ تک پہنچا دوں گی۔“

[پھ]ر وہ پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ دردانہ سوالیہ نظروں [سے ک]بھی موبائل فون کو اور کبھی ویزا کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی [تھی]۔ ایسے ہی وقت فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اسے آن [کر] کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ”ہیلو۔ کون.....؟“

دوسری طرف سے شہباز کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو۔ [درد]انہ! میری جان! میں شہباز بول رہا ہوں۔“

دردانہ نے مارے خوشی کی تقریباً چیختے ہوئے [کہا]۔ ”شہباز! تم ....؟ کہاں ہو؟ فون پر کیوں بول رہے [ہو؟] ملنے کیوں نہیں آئے؟“

”میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا، تم میرے پاس آؤ گی۔ تمہیں ویزا مل گیا ہو گا؟“

وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ویزا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کیا تم روس پہنچے ہوئے ہو؟“

”ہاں۔ موت کو شکست دے کر یہاں تک پہنچا ہوں۔“

وہ بولی۔ ”تم سے تو بات نہیں ہوتی تھی۔ نانا بھائی کے ذریعے پتا چلا تھا کہ تم بڑے مسائل میں الجھے ہوئے ہو پاکستان چھوڑ کر کہیں روپوش ہو گئے ہو۔ میں تو تمہاری طرف سے بالکل ہی مایوس ہو گئی تھی۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ تم مجھے بھول گئے ہو گے۔“

وہ بولا۔ ”تم تو میری جان ہو۔ میں تمہیں بھول کر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پہلے بھی تم مجھ سے دور ہو گئی تھیں لیکن پھر اچانک ہی مل گئی تھیں۔ اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہم ایک بار پھر بچھڑ کر ملنے والے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”میں تو دعا مانگ رہی ہوں کہ اب کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔“

”تم سوچ بھی نہیں سکتیں، میں پہلے سے زیادہ پاورفل ہو گیا ہوں۔ میرے پاس آؤ گی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔ فون پر لمبی بات نہیں کر سکتا۔ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

”بے چینی تو مجھے بھی ہے۔ اس بار تم سے ملوں گی تو کبھی الگ ہونے کی بھول نہیں کروں گی۔“

بھول کبھی جان بوجھ کر نہیں ہوتی۔ بھول سے ہو جاتی ہے۔ وہ ایسی بھول کرنے والے دشمنوں کی بھول بھلیوں سے گزرنے کے بعد اپنے شہباز سے ملنے والی تھی۔

☆☆☆

پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان پانچ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ نمرہ اور جبران آٹھ گھنٹے کا سفر طے کرتے ہوئے لندن پہنچے تو وہاں رات کے نو بج رہے تھے۔ جب لاہور میں رات کے بارہ بجے اور موت وہاں شب خون مارنے آئی تو اس وقت وہ طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ پاکستان سے بہت دور نکل چکا تھا۔

اب لندن سے انہیں نیویارک جانا تھا۔ جبران نے فون کے ذریعہ ایک ٹریول ایجنسی سے رابطہ کر کے نیویارک کے لیے دو سیٹیں او کے کرانا چاہیں۔ پتا چلا کہ مطلوبہ فلائٹ میں اسے کوئی سیٹ نہیں مل سکتی۔

اس نے گھبرا کر پوچھا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہمارا نیویارک سٹی جانا بہت ضروری ہے۔ پلیز۔ آپ کچھ کریں۔“

ایجنٹ نے کہا۔ ”سر! ہم مجبور ہیں۔ اُس فلائٹ کی تمام سیٹیں ریزرو ہو چکی ہیں۔ ایک گھنٹے بعد دوسری فلائٹ نیویارک جائے گی۔ اگر کہیں تو اس میں آپ کی سیٹیں او کے ہو

سکتی ہیں۔"

"ابھی تو اس فلائٹ کے جانے میں ڈیڑھ گھنٹا باقی ہے۔دوسری فلائٹ کا مطلب دو ڈھائی گھنٹے لندن میں رہنا ہوگا۔ بہت دیر ہو جائے گی۔ یہاں رات کے بارہ بجنے والے ہوں گے۔ پلیز' کوئی صورت نکالیں۔ مجھے اسی فلائٹ میں سیٹ چاہیے۔"

"آپ کو انتظار کرنا ہوگا شاید چانس پر جگہ مل جائے۔"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ جبران پریشان ہو کر اپنے فون کو تکنے لگا۔ نمرہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔"کیا ہوا.....؟"

وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے بولا۔"بات نہیں بن رہی ہے۔ہمیں یہاں آتے ہی سیٹیں او کے کرا لینی چاہیے تھیں۔"

"کوئی بات نہیں ۔دوسری فلائٹ میں سیٹیں مل رہی ہیں۔انہیں تو ڈن کرلو۔ایسا نہ ہو وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں؟"

"دوسری نہیں.....ہمیں اسی فلائٹ میں جانا ہے۔تمہاری بات نہ مان کر شاپنگ سینٹر جانے کے بجائے پہلے ٹریول ایجنسی جاتا تو یہ پرابلم نہ ہوتی۔"

"سوری بابا...! شاپنگ کے بعد سے اب تک تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہوا ہے۔اتنی تو شاپنگ بھی نہیں کی ہے' جتنی معافیاں مانگ چکی ہوں۔پلیز۔تھوڑا سا مسکرا دو۔"

"جب تک سیٹوں کی کنفرمیشن نہیں ہوگی۔میرا موڈ ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"ٹریول ایجنٹ نے کیا کہا ہے؟"

"اگر کوئی مسافر اپنا ٹکٹ کینسل کرائے گا تو وہ ہمیں اطلاع دے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو.....؟"

جبران کے ہاتھوں میں ایک ذرا لرزش سی ہونے لگی۔نمرہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔"آریو آل رائٹ....؟"

وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کر بولا۔"پلیز نمرہ! کچھ کرو۔ ہمارا نیویارک جانا بہت ضروری ہے۔"

"او کے ریلیکس ..... میں اس ایجنٹ سے بات کرتی ہوں۔"

وہ موبائل فون اس کے ہاتھ سے لے کر ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرنے لگی۔دوسری طرف سے ایک بار پھر مایوس کن جواب ملا۔جبران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔نمرہ اس کا بازو تھپکتے ہوئے بولی۔"میری مانو...دوسری فلائٹ میں سیٹیں ریزرو کرالو۔ہم ڈیڑھ گھنٹے بعد نہ سہی۔تین گھنٹے بعد نیویارک پہنچ جائیں گے۔"

وہ الجھ کر بولا۔"میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا۔یہاں میرے لیے ایک ایک پل بھاری ہو رہا ہے اور تم تین گھنٹے گزارنے کی بات کر رہی ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں بھلا تم سے کیا چھپاؤں گا؟"

پھر وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔"پلیز۔کافی منگواؤ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر انٹر کام کے ذریعہ کافی آرڈر دینے لگی۔ایسے ہی وقت جبران کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔اس نے لپک کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔وہ ٹریول ایجنسی کا نمبر تھا۔اس نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔"ہیلو...کیا سیٹوں کا بندوبست ہو گیا...؟"

ایجنٹ نے کہا۔"مسٹر جبران! ابھی ایک لیڈی نے اپنی سیٹ کینسل کرائی ہے۔اگر مناسب سمجھیں تو ہم اسے آپ کے لیے ریزرو کر دیتے ہیں۔"

اس نے نمرہ کی طرف دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔"ایک سیٹ....؟ مگر ہم تو دو ہیں۔"

"فی الحال تو ایک ہی ہے۔ممکن ہے' کچھ دیر بعد ایک سیٹ اور مل جائے۔"

جبران سوچ میں پڑ گیا۔اگر دوسری سیٹ کا انتظام نہ ہوا تو....؟ میں نمرہ سے بات کروں گا۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ دوسری فلائٹ سے نیویارک آ جائے گی۔فی الحال میرا لندن سے جانا ضروری ہے۔

اس نے فون پر کہا۔"ٹھیک ہے۔آپ ایک سیٹ او کے کر دیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔نمرہ نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔"ہم دو ہیں۔یہ ایک سیٹ کس کے لیے او کے کرائی ہے؟"

وہ اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔"ابھی دوسری کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں' ایک سیٹ کس کے لیے او کے کرائی ہے؟ اگر دوسری کا بندوبست نہ ہوا تو میں تنہا نیویارک جاؤں گی؟ یا تنہا لندن میں رہوں گی؟"

"اگر ایسا ہوا تو پہلے میں جاؤں گا۔تم دوسری فلائٹ سے میرے پاس چلی آؤ گی۔"

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔"مجھے تمہاری پرابلم سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔اگر ایسے تیتر بٹیر ہو کر ہی سفر کرنا تھا تو

ساتھ کیوں لائے ہو؟ پتا نہیں' یہاں ایسی کون سی قیامت آنے والی ہے' جس سے تمہارا بچنا بہت ضروری ہے؟ اتنا ضروری کہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔"میں تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔"باتیں مت بناؤ۔یہ سیٹ کینسل کرو۔ورنہ میں پاکستان کے لیے اپنی سیٹ او کے کرا لوں گی۔تنہا یہاں رہوں گی اور نہ نیویارک جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر اسے سمجھانا چاہتا تھا۔مگر اٹھتے اٹھتے ایکدم سے ڈگمگا گیا۔دھپ سے صوفے پر بیٹھ کر ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔"پ.....پلیز نم...نمرہ! مجھے چھوڑ کر جا...جانے کی بات نہ کرو۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا رہی ہوں۔تم جانا چاہتے ہو۔"

وہ بے بسی سے بولا۔"میں مجبور ہوں۔"

"کیا مجبوری ہے؟ تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

وہ آہستہ آہستہ لرز رہا تھا۔وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔"میں تمہارے ہر معاملے میں تعاون کر رہی ہوں۔مجھے تم پر اتنا بھروسا ہے کہ اپنے والدین اور گھر والوں کو چھوڑ کر یہاں پردیس آ گئی ہوں۔کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟ اپنی پرابلم مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

وہ بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا۔وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔"ہمارے درمیان ایک ذرا سی بے اعتمادی علیحدگی کا سبب بن سکتی ہے۔بولو! کیا میں پاکستان چلی جاؤں؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو جکڑتے ہوئے بولا۔"نہیں....

'تو پھر بتاؤ۔تنہا نیویارک کیوں جانا چاہتے ہو؟ مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔"م.....میرے پیچھے موت لگی ہوئی ہے۔"

نمرہ نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔وہ بولا۔"مقدر حیات نے پیش گوئی کی ہے کہ اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے نئے اور پرانے سال کے سنگم پر موت آ کر مجھے دبوچ لے گی۔"

وہ ایکدم سے پریشان ہو کر بولی۔"یہ...یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں نہیں کہہ رہا ہوں۔مقدر حیات نے پیش گوئی کی ہے۔"

نمرہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔وہ بولا۔"اور سب ہی جانتے ہیں' اس کی پیش گوئی کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔"

نمرہ کی آنکھوں میں بے پناہ ہمدردی کے جذبات سمٹ آئے۔وہ بڑی محبت سے بولی۔"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی؟"

"ایک تو مقدر حیات نے منع کیا تھا۔دوسرے میرے دل کو یہ دھڑکا تھا کہ کہیں تم مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟ یہ حقیقت جاننے کے بعد تو دل تمہاری طرف اور کھنچنے لگا ہے۔ہائی داوے....کیا آنٹی کو اس بات کا علم ہے؟"

وہ بولا۔"ہاں۔میں' مقدر حیات اور ماما ہم تینوں ہی اس حقیقت سے واقف ہیں۔"

نمرہ کو ان لمحات میں واقعی جبران پر بڑا پیار آ رہا تھا۔سینے میں ہمدردی کا طوفان امڈ رہا تھا۔سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے حوصلہ دے؟ وہ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔"اب تو مجھے چھوڑ کر تم پاکستان واپس جانے کی بات نہیں کرو گی؟"

"بالکل نہیں .....اب تو میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گی۔مگر پوری دنیا کا چکر کاٹنے کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"مقدر حیات نے کہا تھا' تدبیر سے تقدیر کو بدلا جا سکتا ہے اور میں اسی کی تدبیر پر عمل کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟ کیا تم موت کو ٹال سکو گے؟"

"ہاں۔مقدر حیات کی تدبیر کے مطابق میں موت کو دھوکا دیتا ہوا نئی زندگی حاصل کروں گا اور ضرور کروں گا۔"

پھر وہ اسے تفصیل سے تمام باتیں بتانے لگا۔وہ توجہ سے سننے کے بعد خوش ہو کر بولی۔"بڑی زبردست تدبیر ہے۔"

"بشرطیکہ تمہارا تعاون رہے۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔اب تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔"

"تھینک یو نمرہ...! تم نہیں جانتیں' میں صرف تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے موت سے لڑ رہا ہوں۔"

وہ اسے بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔نمرہ نے موبائل فون اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔"ابھی ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرو۔اگر میری سیٹ کا بندوبست نہیں ہو رہا ہے تو کوئی بات نہیں.....میں دوسری فلائٹ سے نیویارک پہنچ جاؤں گی۔"

اس نے ایجنسی سے رابطہ کر کے سیٹ کے بارے میں پوچھا۔ایجنٹ نے کہا۔"سوری سر! فلائٹ کا ٹائم کم ہو رہا ہے۔

سیٹ کا چانس بھی کم ہے۔آپ دوسری فلائٹ میں ریزرویشن کرالیں۔"

اس نے نمرہ کے لیے دوسری فلائٹ میں ایک سیٹ حاصل کی۔پھر رابطہ ختم کرکے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"فلائٹ کا وقت ہوگیا ہے۔ہمیں چلنا چاہیے۔"

وہ ایک بیگ میں جبران کا ضروری سامان رکھ کر اس کے ساتھ ایرپورٹ آگئی۔ساڑھے دس بجے طیارہ وہاں سے نیویارک کے لیے روانہ ہوا۔یعنی جبران موت سے صرف ڈیڑھ گھنٹا پہلے لندن سے نکل گیا۔اسے رخصت کرتے ہوئے دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔اگر سیٹ کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ کبھی اسے تنہا نہ چھوڑتی۔

وہ ایرپورٹ کی عمارت سے باہر ایک پی سی او میں آگئی۔مسز رانا سے رابطہ کرنے لگی۔

دوسری طرف جبران طیارے کے پُرسکون ماحول میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے سوچ میں گم تھا۔پاکستان سے سفر کا آغاز کرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یوں اچانک ہی نمرہ کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔عارضی طور پر ہی سہی....وہ اسے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

وہ آیندہ سفر کے بارے میں سوچنے لگا۔"نیویارک پہنچتے ہی برٹش کولمبیا جانے کے لیے سیٹیں ریزرو کرالوں گا۔اس طرح پھر موت سے ساڑھے چار یا پانچ گھنٹے آگے نکل جاؤں گا۔ایسے وقت میری نمرہ بھی میرے ساتھ ہوگی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر طیارے میں ادھر ادھر دیکھا۔وہاں ملکی اور غیر ملکی چہرے دکھائی دے رہے تھے۔تین ایرہوسٹس اپنی اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں۔اس نے ایک کپ کافی طلب کی' پھر بڑے اطمینان سے نیم دراز ہوکر سوچ میں گم ہوگیا۔اس کی پلاننگ تھی کہ نیویارک سے برٹش کولمبیا کے شہر فورٹ گراہم پہنچ کر جاپان کے لیے سیٹیں ریزرو کرائے گا۔یوں وہ موت کو شکست دیتا ہوا جب جاپان پہنچے گا تو وہاں نئے سال کی پہلی تاریخ ہوگی۔

انسان جو سوچے' وہ ہوجائے تو پھر تقدیر پر کون یقین کرے گا؟ وہ تدبیر کے ہتھیار سے اپنی تقدیر پر وار کررہا تھا۔مگر قدرت کو کیا منظور ہے؟ یہ وقت آنے پر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وہاں پُرسکون انداز میں بیٹھے ہوئے مسافر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پائلٹ کیبن میں کیسی کھلبلی مچی ہوئی ہے؟ طیارے کا عملہ اس وقت ہکا بکا رہ گیا' جب ایک مضبوط جسامت والے شخص نے اپنے دو گن مین کے ساتھ اچانک ہی وہاں آکر کو پائلٹ کو گن پوائنٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔"تمام مسافروں کی خیریت چاہتے ہو تو طیارے کو افریقا کے مغربی ساحل کی طرف موڑ دو۔یہ نیویارک نہیں....ماریشس جائے گا۔"

پائلٹ اور کو پائلٹ نے پریشان ہوکر اسے دیکھا۔جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ طیارہ ہائی جیک کیا جا رہا ہے۔کو پائلٹ نے پوچھا۔"تم کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہم تم سے کچھ نہیں چاہتے۔ہمارے کچھ سیاسی مطالبات ہیں۔تم اس بحث میں نہ پڑو۔جو کہا جا رہا ہے' اس پر عمل کرتے رہو۔مسافروں کے درمیان ہمارے کئی مسلح ساتھی موجود ہیں۔میرے حکم سے انکار کروگے تو ہم وقفہ وقفہ سے ایک ایک مسافر کو گولی مارتے رہیں گے۔"

وہ افریقی باغی تھے۔ان کے چند ساتھیوں کو برطانوی حکومت نے قیدی بنالیا تھا۔وہ اس طیارے کو ہائی جیک کرکے ان ساتھیوں کی رہائی کے سلسلے میں اپنے مطالبات منوانا چاہتے تھے۔اسی لیے اسے ماریشس لے جانے کا حکم دے رہے تھے۔

جبران اپنی موت کو پیچھے چھوڑ کر جا رہا تھا۔مگر وہ ہائی جیکر اسے واپس اسی طرف لے جانے والے تھے۔طیارے کا عملہ ان لوگوں سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔لہٰذا اسے ماریشس کے لیے موڑ دیا گیا۔

بے چارے مسافر ابھی بے خبر تھے۔ان لمحات میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ طیارہ واپس نہیں جا رہا تھا بلکہ جبران کی موت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ بے خبری میں کھنچا چلا جا رہا تھا۔

جب طیارے کو واپسی کے لیے موڑا جا رہا تھا' تب وہ دنیا کے سب سے وسیع و عریض سمندر بحرِ اوقیانوس پر پرواز کررہا تھا۔آگے پیچھے دور تک کسی ملک کی زمین یا جزیرہ نہیں تھا۔طیارے کی کھڑکی سے دور دور تک اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا اور اندازہ تھا کہ تقریباً دو تین گھنٹے تک وہ لوگ ایسے ہی اندھے سفر میں رہیں گے۔

مگر جبران اور دوسرے چند مسافر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے چونک گئے۔ایک دوسرے سے کہنے لگے۔"ارے....یہ روشنیاں کیسی ہیں؟"

ایک نے کہا۔"انسانی آبادی لگتی ہے۔"

دوسرے نے کہا۔"میرے حساب سے طیارے کو اس وقت بحرِ اوقیانوس پر سے گزرنا چاہیے۔یہاں انسانی آبادی کہاں سے آگئی؟ جبکہ دور دور تک کوئی جزیرہ بھی نہیں ہے۔"

"نہ انسانی آبادی ہوسکتی ہے' نہ کوئی جزیرہ۔تو پھر یہ روشنیاں کیسی ہیں؟"

ایک ایرہوسٹس کو روک کر پوچھا گیا۔وہ ایک ذرا پریشان ہوکر تمام مسافروں کو دیکھنے لگی۔ایسے وقت اس کی نظر ایک

مشکوک شخص پر پڑی۔وہ اسے گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔

ایرہوسٹس نے مسافروں سے ایکسکیوز کرتے ہوئے کہا۔"جسٹ اے منٹ....میں ابھی معلوم کرتی ہوں کہ ہم اس وقت کہاں سے گزر رہے ہیں؟"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی طیارے کے اس حصے میں آگئی جہاں دو اسٹیوارڈ موجود تھے۔ایرہوسٹس نے کہا۔"مسافر حضرات پریشان ہیں۔معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ طیارہ کہاں سے گزر رہا ہے؟"

اس نے کہا۔"میرا خیال ہے' مسافروں کو حقیقت سے آگاہ کردینا چاہیے۔"

دوسرے نے کہا۔"اس طرح مسافروں میں بے چینی پھیل جائے گی۔"

ایرہوسٹس نے کہا۔"بے چینی تو اب بھی پھیلی ہوئی ہے۔"

ایک اور ایرہوسٹس نے وہاں آتے ہوئے کہا۔"مسافر حضرات طرح طرح کے سوالات کررہے ہیں۔ہم کیا جواب دیں؟"

وہاں ہائی جیکرز کا ایک بندہ عملے کی نگرانی پر مامور تھا۔وہ بولا۔"جواب کیا دینا ہے؟ کہہ دو' طیارے کو ماریشس پہنچایا جا رہا ہے۔"

ایرہوسٹس نے کہا۔"ہمیں پائلٹ حضرات سے مشورہ کرنا چاہیے۔"

وہ ہائی جیکر ایک اسٹیوارڈ کے ساتھ پائلٹ کیبن میں آگیا۔وہاں پائلٹ اور کو پائلٹ کو بتایا گیا کہ مسافروں میں بے چینی پھیل رہی ہے۔انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا ہوگا۔وہ سب آپس میں مشورے کرنے لگے۔

دوسری طرف جبران پریشان ہو رہا تھا۔بار بار رسٹ واچ کی طرف دیکھ رہا تھا۔لندن کے وقت کے مطابق رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔اسے یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ وہ طیارہ لندن کی حدود سے نکل چکا ہے یا نہیں....؟

ایسے ہی وقت اسپیکر کے ذریعے اعلان ہونے لگا۔"خواتین و حضرات! ایک اعلان سماعت فرمائیں۔زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔لیکن کبھی کبھی ہم اپنے ہی جیسے انسانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔اس وقت ہمارے ساتھ بھی یہی صورتحال ہے۔"

مسافروں کی بے چینی اور بڑھ گئی۔کہا جا رہا تھا۔"ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس طیارے کو ہائی جیک کیا گیا ہے۔اب یہ نیویارک نہیں جا رہا ہے۔واپس ماریشس جا رہا ہے۔"

مسافر پریشان ہوکر ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔بات پریشانی کی تھی لیکن جبران کی تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ماریشس جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ موت کی آغوش میں جانے والا ہے۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔"یہ....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

کو پائلٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے ہائی جیکر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔"آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔"

جبران کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔"فار گاڈ سیک....اس طیارے کو ماریشس نہ لے جاؤ۔میں بے موت مرجاؤں گا...."

وہ غرّا کر بولا۔"زیادہ بولو گے تو ابھی اڑا کر رکھ دوں گا۔بیٹھ جاؤ...."

کو پائلٹ نے جلدی سے کہا۔"پلیز....آپ سب کا اور ہمارا تعاون ہی ہمیں محفوظ رکھ سکے گا۔یہاں سب ہی مسافر اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوں گے۔لیکن ہم مجبور ہیں۔بے بس ہیں۔"

جبران کے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔وہ بولا۔"آپ کی یہ بے بسی کسی کی جان لے سکتی ہے۔"

کو پائلٹ نے کہا۔"زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔پلیز....انتظار کریں۔جلد ہی نجات کا راستہ نکالا جائے گا۔آپ ہائی جیکرز کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں' کوئی حرکت نہ کریں۔"

وہ ہائی جیکر تمام مسافروں کو گھورتے ہوئے بولا۔"خاموشی سے اپنی اپنی جگہ بیٹھنے میں ہی تم لوگوں کی سلامتی ہے۔"

وہ گن کے ذریعہ جبران کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔"اے! بیٹھ جاؤ...."

وہ حیران پریشان سا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔وہ زمین اور آسمان کے درمیان سفر کرنے والا' زندگی اور موت کے درمیان لٹک کر رہ گیا تھا۔ایسے وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے کیا کرے کیا نہ کرے؟

طیارے کے اندر' باہر' اوپر اور نیچے ہر طرف موت ہی موت تھی۔اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا۔"کیا لندن اور ماریشس کی ٹائمنگ ایک جیسی ہے؟"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب....مطلب یہ کہ ابھی لندن میں رات کے بارہ بجیں گے تو کیا ماریشس میں بھی عین اسی وقت بارہ بجیں گے؟"

اس شخص نے کہا۔" ہاں۔شاید کچھ منٹوں کا فرق ہے۔"

جبران نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ وہ شخص بولا۔" کبھی سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اس بار یہی نیو ایر ہائی جیکرز کے ساتھ ہوگا۔ مقدر کے تماشے ہیں کیا کہیے....؟"

جبران نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ دس منٹ گزر چکے تھے۔ لندن کے وقت کے مطابق رات کے بارہ بجنے میں صرف بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ یعنی موت اس سے بیس منٹ کے فاصلے پر تھی۔ اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ہائی جیکر ہاتھ میں گن لیے مسافروں کی نگرانی کرر ہا تھا۔

جبران کی عقل ایسی خبط ہوگئی تھی کہ وہ نمرہ سے رابطہ کرنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔ اپنے بیگ میں سے موبائل فون نکال کر اسے آن کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس مسلح ہائی جیکر کی موجودگی میں ایسا کرنا ناممکن تھا۔

وہ ہائی جیکر ایک ایک مسافر کی حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جبران کی بے چینی کو بھانپ گیا تھا۔ اس پر خاص توجہ دے رہا تھا۔ مگر جبران کے دل و دماغ میں تو جیسے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہائی جیکر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

جبران نے کہا۔" وہ..... مجھے واش روم جانا ہے۔"

وہ قریب آکر اپنی گن اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے بولا۔" واش روم جانا ہے یا اوپر جانا ہے؟ فون ادھر دے....."

تمام مسافر انہیں دیکھ رہے تھے۔ جبران نے گھبرا کر کہا۔" فون....؟"

اس سے پہلے کہ وہ باتیں بناتا۔ ہائی جیکر نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ پھر اس کی ایک جیب میں سے فون نکالتے ہوئے کہا۔" اسے ساتھ لے کر کیا کرنے جارہا تھا؟"

" کچھ نہیں... یہ تو ہمیشہ میری جیب میں ہی رہتا ہے۔"

وہ اسے دھکا دیتے ہوئے بولا۔" طیارے کے اترنے تک کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ہم لوگ جتنی نرمی دکھائیں گے' تم لوگ اُتنی ہی مکاری دکھاؤ گے۔"

وہ بولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جبران کے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔" بھائی! تمہاری پرابلم کیا ہے؟ سب ہی اس ناگہانی آفت سے پریشان ہیں۔ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے بے چین ہیں۔ تم کچھ زیادہ ہی پریشانی ظاہر کرر ہے ہو۔"

ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تیسرے شخص نے کہا۔" یہ لوگ ابھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ کسی سے کوئی بدتمیزی نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن تمہاری نادانیوں سے بھڑ سکتے ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنے ساتھ ہماری زندگی بھی خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو؟ آرام سے بیٹھے رہو۔"

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔" آپ لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ اس طیارے کا واپس جانا میری زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ خدا کے لیے ...میرا ساتھ دیں۔ ہم سب مل کر ہائی جیکرز سے درخواست کریں گے کہ طیارے کو ماریشس نہ لے جائیں۔ ہائی جیک کریں۔ مگر کسی دوسرے ملک میں لے جائیں۔ نیویارک میں بھی تو ہمیں یرغمال بنا کر رکھا جا سکتا ہے۔"

" وہ لوگ یہاں تمہارے مشورے پر نہیں ... اپنے منصوبے پر عمل کرنے آئے ہیں۔"

اس ہائی جیکر نے ان کے قریب آتے ہوئے غرا کر کہا۔" اے...! کیا ہو رہا ہے؟"

وہ تینوں فوراً ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ جبران نے کن انکھیوں سے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ مزید دس منٹ گزر چکے تھے۔ آئندہ دس منٹ بعد رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ نئے سال کی ابتدا ہونے والی تھی اور شاید جبران کی زندگی کا اختتام......

جو چیز کم رہ جائے تو اس کے لیے انسان کی طلب اور تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ کینسر کے مریض کی موت یقینی ہوتی ہے۔ لیکن وہ تھوڑا اور جینے کے لیے اپنی سی کوششیں کرتا رہتا ہے۔ آخری سانس تک موت سے لڑتا رہتا ہے۔ کوششیں ہمیشہ ناکام نہیں ہوتیں۔ کبھی کبھی کوئی خوش نصیب موت کی دہلیز سے پلٹ آتا ہے۔

ہر گزرتا ہوا لمحہ اس کے اندر ایک جوش' ایک ولولہ بھر رہا تھا۔ جینے کی اُمنگ......نمرہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا جذبہ ....اور بارہ بجنے میں تین منٹ باقی رہ گئے تھے۔ یعنی وہ موت سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح کپکپا رہے تھے۔ پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ صرف یہ خیال ابھر رہا تھا "موت آنے والی ہے۔ کہاں سے آئے گی؟ کھڑکی سے..... چھت سے .....دروازے سے.... کیا بیٹھے بیٹھے اچانک ہی میری سانس رک جائے گی؟"

ایک منٹ اور گزر گیا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس کے ننھے سے ڈائل پر نمرہ کا کتابی چہرہ مسکرانے لگا۔ دل میں جیسے جینے کا جذبہ لاوا بن کر ابلنے لگا۔ وہ نگرانی کرنے والا

ہائی جیکر ایسے وقت اس کی سیٹ کے پاس سے گزر رہا تھا۔ جبران گہری گہری سانسیں لیتا ہوا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اچانک ہی اس پر حملہ کرکے اس کی گن چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔

آس پاس بیٹھے ہوئے مسافر ایکدم سے پریشان ہوگئے۔ وہاں سیٹوں پر صرف مسافر نہیں تھے۔ ان ہائی جیکرز کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر ایک نے فوراً ہی اپنی گن نکالی' پھر...وہی ہوا جو ہونے والا تھا۔ جو ہونی ہے' وہ ہو کر رہتی ہے۔ اس نے جبران کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔

جبران ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ پورے وجود کے اندر جیسے آگ سی بھر گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ وہ ڈگمگاتا ہوا' چکراتا ہوا فرش پر گر پڑا۔ سب اپنی اپنی جگہ سہمے ہوئے تھے۔ کوئی اس کے قریب نہیں گیا۔ اس کی طرف جانے والا بھی مارا جاتا اس کے سینے سے لہو پھوٹ رہا تھا۔ گھڑی کا کانٹا ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ ایسے آگے بڑھ رہا تھا۔ جیسے موت ایک ایک قدم اس کی طرف بڑھ رہی ہو۔ وہ گہری گہری سانسیں کھینچ رہا تھا۔ جیسے جینے کی مہلت مانگ رہا ہو۔

ان لمحات میں طیارہ جب طول البلد اور عرض البلد کے درمیان سے گزر رہا تھا' وہاں بارہ بج چکے تھے۔ ایک آخری ہچکی کے ساتھ ہی وہ ایکدم سے ساکت ہوگیا۔ ایسے وقت اس کا دم ٹوٹا' جب دنیا نئے سال کی خوشیاں منا رہی تھی۔ نئے اور پرانے سال کے سنگم پر اس کا ہاتھ صرف زندگی سے ہی نہیں' نمرہ سے بھی چھوٹ گیا تھا۔

☆☆☆

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ عروج پانچ بجے سے جاگ رہی تھی۔ یا شاید رات بھر سوئی نہیں تھی۔ پاشا کے حکم کے مطابق ٹھیک دس بجے اسے سول کورٹ پہنچنا تھا۔ وہ اس کا دلہا بن کر وہاں پہنچنے والا تھا۔ نکاح کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔

وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ پاشا سے کچھ مہلت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کی طرف سے مایوس ہوتا آیا تھا۔ یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے ایک منٹ کی بھی مہلت دے گا۔ اب تو وہ اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے موبائل فون اٹھا کر پاشا کے نمبر پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔" میں بول رہی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر نیند بھری آواز میں بولا۔" اوہ عروج! آنکھ کھلتے ہی تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ مت پوچھو مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے؟ یہ ہماری زندگی کی پہلی یادگار صبح ہے۔"

" میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو؟"

وہ وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔" ابھی چار گھنٹے بعد تو ہماری ملاقات ہونے والی ہے۔ سول کورٹ پہنچنے کی تیاری کر رہی ہو نا......؟"

" میں وہاں نہیں ....اس سے پہلے کہیں اور ملنا چاہتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سنجیدگی سے بولا۔" بات کیا ہے؟"

" لمبی بات ہے۔ فون پر نہیں کر سکتی۔"

" ٹھیک ہے۔ ہم کہیں باہر مل سکتے ہیں۔ مگر ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا' اس بار شادی سے کتراؤ گی تو عینی کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

" دھمکی نہ دو۔ میں آدھے گھنٹے بعد طارق روڈ کے مکڈونلڈ میں پہنچ رہی ہوں۔ فوراً چلے آؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ مطلوبہ ریسٹورنٹ جانے کی تیاری کرنے لگی۔ دوسری طرف پاشا الجھا ہوا تھا۔ یہ سوچنے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ عروج نے اسے ایسی ایمرجنسی میں کیوں بلایا ہے؟

وہ لباس تبدیل کر کے کمرے میں آیا تو بیڈ پر بیٹھے ہوئے اشعر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔" انکل! کہاں جا رہے ہو؟"

وہ اکثر کسی نہ کسی کام سے باہر جاتا تھا۔ ایسے وقت اشعر کو وہاں لاک کر کے جاتا تھا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے دودھ کے گلاس اور ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" یہ ناشتا رکھا ہوا ہے۔ کھا لینا۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔"

وہ رونے کے انداز میں بولا۔" میں بھی جاؤں گا۔"

وہ قریب بیٹھ کر اسے تھپکتے ہوئے بولا۔" میں ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ سوئی لگاتا ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو تمہیں بھی لگائے گا۔ کیا انجکشن لگواؤ گے؟"

وہ سہم کر بولا۔" نہیں! اس سے بہت درد ہوتا ہے۔"

" اسی لیے تمہیں ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں۔ واپسی پر تمہارے لیے بہت ساری چاکلیٹ اور کھلونے لاؤں گا۔ تم یہاں ویڈیو گیم کھیلتے رہنا۔ میں بس ابھی گیا اور ابھی آیا۔"

" تم سوئی لگوانے جا رہے ہو؟ بہت درد ہوگا۔"

وہ عروج کے بارے میں سوچ کر مسکراتے ہوئے بولا۔" ہاں۔ یہ تو ہے۔ مگر کیا کروں؟ بیمار ہوں جانا تو پڑے گا۔"

اشعر نے دودھ کے گلاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" یہ ٹھنڈا ہے۔ میں نہیں پیوں گا۔"

وہ الجھ کر بولا۔" جانتا ہوں میرے باپ! تم ٹھنڈا دودھ

نہیں پیتے۔ ابھی گرم کر کے لاتا ہوں۔"

وہ گلاس لے کر وہاں سے جانے لگا۔ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیر ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہی بچہ عروج کو میرے پاس لانے والا ہے۔"

اس مکان کا بیرونی دروازہ لکڑی کا تھا۔ وہ اس کے لاک کے بٹن کو اندر سے دبا کر دروازے کو بند کرتا ہوا باہر جاتا تھا تو دروازہ لاک ہو جاتا تھا۔ اس طرح اس کی واپسی تک اشعر وہاں محفوظ رہتا تھا۔

موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے نمبر پڑھتے ہوئے زیر لب کہا۔ "آ رہا ہوں بابا!"

پھر کال ریسیو کر کے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "بس ابھی نکل رہا ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔"

"میں یہاں پہنچ گئی ہوں۔"

"بس اشعر کو ناشتا دے کر آ رہا ہوں۔ او کے بائے.....!"

وہ دودھ گرم کر کے فوراً ہی اسے گلاس میں انڈیل کر کمرے میں آ گیا۔ اشعر سے بولا۔ "یہ لو لاٹ صاحب! کھاؤ۔ پیو۔ عیش کرو۔ اب میں چلا..."

وہ جلدی جلدی کنگھی کر کے دروازے کو بند کرتا ہوا مکان سے باہر چلا گیا۔ اشعر گرم دودھ میں ڈبل روٹی بھگو بھگو کر کھا رہا تھا۔ وہ جانے والا اس بچے کو اپنے طور پر محفوظ کر کے گیا تھا مگر مقدر کے کھیل کون جانے....؟

سچ کہا ہے کسی نے.... جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ وہ آناً فاناً نکلنے والا اپنے پیچھے راستے کھلے چھوڑ آیا تھا۔ تیزی سے جاتے وقت لاک کا بٹن دبانا بھول گیا تھا۔ انسان سے بھول چُوک ہو ہی جاتی ہے اور ایسی بھول چُوک ہی مقدر میں خرابی یا اچھائی پیدا کرتی ہے۔ میں تو خواہ مخواہ بدنام ہوں۔ جبکہ انسان اپنا مقدر آپ بناتا اور بگاڑتا ہے۔

اس نے اشعر کو اغوا کر کے اپنا مقدر بنانا چاہا تھا۔ لیکن دروازے کو مقفل نہ کر کے ناکامی کے راستے ہموار کر چکا تھا۔

میں اس گلی کے کونے پر اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے نمرہ اور جبران کا بنتا بگڑتا مقدر دیکھ رہا تھا۔ یہ پہلے سے جانتا تھا کہ جبران کے ساتھ یہی ہونے والا ہے۔ مگر اسے یا اس کی ماں کو جھوٹے دلاسے دے رہا تھا۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ ڈاکٹر اور رشتے دار بھی مرنے والے مریض کو دواؤں اور دعاؤں سے تسلیاں دیتے ہیں کہ وہ مسیحائی سے اور اپنے حوصلوں سے نئی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ میں نے بھی دستور کے مطابق یہی کیا تھا۔

وقت گہرے زخموں کو بھی بھر دیتا ہے۔ مسز رانا رو پیٹ کر صبر کرنے والی تھی۔ ماں' بیٹے کی زندگی میں اس کے لیے چاہے جتنی قربانیاں دیتی رہے' اس کے ساتھ کبھی مرتی نہیں۔ نمرہ نے اس دیوانے کے ساتھ ہمدردی اور محبت کی انتہا کر دی تھی۔ اسے بہت صدمہ پہنچ رہا تھا۔ اب اسے بھی گھر واپس آنا تھا اور وہ میرے پاس ایک ہی چھت کے نیچے آنے والی تھی۔

بہر حال اب عروج' عینی اور پاشا کا مسئلہ رہ گیا تھا۔ ان تینوں کو بھی ایک کنارے لگانا تھا۔ اس لیے میں پاشا کے اس مکان کے سامنے پہنچا ہوا تھا' جہاں اس نے اشعر کو چھپا رکھا تھا۔ میں اپنی کار میں بیٹھا ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ اس وقت پاشا مکان سے نکل کر اپنی ٹیکسی میں وہاں سے جا رہا تھا۔ جب وہ گلی سے گزرتا ہوا مین روڈ پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں اپنی کار سے اتر کر اس مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے ایک کمرے میں اشعر بیٹھا ہوا تھا۔ ناشتے میں مصروف تھا۔ میری طرف اس کی پشت تھی۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیکھ بھی لیتا تو پہچان نہ پاتا۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا۔ میں نے اندر آ کر دروازے کو بند کرتے ہوئے اسے پکارا۔ "اشعر...!"

وہ کھاتے کھاتے چونک گیا۔ پلٹ کر مجھے سوالیہ نظروں سے اور ذرا سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! میں تمہاری ممی کا ملازم ہوں۔ تمہارا ہی نام اشعر ہے نا....؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔ "ممی...؟"

"ہاں۔ کیا تمہیں اپنی ممی یاد نہیں آتیں؟"

وہ بڑی معصومیت سے بولا۔ "میری ممی تو مر گئی ہیں۔"

میں اپنی جیب سے عینی اور عروج کی مشترکہ تصویر نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "میں اس ممی کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ عینی کی تصویر دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ یہ میری نئی ممی ہیں۔ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ مجھے اور ماہم کو بہت پیار کرتی ہیں۔"

"میں تمہیں ان کے پاس لے جانے آیا ہوں۔ کیا میرے ساتھ چلو گے؟"

وہ جلدی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہاں"

پھر میں عروج کے چہرے پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ "انہیں جانتے ہو؟"

"ہاں۔ یہ ڈاکٹر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ فن فیئر گئے تھے۔"

"میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔ پھر یہ تمہاری ممی کے پاس تمہیں لے جائیں گی۔ ٹھیک ہے.....؟"

وہ قائل ہونے کے انداز میں اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹک کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

میں نے دودھ سے بھرے ہوئے گلاس اور ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے ناشتا ختم کرو۔ پھر چلیں گے۔"

میں ابھی اسے لے کر وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ عروج اور پاشا کے درمیان لمبی بحث ہو گی۔ نہ وہ جلدی واپس آنے والا تھا اور نہ عروج فی الحال اپنے کوارٹر جانے والی تھی۔ لہٰذا میں وہاں بیٹھ کر اسے کھلانے پلانے لگا۔

دوسری طرف عروج پاشا کے سامنے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا جھکا ہوا سر بتا رہا ہے' پھر کوئی نیا بہانہ تراشنے والی ہو۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ اشعر کو تم نے اپنے بس میں رکھ کر مجھے بے بس کر دیا ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟ یہاں کیوں بلایا ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کہنا نہیں چاہتی۔ سمجھانا چاہتی ہوں۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "مجھے شادی سے انکار نہیں ہے۔ لیکن شادی کے طریقے پر اعتراض ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"جب مجھے دلہن بننا ہی ہے تو چوروں کی طرح کیوں بنوں؟ میں اعلانیہ شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "یعنی ... یعنی تم عینی اور اس کے گھر والوں کی موجودگی میں نکاح پڑھوانا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ کیا تم اعتراض کرو گے؟"

"بالکل نہیں۔ تم ڈنکے کی چوٹ پر میری شریکِ حیات بننا چاہتی ہو۔ مجھے تمہارا یہ فیصلہ سن کر خوشی ہو رہی ہے۔"

"مگر یہ خوشی ابھی پوری نہیں ہو گی۔ عینی اور اس کے گھر والوں کو قائل کرنے میں تھوڑا سا وقت لگے گا۔ کیا مجھے مہلت دو گے؟"

"تم دل سے راضی ہو۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ جتنا وقت چاہو لے سکتی ہو لیکن ایک دو روز میں بات بن جائے۔ کیونکہ اشعر کی دیکھ بھال میرے لیے مسئلہ بن گئی ہے۔"

"میں تمہاری بات مان رہی ہوں۔ ایک اچھے ماحول میں شادی کی بات ہو رہی ہے۔ کیا تم میری ایک بات مانو گے؟"

وہ چہک کر بولا۔ "ہزار باتیں مانوں گا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ... اشعر کو پلیز عینی کے پاس پہنچا دو۔"

وہ ایکدم سے سنجیدہ ہو کر بولا۔ "وہ بہت اہم مہرہ ہے۔ تمہیں میری بات بری لگے گی مگر سچ یہی ہے کہ تم اس بچے اور عینی کی پرابلم کی وجہ سے مجبور ہو گئی ہو۔ تب ہی مجھ سے شادی کا فیصلہ کر رہی ہو۔ میں جیتی ہوئی بازی ہارنا نہیں چاہوں گا۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"سوری... عینی کے معاملے میں تم بہت خود غرض ہو۔ میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتا۔"

"خود غرضی تو تم دکھا رہے ہو۔ اُس معصوم کو اپنی غرض کے لیے استعمال کر رہے ہو۔"

"میں جو کر رہا ہوں۔ اپنے حساب سے ٹھیک کر رہا ہوں۔ تم اس بحث میں الجھنے کے بجائے جلد از جلد گھر میں شادی کی بات کرو۔ جتنی جلدی تم میری زندگی میں آؤ گی۔ اتنی ہی جلدی اشعر عینی کے پاس پہنچے گا۔"

عروج اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ عینی کی پریشانی دور کرنے کے لیے اسے جلد ہی کوئی راستہ نکالنا تھا اور وہ مہلت ملتے ہی ایسا راستہ نکالنے والی تھی' جس کی توقع پاشا کبھی کر نہیں سکتا تھا۔

وہ وہاں سے اپنے کوارٹر میں آ گئی۔ سر پر لٹکتی ہوئی کورٹ میرج کی تلوار عارضی طور پر ہی سہی مگر ہٹ گئی تھی۔

میں نے موبائل فون پر عروج کے نمبر پنچ کیے۔ پھر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! مقدر بھائی! کیسے یاد کیا؟"

"زندگی کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ کسی کو یاد کرنے کے لیے بھی کام کا بہانہ تلاش کیا جاتا ہے۔"

"کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ہاں۔ بہت ضروری کام ہے۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"اپنے کوارٹر میں ہوں۔ بائی داوے کام کیا ہے؟"

"لمبی باتیں ہیں۔ فون پر نہیں کر سکتا۔ کوارٹر میں ہی رہو۔ بس میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلے آئیں۔ میں انتظار کروں گی۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اشعر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر

اسپتال کی طرف جانے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ''انکل! ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''میں نے تمہیں ڈاکٹر آنٹی کی تصویر دکھائی تھی۔ ہم ان کے پاس جارہے ہیں۔ پھر وہ تمہاری نئی ممی کے پاس تمہیں لے جائیں گی۔''

وہ مطمئن ہوکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی ہم اسپتال پہنچ گئے۔ کار سے اتر کر میں عروج کے کوارٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ گلی کے کونے پر پہنچ کر میں نے اشعر سے کہا۔ ''یہاں سے چوتھا دروازہ ڈاکٹر عروج کا ہے۔ تم وہاں جاکر زور زور سے دستک دو گے۔ ان کا نام لو گے تو وہ دروازہ کھول دیں گی۔''

''آپ نہیں چلیں گے؟''

''نہیں۔ تم جاؤ۔ میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔''

وہ ننھے ننھے قدم اٹھاتا ہوا عروج کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ میں نے اشارے میں سمجھایا کہ وہی دروازہ ہے۔ وہ دستک دے سکتا ہے۔

وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے دروازے کو پیٹتے ہوئے کہنے لگا۔ ''عروج آنٹی...! عروج آنٹی.....!''

عروج اپنے کمرے میں تھی۔ اشعر کی آواز سنتے ہی چونک گئی۔ بے یقینی سے سننے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ آواز اشعر کی ہی تھی۔ اسے پہچانتے ہی وہ دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی۔ اسے کھول کر دیکھا تو نظروں کے سامنے اشعر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دور تک گلی میں نظریں دوڑانے لگی۔ یہاں سے وہاں تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پوری گلی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ فوراً ہی جھک کر اسے شانوں سے تھام کر بولی۔ ''تم...؟ تم یہاں کیسے آئے؟''

وہ سر گھما کر گلی کے کونے کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا کام پورا ہوگیا تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اپنا حلیہ بدل رہا تھا۔ میں نے ڈبل شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ اوپری شرٹ کو اتار کر نئی شرٹ میں آگیا تھا۔ اب وہ بچہ میرے حلیے سے اور لباس سے مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

اشعر اس گلی کے کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ داڑھی والے انکل وہاں تھے۔ وہ مجھے لائے ہیں۔''

وہ باہر آکر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کون داڑھی والے انکل.....؟''

اشعر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''یہاں تو کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔''

وہ بولا۔ ''وہ ابھی یہاں تھے۔ انہوں نے کہا ہے' آپ مجھے میری ممی کے پاس لے جائیں گی۔''

وہ گلی سے نکل کر دور تک نظریں دوڑانے لگی۔ ایسے ہی وقت میں اپنی کار سے اتر کر اس کی طرف آرہا تھا۔ اس کے ساتھ اشعر کو دیکھ کر حیرانی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ''ارے عروج.....! یہ تمہارے پاس ہے؟''

''ابھی ابھی کوئی اسے یہاں پہنچا کر گیا ہے۔ یہ بتارہا ہے وہ کوئی داڑھی والا تھا۔ مگر مجھے تو کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔''

عروج کو پاشا پر شبہ تھا۔ لیکن اس کی یہ بات بھی یاد آرہی تھی کہ وہ اس بچے کو بہت اہم مہرہ سمجھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے عروج جھکنے والی تھی۔ پاشا کبھی اشعر کو واپس کرنے کی نادانی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ' اس داڑھی والے انکل نے ہی تمہیں اپنے گھر میں بند کرکے رکھا ہوا تھا؟''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ وہ تو دوسرے انکل تھے۔''

میں نے کہا۔ ''تم آم کھاؤ' پیڑ نہ گنو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ یہ بیٹھے بیٹھے تمہیں مل گیا ہے۔''

میں نے اشعر کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے یہاں پہنچا کر غائب ہوجانے والا کوئی فرشتہ ہی ہوسکتا ہے۔''

میں اس کے ساتھ کوارٹر میں آگیا۔ دوسری طرف پاشا اپنے مکان میں پہنچا تو کھلے ہوئے دروازے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اندر آتے ہوئے بولا۔ ''اشعر.....! اشعر.....!''

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ کچن میں۔ باتھ روم۔ کمرے میں چارپائی کے نیچے بچہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ دیوانہ وار اسے تلاش کرتا ہوا مکان سے باہر آگیا۔ گلی میں ادھر سے ادھر دور تک اس کا کہیں نام ونشان نہیں مل رہا تھا۔

وہ پریشان ہوکر مکان کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ ''میں تو اسے لاک کرکے گیا تھا۔ پھر اشعر کیسے باہر نکل گیا؟ وہ کہاں جا سکتا ہے؟ او گاڈ! میں کیا کروں؟ اسے کہاں تلاش کروں؟''

وہ بوکھلایا ہوا سا کبھی گلی کے ایک کونے کی طرف آرہا تھا' کبھی دوسرے کونے پر جاکر اسے تلاش کررہا تھا۔ پڑوسیوں کے دروازے کھٹکھٹا کر پوچھ رہا تھا کہ انہوں نے کسی بچے کو دیکھا ہے؟

ہر طرف سے مایوسی ہورہی تھی۔ وہ سر پکڑ کر مکان کی دہلیز پر بیٹھ گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے ڈھونڈنے کے سلسلے میں کیا کرے کیا نہ کرے؟

اشعر عروج کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''عروج! اب تم بلیک میل نہیں ہو

ہیں۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''جی.....؟ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''تمہارے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں جانتا ہوں اشعر کو کس نے اغوا کیا تھا؟''

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''آ.....آپ یہ جانتے ہیں؟''

''جیسے تم جانتی ہو۔ تمہیں پاشا نے بتایا تھا اور مجھے ہاتھ کی لکیریں بتاتی ہیں۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز مقدر بھائی! اگر آپ حقیقت سے واقف ہیں تو خدا کے لیے اس راز کو اپنے سینے میں ہی دبا کر رکھیں۔ ورنہ پاشا بری طرح بدنام ہوجائے گا۔''

''میں اس کی بدنامی نہیں چاہتا۔ لیکن اب اس کی دیوانگی ختم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ اس بچے کو کمزوری بنا کر تمہیں مجبور کرنے والا تھا۔ لیکن اب خود کمزور ہوگیا ہے۔ تمہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''فی الحال تو اسے فون کرو اور دیکھو کہ وہ بچے کے معاملے میں کیا کہتا ہے؟''

وہ موبائل فون پر اس کے نمبر پنچ کرکے رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف پاشا کے موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ وہ سی ایل آئی پر عروج کے نمبر دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ پھر ذرا سنبھل کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''ہیلو.....!''

عروج نے کہا۔ ''میں چاہتی ہوں' اشعر کے معاملے میں تمہاری پریشانی جلد سے جلد ختم ہوجائے۔ تم نے ہی کہا ہے کہ شادی جتنی جلدی ہوگی' اشعر اتنی ہی جلدی عینی کے پاس پہنچ جائے گا؟''

''آں۔ ہاں۔''

''میں ابھی عینی سے اور اس کے گھر والوں سے بات کرنے جارہی ہوں۔ تم تیار رہو۔ ہوسکتا ہے آج شام ہی ہمارا نکاح پڑھا دیا جائے؟''

وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔ ''ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ اشعر میرے پاس محفوظ ہے۔ تم آرام سے سب کو راضی کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری شادی کے موقع پر کوئی ایک بھی ناراض رہے۔''

وہ حیرانی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھ سے زیادہ جلدی

تو تمہیں تھی۔ تم تو آج صبح مجھ سے کورٹ میرج کرنے والے تھے۔ اب کہہ رہے ہو کہ جلد بازی نہ دکھاؤں؟ یہ اچانک ہی تمہاری سوچ کیوں بدل گئی؟"

"میں جذبات میں اندھا ہو گیا تھا۔ مگر اب تمہارا یہ فیصلہ سن کر سمجھ میں آ رہا ہے کہ شادی میں تمام افراد کی رضا مندی اچھی بات ہوگی۔ جلد بازی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سہولت سے سب کو سمجھاؤ۔ میں بعد میں بات کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی جا رہی ہوں۔ کل تک ہماری شادی خانہ آبادی کے لیے انہیں راضی کر لوں گی۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "کل تک....؟"

پہلے تو اسے بڑی جلدی تھی۔ اب وہ بری طرح بوکھلا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' عروج نے نکاح سے پہلے اشعر کا مطالبہ کیا تو وہ کیا جواب دے گا؟

اس نے فی الوقت ٹالنے کے لیے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ کک...کل کے لیے گھر والوں کو راضی کرو۔ میں پھر تم سے رابطہ کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ عروج نے مسکرا کر مجھ سے کہا۔ "وہ بری طرح بدحواس ہو گیا ہے۔ اشعر کی گمشدگی کو مجھ سے چھپا رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم دونوں سہیلیوں کے نصیب اچھے ہیں۔ اب وہ تمہیں سوکنیں بننے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔ یہ بتاؤ' اس سلسلے میں کیا کرنے والی ہو؟"

"میری سوچ کا' میری محبتوں کا مرکز عینی ہے۔ میں سب سے پہلے اشعر کو اس کے پاس پہنچا کر بے انتہا خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔"

"سب ہی تم سے سوال کریں گے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آ گیا؟"

"ہاں۔ اس کا جواب مشکل ہوگا۔ پاشا نے مجھے حاصل کرنے کے لیے ایک بچے کو اغوا کرنے کا جرم کیا ہے۔ ذیشان بھائی تو کبھی اسے معاف نہیں کریں گے اور میں اسے کسی کے سامنے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔"

میں نے کہا۔ "پھر تو سیدھی سی بات ہے۔ ان سے بھی یہی کہو کہ اشعر کو کوئی تمہارے دروازے پر پہنچا گیا ہے۔"

"ہاں۔ یہی کہنا ہوگا۔ میں ابھی اسے لے کر جاتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ رہیں گے تو سب ہی میری بات کا یقین کریں گے۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

"ایک بات کہوں عروج....!"

"جی۔ کہیں..."

"اشعر کی واپسی کے بعد بھی پاشا تمہاری طلب سے باز نہیں آئے گا۔ وہ ساری عمر تمہارے پیچھے بھاگتا رہے گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا' میں کیا کروں؟ پلیز۔ آپ کوئی مشورہ دیں۔"

"تم جب تک کسی کے نام سے منسوب نہیں ہوگی' تب تک وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ تم صرف اس کے لیے شادی نہیں کر رہی ہو۔ اگر تم کسی کی منکوحہ بن جاؤ گی تو وہ یوں ڈنکے کی چوٹ پر تمہیں طلب نہیں کرے گا۔ تہذیب اور شرم و حیا آڑے آئے گی۔"

"لیکن آپ نے تو پیش گوئی کی تھی کہ ہم دونوں ہی سہیلیاں پاشا کی زندگی میں رہیں گی۔"

"بے شک۔ میں نے کہا تھا کہ تم بھی اس کی زندگی میں رہو گی۔ لیکن شریکِ زندگی نہیں کہا تھا۔"

عروج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "مقدر کی ہیرا پھیری عملی طور پر بھی ہوتی ہے اور لفاظی سے بھی...ایک لفظ کے ہیر پھیر سے پوری زندگی بدل کر رہ جاتی ہے۔"

"خدا جانتا ہے' میں پاشا سے دور ہونے کی تدبیریں سوچتی رہتی تھی' مگر یہ سوچ کر تھک جاتی تھی کہ آپ کی پیش گوئی کے مطابق مجھے اس کی شریکِ حیات بننا ہی ہے۔ لیکن اب ...آپ کی باتوں سے حوصلہ مل رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "حوصلہ کرو۔ اگرچہ پاشا تمہارا دیوانہ ہے۔ ضدی ہے۔ مگر ایک اچھا انسان ہے۔ وہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے عینی سے دور بھاگ رہا ہے لیکن اس سے نفرت نہیں کرتا ہے۔ جب تم حاصل نہیں ہو سکو گی تو وہ پلٹ کر اپنی ایک شریکِ حیات کے ساتھ زندگی گزارے گا۔"

"بے شک۔ مجھے یہی کرنا ہے اور میں یہ کروں گی۔"

وہ لباس بدلنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

پاشا کی پریشانی قابلِ دید تھی۔ ایک تو عروج اس کی مٹھی میں آتے آتے پھسل رہی تھی۔ پھر یہ کہ اشعر کے گم ہونے کے بعد وہ خود کو شدت سے ایک مجرم تسلیم کر رہا تھا۔ اگر وہ اپنے منصوبے کے مطابق اس بچے کو عروج کے ذریعے عینی تک پہنچا دیتا تو اس کے لیے یہ محض ایک حکمتِ عملی ہوتی اور عروج مل جاتی۔ لیکن نہ وہ ملی' نہ وصالِ صنم ہوا۔ نہ وہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا اور سچ مچ ایک مجرم بن گیا۔

عروج نے لباس تبدیل کرنے کے دوران اس سے رابطہ کیا۔ "ہیلو......! میں عینی اور ذیشان بھائی کے پاس جا رہی ہوں۔ ابھی میرے پاس مقدر بھائی موجود ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں' کل میرے مقدر میں دلہن بننا لکھا ہوا ہے۔ تمہارا نام [illegible]

...ت پاشا ہے۔ لیکن میرے ہونے والے دلہا کا نام نہ سین ...شروع ہوتا ہے' نہ پے سے....."

"میں نہیں مانتا۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی۔"

"کوئی اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ انہوں نے کہا ہے' ...ے لائف پارٹنر کا نام الف سے شروع ہوتا ہے اور کل میں ...کی منکوحہ بنوں گی۔"

"پلیز۔ عروج! یہ علمِ نجوم اور مقدر والی باتیں نہ کرو۔ میں ...وقت بہت پریشان ہوں۔"

"ہم سب نے اور ذیشان بھائی جیسے پریکٹیکل لائف ...زارنے والے پولیس افسر نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ مقدر ...ائی کی پیش گوئی کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ جب انہوں نے کہہ ...ہے کہ کل میں ہر حال میں کسی کی منکوحہ بنوں گی تو پھر یہ پیش ...وئی پتھر کی لکیر ہے۔ اب تم اشعر کے ذریعے بھی مجھے بلیک ...میل نہیں کر سکو گے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی۔ "کیا تمہیں اشعر کے سلسلے ...مقدر بھائی کی بات درست لگ رہی ہے؟"

وہ اور پریشان ہو گیا۔ بات بالکل درست تھی۔ اب وہ ...ے اشعر کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا تھا۔ میری پیش گوئی ...یلنج کر رہی تھی کہ کل سے عروج اس کے لیے پرائی ہو جائے ...گی۔

عروج کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "تم چپ کیوں ہو؟ کیا مقدر بھائی کی پیش گوئی سے قائل ہو رہے ہو؟ کچھ بھی ہو ...پاشا! تم مجھے حاصل کر سکو یا نہ کر سکو۔ مگر انسانیت کے ناتے ...اشعر کو عینی کے پاس پہنچا دو۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں ...گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ پاشا اپنے فون کو دیکھنے لگا۔ ان لمحات ...میں وہ فون اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد عینی کی عید ہو گئی۔ وہ اشعر کو دیکھتے ہی خوشی ...سے چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ اسما اور ذیشان نے خوش ہو کر ...عروج سے پوچھا۔ "یہ کہاں تھا؟"

عروج انہیں بتانے لگی کہ اشعر اس کے دروازے تک ...کیسے پہنچا؟ میں اس کے بیان کی تائید کرتا رہا۔ عینی نے بڑے ...جوش سے عروج کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "میری ماں اور ...کوئی سگی بہن بھی ہوتی تو وہ میرے لیے اتنا نہ کرتی جتنا تُو کرتی ...آ رہی ہے۔ تُو نے میرے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور ...آج اس بچے کو یہاں پہنچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے' میں اس کا ...صلہ کبھی نہیں دے سکوں گی۔"

عروج نے کہا۔ "غیروں کی طرح باتیں نہ کر۔ ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔"

عینی نے الگ ہو کر کہا۔ "میں ابھی پاشا کو خوشخبری سناتی ہوں۔ وہ مجھ سے دور ہو گئے ہیں مگر میری خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔"

وہ موبائل پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ میں نے اور عروج نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اچھا خاصا ڈراما پلے ہو رہا تھا۔ ایک بچہ ادھر سے ادھر ہو گیا تھا تو حالات کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔

عینی نے فون پر کہا۔ "ہیلو پاشا! میں عینی بول رہی ہوں۔"

پاشا کی سمجھ میں آیا کہ عروج وہاں پہنچ گئی ہے اور شادی کے سلسلے میں باتیں کر رہی ہے۔ لیکن عینی نے اپنے طور پر خوشخبری سنائی کہ اشعر اسے واپس مل گیا ہے۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔ "وہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا؟"

"میرے پاس نہیں۔ عروج کے پاس پہنچا تھا۔ عروج اور مقدر بھائی اسے یہاں لائے ہیں۔"

اسے پھر ایک ذہنی جھٹکا پہنچا۔ وہ جس عروج کو بلیک میل کرتا رہا تھا۔ وہی اشعر کو عینی کے پاس لے گئی تھی اور یہ بات اب تک اس سے چھپائی رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "عینی! عروج کو فون دو۔ میں اشعر کے سلسلے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

عینی نے فون عروج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے ان سب سے دور جاتے ہوئے بولی۔ "ہاں۔ میں بول رہی ہوں۔"

"اشعر تمہارے پاس کیسے پہنچا؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ جیسے تمہارے پاس پہنچا تھا' ویسے ہی میرے پاس پہنچ گیا۔ مقدر کے تماشے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ویسے میں نے کسی سے یہ نہیں کہا ہے کہ اسے تم نے اغوا کیا تھا۔"

"نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ایک تو وہ بچہ مجھے وہاں دیکھتے ہی پہچان لے گا۔ پھر یہ کہ احساسِ جرم اتنا شدید ہے کہ میں اپنے کیے پر پچھتا رہا ہوں۔"

تم نہ پچھتاؤ۔ غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ میرا ایک مشورہ مانو گے؟"

"ہاں بولو....."

"ابھی فون پر ذیشان بھائی سے بات کرو۔ انہیں بتاؤ کہ

تم نے بچے کو کیوں اغوا کیا تھا؟ ابھی تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے تو تم اسے میرے کوارٹر کے دروازے پر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ تاکہ میرے ذریعے وہ بچہ یہاں پہنچ جائے۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''پاشا! خدا کے لیے اپنی غلطی کی تلافی کرو۔ عینی کی قدر کرو۔ وہ دل کی گہرائیوں سے محبت کرنے والی شریک حیات ہے۔ تمہیں یہاں آنا ہے۔ اپنی عینی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ حالات سے سمجھوتا کرو۔ اسی طرح ایک بہت بڑی غلطی کی تلافی ہو سکے گی۔''

''عروج...! تم جو کہو گی۔ وہ کروں گا۔ لیکن تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔''

''رہنا ہوگا۔ مقدر بھائی کی پیش گوئی اٹل ہے۔ میں خود نہیں جانتی' کل کیا ہونے والا ہے؟ اتنا جانتی ہوں' جو بھی ہونا ہے' وہ یہیں عینی کے گھر میں ہوگا۔ پلیز۔ عینی کے پاس آجاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ذیشان بھائی سے بات کرتا ہوں۔''

اس نے عروج سے رابطہ ختم کر کے ذیشان کو فون پر مخاطب کیا۔ ''ہیلو بھائی جان! میں پاشا بول رہا ہوں۔ میں عینی کا اور قانون کے حوالے سے آپ کا مجرم ہوں۔ اشعر کو میں نے ہی اغوا کیا تھا۔''

ذیشان نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''جیسا کہ سب ہی جانتے ہیں' میں عروج سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ راضی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اسے طرح طرح سے منانے کی کوشش کی۔ آخر اسے بلیک میل کرنے کے لیے میں نے اشعر کو عینی سے چھین لیا۔ اس کی تکلیف عروج سے برداشت نہیں ہوتی۔ میں اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ بچے کی واپسی چاہتی ہے تو مجھ سے کورٹ میرج کرے۔ لیکن میں اسے اپنے سامنے نہ جھکا سکا۔ میرے ضمیر نے کہا کہ میں نے اغوا کا بہت بڑا جرم کیا ہے۔ لہٰذا میں نے چپ چاپ اشعر کو عروج کے کوارٹر تک پہنچا دیا۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ آپ کے پاس آرہا ہوں۔ آپ معاف کریں یا سزا دیں۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ابھی چلے آؤ....''

ذیشان نے فون بند کرتے ہوئے عینی کو بتایا کہ پاشا نے اغوا کا جرم کیا تھا۔ اب وہ شرمندہ ہے اور سزا پانے کے لیے یہاں آرہا ہے۔

عینی نے تمام باتیں سننے کے بعد ذیشان کے پاس آکر اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ ''بھائی جان! وہ بہت اچھے ہیں۔ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہیں۔ ابھی آرہے ہیں۔ آپ کو میری قسم ہے۔ انہیں اور شرمندہ نہیں کریں گے۔ پولیس افسر بن کر سزا نہیں دیں گے۔''

ذیشان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جو کہو گی' وہی ہوگا۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا کہتے ہیں مگر معاف کر دیتے ہیں۔''

☆☆☆

صبح کا بھولا لوٹ آیا تھا۔ سب نے اسے خوش آمدید کہا۔ ذیشان نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''تم نے عینی کو بڑے دکھ دیے ہیں۔ اس کے باوجود میں اس کے کہنے پر تمہیں معاف کر رہا ہوں۔ آئندہ تم اسے چھوڑ کر' اس کا دل توڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔''

پاشا نے وعدہ کیا کہ وہ ایک ذمہ دار شوہر کی حیثیت سے عینی کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ لیکن دل اسی محبوبہ کے لیے مچل رہا تھا۔ وہ پچھلی رات ہی کہیں چلی گئی تھی۔ عینی اور ذیشان وغیرہ سے کہہ گئی تھی کہ شام کو ان سب سے ملنے آئے گی۔

پاشا نے بڑی راز داری سے فون پر رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا کہ اس نے فون کو مستقل بند رکھا ہے۔ وہ اسپتال میں ڈیوٹی پر بھی نہیں تھی۔ عینی اور ذیشان وغیرہ نے معلوم کیا۔ اس کے کوارٹر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔

اس نے دوسری صبح عینی سے کہا۔ ''میری جان! تمہاری سہیلی زندہ ہے۔ پریشان نہ ہونا۔ میں شام کو آرہی ہوں۔''

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ عینی ہیلو ہیلو کہتی رہ گئی۔ عروج نے پاشا کو بھی فون پر مخاطب کیا۔ ''ہیلو پاشا...! کسے ڈھونڈ رہے ہو؟ بس اب یہ سلسلہ ختم کرو۔ مقدر بھائی کی پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ تم دیکھو گے کہ یہ کیسے سچ ثابت ہوتی ہے؟ میں شام پانچ بجے آرہی ہوں۔''

بس اتنی سی بات کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ وہ بھی ہیلو کہتا رہ گیا۔ اس نے گم ہو کر سب سے رابطہ توڑ کر سب کے دلوں میں تجسس پیدا کر دیا تھا کہ آخر وہ کہاں کہاں کرتی پھر رہی ہے؟

وہ شام کو آنے والی تھی۔ سب ہی کو وہ دن پہاڑ جیسا لگ رہا تھا۔ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ یہ بات پاشا کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ وہ کسی کی منکوحہ بننے والی ہے اور مقدر بھائی کی پیش گوئی درست ہونے والی ہے۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے .... ٹھیک شام کے پانچ بجے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور وہ ایک اجنبی کے ساتھ آئی۔ سب ہی اس کے انتظار میں وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ پاشا سب سے زیادہ بے چین تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف

...رادہ تھا لیکن اس اجنبی کو اس کے ساتھ دیکھ کر اسے اندر سے ... میری آواز سنائی دی۔ ''میری پیش گوئی کبھی غلط نہیں ...''

عینی فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر عروج کی طرف بڑھتے ...ئے بولی۔ ''کہاں گم ہو گئی تھی؟ کل سے ہمارے لیے... ...اری ہوئی ہے۔''

عروج نے کہا۔ ''تمام اسراریت ختم کرتی ہوں۔ ان ...ملو۔''

وہ اس اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ ...ان علی ہیں۔ میرے مجازی خدا......''

یہ سنتے ہی جیسے دھماکا سا ہوا۔ سب ہی نے چونک کر اس ...کو دیکھا۔ وہ کوئی گیا گزرا نہیں تھا۔ عروج کی پسند ایسی ویسی ...ہو سکتی تھی۔ چونکہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ اس لیے سب ...اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پاشا تو جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ عروج کیا کہہ رہی ...؟ اپنے مجازی خدا کے بارے میں کیا بتا رہی تھی؟ شادی ...تک کیسے ہو گئی تھی؟ یہ سب کچھ پاشا کو سنائی نہیں دے رہا ...۔ وہ تمام افراد کے سامنے اور خاص طور پر ذیشان کی موجودگی ...عروج سے کوئی شکایت نہیں کر سکتا تھا۔

پھر یہ کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے سامنے ...ہی کہہ سکتا تھا۔ ''تم میری محبوبہ تھیں۔ تم نے بے وفائی کی ...''

وہ ایک شوہر کے سامنے اس کی توہین نہیں کر سکتا تھا۔ ...اتی تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ زبان بند رکھتا۔ عینی تو جیسے خوشی ...جھوم رہی تھی۔ بڑی محبت سے شکایتیں کر رہی تھی کہ کورٹ ...ج کے وقت اس نے اپنی عزیز ترین سہیلی کو کیوں نہیں بلایا؟

سب ہی دلہا دلہن کو مبارکباد دے رہے تھے۔ ذیشان نے ...ان علی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ دونوں نے ...ک شادی کر کے ہمیں چونکا دیا ہے۔ آئیں ہمارے ساتھ ...یں۔ ہم آپ کا منہ میٹھا کریں گے۔''

اسما نے کہا۔ ''صرف منہ میٹھا نہیں کرایا جائے گا۔ اس ...میں چھوٹی سی تقریب ہونی چاہیے۔ کیوں عینی...!''

وہ چہک کر بولی۔ ''بالکل... میں اپنی عروج کو دستور کے ...ابق دلہن بناؤں گی۔''

وہ سب ہی چہک رہے تھے۔ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ...ا گم سم بیٹھا ہوا تھا۔ عروج کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی ...۔ ذیشان سے بولی۔ ''تقریب ضرور ہوگی۔ فی الحال انہیں ...ری کام سے جانا ہے۔ میں آپ لوگوں سے ملوانے آئی تھی۔ ہم پرسوں کی فلائٹ سے لندن جا رہے ہیں۔ بس کل کا ایک دن اپنی عینی کے ساتھ گزاروں گی۔ ابھی ہمیں اجازت دیں۔''

اسما نے کہا۔ ''یہ کیا عروج...! اچانک اتنی بڑی خوشخبری سنانے آئیں اور ہماری خوشیاں ادھوری چھوڑ کر میاں کے ساتھ بھاگ رہی ہو؟ شادی کے پہلے ہی دن یہ حال ہے۔ جانے زندگی بھر کیا ہوگا؟''

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ عروج عینی کے گلے لگتے ہوئے بولی۔ ''چلتی ہوں۔ کل آؤں گی۔''

وہ عینی کے گلے لگ رہی تھی اور دل پاشا کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اس کے لیے اندر سے دکھی ہو رہی تھی۔ پھر اسما سے بھی گلے مل کر احسان علی کے ساتھ جانے لگی۔

پاشا کا سر جھکا ہوا تھا۔ سب اسے دیکھ رہے تھے اور اس کی دلی کیفیات کو سمجھ رہے تھے۔

میں مقدر ہوں۔ ہر انسان کی زندگی کے پہلے لمحے سے لے کر آخری لمحے تک اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ اس کی زندگی کی کہانی کے تانے بانے بنتا رہتا ہوں۔ اسے مختلف نشیب و فراز سے گزارتا رہتا ہوں۔

میں اسما کو بانجھ بنا کر اسے مشکلات میں ڈالتا رہا۔ آخر اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اپنے شوہر ذیشان کی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے اولاد ضروری ہے اور آئندہ کسی سوکن سے ہی اولاد ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ گل خانم کو اپنی سوکن تسلیم کر چکی ہے۔ اس کی زندگی کا باب اس حد تک مکمل ہو چکا ہے۔

دردانہ اور شہباز درّانی کا باب یوں ختم ہو چکا ہے کہ وہ یہودیوں کی ایک تنظیم پی۔ ٹو کی گود میں بیٹھ کر اس ملک سے باہر جا چکے ہیں۔

نمرہ پہلے مجھ سے متاثر ہوئی تھی لیکن انسانی ہمدردی کے تحت جبران کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ میرے پیار کے کھونٹے سے بندھی ہوئی گائے ہے۔ رسّے کی لمبائی تک جائے گی پھر میری طرف پلٹ آئے گی.... اس رسّے کی لمبائی ختم ہو چکی تھی۔ یہ طے ہے کہ وہ میری اور صرف میری ہے۔

ایک ذہین اور خوبصورت کزن آسرا کا ذکر ہوا۔ وہ ساتھ چلتے چلتے حالات کی دھند میں گم ہو چکی ہے۔ میں دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان رہتا ہوں۔ وہ گم ہو جانے والی انسانوں کے میلے میں پھر کہیں ملے گی۔

میں نے عروج اور عینی کے سامنے یہ پیش گوئی کی تھی کہ وہ دونوں ہی پاشا کی زندگی میں رہیں گی۔ لیکن یہ وضاحت نہیں

کی تھی کہ کس کا ساتھ کتنے عرصے تک رہے گا؟

اور اب مقدر کا لکھا سامنے آچکا تھا۔عروج نے شادی کر کے اپنے اور پاشا کے درمیان جدائی کی اخلاقی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

وہ عینی اور پاشا سے رخصت ہو کر کوٹھی سے باہر آ گئی۔ احسان علی کے ساتھ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگی۔ وہ ہنگامی حالات میں شوہر بننے والا احسان علی اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا' جیسے ایک بہت عظیم ہستی کو دیکھ رہا ہو۔ وہ بولا۔''تم نے اپنے گھر والوں کو میرے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ لیکن سب کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔''

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے باہر آ گئی۔

تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی ۔ پھر وہ بولا۔''تم نے کل شام اچانک ہی مجھ سے شادی کی درخواست کی اور اب دیکھتے ہی دیکھتے ہم ازدواجی رشتے میں منسلک ہو گئے۔ یہ عجلت.... یہ جلد بازی میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔''اور سمجھ کر بھی کیا کروں گا؟ میں تو چند مہینوں کا مہمان ہوں۔''

اسٹیئرنگ پر عروج کی گرفت مضبوط ہو گئی۔کار کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔''یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے بلڈ کینسر ہے۔تم نے مجھ سے شادی کی ہے۔''

عروج نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ وہ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بولا۔''سوری.... میں نے وعدہ کیا تھا' تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ ہاں۔ نہیں کروں گا۔تم ایک مرنے والے کو شادی کے نام پر زندگی کی آخری خوبصورتی دکھا رہی ہو۔تمہارا شکریہ.....''

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ وہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔آج نہیں تو کل اسے ہمیشہ کے لیے خاموش ہونا تھا۔

مقدر کے تماشے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ عروج کے پاس بیٹھا ہوا دولہا ایسا لگ رہا تھا' جیسے اس کے ساتھ ہڈیوں کا ڈھانچا بیٹھا ہوا ہو۔

عروج ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ایک طرف زندگی سے ٹوٹنے والا بیٹھا ہوا تھا۔دوسری طرف پاشا کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کا دل کہہ رہا تھا۔''میں تیرے سنگ کیسے چلوں ساجناں...تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا....''